الف لیلیٰ ڈائجسٹ کا دلچسپ سلسلہ
ہمزاد
کی سرگزشت

فہرست کتب 2011 2012

کتابیات پبلی کیشنز
مکتبہ نفسیات

تصوّف

کتاب	مصنف / تفصیل	قیمت
سفیرانِ حرم	(خان آصف) (چاروں ایمائے کرام کے حالاتِ زندگی)	250/-
صاحبِ کرامات (4حصے مکمل)	(سندھ کے مشہور بزرگ کی ذات سے وابستہ واقعات مع مجرب وظائف و تعویزات)	250/- فی حصہ
سوانح انبیاء	(ضیاء تسنیم بلگرامی) 2حصے	250/- فی حصہ
روشنی کے مینار	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	250/-
عظمت کے مینار	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	250/-
پراسرار بندے	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	250/-
نبوت کے جھوٹے دعوے دار	(2حصے جاری ہے) (ضیاء تسنیم بلگرامی)	250/- فی حصہ
احوالِ اولیا	(ڈاکٹر ساجد امجد) (اولیاء کرام کی سوانح حیات)	350/-
خاصان خدا	(ڈاکٹر ساجد امجد) (اولیاء کرام کی سوانح حیات)	250/-
سفرِ آخرت	(محمد فاروق قادری)	250/-
حکایات اولیاء ① ②	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	[illegible]0/- فی حصہ

افسانے/ناول

کتاب	مصنف / تفصیل	قیمت
ایمان کا سفر	(محی الدین نواب کی کہانیوں کا مجموعہ)	250/-
کچرا گھر	(محی الدین نواب کی کہانیوں کا مجموعہ)	200/-
آدھا چہرہ	(محی الدین نواب کا طویل معاشرتی ناول)	300/-
بہتے پانی پہ مکاں	(ناہید سلطانہ اختر کا رومانی ناول)	250/-
دکھ کا دریا سکھ کا ساگر	(آسیہ مرزا کا رومانوی ناول)	800/-
دھوپ بارش اور سائے	(نگہت سیما)	1000/-
سیپ، صدف اور ساحل	(رخ چوھدری کا مکمل ناول)	450/-
خلش	(ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی)	450/-
بہتی چاندنی کا سکوت	(ناہید چوھدری کا خوب صورت ناول)	450/-
مہمان	(ماہ مبین)	300/-
منزل کہاں ہے	(ماہ مبین)	300/-
قیدی سانس لیتا ہے	(زاھدہ حنا کے انقلابی افسانے)	100/-
بجلی گری نشیمن پر	(نورحسین شاہ کا مکمل معاشرتی ناول)	150/-
صحرا میں کنول	(نورحسین شاہ کا مکمل ناول رنگین تصاویر کے ساتھ)	150/-
گھن لگا چاند	(نورحسین شاہ کا مکمل ناول)	150/-
آدم زادی	(مظلوم عورتوں کی سچی کہانیاں)	100/-
انجم تاباں	(فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والوں کا مختصر تعارف)	200/-
سفید ڈاکو	(محسن رضا کا طبع زاد ناول)	200/-
مارکو پولو	(محسن رضا کے قلم سے)	150/-
تم میرے سنگ ھو	(رضوانہ پرنس کے خوب صورت افسانے)	130/-
سدا میرے ھی رھنا	(رضوانہ پرنس کے خوب صورت افسانے)	130/-
یہ کیسا جیون	(شمیم نازصدیقی کے خوب صورت افسانے)	125/-
دس خوفناک کہانیاں	(ابنِ حق کے قلم سے)	200/-

سسپنس ڈائجسٹ کے سلسلے

کتاب	تفصیل	قیمت
دیوتا	50حصے (جاری ہے)	75/- فی حصہ
طالوت	3حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
موت کے سوداگر	18حصے (جاری ہے)	75/- فی حصہ
فرعون	2حصے (مکمل)	75/- فی حصہ

جاسوسی ڈائجسٹ کے سلسلے

کتاب	تفصیل	قیمت
گمراہ	8حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
مفرور	6حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
صدیوں کا بیٹا	5حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
شکاری	20حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
مجاھد	11حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
آتش فشاں	13حصے (مکمل)	75/- فی حصہ

سب رنگ ڈائجسٹ کے سلسلے

کتاب	تفصیل	قیمت
بازی گر	7حصے (جاری ہے)	75/- فی حصہ
انکا	2حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
اقابلا	2حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
سونا گھاٹ کا پجاری	(مکمل)	60/- فی حصہ
غلام روحیں	(مکمل)	60/- فی حصہ

دیگر ڈائجسٹوں کے سلسلے

کتاب	مصنف / تفصیل	قیمت
چھلاوا	صبیحہ بانو (مکمل)	500/-
جال	صبیحہ بانو (مکمل)	75/-
ھمزاد	شمیم نوید (مکمل)	75/-
شاطر ① ②	سسپنس میگزین کا سلسلہ (مکمل)	75/- فی حصہ
نک ویلوٹ کی چوریاں	2حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
انعام یافتہ کہانیاں	ڈائجسٹوں کی بہترین کہانیاں	50/-
چارلس سوبھراج کی سرگزشت		60/-
کالی کہانیاں	اے ایس صدیقی	40/-
بہترین کہانیاں	اے ایس صدیقی	75/-
شیطان صفت	مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ (زن، زر، زمین کے مقدمات کی سچی کہانیاں)	75/-
سبز قدم	مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ (زن، زر، زمین کے مقدمات کی سچی کہانیاں)	75/-
اسیر ھوس	(ملک صفدر حیات ریٹائرڈ ڈی ایس پی کی ڈائری سے جرائم کے سچے واقعات)	75/-
دست انتقام	(ملک صفدر حیات ریٹائرڈ ڈی ایس پی کی ڈائری سے جرائم کے سچے واقعات)	75/-
ماورائی لوگ	(روحانی صلاحیتوں کے حامل لوگوں کے سچے واقعات)	85/-
کشتہ سیاست	(ایک کنوارے سیاست داں کی سرگزشت)	85/-

کتابیات پبلیکیشنز ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ ــــ کراچی

عمر دراز

میں ایک ایک دن گن رہا ہوں۔ اب میرے مرنے میں صرف آٹھ دن باقی ہیں۔ مجھے اس پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت دن ہے۔ تمہیں میری سرگزشت کی صداقت پر یقین نہیں آئے گا اور تم ہی کیا کوئی بھی اس پر اس وقت تک یقین نہیں کرے گا جب تک میں مر نہ جاؤں۔ اس لئے کہ میری موت ہی اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ آج سے ٹھیک آٹھ دن بعد میں مر جاؤں گا۔

اپنے مرنے سے پہلے میری آخری خواہش یہ تھی کہ میں اپنی روح کا بوجھ اتار دوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری موت پر کسی کو دکھ نہیں ہوگا۔ کسی آنکھ سے آنسو نہیں ٹپکے گا۔ کوئی میرے لئے نہیں روئے گا۔ یہاں تک کہ جو میری سرگزشت سنے گا وہ بھی مجھ سے نفرت کرنے کے سوا کچھ نہ کر سکے گا۔ لیکن یہ نفرتیں میرا مقدر ہیں۔ مجھے یہ نفرتیں بھی عزیز ہیں۔ اگر کوئی مجھ سے محبت کرنے والا نہیں ہوگا تو نفرت کرنے والا تو ہوگا ہی۔ میں اس عذاب میں نہیں مرنا چاہتا کہ مجھ سے نفرت بھی نہیں کی گئی۔ سو میں تمہیں بھی اپنی سرگزشت اس لئے نہیں سنا رہا ہوں کہ تم مجھ سے ہمدردی کرو، مجھ پر رحم کھاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تم چاہو بھی تو ایسا نہیں کر سکتے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں گا اگر تم مجھے اس آخری وقت میں کچھ نفرت ہی دے سکو۔

میں تمہیں پہلے یہ بتا دوں کہ میرے بھیانک اور جھریوں پڑے چہرے اور بقیہ جسم میں تضاد کیوں ہے؟..... یہ دراصل عمروں کا فرق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے چہرے کی عمر اس وقت تقریباً ۱۳۰ سال ہے جبکہ میرے بقیہ جسم کی عمر صرف ۲۵ سال ہے۔ میرے سارے وجود میں صرف چہرہ میرا اپنا ہے۔ بقیہ جسم آج سے تقریباً دس سال پہلے میں نے "حاصل" کیا تھا۔ اس وقت میں اس بات سے بے خبر تھا کہ یہ جسم چند سال بعد ہی کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔ میں اس جسم کی جگہ کوئی اور صحت مند جسم حاصل کر سکتا تھا اور اب بھی کر سکتا ہوں مگر اس دس سال کے عرصے میں مجھے اس جسم سے محبت سی ہو گئی ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ میری عمر اب ختم ہونے والی ہے اگر میں اپنا بقیہ جسم بدل بھی لوں تو کیا حاصل؟ لیکن یہ سب جاننے کے لئے تمہیں میرے ماضی میں سفر کرنا پڑے گا۔ میرا ماضی جو کوئی نہیں جانتا لوگ صرف اتنا جانتے ہیں کہ میرا نام شیخ کرامت ہے اور میں چاٹگام کا ایک رئیس ترین شخص ہوں اور سوئے اتفاق میرے معدے میں کینسر ہو گیا ہے۔ جس کا علاج ڈاکٹر انوار الحق کر رہے ہیں۔ میرے ماضی سے سب لاعلم ہیں۔ انہیں علم ہے تو یہ کہ میں اب سے پانچ سال پہلے ڈھاکہ سے یہاں منتقل ہو گیا ہوں اور میرا تعلق ہندوستان کے کسی شہر سے ہے۔ اس پانچ سال کے عرصے میں میرے بارے میں لاتعداد افواہیں بھی مشہور ہو گئی ہیں جن کی تردید یا تائید کرنا میں نے کبھی ضروری نہیں سمجھا۔ میں تمہیں اپنی سرگزشت شروع سے سناؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ اپنی زندگی کے بقیہ آٹھ دن میں میں تمہیں اپنی سرگزشت سنا دوں گا۔ تو سنو!.....

میں نے جب ہوش سنبھالا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں والدین کے مہربان سائے سے محروم ہو چکا ہوں اور میرے قریبی رشتے داروں میں صرف میرے نانا اور نانی زندہ ہیں جو میری پرورش کر رہے ہیں۔ یوپی کا شہر بدایوں جہاں میں پیدا ہوا۔ علم و فضل' دینی تعلیم اور اولیاء اللہ کے لئے مشہور تھا۔ میں نے بھی اسی ماحول میں آنکھ کھولی۔ مجھے بچپن ہی سے دینی تعلیم دی گئی۔ بچپن ہی سے میں نماز روزے کا سخت پابند تھا۔ میں نے عربی' فارسی میں خاصا کمال حاصل کرلیا۔ میرے نانا کا تعلق درس و تدریس سے تھا۔ انہوں نے مجھے بھی اسی پیشے کے لئے تیار کیا۔ وہ مجھے اپنی زندگی ہی میں اس قابل بنا گئے کہ میں عربی اور فارسی کا درس دینے لگا تھا۔ جب میری عمر بیس سال کے قریب ہوئی تو میرے بوڑھے نانا اور نانی بھی میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ میں اب تنہا اس بڑی حویلی میں رہتا تھا جس میں نانا اور نانی کے ساتھ رہنے کے باوجود مجھے خوف آتا تھا۔ وہ حویلی بہت بڑی تھی جس کا ایک بڑا حصہ وقت کے سرد و گرم جھیل کر منہدم ہو چکا تھا۔ بقیہ حصے میں میری رہائش تھی۔ میں نے کبھی اس بقیہ شکستہ حصے میں جانے کی ہمت نہیں کی۔ اس حصے سے مجھے ایک عجیب سا خوف محسوس ہوتا تھا۔

نانا کے انتقال کے بعد میری گزر بسر کا دارومدار صرف درس و تدریس پر تھا لیکن یہ آمدنی انتہائی قلیل تھی۔ جس میں بمشکل میری گزر بسر ہوتی تھی بلکہ اکثر مجھے بھوکا ہی سونا پڑتا تھا۔ محلے پڑوس کے کچھ بچے مجھ سے پڑھنے آجاتے تھے جن کے والدین نقدی کی صورت میں کبھی کبھار کچھ دے دیتے تھے۔ ہاں یہ تھا کہ محلے کے مختلف گھروں سے میرے لئے کھانا ضرور آجاتا تھا اور تہوار پڑنے پر کوئی نہ کوئی میرے لئے ایک آدھ جوڑا سستے کپڑے کا بنوا دیتا تھا۔

میں جوان تھا۔ میری رگوں میں تازہ خون گردش کر رہا تھا۔ مجھ میں امنگیں تھیں' آرزوئیں تھیں۔ میرے بھی دل میں خواہش تھی کہ میرا بھی اپنا گھر ہو' بیوی ہو' بچے ہوں' معقول آمدنی ہو...... مگر میرے یہ خیالات خواب' صرف خواب تھے۔ اور مجھے کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی تھی کہ میں کبھی اس حقیر زندگی سے نجات پا سکوں۔ میں اندر ہی اندر اپنی موجودہ زندگی سے نفرت کرتا تھا۔ مجھے خود سے حقارت محسوس ہوتی تھی۔ میں ایک نوجوان تھا اور ایسی ذلت کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ میری گزر بسر دوسروں کے رحم و کرم پر تھی۔ میں دن رات اسی احساس کی گرفت میں قید ہوتا چلا گیا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟...... کیا یہ سب کچھ بدل نہیں سکتا؟...... میرے ہم عمر دوسرے نوجوان بھی تو ہیں جو قابل عزت اور قابل رشک زندگی گزار رہے ہیں۔ میرے بچپن کے بہت سے دوست اسی شہر میں تھے جن میں سے اکثر نے اب مجھ سے ملنا ترک کر دیا تھا اور بہت کم ایسے رہ گئے تھے جو اب بھی مجھ سے ملنے میں اپنی ہتک محسوس نہیں کرتے تھے مگر وہ بھی مجھ سے اب اس طرح گفتگو کرتے تھے جیسے میں ان کے مقابل میں بہت کم رتبہ اور گھٹیا۔ آدمی ہوں یا میری آدمیت نامکمل ہے۔ مجھے یہ گھن اندر ہی اندر...... کھاتا رہا۔

ایک شام میں عصر کی نماز پڑھ کر بیزار سا بیٹھا تھا کہ میری نظر سامنے کتابوں کے ایک ڈھیر پر پڑی۔ میں نے وقت گزاری کے لئے ان میں سے ایک مجلد کتاب کھینچ لی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی ان کتابوں پر توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن جب میں نے اس کتاب کی جلد جو بہت بوسیدہ ہو چکی تھی کھول کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب نہیں ایک قلمی نسخہ تھا۔ میں نے اپنے دادا کا نام نانا کی زبانی سنا تھا۔ اس قلمی نسخے پر ان کا نام پڑھ کر مجھ میں تجسس پیدا ہوا میں نے پڑھنا شروع کیا۔ وہ نسخہ فارسی زبان میں تھا جس سے میں بخوبی واقف تھا۔ تحریر کچھ یوں تھی۔

"ہر ذی روح کے دو جسم ہوتے ہیں۔ ایک مرئی دوسرا غیر مرئی۔ ایک کثیف اور دوسرا لطیف۔ ایک مادی دوسرا روحانی۔ مادی جسم وہ ہے جسے ہم ظاہری آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ مگر روحانی جسم (اگر ہم اسے جسم کہہ سکیں) کو روحانی یا اندرونی آنکھوں کے سوا نہیں دیکھا جا سکتا۔ اگرچہ روحانی جسم کی پیدائش مادی جسم کے ساتھ ہی ہوتی ہے مگر مادی جسم کے فنا ہو جانے کے بعد بھی روحانی جسم زندہ رہتا ہے۔ تصویر لینے والے کیمرے کا شیشہ اگر اتنا لطیف ہو کہ مادی اور روحانی ہر دو اجسام کی تصویریں ایک ساتھ لے سکے تو مشاہدہ کرنے والا چاہے لاکھ باریک بین ہو یہ نہ بتا سکے گا کہ جسم لطیف کی کون سی تصویر ہے اور جسم کثیف کی کون سی۔ اسے یہی معلوم ہوگا کہ ایک شخص کی دو تصویریں ایک ہی وقت میں لی گئی ہیں۔ المختصر جو اپنا ہم شکل ہوگا وہی ہمزاد ہے یا یوں سمجھ لو کہ جسم لطیف کا دوسرا نام ہمزاد ہے۔"

میں بڑے شوق و جستجو کے ساتھ یہ قلمی نسخہ پڑھتا رہا۔ اس میں جسم لطیف کا یا ہمزاد کی صفات کے بارے میں بھی تحریر تھا۔ مثلاً پلک جھپکتے ہی ہمزاد دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا کر واپس آسکتا ہے۔ پہاڑوں کی بلندیوں اور سمندروں کی گہرائیوں کی خبر لا سکتا ہے۔ بڑی سے بڑی وزنی شے جسے سیکڑوں آدمی مل کر نہیں اٹھا سکتے اکیلا کہیں سے بھی اٹھا کر لا سکتا ہے وہ مشکل سے مشکل مسائل حل کر سکتا ہے۔ جنہیں حل کرنا عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہے۔ سخت اور مہلک بیماریوں کے علاج

تجویز کر سکتا ہے۔ مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے اس سے آگاہ کر سکتا ہے۔ مدفون خزانوں کے راز بتا سکتا ہے۔ گمشدہ لوگوں کا پتہ لگا سکتا ہے۔ لوہے اور پتھر کی دیواروں میں سے گزر سکتا ہے۔ خطرناک سے خطرناک جانوروں کو ٹھکانے لگا سکتا ہے۔ دیو ہیکل سے دیو ہیکل شخص یا اشخاص کو زیر کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ لاتعداد پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔

میں وہ قلمی نسخہ حیرت اور دلچسپی سے پڑھتا رہا اور ایک مرتبہ تو پڑھتے پڑھتے میں اچھل پڑا۔ اس میں لکھا تھا کہ جسم لطیف یا ہمزاد کو قبضے میں بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کے پاس جو قوتیں ہیں ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے سخت ترین ریاضت اور مجاہدے کی ضرورت تھی۔ اس قلمی نسخے میں وہ تمام عمل درج تھے۔ میں اسے پڑھ کر جیسے خوابوں میں کھو گیا۔ کیا میرے خدا نے میری سن لی؟ کیا میرے دن بدل جائیں گے؟

اس وقت مغرب کی اذان ہوئی اور میں نے اٹھ کر وضو کیا۔ صدق دل سے اپنے خالق کے حضور جھک گیا۔ جب میں نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے تو میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد میں رات گئے تک اس قلمی نسخے کا مطالعہ کرتا رہا۔

اور اس کے دوسرے ہی دن میں نے اپنے لئے ایک عمل کا انتخاب کیا۔ مگر عمل کا یہ وقت وہ تھا جب میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ بچے آئے تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ آج سے میں تمہیں نہ پڑھا سکوں گا اس لئے کہ میں اس وقت ایک ضروری کام کرنا چاہتا ہوں۔ بچے چلے گئے اور اس کے ساتھ ہی میری دو وقت کی روٹی بھی لے گئے۔ میرے پاس بہت ہی کم پیسے جمع تھے جن سے میں نے یہ انتظام کیا کہ جتنے عرصے میں عمل میں مصروف رہوں میرے کھانے پینے کا انتظام ہو جائے۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے مجھے شرم آتی تھی۔ حالانکہ اگر میں چاہتا تو اپنے کسی دوست یا شناسا سے کچھ رقم ادھار لے سکتا تھا۔ مگر ادھار لے کر ادائیگی کہاں سے کرتا۔ پھر اپنے اندر اتنی ہمت کہاں سے لاتا کہ دست سوال پھیلا سکتا۔

عمل کے لئے ضروری تھا کہ میں کم سے کم لوگوں سے ملوں سو میں نے عمل شروع کرنے سے پہلے اپنے ملنے جلنے والوں اور دوست احباب کو اس بات سے مطلع کیا کہ میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس کے لئے یکسوئی چاہئے۔ اس لئے وہ مجھ سے اس عرصے میں نہ ملیں۔ انہوں نے میری بات کا خوب جی بھر کے مذاق اڑایا۔ مجھے ان کی وہ ساری باتیں بہت کڑوی محسوس ہوئیں مگر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ میں انہیں یہ بات ہرگز نہ بتانا چاہتا تھا کہ میں کوئی عمل کرنے والا ہوں۔ یہ ہدایت بھی اس قلمی نسخے میں درج تھی کہ سوائے اپنے مرشد کے یا اس شخص کے جو تمہارے لئے عمل تجویز کرے کسی اور کو اس راز سے آگاہ نہ کرو کہ تم ہمزاد کے لئے عمل کر رہے ہو۔

میں نے یہ تمام تیاریاں کر کے ایک مرتبہ پھر قلمی نسخہ نکالا اور ان ہدایات کو غور سے پڑھنے لگا جو عمل کے دوران ضروری تھیں۔ مثلاً...... حاملہ عورت عمل نہ کرے۔ جس شخص کا کوئی عضو معطل ہو مثلاً ہاتھ پاؤں کٹا ہوا ہو یا بدن میں نمایاں نقص ہو وہ عمل نہ کرے۔ جس شخص کو دماغی مرض ہو مثلاً سکتہ یا مرگی وغیرہ وہ عمل نہ کرے۔ جب تک کہ پوری طرح تندرست نہ ہو جائے۔ زخمی حالت میں عمل شروع نہ کرنا چاہئے' خواہ انتہائی معمولی زخم ہو۔ بواسیر کے مریض کو عمل نہ کرنا چاہئے۔ فعل حیوانی کے عادی شخص کو عمل نہ کرنا چاہئے کیونکہ عمل کے دوران مجامعت سے قطعی پرہیز کرنا پڑے گا۔

میں نے خود کو ان تمام شرائط کا پابند پایا۔ اس کے علاوہ عمل کے دوران کے لئے بھی مختلف ہدایات درج تھیں۔ عامل عورت کے قریب قطعی نہ جائے۔ لوگوں سے ملنا جلنا' بات چیت کرنا کم کر دے۔ گوشت' انڈا' مچھلی نہ کھائے۔ خوراک زود ہضم ہو' سادہ ہو' ہر روز نہائے اور سر میں مالش کرے۔ رات کا عمل ہو تو دن میں خوب سویا کرے' اونگھنے سے عمل باطل ہو جاتا ہے۔ عمل کے وقت شک و شبے کو دل میں نہ پیدا کرے۔ اپنی حفاظت کا مکمل انتظام کرے تاکہ دوران عمل کوئی نہ ٹوکے۔ عمل کرنے کی جگہ پر اپنی ضروریات کی تمام چیزیں رکھے۔ بہتر یہ ہے کہ بدن پر صرف ایک کپڑا رکھے اور سائے کے ذریعے عمل کرنا ہو تو صرف چست جانگیہ پہنے جو کہ سادہ کپڑے کا ہو۔ غصہ' لڑائی جھگڑا کسی سے نہ کرے۔ کتابوں کا مطالعہ کرتا رہے وغیرہ۔ ان سب باتوں کے علاوہ جگہ اور وقت کی پابندی انتہائی ضروری ہے۔

میں نے اپنے لئے عمل آفتابی کا انتخاب کیا تھا۔ اس عمل کے لئے ضروری تھا کہ سورج طلوع ہونے کے بعد شروع کیا جائے۔ میں نے سب سے پہلے جگہ کا انتخاب کیا۔ یہ جگہ کھلے میں تھی۔ شکستہ حصے اور میری رہائشی حصے کے درمیان۔ میں نے حویلی کا پھاٹک اندر سے بند کیا اور منتخب جگہ پہنچ گیا۔ یہ نو دس بجے کا وقت تھا۔ عمل مجھے صرف دو گھنٹے کرنا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ صبح دس بجے سے بارہ بجے تک عمل کیا کروں گا۔ میں نے اپنے تمام کپڑے اتار دیئے۔ ستر پوشی کے لئے میرے جسم پر صرف ایک لنگوٹ تھا۔ میں سورج کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ میرا سایہ میرے سامنے زمین پر صاف نظر آرہا تھا۔ اور نزدیک و دور

کوئی اور سایہ نہیں تھا۔ جیسا کہ ہدایت میں درج تھا تاکہ میرے عمل کو کوئی دوسرا سایہ خراب نہ کردے۔ اب میں نے حسب ہدایت اپنے سائے کی گردن کے مقام پر خوب توجہ اور شوق سے دیکھنا شروع کیا۔ چند منٹ بغیر پلک جھپکائے سائے کو دیکھنے سے میری نظر کچھ تھکنے لگی تو میں نے سائے سے نظر ہٹا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ میں عمل کے وہ الفاظ بار بار دہرا رہا تھا جو اس قلمی نسخے میں تحریر تھے۔ میں نے دیکھا آسمان پر وہی سایہ دھندلا دھندلا سا نظر آرہا تھا جو کچھ دیر پہلے میں زمین پر دیکھ رہا تھا۔ خود میرا اپنا سایہ۔ میں نے پلک جھپکائی تو آسمان سے سایہ غائب ہوگیا اور پھر میں نے دوبارہ اپنی ساری توجہ زمینی سائے کو دیکھنے میں صرف کردی۔ میں سب کچھ انہی ہدایات کے مطابق کر رہا تھا جو میں نے قلمی نسخے میں پڑھی تھیں۔ یہ عمل مجھے پورے چالیس دن تک، کرنا تھا۔

مجھے عمل کرتے ہوئے تقریباً ۲۱ دن گزر چکے تھے۔ لیکن اب تک کوئی خلاف معمول بات ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی۔ آج جمعرات کا دن تھا اور میں حسب معمول عمل کرنے میدان میں پہنچ گیا تھا۔ اس دن عمل شروع کرنے کے کچھ دیر بعد ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ زمین میرے پیروں کے نیچے ہل رہی ہے۔ میں نے کچھ دیر تو اپنی حالت پر قابو رکھا مگر جب مجھے اچانک ایک زور کی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور ایسا لگا کہ حویلی کا پختہ حصہ میرے اوپر گرنے والا ہے تو گھبرا گیا۔ میں نے عمل چھوڑ کر ایک دم گرتی ہوئی حویلی کی طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حویلی جوں کی توں تھی۔ اب نہ گڑگڑاہٹ تھی نہ زمین ہلتی محسوس ہوئی تھی۔ میرے پورے اکیس دن کی محنت اکارت ہو چکی تھی۔ اب مجھے دوبارہ شروع سے عمل کرنا تھا۔ اس لئے کہ قلمی نسخے میں لکھا تھا کہ اگر عمل کسی بھی سبب سے دو گھنٹے کے دوران رک جائے تو دوبارہ شروع سے دن گنے جائیں اور شروع سے عمل پڑھا جائے۔ ورنہ کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔

میں سمجھ گیا کہ میں جس قوت کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا ہوں وہ میری راہ میں روڑے اٹکا رہی ہے تاکہ میں اپنا عمل مکمل نہ کرسکوں اور اسے اپنا غلام نہ بنا سکوں۔ مگر میں نے بھی پختہ ارادہ کرلیا کہ اس قوت کو ضرور حاصل کروں گا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ میں اپنے کھانے پینے کا کہاں سے انتظام کروں۔ میں نے بمشکل چالیس ۴۰ دن کا انتظام کیا تھا اور اب بقیہ ۱۹ دن کے لئے تو تھا مگر ۲۱ دن مزید جو ہیں ان کا کیا ہوگا؟ یہ سوچ کر میں پریشان ہوگیا۔ اور اب تک میں نے جس بات سے گریز کیا تھا آخر کار اس پر آمادہ ہوگیا۔ میں نے اپنے ایک دوست سے کچھ پیسے قرض لے لئے اس وعدے پر کہ چالیس دن بعد واپس کردوں گا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے اپنا عمل پورا کرلیا تو عیش ہی عیش ہوں گے اور روپے پیسے کی میرے پاس کمی نہ ہوگی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر عمل شروع کیا۔ اس مرتبہ بھی مجھے عمل کے شروع کرتے ہی عجیب عجیب واقعات سے سابقہ پڑا۔ طرح طرح کا خوف ہوا۔ مگر میں عمل کرتا رہا۔ میں نے کسی طرح ۳۰ دن مکمل کرلئے۔ اب منزل مجھے بہت قریب نظر آنے لگی تھی۔ اس دن اتفاق سے جمعرات تھی۔ میں نے جیسے ہی عمل شروع کیا ڈراؤنی اور ہیبت ناک شکلیں میری نظروں کے سامنے آنے لگیں اور خوفناک آوازوں نے مجھے دہلا دیا۔ یہ آوازیں دم بہ دم مجھے اپنے نزدیک آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں لیکن اس کے باوجود میں دل سخت کئے عمل پڑھتا رہا۔ اچانک ایسا محسوس ہوا کہ سخت آندھی اور طوفان آنے والا ہے۔ مجھے اپنا سایہ بھی نظروں سے اوجھل ہوتا محسوس ہوا اور ایسا لگا جیسے میں اس تیز آندھی میں کھڑا نہ رہ سکوں گا اور اس کے ساتھ اڑ جاؤں گا۔ اب میری قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ میں گھبرا کر حویلی کے پختہ حصے کی طرف بھاگا۔ ابھی میں حویلی میں داخل بھی نہ ہوپایا تھا کہ میرے حواس لوٹ آئے میں نے دیکھا کہ سورج پہلے کی طرح پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے۔ نہ آندھی ہے نہ طوفان اور نہ بارش کے آثار ہیں۔ میں وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میری آنکھوں میں مجبوری اور بے بسی کے آنسو تیر رہے تھے۔ پراسرار قوت ایک بار پھر مجھے شکست دینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ میں وہاں سے اٹھا تو میری آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا۔ میرے ذہن میں بار بار یہ سوال گونج رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ میں تو اپنا سب کچھ چھوڑ کر اس پراسرار قوت کو حاصل کرنے میں لگ گیا تھا۔ اب خوراک بھی مشکل سے نو دس دن کے لئے رہ گئی تھی۔ پھر یہ کہ وہ قرضہ کہاں سے ادا کروں گا جو میں نے اپنے دوست مجید سے لیا تھا۔ وہ تو یوں بھی خسیس آدمی ہے بڑی مشکل سے تو پیسے دینے پر آمادہ ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر اسے کسی طرح ٹال بھی دیا گیا تو مزید پیسے آئندہ عمل شروع کرنے کے لئے کہاں سے آئیں گے۔ مجید سے اور پیسے ملنے تو مشکل ہیں۔ پھر؟ پھر یہ کہ کسی اور دوست سے پیسے مانگ کر قسمت آزمائی جائے۔ "اس وقت میرے کام کون آسکتا ہے؟" میں بڑی شدت کے ساتھ اس پر غور کر رہا تھا۔ آخر کار میں نے فیصلہ کیا کہ سہراب خاں سے مدد لی جائے۔ میں اس کے گھر پہنچا اور جب کسی طرح میں اسے پیسے دینے پر آمادہ کرچکا تو اس نے کہا "ٹھیک ہے پیسے لے جاؤ مگر تم ایک نوجوان آدمی ہو کوئی کام دھندا دیکھو۔ تمہیں

اس طرح زندگی گزارتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ میں اس کی کڑوی کسیلی باتیں سر جھکائے سنتا رہا۔ اور ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کیا جواب دوں کہ مجید وہاں پہنچ گیا۔ اس نے سہراب کا فقرہ شاید سن لیا تھا۔ وہ آتے ہی بولا "یار اسے پیسے ویسے مت دینا۔ اس کی تو عادت ہی بھیک مانگنے کی ہوگئی ہے۔ کچھ دن پہلے مجھ سے پیسے ادھار لے گیا تھا جو اب تک واپس نہیں کئے۔" سہراب نے جب یہ بات سنی تو میری طرف دیکھا اور پوچھا "کیوں کرامت؟ کیا مجید صحیح کہہ رہا ہے؟" میں تو کیا جواب دیتا۔ مجید پھر بول پڑا۔ "یہ کیا جواب دے گا۔ اس نے تو بے حیائی لاد رکھی ہے۔ کہتا ہے کتاب لکھ رہا ہوں۔ ادیب بنے گا۔ ہونہہ" مجھے جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ کہے جا رہا تھا۔ "اچھا خاصا بچے پڑھاتا تھا۔ گزر بسر ہو رہی تھی مگر بیٹھے بٹھائے ادیب بننے کا شوق فرمانے لگے موصوف۔ پھر جب بغیر محنت پیسے ملیں تو محنت کون کرے۔" اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ عمل وِمل پر لعنت بھیج کر دوبارہ بچوں کو پڑھانا شروع کردوں۔ لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ اس خبیث کے پیسے کہاں سے واپس کروں گا اور کیا میں پوری زندگی ان ہی دکھوں میں گزار دوں گا؟ کیا میرے نصیب میں خوشحالی نہیں؟ میرا عمل پورا ہوگیا تو پھر ساری زندگی سکھ ہی سکھ ہے۔ میں نے اس وقت دل کے فیصلے پر عقل کے فیصلے کو ترجیح دی کہ فی الحال مجھے ان لوگوں کی یہ باتیں برداشت کرلینا چاہیے۔ مصلحت اسی میں ہے۔ یہی سوچ کر میں نے پہلی مرتبہ لب کشائی کی "مجید نے جو کچھ کہا ہے درست ہے۔ میرے اوپر اس کی رقم واجب ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں لیکن میں جو کتاب لکھ رہا ہوں۔ اس میں ابھی تقریباً چالیس دن اور لگیں گے۔ اس کے بعد میں یہ کتاب فروخت کردوں گا اور نہ صرف مجید کے پیسے ادا کردوں گا بلکہ تم سے جو پیسے لے رہا ہوں وہ بھی اسی وقت ادا کردوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ میں جانتا ہوں تم لوگ میرے سچے دوست ہو، مجھے دوستوں پر ناز ہے۔ اس وقت اگر تم لوگ میری مدد کرو گے تو زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ میرا مستقبل بن جائے گا۔ میں کافی دیر تک منت سماجت کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے انہیں رام کرلیا۔ سہراب سے پیسے لے کر سب سے پہلے میں نے کھانے پینے کا سامان خریدا اور پھر ایک نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ چالیس دن تک کے لئے حویلی کا بڑا پھاٹک لگا دیا۔ میں نے اپنے دل میں اس مرتبہ مضبوط عہد کیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں اپنا عمل ترک نہیں کروں گا۔ چاہے زندگی رہے کہ چلی جائے۔ آخر اس طرح ذلیل و خوار ہونے سے کیا حاصل؟

میں نے دوسرے دن سے عمل پھر شروع کردیا۔ دس دن سکون سے گزر گئے۔ گیارہویں دن سے مجھے پھر وہی خوفناک صورتیں نظر آنے لگیں۔ کبھی کسی شیر کی دھاڑ سنائی دیتی اور میرے وجود کو دہلا جاتی تو کبھی ہیبت ناک بلائیں چیختی چنگھاڑتی مجھے اپنے اوپر حملہ آور ہوتی محسوس ہوتیں۔ مگر میں ان سب سے بے پروا اپنے عمل میں مصروف رہا۔ دن گزرتے رہے۔ اب وہ دھندلا سا ہیولا رفتہ رفتہ واضح ہونے لگا تھا جو مجھے آسمان پر نظر آتا تھا اور جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ آسمان سے اترنے لگا ہو۔ وہ مجھ سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب کچھ دن بعد ہی وہ زمین پر اتر آئے گا۔ اب مجھے عمل شروع کئے تینتیس دن گزر چکے تھے اور عمل پورا ہونے میں صرف سات دن باقی تھے۔ خدا خدا کرکے یہ کڑے دن بھی میں نے گزار لئے۔ آخری دن پھر مجھے زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوئی مگر اب یہ سب حربے پرانے ہو چکے تھے۔ اور میں ان سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ آخری دن عمل کا وقت پورا ہونے والا تھا۔ میرا دل تیزی کے ساتھ سینے میں دھڑک رہا تھا۔ آخر وقت پورا ہوگیا اور اسی وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی زور زور سے حویلی کا دروازہ پیٹ رہا ہے۔ عمل کا وقت ختم ہو ہی چکا تھا میں تیزی سے حویلی کے پھاٹک کی طرف دوڑا۔ پھاٹک کھولتے ہی مجھے ایک شخص نظر آیا یہ کوئی مسافر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سر پر سامان رکھا تھا اور چہرہ چادر سے کسی قدر چھپا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے، کس سے ملنا ہے؟"

وہ بولا "مجھے اسٹیشن جانا ہے راستہ بتا دو۔"

میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے راستہ بتاتے ہوئے کہا "اس سیدھی سڑک پر چلے جاؤ۔ کچھ دور جاکر دائیں ہاتھ مڑ کر تمہیں اسٹیشن کی عمارت نظر آنے لگے گی۔" یہ کہہ کر میں پھاٹک بند کرنے ہی والا تھا کہ وہ بولا۔ "کیا میں چلا جاؤں؟"

میں نے کہا "ہاں جاؤ۔"

وہ پھر بولا "کیا میں واقعی چلا جاؤں تم مجھے روکو گے تو نہیں؟"

میں نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں تمہیں کیوں روکتا۔ بڑی خوشی سے جاؤ۔"

اس نے پھر کہا "سوچ لو۔ میں پھر نہیں آؤں گا۔ پھر مجھے مت بلانا۔ پھر کہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے کوئی کام تو نہیں۔ کیا میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں؟"

اب مجھے غصہ آگیا۔ "عجیب آدمی ہو۔ کہہ دیا مجھے تم سے

کوئی کام نہیں۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ نہ واپس بلاؤں گا۔"

"اچھا تو پھر میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر مسافر نے اپنے چہرے سے چادر ہٹا دی۔ میں اس کی صرف ایک جھلک دیکھ سکا لیکن اس سے پہلے کہ میں اس سے رکنے کے لئے کہتا وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوگیا۔ میں چیخا "ہمزاد... میرے ہمزاد" مگر وہ جا چکا تھا اور اب دور دور تک سناٹا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہو بہو میری شکل تھا۔ ناک نقشہ چہرہ مہرہ سب کچھ وہی۔ جیسے میں خود کو آئینے میں دیکھوں۔ "تو میں نے اسے حاصل کرلیا تھا اور آزاد بھی کردیا۔" میں نے سوچا اور مجھے چکر سا آگیا۔ "وہ مجھے اس بار بھی جل دے گیا۔ وہ خود میری اجازت سے چلا گیا۔ میں نے آخر یہ کیا کیا؟" میں وہ ہدایات کیوں بھول گیا جو قلمی نسخے میں درج تھیں کہ ہمزاد یا جسم لطیف قابو میں آنے کے بعد بھی طرح طرح سے یہ کوششیں کرتا ہے کہ عامل خود اسے آزاد کرنے پر آمادہ ہوجائے وہ ہر طرح عامل کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے مگر ایک مرتبہ عامل اسے اپنے قبضے میں کرلیتا ہے اور اس کے ساتھ ہمزاد عہد و پیمان کرلیتا ہے۔ شرائط طے ہوجاتی ہیں تو ہمزاد عامل کا ہر حکم بجالانے پر مجبور ہوتا ہے۔ مجھے میرا ہمزاد جل دینے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ اس طرح ساری محنت اور ریاض بیکار ہوگیا تھا۔ آخری وقت میں یہ شکست مجھے بڑی مہنگی پڑی تھی۔ مگر اب میری زندگی کا مقصد ہی اسے حاصل کرنا تھا۔ "کسی بھی قیمت پر میں اسے حاصل کروں گا۔" میں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا۔ مگر کس طرح اب کس طرح؟ پھر چالیس دن۔ لیکن ان چالیس دنوں میں کھاؤں گا کیا؟ میں پورے دن یہی سوچتا رہا۔ اور آخر کار میرے ذہن میں ایک ترکیب آہی گئی۔

میں دوسرے دن صبح ہی ٹھیکیدار عبدالستار خاں سے ملا۔ اور انہیں بڑی مشکل سے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ حویلی کے شکستہ حصے کا ملبہ اٹھوالیں۔ بہت کم پیسوں پر وہ رضامند ہوئے لیکن پھر بھی وہ اتنے پیسے بہرحال تھے کہ میں اپنے دونوں دوستوں کا قرضہ اتار سکوں۔ اور اپنے لئے بھی کم از کم دو ماہ کے کھانے پینے کا انتظام کرسکوں۔ ویسے بھی مجھ اکیلے کے لئے کسی بہت بڑے خرچ کی ضرورت نہیں تھی۔ اور آج کل تو میں نے گوشت وغیرہ بھی کھانا ترک کیا ہوا تھا۔ بہت سادہ اور کم خوراک سے میں خود کو کسی طرح زندہ رہنے کے قابل بنائے ہوئے تھا۔ ہرچند کہ اس سے میری صحت پر کوئی اچھا اثر نہیں پڑا تھا۔ میرے رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ اور آنکھیں حلقے پڑنے کے سبب اندر کو دھنسی ہوئی سی محسوس ہوتی تھیں۔ میں آئینہ دیکھتا تو دیکھتا رہ جاتا۔ "کیا یہ میں ہوں؟ ایسا تو کبھی نہیں تھا۔" میں سوچتا مگر حالات نے مجھے اس حد تک پہنچا دیا تھا۔

کام شروع ہوگیا ملبہ اٹھایا جانے لگا۔ ظاہر ہے سیکڑوں من ملبہ اٹھانا ایک دن کا تو کام تھا نہیں۔ میرے دوست میرے اس عمل پر طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ مگر میں ان سب سے الگ آج کل کسی ایسے عمل کی تلاش میں تھا جسے میں رات کے وقت مکمل کرسکوں۔ میں اس ضخیم قلمی نسخے کا بڑی توجہ سے مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مزدور صبح ہی سے آکر کام شروع کردیتے تھے اور مجھے عمل کرنے کے لئے جس تنہائی کی ضرورت تھی وہ مفقود تھی۔ آخر میں نے اس قلمی نسخے میں اپنا مطلوبہ عمل تلاش کر ہی لیا۔ اس عمل کا نام "عمل شمعی" تھا۔ اس کے لئے ہدایات یہ درج تھیں کہ ایک کانسی کا چراغ جلا کر ایک صاف ستھرے کمرے میں رکھا جائے اور چراغ کی طرف پشت کرکے رات بارہ بجے سے دو بجے کے درمیان یہ عمل کیا جائے۔ باقی ہدایات وہی تھیں جو اس سے پہلے عمل کے لئے تھیں۔ فرق صرف یہ اتنا تھا کہ سورج کی جگہ اب چراغ تھا اور آسمان کی جگہ چھت۔ اب اگر میں اپنے سائے کو دیکھتے دیکھتے تھک جاؤں تو مجھے چھت کی طرف دیکھنا تھا۔ دوسرا بڑا فرق اس عمل میں یہ تھا کہ یہ پہلے عمل سے طویل تھا۔ یعنی چالیس دن کے علاوہ ۲۲ دن مزید بڑھ گئے تھے۔ ان ۲۲ دنوں میں مجھے کیا کرنا تھا اس کے متعلق الگ تفصیل تھی۔ وہ یہ کہ مجھے سب سے پہلے تو اپنے نام کے اعداد نکالنے تھے۔ اور جتنے اعداد نکلتے تھے اتنی ہی مرتبہ روز رات کے وقت مجھے وہ عمل ایک شیشہ سامنے رکھ کر اپنی ہی شکل پر نظر جمائے ہوئے پڑھنا تھا۔ اور دل میں یہ تصور رکھنا تھا کہ میرا ہمزاد بہت جلد شیشے سے باہر آکر میری اطاعت کرے گا۔ عمل پڑھتے وقت مجھے ایک روٹی پر ذرا سا گھی اور شکر بھی رکھنا تھا۔ اور بعد میں عمل اس پر دم کرکے ایسے چوراہے پر اس روٹی کو رکھنا تھا جو عام گزرگاہ نہ ہو۔ جہاں سے بہت کم لوگ گزرتے ہوں یا نہ گزرتے ہوں۔ روٹی رکھ کر مجھے یہ الفاظ ادا کرنے تھے۔ "اے ہمزاد' یہ تم کھالو۔" اس کے بعد مجھے واپس آجانا تھا۔ نہ پیچھے مڑکر دیکھنا تھا اور نہ راستے میں آتے جاتے کسی سے گفتگو کرنی تھی۔ عمل مجھے روز رات کو ایک مقررہ وقت پر کرنا تھا۔ اور روٹی صبح ہونے سے پہلے کسی منتخب چوراہے پر رکھ آنی تھی۔ مجھے یہ عمل پورے ۲۲ دن کرنا تھا اور ۲۳ ویں دن روٹی نہیں پہنچانی تھی۔ اور اگر کوئی خواب یا تحریر سے یا زبانی مجھ سے کہے کہ آج روٹی کیوں نہیں بھیجی تو مجھے سمجھ لینا چاہئے کہ عمل کارآمد ہوگیا۔ ۲۴ ویں دن سے پھر روٹی پہنچانا شروع کردینا چاہئے۔

اگر ہمزاد زبانی کہے تو صرف یہ جواب دینا تھا کہ اب روٹی برابر پہنچائی جائے گی۔ اگر خواب یا تحریر سے کہے تو پھر جواب کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد مجھے پس پشت چراغ جلا کر ۴۰ دن یہی عمل کرنا تھا اور عمل کے دوران اپنے چاروں طرف حصار کھینچنا تھا۔

میں نے عمل شمعی کے بارے میں پوری تفصیلات و جزیات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا۔ اور اللہ کا نام لے کر عمل شروع کردیا۔ ابھی مجھے عمل شروع کئے دس دن ہی گزرے ہوں گے کہ برسات شروع ہوگئی۔ حویلی کے شکستہ ملبے کا اٹھانا کچھ دن کے لئے ٹھیکیدار نے بند کردیا۔ میں نے شہر سے باہر ایک چوراہے کو اس مقصد کے لئے منتخب کرلیا تھا کہ میں ہر رات صبح سے پہلے وہاں روٹی رکھ آیا کروں۔ میں پابندی سے اپنے عمل پر قائم تھا۔ کئی مرتبہ روٹی رکھ کر لوٹتے ہوئے مجھے خوف سا محسوس ہوا۔ کئی بار ایسا لگا جیسے مجھے کوئی پکار رہا ہے۔ مگر میں نے کبھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ تو مجھے اپنے مرحوم نانا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے "بیٹے ادھر آؤ تم کیوں پریشان ہو۔ میں تمہیں کامیابی کا راستہ بتاتا ہوں۔ سنو ادھر آؤ۔" اچانک چلتے چلتے میرے قدم رک گئے۔ آواز میری پشت سے آرہی تھی۔ قریب تھا کہ میں پیچھے مڑکر دیکھ لیتا کہ میرے ذہن میں تیزی سے یہ خیال گردش کرگیا کہ یہ نانا کی آواز نہیں۔ یہ میرا فریب سماعت ہے۔ نانا کو مرے ہوئے تو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ یقیناً یہ وہی پراسرار قوت ہے جو مجھ سے عمل ترک کرا دینا چاہتی ہے تاکہ میں اسے اپنے قابو میں نہ کرسکوں۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں پھر چل پڑا۔ اس مرتبہ ایک عورت کی طویل چیخ نے میرا پیچھا کیا۔ اندھیری رات' دور دور تک سناٹا۔ شہر سے باہر ویرانہ' قریب ہی ایک قبرستان مجھے طرح طرح کے خیالات ستانے لگے۔ مگر میں جی کڑا کئے سب کچھ سنتا اور درگزر کرتا ہوا اپنی حویلی کی طرف چلا آرہا تھا۔ پھر تو ہر رات یہ معمول ہوگیا کہ مجھے کوئی نہ کوئی ہیبت ناک واقعہ پیش آتا۔

میں نے ۲۲ دن پورے کرلئے اور جیسے ہی اپنی حویلی آکر صبح کی نماز پڑھ کر میں سویا' میں نے ایک بہت ہی بھیانک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنے کمرے میں حصار کھینچے عمل پڑھنے میں مصروف ہوں کہ حصار سے باہر مجھے ایک شخص نظر آیا۔ اس شخص کی پشت میری طرف تھی۔ اس شخص نے ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ لکڑیاں نہ جانے کہاں سے آگئیں۔ وہ لکڑیاں جمع کرتا رہا اور جب خاصی جمع ہوگئیں تو اس نے کسی نادیدہ شخص سے پکار کر کہا "اینٹیں" اور دوسرے ہی لمحہ بہت سی اینٹیں اس شخص کے پاؤں کے پاس رکھی تھیں جو اس سے پہلے وہاں نہیں تھیں۔ اس شخص نے ذرا فاصلے سے اینٹیں تلے اوپر رکھ کر ایک چولہا سا بنا دیا۔ پھر اس میں لکڑیاں رکھ دیں۔ اب تک اس کا چہرہ میری نظروں سے اوجھل تھا۔ "کڑھاؤ" اس شخص کی آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ میں کچھ چونک سا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی آواز بہت حد تک میری آواز سے مشابہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ دوسرے ہی لمحے چولہے پر ایک بڑا کڑھاؤ رکھا ہوا تھا۔ پھر وہ شخص زور سے چیخا "اس میں تیل بھی ڈالو۔" اب جو میں نے دیکھا تو ایسا لگا کہ ٹین کے کنستر جن میں سرسوں کا تیل بھرا تھا۔ خود بخود آکر کڑھاؤ میں اپنا تیل الٹ رہے ہیں۔ جبکہ انہیں الٹنے والا یا الٹنے والے قطعی نظروں سے اوجھل تھے۔ میں اسی طرح حصار میں بیٹھا ہوا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب تیل اس بڑے کڑھاؤ میں لبالب بھر گیا تو اس شخص نے چولہے میں آگ لگادی۔ کچھ دیر بعد کڑھاؤ میں تیل کھولنے لگا۔ اس شخص نے پھر کسی نادیدہ وجود کو مخاطب کرکے کہا "شیخ کرامت کو لاؤ۔" اور اس کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ میں اس کے پیروں کے پاس پڑا ہوں۔ میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں۔ میں حصار میں بیٹھا ہوا۔ یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہا تھا اور میری عقل حیران تھی۔ میں جبکہ حصار میں موجود ہوں تو وہ کون ہے جو اس شخص کے پیروں کے پاس بندھا پڑا ہے۔ لیکن مجھے زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ملا۔ اس شخص نے بڑے اطمینان سے اپنی کمر میں بندھا ہوا خنجر کھینچا اور میری گردن پر پھیر دیا۔ یعنی میرے اس وجود کی گردن پر جو حصار سے باہر تھا یا جو میرا ہمشکل تھا۔ میرے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی مگر میں نے عمل پڑھنا ترک نہ کیا۔ اس شخص نے میرے ہم شکل کا گلا کاٹ کر الگ ڈال دیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے کٹے ہوئے نرخرے سے تازہ تازہ خون بہہ کر میرے کمرے میں چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ پھر اس شخص نے میرے دوسرے وجود کے پاؤں کاٹے۔ اس کے بعد اس نے میرے پاؤں اور سر پکڑ کر کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں ڈال دیئے۔ اور پھر چند لمحے بعد ہی انہیں نکال لیا۔ وہ میرا سر کھا رہا تھا کہ اچانک اس کے چہرے کا رخ میری طرف ہوگیا۔ اور میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ شخص بھی قطعی میرا ہم شکل تھا۔ چیخ کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ڈراؤنا اور بھیانک خواب اس پراسرار قوت کی طرف سے میرے لئے ایک طرح کی تنبیہہ ہے۔ لیکن میں تو اپنی زندگی کا حاصل ہی اب ہمزاد کو اپنے قابو کرنا بنا چکا تھا۔ اس لئے رات ہوتے ہی میں نے اپنا عمل شروع کردیا۔ آج سے مجھے چراغ جلا کر عمل کرنا

تھا۔ اور آج روٹی بھی نہیں پہنچائی تھی۔

میں نے اپنے چاروں طرف پہلے حصار کھینچا اور اس کے بعد عمل شروع کر دیا۔ میری پشت چراغ کی طرف تھی اور میرا سایہ سامنے پڑ رہا تھا۔ اس وقت رات کے ٹھیک ۱۲ بجے تھے۔ ابھی مجھے عمل شروع کئے ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے اس بند کمرے میں صرف میں ہی اکیلا نہیں ہوں کوئی اور بھی ہے۔ یہ خیال آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اچانک ایک زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور ہوا کا ایک تیز و تند جھونکا کمرے میں داخل ہوا مجھے لگا جیسے چراغ کی لو بہت زور سے تھرتھرائی ہو۔ مگر کمرہ ابھی روشن تھا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ ابھی میری پشت پر چراغ جل رہا ہے۔ مگر اس تیز ہوا میں چراغ کیوں نہیں بجھتا؟ اس خیال کے ساتھ ہی مجھے یاد آیا کہ یہ سب کچھ میرا وہم اور فریب نظر بھی ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ہی میں پھر پوری توجہ کے ساتھ عمل پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ میرا سایہ بھی اب کانپنے لگا تھا۔ جیسے چراغ کی لو بہت تیزی کے ساتھ تھرتھرا رہی ہو لیکن اب میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ یہ سب وہم ہے۔ میرے کمرے کا دروازہ بدستور بند ہے اور ہوا بھی کمرے میں تیزی کے ساتھ نہیں آ رہی۔ یہ سب اسی نادیدہ اور پراسرار قوت کے کرشمے ہیں جسے بس میں کرنے کے لئے میں یہ سب کر رہا ہوں۔ ایک مرتبہ پھر آندھی کا سا شور سنائی دیا اور اسی کے ساتھ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے حصار سے باہر کوئی شخص میری طرف پشت کئے کھڑا ہے۔ میں چونک پڑا۔ یہ تو وہی خواب والا شخص معلوم ہوتا ہے۔ چند لمحوں ہی میں اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا بالکل وہی بقید ہوش و حواس دیکھ رہا تھا اور جب وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آیا کہ وہ اجنبی شخص میرے ہمشکل کا سر کھا رہا ہے اور اس کا چہرہ میری طرف ہے تو میرے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ میں اسے دیکھنے پر مجبور تھا اس لئے کہ وہ میرے سائے کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا اور مجھے اپنے عمل جاری رکھنے کے لئے سائے کی طرف دیکھنا لازمی تھا۔ یہ سارا منظر میرے سائے کے بالکل برابر نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنے عمل کی رفتار تیز کر دی۔ اس سے میرے دل کو کچھ تقویت ہوئی۔ سائے پر آنکھیں جمائے ہوئے مجھے کافی وقت گزر چکا تھا اور اب میری نظریں تھکنے لگی تھیں۔ میں نے سائے سے نظر ہٹا کر چھت کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔ چھت غائب تھی اور آسمان پر تارے چمکتے نظر آ رہے تھے۔ میں چکرا گیا آخر چھت کہاں گئی؟ لیکن اسی وقت مجھے خیال آیا کہ وہ بھی فریب نظر ہو سکتا ہے۔ میں نے چشم تصور سے دیکھا کہ ایک دھندلا سا ہیولا آسمان کی پہنائیوں میں نظر آ رہا ہے۔ اسی وقت میں نے پلکیں جھپائیں اور اب جو نیچے اپنے سائے کی طرف نظر کی تو نہ اس کے قریب میرے ہمشکل کا کٹا ہوا سر تھا اور نہ میرا وہ ہمشکل۔

اب عمل کا وقت بھی تقریباً پورا ہونے والا تھا۔ مجھے کہیں دور سے اذان کی آواز سنائی دی اور میں نے عمل پڑھنا روک دیا۔ یہ عمل مجھے رات ۱۲ بجے سے صبح اذان ہونے تک کرنا تھا۔ میں حصار سے باہر آیا۔ چھت کی طرف دیکھا تو چھت اپنی جگہ موجود تھی۔ کمرے میں سب کچھ اسی طرح تھا جیسے رات کو تھا۔ میں نے ایک بڑی سخت اور عذاب ناک رات گزاری تھی۔

فجر کی نماز پڑھ کر میں سو گیا۔ سو کر اٹھا تو مجھے صرف اتنا یاد تھا کہ میں نے خواب میں ہمزاد کو دیکھا ہے جس نے مجھے روٹی نہ پہنچانے کی شکایت کی ہے۔ میں نے سوچا "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا عمل کامیاب جا رہا ہے۔" مجھے معلوم تھا کہ اب مجھے روٹی کہیں کسی چوراہے پر جا کر نہیں رکھنی پڑے گی۔ بلکہ اپنے کمرے ہی میں عمل کے دوران اپنے حصار کے اندر اس پر دم کر کے رکھنی پڑے گی۔ اور عمل ختم کر کے روٹی حصار ہی میں چھوڑ کر کچھ عرصے کے لئے کمرہ خالی چھوڑ دینا پڑے گا۔ رات ہوئی تو میں نے یہی کیا اور صبح جب میں اپنی ہی حویلی کے ایک دوسرے کمرے میں نماز پڑھ کے اس کمرے میں داخل ہوا جس میں عمل کر رہا تھا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ روٹی غائب تھی جبکہ میں کمرہ باہر سے لگا کر گیا تھا اور نماز پڑھ کر آنے کے بعد خود کھولا تھا۔

میرا عمل پورا ہونے میں اب صرف ۹ دن باقی تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں ظہر کی نماز پڑھنے اور کھانا کھانے اٹھا تھا۔ کسی نے پھاٹک کھٹکھٹایا۔ میں نے اٹھ کر پھاٹک کھولا۔ دیکھا تو ٹھیکیدار عبدالستار کھڑے ہیں۔ وہ مجھے دیکھ کر بولے۔ "میاں یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے۔ صورت نہیں پہچانی جاتی۔ آخر ہو کن چکروں میں؟ تم تو ایسے اپنی حویلی میں قید ہوئے ہو کہ کہیں دکھائی ہی نہیں دیتے۔ دن رات گھر میں پڑے کرتے کیا رہتے ہو؟ کچھ پتہ تو چلے۔"

میں نے خان صاحب کو اندر بلا لیا اور اپنے کمرے میں بٹھا کر بولا "بس خان صاحب ایسا ہی ایک کام ہے جس کے لئے مجھے تنہائی چاہئے۔"

خان صاحب میری بات سن کر ہنسے اور بولے "میاں صاحبزادے کیا کیمیا بنا رہے ہو؟ اماں اس چکر میں نہ پڑنا۔ اچھے اچھے خاں ٹھکانے لگ گئے۔ اس میں لاکھوں کے گھر خاک ہو گئے۔ ہاتھ کچھ بھی نہ آئے گا۔ جو پاس میں پونجی ہے جمع جوڑ کی وہ بھی گنوا بیٹھو گے۔"

میں نے کہا "خان صاحب! میرے پاس کون سی ایسی دولت رکھی ہے جو یہ شوق کروں گا۔ اور پھر کیمیا گری سے میرا کیا واسطہ؟"

میری بات سن کر خان صاحب نے کہا "خیر میاں تم جانو۔ میں تو اس لئے آیا تھا کہ میرا ارادہ ہے کہ کل سے کام شروع کرا دوں۔ بارش بھی بند ہو گئی ہے۔ کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"جیسی آپ کی مرضی۔" میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد خاں صاحب چلے گئے۔

دوسرے دن سے پھر ملبہ اٹھنے لگا۔ حویلی پرانے وقتوں کی بنی ہوئی تھی لکھیا اینٹ کی۔ جگہ جگہ پتھر بھی استعمال کیا گیا تھا۔ خاں صاحب اینٹیں پتھر اور دوسرا سامان اٹھوانے میں مصروف رہتے۔ خان صاحب دل کے ذرا خسیس ہی واقع ہوئے تھے۔ وہ رتی بھر ملبہ حویلی میں نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ میں اپنے عمل میں مصروف رہا۔ اور اب اس عمل کی آخری رات تھی۔ اس رات مجھے پوری طرح محتاط و ہوشیار رہنا تھا۔ میرے علم میں تھا کہ میرے مستقبل کا دارومدار اس رات پر ہے مجھے نہ ڈرنا ہے نہ اپنا عمل ترک کرنا ہے۔ اس رات میں تمام راتوں سے زیادہ مستعد اور چاق و چوبند تھا۔ مگر خلاف معمول وہ رات سکون سے گزر گئی۔ عمل ختم کر کے میں نے نماز پڑھی اور نماز پڑھتے ہی ایک دم مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی جو اس سے پہلے ایک دم اس طرح کبھی طاری نہیں ہوئی تھی۔

میری آنکھ کسی کے زور زور سے دروازہ پیٹنے پر کھلی۔ میں کچی نیند میں اٹھا دیا گیا تھا۔ کوئی میرے کمرے کا دروازہ مسلسل پیٹ رہا تھا۔ میں اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ میں نے دیکھا کہ آٹھ دس مزدور دروازے کے باہر کھڑے ہیں اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ ان میں سے ایک مجھے دیکھ کر ہکلایا "چچ.... چراغ.... چراغ...."

"کیا بات ہے صاف صاف بتاؤ؟ کیسا چراغ؟ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟" میں نے اس سے پوچھا۔

کافی دیر بعد وہ اس قابل ہوئے کہ اپنی بات کا اظہار کر سکتے۔ ان کی بات سن کر میں بھی چکرا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ شکستہ حویلی کے ایک ہال نما بڑے کمرے کی ایک بنیاد کھود رہے تھے کہ تقریباً دس فٹ نیچے ان میں سے ایک کی کدال کسی ایسی چیز سے ٹکرائی جس سے ٹکرانے کے بعد بالکل ایسی آواز آئی جیسے کدال کسی دیگ سے یا کسی پیتل کے برتن سے ٹکرائی ہو۔ وہ سمجھے کہ یقیناً یہاں کوئی چیز دفن ہے... انہوں نے جلدی جلدی آس پاس کا ملبہ صاف کیا۔

لیکن ملبہ ہٹانے کے بعد یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کسی نے بنیاد پر پھر کدال چلائی۔ پھر ویسی ہی آواز سنائی دی۔ انہوں نے جلدی جلدی بنیاد میں لگی ہوئی لکھیا اینٹیں ہٹانا شروع کیں۔ لیکن ایک مرتبہ اینٹیں ہٹاتے ہٹاتے وہ سب اچھل پڑے۔ بنیاد میں تقریباً دس فٹ نیچے بنیاد کے اندر ایک خانہ سا بنا ہوا نظر آیا جس میں ایک کانسی کا چراغ رکھا ہوا تھا جو روشن تھا۔

"کانسی کا چراغ؟" میں نے سوچا۔ میں بھی تو اپنا عمل ایک ایسے ہی کانسی کے چراغ کے ذریعے کر رہا تھا۔ ایک دم میری نظریں اس طرف اٹھ گئیں جہاں میرا چراغ رکھا ہوا تھا۔ میں چونک پڑا۔ چراغ غائب تھا۔ میں نے مزدوروں سے کہا "تم لوگ چلو! میں ابھی آتا ہوں۔" ان کے جانے کے بعد میں نے تمام کمرے میں اپنا چراغ ڈھونڈا مگر اس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ میں صبح کمرے کا دروازہ لگا کر سویا تھا اور مزدوروں کے آنے پر میں نے دروازہ کھولا تھا۔ پھر چراغ یہاں سے کیسے غائب ہو گیا جبکہ کمرے میں کوئی کھڑکی بھی نہ تھی۔ جس کے ذریعے کوئی کمرے میں داخل ہو کر چراغ چرا لے جاتا۔ چراغ سے مایوس ہو کر میں اپنے کمرے سے نکلا اور حویلی کے شکستہ حصے کی طرف چل دیا۔ میں نے دیکھا کہ اب ٹھیکیدار عبدالستار خاں بھی موجود تھے اور مزدوروں کے ہمراہ وہ بھی کچھ حیرت زدہ سے دکھائی دے رہے تھے۔ میں ان لوگوں تک پہنچا۔ وہ اس جگہ سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے جہاں کھدائی کا کام ہو رہا تا۔ میرے آنے پر ٹھیکیدار نے کہا "سمجھ میں نہیں آتا کیا ماجرا ہے؟ مزدور کھدائی کرنے اور ملبہ اٹھانے سے انکاری ہیں۔ خدا معلوم یہ کیا چکر چل پڑا؟"

"چلئے آیئے دیکھتے ہیں۔" یہ کہہ کر میں اس طرف بڑھا جدھر بقول مزدوروں کے یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ میرے آگے بڑھنے پر خاں صاحب کی بھی ہمت بڑھی اور کچھ مزدور بھی ہمارے ساتھ چلنے لگے۔

میں نے اس جگہ پہنچ کر دیکھا کہ واقعی ایک جگہ تقریباً دس فٹ نیچے ایک بنیاد میں چراغ روشن تھا۔ پہلے میں کچھ جھجکا مگر پھر ہمت کر کے نیچے اتر گیا اور چراغ اس جگہ سے اٹھا لیا۔ وہ اب بھی اسی طرح جل رہا تھا۔ میرے اس طرح چراغ اٹھا لینے پر کچھ لوگوں کے چہروں پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔

"یہ چراغ یہاں کس نے رکھا تھا؟" میں نے مزدوروں کو مخاطب کر کے سختی سے پوچھا۔ میرا خیال تھا کہ مزدوروں ہی میں سے کسی کی یہ حرکت ہے۔ مگر میرے اور ٹھیکیدار کے لاکھ سختی سے پیش آنے کے باوجود کوئی مزدور یہ بتانے پر تیار نہیں ہوا۔

بلکہ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ چراغ انہوں نے اسی طرح بنیاد کے اندر جلتا ہوا دیکھا تھا۔ یہ چراغ میرے خیال کے مطابق وہی تھا جس کے ذریعے میں نے اپنا عمل کیا تھا۔ میں نے آیتہ الکرسی پڑھ کر چراغ کو گل کر دیا۔ اور باہر نکل کر ٹھیکیدار سے بولا "یہ چراغ میرا ہے کل ہی میرے کمرے سے کسی نے اسے چرالیا تھا۔ اور یقیناً یہ حرکت یہیں کام کرنے والوں میں سے کسی کی ہے۔ فکر کی کوئی ایسی بات نہیں۔ کسی نے مجھے اور آپ کو ڈرانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔ میرا خیال ہے آپ کام شروع کرا دیجئے۔" ٹھیکیدار میری باتوں سے مطمئن ہوگئے ہرچند کہ میں ابھی پوری طرح مطمئن نہیں تھا اور میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ سب کیا ماجرا ہے؟ ٹھیکیدار نے مزدوروں سے کام جاری رکھنے کے لئے کہا لیکن ان میں سے کوئی بھی کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ مجبوراً ٹھیکیدار کو کہنا پڑا "اچھا ٹھیک ہے تم لوگ اپنا حساب لے جاؤ۔ میں دوسرے مزدوروں کا انتظام کرلوں گا۔"

ان سب کو چھٹی دے دی گئی۔ لیکن ٹھیکیدار صاحب کا خیال غلط ثابت ہوا۔ وہ دن بھر دوسرے مزدوروں کی تلاش میں رہے مگر کوئی بھی یہاں کام پر راضی نہ ہوا۔ تمام شہر میں یہ عجیب و غریب واقعہ مشہور ہوگیا۔ اور یہ خبر میرے دوستوں تک بھی پہنچی۔ وہ بھی اس کی تصدیق کرنے میرے پاس آئے۔ غرض کہ دن بھر لوگ آتے رہے اور وہ جگہ دیکھتے رہے جہاں سے چراغ نکلا تھا۔

عشا کی نماز پڑھ کر آج پہلی مرتبہ میں نے رات کو سونے کی تیاری کی۔ میں عمل تو پورا کر ہی چکا تھا اور اب کسی قدر مایوس بھی تھا اس لئے کہ آج پورے چالیس دن مکمل ہو چکے تھے لیکن اب تک اس پراسرار قوت نے خود کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ نہ جانے لیٹے لیٹے میرے دل میں کیا آئی کہ میں نے اس چراغ کو اٹھایا اور زور زور سے زمین پر گھسنے لگا۔ مگر لاحاصل۔ اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس کے بعد میں نے چراغ اپنے تکیئے کے نیچے رکھا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ لیکن نیند جیسے میری آنکھوں سے کوسوں دور چلی گئی تھی۔ "اب کیا ہوگا؟ کیا میں دوبارہ عمل شروع کروں۔" میں سوچ رہا تھا۔ "یا پھر اس زندگی کی طرف لوٹ جاؤں جو تلخیوں، ناکامیوں اور محرومیوں سے بھری ہوئی ہے؟" بہت دیر تک میں ان باتوں پر غور کرتا رہا۔ پھر میں نے سونے کی کوشش کی مگر نیند اب بھی مجھ سے دور تھی۔ "مجھے نیند کیوں نہیں آرہی ہے؟ شاید اس لئے کہ آج رات میں بھوکا ہوں۔" میں خود ہی سوال کر رہا تھا اور خود ہی ان کا جواب بھی دے رہا تھا۔ تھکن اور بھوک کے ساتھ ناکامی کے احساس نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔ مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور قریب تھا کہ میں سو جاتا مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرے سرہانے سے تکیہ کھینچ لیا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ تکیہ واقعی پلنگ کے نیچے تھا۔ میں نے جھک کر تکیہ اٹھالیا۔ کمرے میں لالٹین کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس کی لو میں نے لیٹنے سے پہلے مدھم کر دی تھی۔ میں نے سوچا کہ سوتے میں خود مجھ سے ہی تکیہ گر گیا ہوگا۔ یہ شاید میرا واہمہ ہے کہ کسی نے میرے سر کے نیچے سے تکیہ کھینچ لیا تھا۔ میں پھر لیٹنے لگا اور ابھی میں نے کمر بھی سیدھی نہیں کی تھی کہ کسی نے میرے اوپر سے چادر کھینچ لی۔ میں خوفزدہ ہوگیا اور لیٹے لیٹے ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کمرہ خالی تھا۔ "کون مجھے تنگ کر رہا ہے؟" میں سوچ رہا تھا۔ یقیناً یہ کوئی نادیدہ قوت ہے۔ اس مرتبہ میں نے خود بقید ہوش و حواس اپنے اوپر سے چادر کھنچتی ہوئی دیکھی تھی۔ مجھ میں اٹھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ ابھی میں یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اٹھ کر چادر زمین سے اٹھالوں یا نہیں کہ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی پھر میرے سر کے نیچے سے تکیہ سرکا رہا ہے۔ اس مرتبہ میں اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کون ہو تم؟" میری آواز واضح طور پر کانپ رہی تھی۔

"ڈر گئے۔" آواز آئی۔ "میں جاگ رہا ہوں۔ اور تم سو رہے ہو۔"

"تم سامنے کیوں نہیں آتے۔" میں نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

"تم میرا دھیان تو کرو میں تمہیں نظر آنے لگوں گا۔" آواز پھر آئی۔ مجھ پر خوف سا طاری ہونے لگا۔ اور میں نے دل ہی دل میں آیتہ الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔

"اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ میں کوئی جن یا بھوت نہیں ہوں کہ تمہارے آیت پڑھنے سے بھاگ جاؤں گا۔" آواز نے کہا۔

"پھر کون ہو تم؟"

"میں" ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی۔ "تم خود اپنی آواز نہیں پہچان سکتے؟" اب جو میں نے اس کی آواز پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو خود میری ہی آواز تھی مگر..... اس سے آگے میں نہ سوچ سکا۔

"مجھ سے ڈرو مت میں تمہارا جسم لطیف ہوں۔ میں تمہارا ہمزاد ہوں۔ جس کے لئے تم نے اتنے دن دکھ جھیلے ہیں۔ میرا تصور کرو یعنی خود اپنے جسم کا۔ میں حاضر ہو جاؤں گا یعنی تمہیں نظر آنے لگوں گا۔"

"کیا؟ کیا تم مجھے مل گئے۔" میری آواز خوشی سے کانپ رہی

تھی۔ پھر میں نے آنکھیں بند کر کے اپنے جسم کا تصور کیا جس کے لئے میں نے مہینوں ریاض کیا تھا۔ پھر جیسے ہی میں نے آنکھیں کھولیں میں اچھل پڑا۔ خود میرا ہی جسم میرے روبرو تھا۔

"تت..... تت..... تم..... تم..... میرے ہمزاد ہو..... ہاں وہ تم ہی ہو۔" میں خوشی سے ہکلا رہا تھا۔

"میں تم سے جو بھی کہوں گا کیا وہ پورا کرو گے؟"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ میں ہر طرح تمہارا حکم بجالاؤں گا مگر اس سے پہلے ہمارے تمہارے درمیان کچھ شرائط ضرور طے ہو جانی چاہئیں۔" ہمزاد بولا۔

"وہ کیا؟" میں نے بے صبری سے کہا۔

"تم مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھے کس لئے مسخر کیا ہے؟ اور یہ عرصہ کتنا ہوگا؟ تم مجھے کب آزاد کرو گے؟" ہمزاد نے پوچھا۔ میں اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا اور سوچنے لگا کہ اسے کیا جواب دوں۔

"خوب سوچ سمجھ کر جواب دو! تم بہرحال اس معاہدے کے پابند ہوگے۔" ہمزاد پھر بولا۔

"سو برس۔ میں تمہیں سو برس کے بعد آزاد کردوں گا۔ اور تمہارے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں بے حد تنگ حال اور پریشان تھا۔ میں اپنی یہ کسمپرسی اور غربت دور کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے خوب سوچ سمجھ کر جواب دیا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر میں جیا بھی تو زیادہ سے زیادہ سو برس جیوں گا۔ تو ایک طرح سے میں نے اپنی ساری زندگی کے لئے ہمزاد کا قرب حاصل کرلیا ہے۔ میری بات سن کر وہ بولا۔

"منظور ہے۔ لیکن تمہیں بھی میری ایک شرط کا خیال رکھنا پڑے گا۔ وہ یہ کہ تم ہر وقت پاک رہو گے۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے۔" میں نے کہا "ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں جب تمہیں طلب کروں تو پاک رہوں۔ اور میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اسی وقت میرے سامنے آؤ جب میں تمہیں پکاروں یا تمہارا تصور کروں۔ میں تم سے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں ناپاکی کی حالت میں کبھی تمہیں نہیں بلاؤں گا۔"

"ہاں، ٹھیک ہے۔ اگر تم مجھے بلاؤ گے بھی تو ایسی حالت میں تو میں خود بھی نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ میں تو ایک روح ہوں اور روح پاک ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں تمہارا ہر حکم بجالاؤں گا۔ جو بھی میری دسترس میں ہوا۔ اگر تم میری پراسرار قوتوں سے ناآشنا ہو تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتا سکتا ہوں۔" ہمزاد بولا۔

"نہیں میں تمہاری قوتوں سے واقف ہوں۔ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ایک بات ضرور بتاؤ کہ جب میں تمہیں طلب کروں گا تو کیا تم سب کو نظر آؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"جیسا تم کہو۔ دونوں ہی صورتیں ممکن ہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم صرف مجھے ہی نظر آیا کرو۔ وہ بھی صرف اس وقت جب میں تمہیں طلب کروں۔ اور جب میں ہاتھ کا اشارہ کروں کہ تم جاؤ تو تم چلے جایا کرو۔"

"ٹھیک ہے، مجھے تمہاری شرائط منظور ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری شرائط کا پاس کرو گے۔" ہمزاد نے کہا۔

"تم مجھے وعدہ کے خلاف نہیں پاؤ گے۔"

"اس وقت تمہیں کچھ چاہئے؟ کس چیز کی ضرورت ہے؟" ہمزاد بولا۔ اس کے پوچھتے ہی مجھے ایک دم اپنی بھوک یاد آگئی۔ اور میں نے جلدی سے کہا "مجھے اس وقت سخت بھوک لگ رہی ہے۔ کہیں سے اگر کھانا مل سکے تو بہت اچھا ہے۔"

"کیا کھاؤ گے؟"

"گوشت ہو تو کیا ہی کہنا۔ ویسے اس وقت دال بھی چل سکتی ہے۔ بھوک بہت زور کی لگ رہی ہے۔"

"میں لاتا ہوں۔" ہمزاد نے کہا۔ اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ غائب ہوگیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے جہاں وہ کھڑا تھا وہ جگہ اب خالی تھی۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ وہ پھر اسی جگہ نظر آیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"لو یہ لو۔ بھنا ہوا گوشت ہے۔ یہ اتنا ہے کہ تمہیں اس کے ساتھ روٹی کھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ چاہو تو گرم کرلو یا اگر زیادہ بھوک لگ رہی ہو تو یوں ہی کھالو۔" ہمزاد نے میری طرف دیگچی بڑھائی جو میں نے ہاتھ بڑھا کر لے لی۔ کھول کر دیکھا تو اس میں واقعی بھنا ہوا گوشت تھا۔ گوشت دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی۔ اور میں نے گرم کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا اور دیگچی ہی میں ہاتھ ڈال کر بوٹیاں کھانے لگا۔ جب خوب پیٹ بھر گیا تو پانی پی کر میں نے دیگچی کمرے میں ایک طرف چھپا دی۔ اس میں ابھی کچھ گوشت باقی تھا جس کے لئے میں نے سوچا تھا کہ صبح ناشتے میں کام آجائے گا۔

"اور کچھ؟" یہ آواز سن کر میں چونک پڑا۔ میں کھانے میں اتنا مشغول تھا کہ میں نے ہمزاد کے وجود کو قطعی فراموش کر دیا تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر کہا "ایک بات بتاؤ۔ میرا وہ چراغ جس کے ذریعے میں عمل کر رہا تھا۔ آخر کس طرح اور کیوں شکستہ حویلی میں پہنچ گیا اور وہ بھی ایک دیوار کی بنیاد میں؟"

"یہ تمہارا آخری امتحان تھا۔ اگر تم خوفزدہ ہو کر چراغ کو ہاتھ نہ لگاتے جیسی کہ مجھے امید تھی تو آج میں تمہارے قبضے میں

نہ ہوتا۔ مگر تم نے ہمت کر کے چراغ گل کر دیا اور اس سے ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے۔"

"تو وہ تمہاری حرکت تھی۔" میں نے کہا۔ "خیر جو ہوا سو ہوا میرے لئے یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ میں نے اپنے ہمزاد کو اپنے قابو میں کرلیا۔ مجھے نیند آرہی ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔"

میرے ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ غائب ہوگیا۔ میری پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی کھا گیا۔ مہینوں کے بعد پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا تھا۔ میں ایسا سویا کہ دوپہر ۱۲ بجے کے قریب اٹھا۔ پہلی مرتبہ مجھ سے فجر کی نماز قضا ہوئی تھی۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا کبھی کسی وقت کی نماز قضا نہیں کی تھی۔ میں اٹھ کر نہایا اور رات کے واقعات پر غور کرنے لگا۔ "اب میرے دن بدل جائیں گے۔ مصیبتیں اور پریشانیاں ختم ہوگئیں۔ میں نے اپنے ہمزاد کو قابو میں کرلیا۔ اب میں بھی شہر میں فخر سے سینہ تان کے چلوں گا۔ میں بھی ایک باعزت زندگی گزاروں گا۔ دوستوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ غریب سمجھ کے میرے ساتھ برے سلوک کئے' مجھ پر طنز کئے۔ مجھ سے ملنا جلنا ترک کر دیا اور صرف اس لئے کہ میں ان کی طرح امیر نہیں تھا۔ ہونہہ! اب میں انہیں دکھاؤں گا کہ وہ غریب ہیں یا میں میں دولت کے ڈھیر لگادوں گا۔ میں شاہانہ زندگی بسر کروں گا۔ پھر دیکھتا ہوں کہ کون مجھ پر طنز کرتا ہے۔ کون میرے ساتھ بری طرح پیش آتا ہے اور کون مجھ سے ملنا نہیں چاہتا۔" یہ سوچ کر میں نے رات والی دیگچی نکالی اور بقیہ گوشت بھی کھا گیا۔

میں جب اپنی حویلی سے نکلا تو میرا سر فخر سے اونچا تھا۔ ہر چند کہ میرے جسم پر کپڑے پھٹے ہوئے' پیوند لگے اور میلے تھے۔ مگر مجھے اس وقت کسی بات کا احساس نہیں تھا۔

"ارے بھئی شیخ صاحب! تم تو عید کا چاند ہوگئے۔ تم نے ہمارے بچے کیا پڑھانے چھوڑے کہ اب بھولے سے ہمارے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔" یہ آواز سید سبط احمد کی تھی جو میرے ہی پڑوسی تھے اور جن کے بچے مجھ سے پڑھنے آتے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "میاں تم تو حویلی میں ایسے بند ہوئے ہو کہ باہر ہی نہیں نکلتے۔ آخر گزر بسر کس طرح کرو گے۔ کب تک ہماری دی ہوئی رقم جو تم نے جمع جوڑ کر رکھی ہوگی تمہارے کام آئے گی۔"

ان کی باتیں سن کر میرا جی چاہا کہ انہیں وہ کھری کھری سناؤں کہ سب بھول جائیں۔ آخر وہ مجھے دیا ہی کیا کرتے تھے۔ کبھی مہینے دو مہینے میں روپیہ یا آٹھ آنے۔ یہ بھی کوئی رقم ہے لعنت ہے اس پیسے پر۔ میں سختی سے ہونٹ بھینچے ان کی بات سنتا رہا۔ "میری مانو تو نجمہ اور رفو کو پھر پڑھانا شروع کر دو۔ عید بھی بس اب بہت قریب ہے۔ تمہارے لئے ایک گاڑھے کا جوڑا بنوادوں گا۔" سید صاحب نے جیسے حاتم کی قبر پر لات مارتے ہوئے کہا۔

اب میری قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ میں نے سختی سے کہا "مجھے آپ کے بچے نہیں پڑھانے سمجھے آپ؟ اور نہ ہی آپ کا بنایا ہوا جوڑا پہننا ہے۔ وہ عید پر آپ خود پہن لیجئے گا۔"

"کیا؟" سید صاحب میری بات سن کر ایک دم بھڑک اٹھے۔

"گستاخی! اماں صاحبزادے تمہاری اوقات کیا ہے جو تم مجھ سے یہ کہہ رہے ہو۔ ہم یعنی سبط احمد عید کے دن گاڑھے کا جوڑا پہنیں؟ ہیں؟"

"اور کیا پوشاک پہنیں گے آپ؟ کون سے کہیں کے نواب ہیں آپ؟" میں نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"بس بس اب آگے نہ بڑھنا۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اب اگر تم نے کچھ کہا تو ...." سید صاحب غصے سے کانپنے لگے۔ اور میں بات کو در گزر کرنے کے خیال سے آگے بڑھ گیا۔ میں ابھی گلی میں کچھ دور ہی چلا ہوں گا کہ میرے کان کھڑے ہوگئے۔ یہ مرزا مبین بیگ کی بیٹھک تھی۔ مرزا صاحب غالباً اپنے کسی دوست سے کہہ رہے تھے۔ "یار بس کمال ہی ہوگیا۔ چور بھی عجیب تھا کہ باورچی خانے سے صرف دیگچی چرالے گیا۔ حالانکہ گھر میں اور بھی قیمتی سامان موجود تھا۔ رات بیگم نے صبح کے لئے گوشت بھون کر رکھ دیا تھا۔ مگر صبح جب انہوں نے اٹھ کر دیکھا تو باورچی خانہ حسب معمول بند تھا مگر اندر سے ہانڈی غائب تھی۔ کمال کا چور تھا کہ جس نے دیگچی ہی چرائی اور پھر یہ کہ باورچی خانہ بھی اسی طرح بند کر گیا۔ پھر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ گھر میں داخل کس طرح ہوا۔ اور پھر چلا کس طرح گیا؟ کواڑ تو اندر سے اسی طرح بند ملے جس طرح رات کو لگا کے سوئے تھے۔" مرزا صاحب اور نہ جانے کیا کیا کہتے رہے ہوں گے مگر میں صرف اتنا ہی سن کر آگے بڑھ گیا۔ اس لئے کہ گلی میں کوئی سامنے سے داخل ہو رہا تھا۔

"تو وہ دیگچی مرزا صاحب کی تھی۔ واہ! یہ بھی خوب رہی۔ حضرت چوری کرلائے۔" میں سوچ رہا تھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

ہفتہ بھر بعد ہی پورا بدایوں یہ سمجھنے لگا کہ مجھے کوئی بڑا دفینہ مل گیا ہے۔ اب میرے احباب کو میری جان کی بھی فکر تھی کہ کہیں کوئی دشمن یا چور یا ڈاکو میری دولت پر ہاتھ نہ ڈال دے مگر اب دفینے کے ساتھ ساتھ ہی میری کچھ پراسرار قوت کا چرچا بھی

گھر گھر پھیل گیا جس سے میرے احباب کو یہ اطمینان حاصل ہوگیا کہ کوئی چور یا ڈاکو اس طرف نظر اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس ایک ہفتے میں بہت کچھ ہوا تھا۔ زیادہ سے زیادہ مزدور لگا کر اور زیادہ پیسے خرچ کرکے تمام ملبہ حویلی سے اٹھوایا جاچکا تھا۔ میرا خیال یہ تھا کہ شکستہ حویلی کی جگہ تعمیر کا کام مکمل ہوجائے تو میں اس حصے کو خالی کرکے ادھر منتقل ہوجاؤں۔ پھر اس حصے کو بھی تڑوا کر دوبارہ بنواؤں۔ ٹھیکے دار کو میں نے منہ مانگے پیسے دیئے تھے اور وہ میرے حسب منشا تعمیر کے کام میں مصروف تھا۔ وہ روز کئی کئی گھنٹے میرے پاس بیٹھتا اور حویلی کی تعمیر کے بارے میں باتیں کرتا۔ میں نے اس سے یہ کہہ رکھا تھا کہ چاہے جتنا پیسہ خرچ ہو پرواہ نہیں۔ تعمیر ایسی ہونی چاہئے کہ بدایوں کیا دور دور تک اس کی کوئی مثال نہ ملے۔ بس محل معلوم ہونا چاہئے۔

اب حلقہ احباب بھی وسیع ہوتا جارہا تھا۔ میرے وہ دوست جو کبھی میری غربت کے سبب ملنا پسند نہ کرتے تھے اب باقاعدگی سے میرے پاس آنے لگے تھے۔ میں نے شروع میں انہیں کافی لعنت ملامت کی مگر ان سب ہی نے مجھ سے معافی مانگ لی اور میں نے بھی وسیع القلبی کا مظاہرہ کرکے ان سب کو معاف کر دیا۔ ان سب کی زبانیں میری تعریف کرتے کرتے نہ تھکتیں۔ میں ان سب کے ہی کام آرہا تھا۔ جو بھی مجھ سے جو کچھ طلب کرتا میں انکار نہ کرتا۔ اب میرا لباس اور وضع قطع بھی یکسر بدل گی تھی۔ نوکروں کی فوج کی فوج میری خدمت میں رہتی تھی۔ حویلی کے جس حصے میں میری رہائش اس وقت تھی وہ بھی کسی محل کے حصے سے کم معلوم نہ ہوتا تھا جیسے حویلی کی جوانی لوٹ آئی ہو۔ ہر جگہ دبیز ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔ جن کے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی تھیں کہ ہزاروں کی مالیت کی تو صرف قالینیں ہیں۔ دراصل ایک دن بیٹھے بیٹھے سہراب کے منہ سے نکل گیا کہ اگر کمرے میں اور باہر برآمدوں میں فرش بچھا ہو تو اور اچھا لگے۔ اس پر میں نے کہا تھا کہ فرش تو بہت معمولی چیز ہے۔ ہر شخص اپنے یہاں بچھاتا ہے۔ اگر قالین ہوتے تو کوئی بات بھی ہوتی۔ اس وقت میرے آٹھ دس ملاقاتی بیٹھے تھے جن میں شہر کوتوال بھی شامل تھا۔ اسی وقت میں نے ہمزاد کو طلب کیا اور حکم دیا کہ تمام پختہ حویلی کے لئے بہترین اعلیٰ درجے کے ایرانی قالین لے کر آؤ۔ سب لوگ مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ میں کسے حکم دے رہا ہوں۔ جبکہ اس وقت میرے کمرے میں کوئی نوکر بھی نہیں ہے۔ لیکن چند لمحوں بعد ہی وہ سب محو حیرت رہ گئے جب ان کی آنکھوں کے سامنے اچانک بہترین ایرانی قالینوں کا ڈھیر لگ گیا۔ میں نے نوکروں کو بلا کر اسی وقت حکم دیا کہ تمام حویلی میں ہر کمرے' برآمدے اور سیڑھیوں کے اوپر قالین بچھادو۔ حکم کی دیر تھی کہ نوکر وہ سب قالین وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ کچھ نوکر وہیں رہ گئے تاکہ میرے کمرے میں قالین بچھا سکیں۔ سب لوگ کچھ دیر کے لئے بچھی ہوئی چاندنی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے کمرے میں نئے اعلیٰ قسم کے ایرانی قالین نظر آنے لگے۔ میں اپنی جگہ بیٹھا تھا کہ کوتوال شہر اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور میرے ہاتھ چوم لئے۔ یہ اس کی عقیدت کا اظہار تھا۔ اس سے پہلے بھی چھوٹے موٹے کرتب میں ہمزاد کی مدد سے ان لوگوں کو دکھاتا رہا تھا۔ وہ سب میرے عقیدت مند ہوگئے تھے۔ اب میرے دوست بھی جن سے پہلے میری بے تکلفی تھی احترام سے میرا نام لیتے تھے اور ہمیشہ میرے سامنے محتاط و مودب بیٹھتے تھے۔ پاس پڑوس والے بھی اب میری عزت کرنے لگے تھے۔ میں جب بھی حویلی سے باہر نکلتا لوگ مجھے سلام کرنے میں پہل کرتے اس کے علاوہ اب لوگ مجھ سے اس لئے بھی خائف رہنے لگے تھے کہ میرے متعقدین میں بڑے بڑے افسر بھی تھے جو اکثر میری حویلی کے چکر کاٹتے تھے۔ میں جدھر نکل جاتا لوگ عزت سے راستہ دیتے۔ ہر شخص اب مجھے صرف شیخ صاحب ہی کہتا تھا۔ کرامت تو اب مجھے کوئی کہتا ہی نہ تھا حالانکہ میرا پورا نام شیخ کرامت ہے۔

ٹھیکیدار نے وقت سے کچھ پہلے ہی تعمیر کا کام مکمل کرلیا۔ اب حویلی کا ایک حصہ مکمل ہوچکا تھا۔

میں حویلی کے نئے حصے میں منتقل ہوگیا۔ میرے علاوہ خانساماں اور دوسرے نوکر بھی اس حصے میں آگئے۔ میرے تمام نوکر بھی میری ہر طرح خبر گیری رکھتے تھے۔ اس لئے کہ انہیں کبھی میں نے پیسے کے سلسلے میں تنگ نہیں ہونے دیا۔ جس نے اپنی جو ضروریات بیان کی میں نے فوراً پوری کر دیں۔ اس کے علاوہ وہ آئے دن میری پراسرار قوتیں بھی دیکھتے رہتے تھے۔ اس لئے ہر وقت میرے سامنے موذب اور خائف رہتے تھے۔ حالانکہ میں کبھی ان سے تلخ کلامی سے پیش نہیں آتا تھا۔

میری فیاضی پورے شہر میں مشہور تھی جو بھی ضرورت مند ہوتا سیدھا میرے پاس چلا آتا اور کبھی میرے دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔ شہر میں جو بھی تقریب ہوتی میں اس میں مدعو ہوتا۔ چاہے وہ کوئی سرکاری تقریب ہو یا شہر والوں کی طرف سے۔ شہر میں جو بھی نیا افسر آتا خواہ وہ ہندوستانی ہوتا یا انگریز سب سے پہلے میری حویلی پر حاضری دیتا۔

جس دن میں نئے تعمیر شدہ حصے میں منتقل ہوا۔ میں نے اپنے

احباب کی دعوت کی۔ وہ دعوت کیا تھی اچھا خاصا جشن تھا۔ تمام رات ہنگامہ گرم رہا۔ دور دور سے بڑے بڑے قوال آئے اور رات بھر میں اپنے جھولیاں بھر کے چلے گئے۔ میرے خانساماں نے جو کبھی کسی نواب کی خدمت میں بھی رہ چکا تھا۔ طرح طرح کے کھانے بنائے۔ سب ہی نے کھانوں کی بے انتہا تعریف کی۔ اس دعوت میں کیا شہر کوتوال کیا کوئی بڑے سے بڑا افسر' کیا چھوٹا کیا بڑا۔ جس کی مجھ سے ذرا بھی شناسائی تھی۔ سب ہی موجود تھے۔ اور میری دعوت نامنظور کرنے کی ہمت وہاں تھی کس میں۔ حویلی خاصی بڑی تھی۔ تقریباً پانچ چھ سو آدمی میرے یہاں اس رات مدعو تھے۔ کچھ کھانے خاص طور پر میں نے ہمزاد سے کہہ کر دوسرے ملکوں سے بھی منگوائے تھے۔ اس لئے میری دعوت میں تین چار انگریز افسران بھی شامل تھے جو اب سے پہلے مجھ سے نہیں ملے تھے۔ انہوں نے صرف میری تعریف ہی تعریف سنی تھی۔ میں نے ان کے پاس پہنچ کر پوچھا کہ کیا وہ انگریزی کھانے پسند کریں گے؟ پہلے وہ کچھ جھجکے پھر بولے کہ یہاں وہ کھانے کون تیار کرے گا۔ رہنے دیں..... میں نے کہا۔ "تو کیا ہوا میں لندن سے منگادوں گا۔" اس پر ان میں سے ایک ہنس پڑا۔ اور بولا "اس وقت تک تو ہم بوڑھے ہو چکے ہوں گے۔ اور......" وہ ابھی اپنا فقرہ بھی پورا نہ کرپایا تھا کہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے ایس پی پولیس نے اس کا ہاتھ دبایا اور اس کے کان میں کچھ سرگوشی کی۔ انگریز کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے حیرت کے آثار نظر آئے اور وہ مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ ایس پی نے اس کے کان میں کیا کہا ہوگا۔ اس لئے کہ میں واقف تھا کہ ایس پی میرا مرید ہے۔ اس نے یہی کہا ہوگا کہ ایسا نہ کہیں ورنہ شیخ صاحب کی ناراضی کا خطرہ ہے۔ ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کہ وہ ابھی لندن سے ہی کھانے منگوادیں۔ میں انگریز کے چہرے کے تاثرات سمجھ گیا۔

"آپ میرے مہمان ہیں۔ آپ فرمائیں تو انشاءاللہ آپ کی بات خالی نہیں جائے گی۔"

اس نے اثبات میں گردن ہلادی۔ اسی وقت میں نے آنکھیں بند کیں اور ہمزاد کو طلب کرکے حکم دیا۔ "لندن کے بہترین کھانے فوراً حاضر کرو۔" بقیہ انگریز افسران بھی مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اور ان لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے میں ہمزاد سے کھانے لے لے کر ان کے سامنے چننے لگا۔ وہ سب کھانے دیکھ دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔ کھانا بالکل تازہ اور بہترین بنا ہوا تھا۔ وہ کھانا کھانے سے پہلے کچھ جھجکے مگر ایس پی کے کہنے پر کھانا شروع کردیا۔ اب جو انہوں نے کھانا شروع کیا تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔ برتن بھی لندن کے بہترین ہوٹلوں کے تھے جن پر ہوٹلوں کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ میں پھر اپنی نشست پر گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی ایس پی کے ساتھ وہ سب انگریز میرے پاس آئے اور فرط عقیدت سے میرے ہاتھ چومنے لگے اس لئے کہ ان سے پہلے ایس پی نے ان کے سامنے میرے ہاتھ چومے تھے۔ انہوں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ وہ میرے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

"چائے یا کافی؟" وہ میری بات سن کر چونک پڑے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں چائے یا کافی کا قطعی رواج نہیں تھا لیکن میں ہمزاد سے سب کچھ معلوم کرچکا تھا کہ لندن اور یورپی ممالک میں کن چیزوں کا رواج ہے تاکہ میں ان انگریز افسران کو اپنا معتقد کرسکوں۔ ان میں سے ایک نے کہا "چائے۔"

میں نے ہمزاد سے کہہ کر آناً فاناً گرم گرم چائے منگوائی۔ یہ چائے بھی لندن کے ایک بڑے ہوٹل کی تھی۔ وہ انگریز افسران مجھ سے اتنے متاثر ہوئے کہ چلتے چلتے میرے پیروں پر گر کر انہیں چومنے لگے۔ اس لئے کہ وہ اتنے عرصے میرے پاس بیٹھ کر یہ دیکھ چکے تھے کہ لوگ کس کس طرح عقیدت سے میرے ساتھ پیش آرہے تھے۔ ہرچند کہ مجھے یہ قطعی اچھا نہیں لگتا تھا مگر لوگوں کی دل آزاری کس طرح کرتا؟ میں منع کرتا تو وہ اور ضد کرتے۔ دوسرے سچی بات تو یہ ہے کہ اب مجھے بھی اس میں لطف آنے لگا تھا کہ لوگ میری اس حد تک عزت کرتے تھے۔ میری انا اس سے بڑی تقویت پاتی تھی۔

میں اب اپنی حویلی سے بہت کم باہر نکلتا تھا۔ بلکہ اکثر حویلی کے اس حصے میں سارا دن گزارتا تھا جو زیر تعمیر تھا۔ ٹھیکیدار کو نئے نئے مشورے دیتا رہتا تھا اور جب کوئی ملنے والا یا ضرورت مند آجاتا تو اس سے وہیں کھڑے کھڑے بات کرتا جاتا۔ چند ہی دن میں یہ حصہ بھی میری مرضی کے مطابق تعمیر ہوگیا۔

اب میں نے اپنی تفریح کے لئے ایک فٹن بھی خریدلی تھی۔ جس پر اکثر میں شام کے وقت سیر کرنے کے لئے نکلتا تھا۔ ایک ایسی ہی شام میں سیر کرکے واپس آرہا تھا کہ میری نظر ایک جھروکے پر پڑی۔ میری نظریں وہاں جم کر رہ گئیں۔ وہ لڑکی اتنی ہی حسین تھی کہ ایک نظر اسے دیکھتے ہی مجھ میں جیسے ہلچل سی مچ گئی۔ میری رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ میں نے کوچوان سے واپس چلنے کے لئے کہا۔ اس لئے کہ وہ حویلی اب پیچھے رہ گئی تھی اور وہ لڑکی اب نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی اپنے اندر ایسا جذبہ محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا میرے سارے جسم میں ایک عجیب سی سنسنی تھی۔ کچھ

دیر اسی طرح آگے چلتے ہوئے میں نے کوچوان کو پھر حویلی چلنے کو کہا۔ اس مرتبہ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں' سروقد...... میں صرف اتنا ہی دیکھ سکا۔ اس لئے کہ اس مرتبہ میری اور اس کی نظریں بھی مل گئی تھیں۔ وہ بڑی معصومیت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ حویلی پہنچ کر بار بار مجھے اسی کا دھیان آتا رہا۔ اسی میں رات ہوگئی۔ میں بستر پر بار بار کروٹیں بدل رہا تھا۔ ایک عجیب بے چینی تھی۔ اسی حالت میں مجھے اچانک ہمزاد کی آواز سنائی دی۔ "کیا میں حاضر ہوسکتا ہوں؟"

"مگر میں نے تو تمہیں طلب نہیں کیا۔" میں نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت بہت بے چین ہو اور تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے۔ ضروری نہیں کہ اگر تمہیں میری ضرورت ہو اور تم مجھے نہ بلاؤ تو میں نہ آؤں۔ آخر میں تمہارا ہی جسم لطیف ہوں۔ تم بے چین ہوگے تو مجھے کس طرح سکون مل سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں سب کچھ جانتا ہوں کہ تمہاری اس بے چینی اور بے کلی کا کیا سبب ہے؟ اور میرے پاس اس کا علاج بھی ہے۔"

"کیا واقعی؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "کیا تم اسے..."

وہ میرے ادھورے جملے کا مقصد سمجھ گیا اور بولا "بالکل! میں اسے ابھی تمہاری خدمت میں حاضر کرسکتا ہوں۔ مگر میرا ایک مشورہ ہے کہ تم اس پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں کروگے۔ دوسرے یہ کہ اسے میرے وجود کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤگے۔"

"پھر میں اس سے کیا کہوں گا کہ میں...."

"یہ میں تمہیں بتاؤں گا۔" ہمزاد نے کہا۔ اس کے بعد وہ مجھے دیر تک سمجھاتا رہا۔ جب وہ اپنی بات ختم کرچکا تو چند لمحوں کے لئے غائب ہوگیا۔ اب اس کے ہاتھ میں مخصوص وضع کے کچھ کپڑے اور سامان تھا۔ اس نے مجھ سے یہ کپڑے پہننے کے لئے کہا۔ جب میں وہ عجیب و غریب کپڑے پہن چکا تو اس نے سامنے رکھا ہوا ایک سونے کا تاج میرے سر پر رکھ دیا۔ میں نے آئینے میں خود کو دیکھا اور حیرت زدہ رہ گیا۔ اس لباس میں تو میری شخصیت ہی یکسر بدل کر رہ گئی تھی۔ میں کسی گزرے زمانے کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ میں اس وقت خود میں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لئے ہمزاد کی آواز سن کر ایک دم چونک پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں اسے لینے جارہا ہوں۔"

وہ ایک مرتبہ پھر غائب ہوچکا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کتنی عجیب بات ہے کہ میں اب تک جس لڑکی کے نام تک سے واقف نہیں وہ چند لمحے بعد میری آغوش میں ہوگی۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں۔

"ہاں تم خوش نصیب ہو۔ وہ دیکھو تمہارے بستر پر کون محو خواب ہے؟" یہ ہمزاد کی آواز تھی جس نے مجھے تصورات کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں کھینچ لیا۔ میں اس وقت کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اور جس وقت ہمزاد مجھ سے مخاطب ہوا میری پشت بستر کی طرف تھی۔ میں اس کی آواز سن کر اچانک مڑا اور اس حسن خوابیدہ کو دیکھتا رہ گیا۔ وہ شام سے بھی زیادہ حسین دکھائی دے رہی تھی۔

"تم جاسکتے ہو۔" میں نے ہمزاد سے کہا اور اپنے بستر کی طرف بڑھا۔ میرے بستر پر وہ سراپا قیامت لیٹی ہوئی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کے نرم کالے کالے بال اس کے چہرے کے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ میرا ذہن کوئی حسین تشبیہ تلاش کرنا چاہتا تھا۔ میں فرط جذبات سے اس پر جھک گیا۔ میری گرم گرم سانسوں کی تپش سے اس کی نیند اچانک اچاٹ ہوگئی۔ اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے اپنے آپ پر جھکا دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں مجھے لگا جیسے وہ چیخنا چاہتی ہو مگر خوف نے اس کی قوت گویائی چھین لی ہو۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر سیدھا کھڑا ہوگیا اور بارعب آواز میں بولا "خوش نصیب ہو تم کہ ہم نے تمہارا انتخاب کیا۔ تمہیں گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہئے۔ تم اس وقت ہمارے حضور میں ہو۔"

"مگر تم کون ہو؟ اور...... اور میں کہاں ہوں؟" وہ پہلی مرتبہ بولی اس کی آواز نمایاں طور پر کانپ رہی تھی۔

"اے ارضی حور! ہم تمہیں سب کچھ بتادیں گے' سب کچھ۔" میں نے کہا اور اس کے بعد وہ سب کچھ کہہ دیا جس کا مشورہ مجھے ہمزاد نے دیا تھا۔ اس لئے کہ اسی طرح یہ ممکن تھا کہ میری اصل شخصیت چھپی رہ سکے اور ہمزاد کے بارے میں بھی کسی کو علم نہ ہو۔ میں کمرے میں ٹہل رہا تھا اور ایک فرضی کہانی اس لڑکی کو سنا رہا تھا۔ فرضی اور عجیب و غریب کہانی۔

"یہ دنیا میری اپنی دنیا ہے۔ میں یہاں صدیوں سے آباد ہوں میں اس دنیا کا اکیلا فرد ہوں۔ میں ہی اس کا خالق اور میں ہی اس کی مخلوق ہوں۔ یہ دنیا تمہاری دنیا سے بالکل مختلف ہے۔ کچھ دن سے مجھ پر میری تنہائیاں گراں ہونے لگیں اور میرے دل میں خیال آیا کہ میں اپنی دنیا سے باہر نکل کر دیکھوں۔ شاید میری دنیا کی طرح کوئی اور بھی دنیا اس کائنات میں موجود ہو۔ تو مجھے میری

لامحدود اور پراسرار قوتوں نے بتایا کہ میں جس دنیا کا فرد ہوں اس کے چاروں طرف ایک اور وسیع و عریض دنیا آباد ہے اور وہ دنیا تمہاری دنیا تھی۔ میری دنیا کی اوپری سطح پر کروڑوں اربوں مجبور اور لاچار افراد موجود ہیں۔ میں اپنی دنیا کا حصار توڑ کر باہر نکلا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ اس پر مجھ سے ملتی جلتی ایک اور مخلوق آباد ہے جسے تمہاری دنیا والے عورت کہتے ہیں۔ مجھے عورت بہت پسند آئی۔ پھر میں نے ایک طویل عرصے تمہاری دنیا کا سفر کیا۔ مجھے تمہاری دنیا کی سب سے حسین عورت کی تلاش تھی اور اسے میں نے ڈھونڈ لیا۔ وہ تم ہو۔ تم۔" یہ کہہ کر میں اس کے برابر ہی بستر پر بیٹھ گیا۔ وہ لڑکی حیرت سے میرے لباس وضع قطع اور پورے موجودہ ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس کے چہرے پر ایسے تاثرات نظر آئے جیسے اسے میری باتیں ماننے میں تامل ہو۔ مجھے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار دکھائی دیئے۔ شاید وہ حالات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ میں نے یہ محسوس کر کے پھر بولنا شروع کیا۔ "تمہیں شاید میری باتیں سن کر یقین نہیں آرہا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو سوچو کہ تم کس طرح یہاں پہنچ گئیں۔" میں چند لمحے رکا وہ خاموش تھی۔ "تم ابھی میری قوتوں سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو مگر رفتہ رفتہ تم سب کچھ جان جاؤ گی۔ تمہارے لئے فی الحال یہی جاننا کافی ہے کہ تم میری ہو۔ صرف میری۔ تمہیں اب تمہاری دنیا کا کوئی فانی انسان ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تمہیں ہر طرح خوش رکھا جائے گا۔ تمہاری خوشی ہی ہماری خوشی ہے۔ بلکہ ہم تمہیں اس بات کا اختیار دیتے ہیں کہ تم ہماری دنیا میں رہنا چاہو تو ہمیشہ یہیں رہو یا صرف ہمارے ساتھ رات گزار کے اپنی دنیا میں واپس چلی جاؤ۔ ہم تمہیں واپس بھی بھیج سکتے ہیں۔ ہمارے اختیار میں سب کچھ ہے بولو؟"

"مگر میری تو شادی طے ہو چکی ہے۔ یہی نہیں بلکہ منگنی کی رسم بھی ادا کی جا چکی ہے۔ میں اب کس طرح....."

"وہ سب کچھ بھول جاؤ۔ اب تم صرف ہماری ہو۔ تم اب اپنی دنیا کے کسی بھی انسان کی نہیں ہو سکتیں۔ اگر کسی نے ہماری امانت میں خیانت کرنے کی جسارت کی تو ہم اسے جلا کر خاک کر دیں گے۔" میں نے سختی سے کہا۔ ہم تمہاری ہر خواہش پوری کر دیں گے۔" میں کہہ رہا تھا وہ پہلے کچھ جھجکی کچھ شرمائی مگر میری مسلسل دست درازیوں نے آخر اسے بے بس کر ہی دیا۔ اس سے پہلے میں نے عورت کے بارے میں صرف سنا تھا۔ آج وہ سب کچھ دیکھ بھی رہا تھا اور مجھے اپنے اوپر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اور چند ہی لمحوں میں جذبات کی ایسی تیز رو چلی کہ مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔

لڑکی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے متاثر ہو گئی ہے۔ میری مردانہ وجاہت نے اس کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا اس میں لڑکی نے کسی جبر واکرہ کا تاثر نہیں دیا تھا۔ اس کا اتنا جلدی مجھ سے متاثر ہو جانا حیرت انگیز بات تھی لیکن شاید اس میں بھی میرے ہمزاد کی پراسرا طاقت کارفرما ہو۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپالیا مجھے اس کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ میں نے اس کی کلائیاں پکڑ کر چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا "اب شرمانے سے کیا حاصل؟"

"آپ بڑے شریر ہیں۔" وہ بولی "کیا اب آپ ہمیں ہمارے گھر پہنچا دیں گے؟"

"کیوں نہیں۔ مگر ابھی تو بہت رات باقی ہے۔"

صبح ہونے سے کچھ پہلے میں اپنے کمرے سے نکلا اور سامنے بنے ہوئے حمام میں فوراً غسل کیا اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ میں ناپاکی کی حالت میں ہمزاد کو طلب نہیں کر سکتا۔ یہ میرے اور اس کے درمیان معاہدہ تھا میں غسل کر کے پھر اپنے کمرے میں آگیا۔ وہ بھی اب تیار بیٹھی تھی میں نے ہمزاد کو طلب کیا اور کہا "انہیں ان کے گھر چھوڑ آؤ۔" پھر لڑکی سے بولا "آنکھیں بند کرو۔"

اس نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں ہمزاد نے اسے اٹھایا اور کمرے سے غائب ہو گیا۔ اس کے بعد میں دن چڑھے تک سوتا رہا۔ جاگتے ہی میں نے سب سے پہلے ہمزاد کو طلب کیا اور پوچھا "میری زندگی کی خبر لاؤ۔ کیسی ہے اور کیا کر رہی ہے۔ مجھے اس کے بارے میں ایک ایک اطلاع پہنچاتے رہو۔" ہمزاد چلا گیا اور کچھ دیر بعد آکر اس نے بتایا کہ وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی ہے اور اس وقت اپنی ماں سے بات کر رہی تھی کہ اب وہ شادی نہیں کرے گی۔ اس کی ماں نے اسے لاکھ ڈانٹا پھٹکارا مگر وہ اپنی بات سے نہیں پھری۔ پھر کچھ دیر بعد ہمزاد نے بتایا کہ ایک مولانا کو بلایا گیا ہے جنہوں نے تعویز دیا ہے جسے اس کے گلے میں ڈال دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہمزاد شام تک اس کے بارے میں اطلاعات لاتا رہا۔ شام کے وقت اس نے بتایا کہ اس نے اپنے گلے میں بیلے کے ہار ڈال لئے ہیں۔ جب اس کی ماں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ کیا خبر آج رات بھی بلایا جائے۔

"کل رات بھر میں انہی کے پاس رہی ہوں۔ میں انہی کی منکوحہ ہوں۔"

اس بات پر ماں نے اسے بہت سمجھایا کہ کیا بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے میں آج تیرے ساتھ سوؤں گی دیکھوں تجھے وہ کیسے

لے جاتا ہے۔ اور پھر رات بھی ہو گئی۔ میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے کل رات زندگی کا جو لطف اٹھایا تھا اس کے سامنے تو تمام دنیا کی آسائشیں اور لذتیں ہیچ نظر آرہی تھیں۔ جیسے ہی رات کے ۱۲ بجے میں نے ہمزاد کو اسے بلانے بھیج دیا۔

اس کا نام رضیہ تھا۔ یہ میں نے ہمزاد سے پوچھ ہی لیا تھا۔ وہ آج بھی کل ہی کی طرح سوئی ہوئی تھی۔ مگر آج اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مست کن مسکراہٹ تھی جیسے کوئی بہت حسین خواب دیکھ رہی ہو۔ میں نے ہمزاد کو رخصت کیا اور کل ہی کی طرح آج بھی اسے بیدار کیا اس نے جاگتے ہی میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور بولی۔ "خواب میں بھی تم ہی تھے اور اب آنکھ کھولی ہے تو بھی تم ہی نظر آئے ہو۔"

اس رات بھی میں اس کے ساتھ رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پھر میں نے اسے ہمزاد کے سپرد کر دیا۔ آج بھی میں ہمزاد کو بلانے سے پہلے غسل کرنا نہیں بھولا تھا۔

دوسرے دن مجھے ہمزاد سے معلوم ہوا کہ اس کے گھر میں ہنگامہ ہو گیا۔ ہوا یہ کہ رات سوتے میں اس کی ماں کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی غائب ہے۔ اس نے تمام گھر سر پر اٹھالیا۔ رضیہ کا کہیں پتا نہ تھا وہ لوگ رات بھر جاگتے رہے کہ صبح ہو تو رضیہ کو تلاش کیا جائے اس لئے کہ انہیں رضیہ کی ان باتوں پر یقین نہیں تھا کہ وہ رات کسی اور ہی دنیا میں تھی جس کا مالک اس پر عاشق ہو گیا ہے۔ ان باتوں کو انہوں نے رضیہ کے پاگل پن پر محمول کیا تھا۔ رضیہ کی خالہ کچھ سمجھدار تھیں۔ انہوں نے رضیہ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تجھے وہ لڑکا پسند نہیں جہاں بات پکی ہوئی ہے تو ہم منگنی توڑ کر تیری شادی دوسری جگہ کر دیں گے لیکن رضیہ اسی پر اڑی ہوئی تھی کہ اب اس کی شادی کسی انسان کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔

صبح کے وقت رضیہ کی ماں اٹھیں تو رضیہ کو اپنے ہمراہ سوتا دیکھ کر محو حیرت رہ گئیں۔ انہوں نے رضیہ کو فوراً جگایا اور پوچھا کہ وہ رات کہاں گئی تھی اور کس طرح؟ اور پھر کیسے واپس آگئی جبکہ اندر سے حویلی کا پھاٹک بند تھا۔ رضیہ کا وہی ایک جواب تھا۔ نتیجہ یہ کہ اسے مولویوں کو دکھایا گیا مگر لا حاصل۔ آخر بات یہاں تک پہنچی کہ اس کے سسرال والوں کو بھی یہ خبر ہو گئی کہ لڑکی شادی سے منکر ہے اور اس کے سر پر کوئی جن ہے وہاں سے فوراً منگنی ٹوٹ گئی۔ اب کوئی رضیہ کی ماں کو رشتہ دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ رضیہ ہر رات میرے پاس ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کا کچھ نہ کچھ انجام تو ہونا ہی تھا۔ رضیہ کا پاؤں بھاری ہو گیا۔ اب میں نے رضیہ کو بلانے میں ناغہ شروع کر دیا اور میری حالت یہ تھی کہ عورت کا ایسا عادی ہو گیا تھا کہ بغیر اس کے چین ہی نہ پڑتا تھا آخر مجبور ہو کر میں نے ہمزاد سے کہا کسی اور لڑکی کو لاؤ۔ رضیہ کا آنا میرے پاس بند ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اس کی کوئی اطلاع بھی نہیں منگائی۔ میں ایک اور لذت میں گم تھا۔ یہ خورشید تھی لیکن اس کے ساتھ بھی کچھ دن بعد وہی حادثہ ہوا جو اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ تنگ آکر میں نے ہمزاد سے کہا "مجھے ہر رات نیا جسم چاہئے۔" نتیجہ یہ کہ اب تقریباً ہر رات میرے آغوش میں ایک سے ایک حسین جسم ہوتا میں ہر لڑکی کو وہی من گھڑت کہانی سناتا کہ میں ایک اور ہی دنیا کا فرد ہوں اور کچھ پس و پیش کے بعد وہ میری باتوں پر یقین کر لیتی۔ یہاں تک کہ یہ وعدہ بھی کر لیتی کہ سوائے میرے اب وہ کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ مگر میں ہر لڑکی کے ساتھ صرف ایک رات گزار کر اسے ہمیشہ کے لئے بھلا دیتا۔ مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ مجھ میں لڑکیوں کے لئے بے پناہ کشش ہے۔ میں نہ صرف انہیں اپنے خوبصورت رنگ و روپ سے متاثر کرتا ہوں بلکہ انہیں بھرپور تپاک دیتا ہوں۔ رفتہ رفتہ یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی۔ اس لئے کہ کئی لڑکیاں حاملہ ہو چکی تھیں۔ یہ اسرار کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بات پولیس تک بھی پہنچ چکی تھی۔ تمام لڑکیاں ایک ہی آدمی کا حلیہ بتاتی تھیں اور اس پر بضد ہوتی تھیں کہ وہ اس دنیا کا انسان ہی نہیں اور یہ کہ وہ اس کی منکوحہ ہیں اور کسی سے شادی نہیں کریں گی۔ میں نے یہ حالات دیکھ کر ہمزاد سے کہا کہ ضروری نہیں کہ تم اسی شہر کی لڑکیاں لاؤ۔ دوسرے شہر بھی تو ہیں اور اسی رات ہمزاد میرٹھ کے نواب صاحب کی نوخیز لڑکی اٹھالایا۔ اور خلاف توقع یہ لڑکی مجھے بے انتہا پسند آئی۔ حالانکہ اس نے میرے ساتھ قطعی تعاون نہیں کیا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے میں نے اسے واپس کر دیا۔ اس نے اپنی ماں کو سب کچھ بتا دیا جو رات گزرا تھا۔ نواب صاحب کے کانوں میں بھی بات پڑی اور وہ غصے میں لال بھبھوکا ہو گئے مگر معاملہ اس نوعیت کا تھا کہ سمجھ سے باہر تھا۔ فوراً نواب صاحب کے خاص طبیب طلب کئے گئے جنہوں نے تصدیق کی کہ لڑکی سچ کہتی ہے اس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے۔ مولویوں اور عاملوں کو بلایا گیا انہوں نے بتایا کہ یہ کام کسی عامل کا ہے جو گناہ کی راہ پر پڑ گیا ہے۔ اب عامل کا پتہ کس طرح لگے؟ اسی تمام ہنگامے میں رات ہو گئی۔ میں نے رات ہوتے ہی ہمزاد سے کہا کہ اسے آج پھر لاؤ۔ مگر کچھ دیر بعد ہی ہمزاد واپس خالی ہاتھ آگیا اور بولا کہ عاملوں نے اس کے گرد حصار کھینچ دیا ہے جس میں، میں داخل نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارے لئے دوسری لڑکی لائے دیتا ہوں۔ آج رات اس سے کام چلاؤ۔ ہمزاد میرے لئے

ایک اور حسین جسم لے آیا مگر رہ رہ کر مجھے نرگس ہی کی یاد ستاتی رہی۔ نرگس جو میرٹھ کے نواب صاحب کی لڑکی تھی اور جس کے گرد آج رات حصار کھنچا ہوا تھا۔

صبح نرگس سے پوچھا گیا کہ کیا رات پھر تمہیں کسی نے بلایا تھا؟ اس نے بتایا "ہاں وہ رات بھی آئے تھے مگر وہ میرے قریب نہیں آئے مجھے دور ہی سے بلاتے رہے۔ میں نے اٹھنا چاہا مگر نہ معلوم کیوں میں اٹھ نہ سکی۔"

نواب صاحب بھی موجود تھے۔ عامل اور حکیم بھی۔ نواب صاحب بولے "یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ آخر ہم کب تک رات بھر جاگ کر اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ کب تک اسے حصار میں قید رکھیں گے۔ کیا کسی طرح آپ لوگ یہ معلوم نہیں کرسکتے کہ وہ کون مردود عامل ہے؟" تمام عاملوں اور حکیموں کو نواب صاحب کی بات سن کر سانپ سونگھ گیا مگر اچانک بڑے حکیم صاحب نے اس خاموشی کو توڑا۔ "یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ عامل کہاں ہے پھر آسانی سے اسکے بارے میں بھی تحقیق ہوسکتی ہے پہلے یہ معلوم ہوجائے کہ وہ ہے کس شہر میں؟ مگر اس کے لئے ایک مرتبہ پھر نرگس کو وہاں جانا پڑے گا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ حکیم صاحب!" نواب صاحب چیخے۔ "کیا میں خود جانتے بوجھتے اپنی بیٹی کی عصمت کا سودا کروں۔ کیا آپ مجھے اتنا بے ضمیر سمجھتے ہیں؟" حکیم صاحب کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر آہستہ سے بولے "میرا مطلب یہ نہیں تھا نواب صاحب! میں تو اس ملعون کی نشاندہی کرنا چاہتا تھا بہر حال...."

انہوں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نواب صاحب نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور نرمی سے بولے۔

"مجھے اپنے لہجے پر افسوس ہے مگر میں اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہوں حکیم صاحب! کاش ...... کاش وہ ملعون مجھے مل سکتا؟" نواب صاحب پھر جذباتی ہو رہے تھے۔ بڑے حکیم صاحب ان کے خاندانی طبیب تھے اس لئے نواب صاحب ان کی عزت بھی کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد نواب صاحب نے پھر حکیم صاحب کو مخاطب کیا۔ "کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی ترکیب ہے جس سے اس نامعلوم عامل کی نشاندہی ہوسکے۔"

"جی ہاں۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا۔ میں چاہتا ہوں آج رات صرف آج رات عامل حضرات اپنا حصار نرگس کے اطراف سے ہٹالیں۔ انشااللہ کل صبح میں آپ کو کوئی اچھی خبر سناسکوں گا۔"

کافی دیر بحث و تکرار کے بعد یہ بات طے ہوگئی کہ آج رات نرگس کے گرد حصار نہیں رہے گا۔ مجھے ایک ایک بات کی اطلاع ہمزاد سے ملتی رہی اور رات کے ۱۲ بجے میں نے ہمزاد سے بے صبری کے ساتھ کہا "اسے لاؤ جلدی لاؤ۔"

چند ہی لمحوں بعد نرگس میرے پاس تھی۔ صبح سے پہلے پہلے میں نے اسے رخصت کرنے کے لئے غسل کیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔ مجھے دیکھ کر وہ بولی "کیا آپ ہمیں اپنے شہر کی کوئی چیز نہیں کھلائیں گے؟" میں نے کہا۔ "کیوں نہیں" اور پھر فوراً ہی ہمزاد سے پیڑے لانے کو کہا۔ پیڑے آگئے کچھ اس نے مجھے اپنے ہاتھ سے کھلائے کچھ خود کھائے اور پھر بولی "اچھا اب ہمیں پہنچادیجئے۔" میں نے ہمزاد کو اسے پہنچانے کے لئے کہا۔ اس کے جاتے ہی میں سوگیا۔

دوپہر کے قریب میں اٹھا تو ہمزاد کے ذریعے نرگس کی اطلاع منگائی وہاں سے عجیب ہی خبریں آئیں۔ اس کے گرد پھر حصار کھینچ دیا گیا ہے بڑے حکیم صاحب نرگس کو دیکھنے آئے تھے۔ انہوں نے نرگس سے کہا "تم لائیں۔" اور نرگس نے ان کے سامنے پیڑا رکھ دیا۔

"ہوں" حکیم صاحب نے سر ہلایا۔ اس وقت نواب صاحب بھی موجود تھے۔ وہ بولے "کیا ہوا حکیم صاحب؟"

"وہ شخص بدایوں میں ہے۔" حکیم صاحب نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا؟" نواب صاحب تقریباً اچھل پڑے۔

"جی ہاں تصدیق کرلیجئے۔ یہ پیڑے بدایوں کے ہیں اور ایسے پیڑے پورے ہندوستان میں اور کہیں نہیں بنتے۔" حکیم صاحب نے نواب صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ نے تو کمال ہی کردیا۔ جو کام عامل نہ کرسکے وہ آپ نے پورا کر دکھایا۔" نواب صاحب انتہائی ممنونیت سے بولے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے فوراً چند عاملوں اور اپنے کچھ خاص آدمیوں کو بدایوں روانہ کردیا کہ وہاں جاکر پتہ لگائیں کہ کیا وہاں کوئی عامل ہے۔

یہ جان کر میں کچھ متفکر ہوا کہ انہیں میرے بارے میں علم ہوچکا ہے مجھے ہوس نے اتنا اندھا کردیا تھا کہ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی میں نے محتاط رویہ اختیار نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مجھے خود پر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی گھمنڈ ہوگیا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ میں جب چاہوں اور جو چاہوں کرسکتا ہوں' میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرے قبضے میں بہت بڑی طاقت ہے۔ اسی لئے میں سب کچھ خاموشی سے دیکھتا رہا کہ جب چاہوں گا حالات اپنے حق میں کرلوں گا۔

وہ لوگ اسی دن بدایوں پہنچ گئے۔

بدایوں پہنچ کر بہت جلد انہیں معلوم ہوگیا کہ یہاں شیخ کرامت سے بڑا کوئی اور عامل نہیں۔ شیخ کرامت کے بارے میں انہیں ایک ایک بات معلوم ہوگئی۔ وہ تمام تحقیق کرکے واپس چلے گئے۔ نواب صاحب نے فوراً اعلیٰ افسران کو اس کی خبر کی جنہوں نے بدایوں کے افسران کو حکم دیا کہ مجھے گرفتار کرلیں اور تحقیق کریں کہ کیا معاملہ ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ مجھ پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں تھا۔ بدایوں میں سب ہی میرے معتقد تھے۔ انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ وہ میرے خلاف کچھ نہیں کرسکتے اس لئے کہ انہیں یقین ہے کہ میرے اوپر اتہام لگایا گیا ہے لیکن پھر بھی اعلیٰ افسران کو خوش کرنے اور خانہ پری کرنے کے لئے انہوں نے میری حویلی کے اردگرد پولیس کا پہرہ لگا دیا کہ کوئی لڑکی آتی جاتی تو نہیں ہے کیونکہ دروازوں سے ہو کر تو کوئی لڑکی بھی نہیں آتی تھی۔ پھر پولیس کیسے دیکھ پاتی۔ پولیس کے پہرے کے لئے افسران نے مجھ سے بہانہ کیا کہ ہم نے حضور کی حفاظت کے لئے ایسا کیا ہے لیکن میں جو سب کچھ جانتا تھا فوراً بولا "مجھے سب کچھ معلوم ہے مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔" اس کے بعد میں نے وہ سب کچھ بتادیا جو ہمزاد کے ذریعے میں نے معلوم کرلیا تھا۔ میری بات سن کر ایس پی اور انگریز افسران بہت مرعوب ہوئے اور فوراً پہرہ ہٹانے کے احکامات دے دیئے اور اپنے افسران کو مطلع کیا کہ انہوں نے میرے اوپر سے پہرہ ہٹا دیا ہے۔ کیوں کہ وہ پوری طرح ہر بات کی تصدیق کرچکے ہیں۔ افسران نے پھر تنبیہہ کی اور کہا کہ ہم خود تحقیق کے لئے ایک کمیشن بھیج رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ معاملہ میرٹھ کے نواب صاحب کا ہے جنہیں انگریزی سرکار بہر حال خوش رکھنا چاہتی ہے۔ یہ کمیشن بدایوں پہنچ کر خفیہ تحقیقات کرے گا۔

ادھر نواب صاحب نے عاملوں سے بھی مشورہ کیا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟ عاملوں نے نواب صاحب کو بتایا "ہمارا علم کہتا ہے کہ اس کے قبضے میں اس کا ہمزاد یا جسم لطیف ہے۔ جس سے وہ تمام ایسے کام لیتا ہے۔ ہمزاد کے ہوتے ہوئے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ چاہے وہ لوگ کتنے ہی بہادر اور طاقتور ہوں جو اسے مارنے کی کوشش کریں۔ اس لئے کہ اکیلا ہمزاد سیکڑوں ہزاروں کے لئے کافی ہے۔ ایک صورت ہے اسے مارنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اسے ایسے وقت قتل کیا جائے جب اس کا ہمزاد اس کے پاس نہ ہو۔ اور یہ ایک ہی وقت ہوسکتا ہے یعنی جس وقت وہ ناپاک ہو۔ ناپاکی کی حالت میں وہ اپنی مدد کے لئے ہمزاد کو نہیں بلاسکے گا۔ اس لئے کہ کوئی بھی ہمزاد ناپاکی کی حالت میں کبھی اپنے عامل کے پاس نہیں جاتا۔ چاہے عامل اسے بلاتا ہی رہے۔"

نواب صاحب کو یہ تجویز پسند آئی اور وہ بولے "وہ خبیث اپنی عادات کا غلام معلوم ہوتا ہے۔ یقیناً وہ روز ہی کسی نہ کسی معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کرتا ہوگا۔ اس لئے ایسے ہی وقت اس پر حملہ کرکے اسے قتل کردیا جائے۔" نواب صاحب کی اس بات سے عاملوں نے بھی اتفاق کیا۔

نواب صاحب نے اسی وقت اپنے پروردہ غنڈوں کو طلب کیا اور ان کے سپرد یہ کام کیا کہ بدایوں جاکر مجھے اس وقت قتل کردیا جائے جب میں اپنی پیاس بجھانے میں مصروف ہوں۔ وہ غنڈے تعداد میں پندرہ بیس تھے۔ خاصے صحت مند اور تندرست جسم کے مالک۔ طے یہ ہوا کہ کل صبح یہ لوگ چند عاملوں کے ہمراہ جنہوں نے میری حویلی دیکھی ہے۔ بدایوں روانہ ہوجائیں گے اور کل رات ہی مجھے قتل کردیا جائے گا۔

****

آدمی خواہ کتنا ہی بہادر اور نڈر ہو لیکن جب اس کے علم میں یہ بات آجائے کہ اس کے قتل کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو کچھ نہ کچھ متفکر ضرور ہوتا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں الجھن ضرور تھی لیکن ہمزاد کی موجودگی میں خطرہ بہر حال نہیں تھا۔ میں ہمزاد کی تمام پراسرار قوتوں سے آگاہ تھا۔ جن کے سامنے نواب صاحب کے غنڈے تو کیا بڑی سے بڑی طاقتیں سرنگوں ہو سکتی تھیں۔ یہی سوچ کر میں نے فیصلہ کیا کہ نواب صاحب کے غنڈے بدایوں آجائیں تو انہیں مزا چکھاؤں۔ میں بے چینی سے ان کی آمد کا منتظر تھا مجھے علم تھا کہ ابھی میرے قاتل بدایوں میں داخل نہیں ہوئے ہیں۔ میں ابھی ان ہی خیالوں میں الجھا ہوا تھا کہ میرے نوکر نے اطلاع دی کہ کوتوال شہر اور چند دیگر افسران مجھ سے ملنے کے خواہشمند ہیں۔ میں نے انہیں اندر ہی بلالیا۔ وہ لوگ آئے تو میں نے دیکھا کہ ان کے ہمراہ پولیس والوں کی خاصی تعداد ہے اور کچھ پولیس والے کمرے کے باہر بھی ٹھہر گئے ہیں۔ ایس پی انہی کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں میں ایک اجنبی چہرہ بھی ہے۔ یہ ایک انگریز تھا۔ ایس پی اور کوتوال شہر کے چہروں سے فکر مندی کا اظہار ہو رہا تھا۔ آخر ایس پی نے مہر سکوت توڑی۔

"شیخ صاحب! ان سے ملئے آپ آج ہی دارالحکومت سے تشریف لائے ہیں۔" ایس پی نے اجنبی انگریز کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اس کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ "مسٹر مائیکل! آپ اس تحقیقاتی کمیشن کے ایک ممبر ہیں جو کہ آپ کے بارے میں چھان بین کرنے کے لئے دارالحکومت سے یہاں بھیجا

گیا ہے۔" میں نے مائیکل کی طرف دیکھا۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ مائیکل نے چند ہی لمحوں میں گھبرا کر نظریں نیچی کرلیں۔

"مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر مائیکل!" میں نے کہا۔

"ام اور آپ کو لینے آیا۔ امارا چیف جان ولیم آپ کے گرفتاری کا آرڈر دیا۔" مائیکل پہلی مرتبہ بولا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ غالباً وہ مجھ سے کچھ مرعوب تھا ممکن ہے ایس پی یا کوتوال شہر نے اسے میرے بارے میں کچھ بتا رکھا ہو۔

میں نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ ہمزاد کا تصور کیا وہ فوراً حاضر ہوگیا۔ اس کے آتے ہی میں نے اسے حکم دیا۔ جسے بقیہ تمام لوگ بھی سن رہے تھے اور حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں۔ جبکہ بظاہر ان کے اور میرے سوا کمرے میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔

میں کہہ رہا تھا۔ "فوراً معلوم کرو کہ یہ مردود جان ولیم کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اس کے بارے میں تمام معلومات ہمیں اسی وقت چاہئیں۔"

ہمزاد میرا حکم سن کر فوراً چلا گیا اور چند ہی لمحوں میں واپس آکر مجھے بتانے لگا۔

"جان ولیم اس تحقیقاتی کمیشن کا سربراہ ہے جو نواب کی شکایت پر انگریزی سرکار نے یہاں بھیجا ہے۔ وہ نہایت سخت گیر اور عام انگریزوں کے برخلاف قطعی توہم پرست نہیں۔ اس نے یہاں آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آپ کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیئے۔ ایس پی وغیرہ نے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ کسی طرح باز نہ آیا۔ وہ بہت ضدی اور اکھڑ قسم کا آدمی ہے۔ وہ قطعی کسی پراسرار قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ شخص انگریزی سرکار میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہے اور وائسرائے کے قریبی عزیزوں میں سے ہے اس لئے اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ انگریزی سرکار نواب کو بہرحال خوش رکھنا چاہتی ہے اس لئے ان کی شکایت پر فوری کارروائی عمل میں آئی ہے۔ جان ولیم کے ساتھ مائیکل کے علاوہ دو ممبران اور ہیں جن کے نام پیٹر اور اسمتھ ہیں۔ جان ولیم کے سامنے ان لوگوں کی کچھ زیادہ حیثیت نہیں۔ جان ولیم کو چھوڑ کر سب توہم پرست ہیں۔" ہمزاد نے تفصیل سے سب کچھ بتا دیا اور میرے کسی دوسرے حکم کا انتظار کرنے لگا میں نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو رخصت کر دیا۔

ہمزاد نے مجھے جو اطلاعات دی تھیں۔ ان سے سوائے میرے سب بے خبر تھے اس لئے کہ ہمزاد کی آواز صرف میں ہی سننے کا اہل تھا۔ ایس پی اور دوسرے افسران میری خاموشی کو دیکھ کر کچھ خوفزدہ سے تھے۔ انہیں ہمت نہیں تھی کہ وہ کچھ کہہ سکیں۔ میرا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ تھا۔ آخر کار میں نے کہا۔

"جان ولیم کو غالباً اس بات پر بہت فخر ہے کہ وہ وائسرائے کا قریبی عزیز ہے۔ بخدا میں اسے وہ سبق دوں گا کہ وہ تازندگی یاد کرے گا۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں مجھے تم لوگوں کی نوکریاں عزیز ہیں۔ اگر میں تمہارے ہمراہ نہ گیا یا تم مجھے نہ لے جاسکے تو وہ خبیث تم سب کو معطل بھی کر سکتا ہے جو میں نہیں چاہتا۔"

میری بات سن کر ایس پی کی آنکھیں فرط عقیدت سے بھیگ گئیں اور اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ چومتے ہوئے کہا "سرکار ہم مجبور ہیں بے بس ہیں۔ آپ حکم فرمائیں تو میں ابھی یہ ذلیل نوکری چھوڑ دوں جس کی وجہ سے خود میں اپنے مرشد کو گرفتار کرانے آیا ہوں۔ سرکار مجھے حکم دیجئے۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔" میں نے کہا اور مائیکل کی طرف دیکھا جو اب کسی قدر سہما ہوا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے علم میں تھا کہ جان ولیم وائسرائے کا قریبی عزیز ہے اور یہ بات بہت کم لوگ جانتے تھے۔ وہ میری پراسرار قوتوں سے مرعوب نظر آرہا تھا۔ اب میں نے اسے مخاطب کیا۔ "مائیکل! میں جانتا ہوں کہ تم بے قصور ہو۔ تم ہی کیا اس کے سامنے پیٹر اور اسمتھ بھی بے بس ہیں۔ حالانکہ وہ دونوں جان ولیم کی طرح خبیث نہیں۔"

میری یہ باتیں سن کر مائیکل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ میری زبان سے پیٹر اور اسمتھ کا نام سن کر حیرت زدہ تھا۔ میں نے لوہا گرم دیکھ کر ایک اور ضرب لگائی "مجھ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔ میں تم سب کے اندر جھانکنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ تمہارا ماضی، حال اور مستقبل میرے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔"

اس کے بعد میں ان سب لوگوں کے ہمراہ اپنی حویلی سے نکلا۔ وہ سب دست بستہ مودب میرے پیچھے پیچھے چل رہے تھے ان میں مائیکل بھی تھا۔ کوتوالی قریب ہی تھی ہم سب بہت جلد کوتوالی تک پہنچ گئے۔ راستے میں لوگوں نے اس جلوس کو حیرت سے دیکھا دیکھنے والے یہ نہ سمجھ پائے کہ ماجرا کیا ہے؟ اس لئے کہ میں ان سب کے آگے آگے اس طرح چل رہا تھا جیسے وہ سب میرے ماتحت ہوں اور ان سب کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی قابل احترام شخصیت کے ساتھ مودب چل رہے ہوں۔ یہ

میری پہلی گرفتاری تھی۔ کتنی عجیب تھی یہ گرفتاری بھی، نہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، نہ چہرے پر گرد ملال، نہ سپاہیوں کی بے ادبیاں۔

میں کوتوالی میں داخل ہوا تو سامنے بنے ہوئے کمرے کے برآمدے میں ایک لحیم سحیم شخص کو بے چینی سے ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ وہ انگریز ہی تھا اور اس کے ہمراہ دو اور انگریز بھی تھے جن سے وہ کچھ باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ لمبا تڑنگا شخص یقیناً جان ولیم ہے اور اس کے ساتھ والے پیٹر اور اسمتھ ہیں۔ پیٹر اور اسمتھ میں سے ایک بہت پستہ قد اور گٹھیلے جسم کا مالک تھا۔ وہ قد میں جان ولیم کا آدھا تھا اور جب جان ولیم کے ساتھ ساتھ چلتا تھا تو اس کی کمر تک پہنچ پاتا تھا۔

اچانک جان ولیم کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ میں بڑی شان بے نیازی سے کوتوالی میں داخل ہو رہا ہوں اور میرے پیچھے پیچھے بقیہ لوگ مودب چلے آرہے ہیں جن میں مائیکل بھی ہے۔ اب میں اس سے صرف چند گز کے فاصلے پر تھا۔ جان ولیم ایک دم چیخ پڑا۔ "مائیکل! کیا میں نے ان احمقوں کے ساتھ اسی لئے تمہیں بھیجا تھا کہ تم بھی انہی کے ساتھ بے وقوف بن جاؤ۔ تم نے اس خطرناک مجرم کو ہتھکڑیاں کیوں نہیں پہنائیں؟ میں تم سے جواب طلب کروں گا۔"

"بالکل بالکل سر۔" پستہ قد نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"تم چپ رہو۔" ولیم پیٹر پر الٹ پڑا۔

میں نے سوچا "تو یہ ہے پیٹر۔ یہ بھی حرامزادہ معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا یقیناً اسمتھ ہے۔"

مائیکل اب سامنے آکر تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ صرف اتنا کہہ سکا "سر! سر..... میں..."

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ولیم دھاڑا۔ "اور تم سنو احمقو!" ولیم نے ایس پی اور کوتوال شہر کو مخاطب کیا۔ "اسے حوالات میں ڈال دو۔ اس پر کڑی نگرانی رکھو۔ کوئی اس سے ملنے نہ پائے۔"

ایس پی ذرا جھجکا لیکن ولیم کی دوسری پھٹکار پر وہ بوکھلا گیا اور میری طرف دیکھے بغیر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور سامنے بنی ہوئی حوالات کی طرف چل دیا۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ حوالات کے باہر کھڑے ہوئے سپاہی نے اسے سلیوٹ کیا اور فوراً حوالات کا سلاخوں والا دروازہ کھول دیا۔ جب ایس پی مجھے حوالات میں بند کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اس کے رخساروں کو نم کر رہے تھے وہ رندھے گلے سے کہہ رہا تھا۔

"مرشد! مجھ گنہگار کو معاف کر دینا۔"

میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا "تم بے فکر رہو حالات بہت جلد بہتر ہو جائیں گے اور تم دیکھو گے کہ اس مغرور کا سر ہمارے قدموں میں جھکا ہو گا۔"

اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور بغیر کچھ کہے واپس چلا گیا میں نے حوالات کا جائزہ لیا۔ یہ ایک بہت چھوٹی سی کوٹھری تھی۔ جس میں صرف ایک آدمی لیٹ سکتا تھا۔ یہاں بڑا تعفن تھا جو مجھے سخت ناگوار گزرا۔ مگر حوالات کا دروازہ بند ہو چکا تھا میں دروازے کی سلاخوں سے لگا سامنے دیکھ رہا تھا جہاں ابھی تک جان ولیم وغیرہ موجود تھے۔ وہ اسمتھ اور پیٹر سے محو گفتگو تھا اور کوتوال شہر ایس پی کے برابر کھڑا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ جان ولیم نے ایس پی سے کچھ کہا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کوتوالی سے نکل گیا۔ صرف مائیکل وہاں رہ گیا تھا۔

جان ولیم وغیرہ کے جاتے ہی ایس پی اور دوسرے افسران فوراً حوالات کی طرف آئے اور مجھے حوالات سے نکالتے ہوئے بولے "مرشد! اس زحمت کے لئے ہم معافی چاہتے ہیں۔ آئیے آپ ہمارے ساتھ کمرے میں بیٹھیں۔"

میں ان سب کے ہمراہ حوالات سے نکل کر بڑے آرام دہ کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ میرے وہاں پہنچتے ہی ایس پی نے اپنے ماتحت کو حکم دیا۔

"دیکھو تم اپنے کچھ آدمی کوتوالی آنے والے راستوں پر سادہ کپڑوں میں متعین کردو۔ جیسے ہی وہ لوگ اس خبیث ولیم کو، دھر آتا ہوا دیکھیں تو ہمیں مطلع کردیں۔" اس کے ساتھ ہی وہ شخص باہر نکل گیا جسے ایس پی نے مخاطب کیا تھا۔ ایس پی نے پھر مجھ سے کہا۔

"مرشد! اس ظالم نے مسٹر مائیکل کو اپنے کمیشن سے باہر کر دیا اور فوراً دارالحکومت جانے کا حکم دے دیا ہے۔ اسے دو شام کو آنے کے لئے کہہ گیا ہے۔ مجھے اس کے ارادے خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ تشدد کرکے آپ سے سب کچھ قبول کروالے گا۔ ہم سب کا خیال ہے کہ آپ اس کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جائیں بعد میں جو کچھ ہوگا ہم بھگت لیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں معطل کر دے۔"

"نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی وجہ سے تم لوگوں کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔ یہ معاملہ اب میرا اور اس کا ہے۔ میں بھگت لوں گا۔ تم خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہو۔ یہ میرا حکم ہے کہ تم اس معاملے میں قطعی مداخلت نہیں کرو گے۔"

"مگر اس کے ارادے تو....." اس مرتبہ کوتوال شہر نے کہنا

چاہا۔ مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کچھ نہیں تم لوگ بس دیکھتے رہو کہ کیا ہوتا ہے۔"

"آپ نئیں جانتا۔ وہ بہت جالم ہوتا۔" اس مرتبہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں مائیکل نے کہا۔

"مسٹر مائیکل! میری خواہش ہے کہ شام تک تم بھی کسی بہانے رک جاؤ تاکہ خود اپنی آنکھوں سے اس کی بے بسی دیکھ سکو۔" میں نے مائیکل سے کہا۔

"یہ نئیں ہونے سکتا۔ وہ ام کو فورا جانے کا حکم بولا۔ اگر ام نئیں جائے گا تو....."

"خیر تمہاری مرضی۔ بہر حال تم سن لوگے کہ اس کا کیا حشر ہوا۔"

اس کے کچھ دیر بعد مائیکل ہم سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ اسے دارالحکومت پہنچنا تھا۔ جاتے وقت اس نے بھی جھک کر بالکل ایس پی کی طرح میرے ہاتھ چومے تھے اور میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی تھی۔

"یہ سب لوگ ایک بڑی کوٹھی میں ٹھہرائے گئے ہیں اور اس وقت جان ولیم بھی وہیں گیا ہوگا۔ وہ حویلی یہاں سے بہت دور ہے۔ اس لئے آپ اطمینان سے بیٹھئے وہ شام سے پہلے یہاں نہیں آئے گا۔" کوتوال نے کہا۔ پھر ایس پی سے بولا "کھانے کا وقت قریب ہے میں گھر سے کھانا منگائے لیتا ہوں۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ کھانا کھایا جائے؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔ آج ہم تم دونوں کی دعوت کریں گے۔ بولو کیا کھاؤ گے؟" میں نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

ایس پی نے کہا "نہیں مرشد! میں اپنے گھر سے کھانا منگائے لیتا ہوں۔ آپ اپنے اس خادم کو بھی تو خدمت کا موقع دیجئے۔"

میں اس کی بات سن کر مسکرایا۔

"مگر ہمیں تو بھوک بہت زور کی لگ رہی ہے کیا تم ایک منٹ کے اندر کھانا منگا سکتے ہو؟"

میری بات سن کر وہ لاجواب ہوگیا۔ "یہ تو مرشد ہی کے بس میں ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"تو پھر ہماری دعوت قبول کرو۔"

"عزت افزائی ہے مرشد کی۔"

میں نے ہمزاد کو طلب کیا اور اس سے بہترین کھانا لانے کو کہا۔ اور ساتھ ہی مجھے نہ جانے کیا شرارت سوجھی کہ میں نے ہمزاد سے کہا "سنو وہ اپنے تمیں مار خان جان ولیم اور اس کا حرامزادہ ساتھی پیٹر آج دوپہر کا کھانا نہ کھا سکیں۔ اسمتھ کو تم معاف کر سکتے ہو۔" وہ میرا حکم سن کر چلا گیا۔ اور پھر چند ہی لمحوں میں ہم تینوں کے سامنے بہترین کھانے چنے ہوئے تھے۔ کھانا وغیرہ کھا کر میں نے پھر ہمزاد کو طلب کیا اور اس سے جان ولیم کا حال معلوم کیا اور رخصت کر دیا۔ میں ایس پی کو بتا رہا تھا۔

"تمہارا شیر سخت غضب میں مبتلا ہے مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ جیسے ہی خانساماں نے اس کے سامنے کھانا لگایا اور اس نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا سالن کی پلیٹ خود بخود اٹھ کر اس کے صاف و شفاف کپڑوں پر اوندھ گئی یہی حال اس بونے پیٹر کا ہوا۔ وہ اپنے ماتحتوں کے سامنے بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے پھر کپڑے بدلے اور دوبارہ کھانا کھانے بیٹھ گیا اس مرتبہ کھانے کی پلیٹ نے اس کے چہرے کو ہدف بنایا تھا۔ وہ چیخنے لگا' اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر گئیں۔ اب وہ اپنے بستر پر پڑا بھوک سے تڑپ رہا ہے۔ اس میں اب اتنی ہمت نہیں کہ دوبارہ کھانا کھانے بیٹھے۔ بونا بھی بھوکا ہے۔ البتہ اسمتھ کھانا کھا چکا ہے اور اس نے ولیم کو سمجھایا بھی ہے کہ وہ مجھے رہا کر دے ورنہ اسی طرح کی مصیبتوں اور عذابوں میں مبتلا رہے گا۔ مگر اس نے سختی سے اسمتھ کو ڈانٹ دیا ہے اور کہا ہے کہ شام کو وہ میری کھال میں بھس بھر دے گا۔" میں نے تفصیل سے تمام بات ایس پی اور کوتوال کو بتائی۔ ان کے چہروں سے پتہ چلتا تھا کہ انہیں میری بات کا پورا یقین ہے۔ میرے علم میں تھا کہ ہمزاد کے نادیدہ ہاتھوں نے جان ولیم اور پیٹر کی یہ درگت بنائی ہے۔ لیکن میں نے ہمزاد کے بارے میں ایس پی اور کوتوال کو کچھ نہیں بتایا۔ وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ میرے بس میں چند نادیدہ پراسرار قوتیں ہیں جن کے ذریعے میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔

انہی خوش گپیوں میں شام ہوگئی۔ کچھ دیر بعد ہی ایس پی کے ماتحت نے اطلاع دی کہ جان ولیم اور اس کے ساتھی کوتوالی کی طرف آ رہے ہیں۔ میرے ایما پر ایس پی نے مجھے پھر حوالات میں بند کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ جان ولیم آندھی طوفان کی طرح کوتوالی میں داخل ہوا۔ کوتوال اور ایس پی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے جو ولیم کی اطلاع پا کر برآمدے میں آ بیٹھے تھے۔ جان ولیم نے آتے ہی میز پر ہاتھ مار کے کچھ کہا۔ کوتوال فورا حوالات کی طرف دوڑا اور مجھ سے بولا۔ "حضور وہ سخت غصے میں ہے اور اس نے حکم دیا ہے کہ آپ کو برآمدے کے سامنے والے نیم کے پیڑ سے باندھ دیا جائے مگر....."

"اگر مگر کچھ نہیں۔ وہ تمہیں جو حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے رہو یہ میرا حکم ہے۔" میں نے سختی سے کہا۔

کوتوال میرا انداز دیکھ کر کانپ گیا۔ وہ میری خفگی کسی طرح

بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ مجھے لے کر برآمدے کے سامنے آیا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ مجھے پیڑ کے تنے سے باندھ دیں۔ سپاہی محو حیرت تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ابھی وہ جس شخص کا اتنا احترام کر رہے تھے اس کی یہ درگت بنا رہے ہیں۔ سپاہی پہلے کچھ جھجکے لیکن جان ولیم کی ایک ہی پھٹکار نے جیسے ان کے مردہ جسموں میں روح ڈال دی۔ ان کے ہاتھ اب مشینی طور پر چل رہے تھے اب وہ مجھے پیڑ کے تنے سے باندھ رہے تھے۔

چمڑے کا بھیگا ہوا کوڑا۔ ولیم دھاڑا۔

کچھ ہی دیر میں دو سپاہی ایک ناند اٹھا کر لائے جس میں چمڑے کے دو کوڑے بھیگ رہے تھے۔ جیسے ہی سپاہی مجھے باندھ کر الگ ہٹے' جان ولیم ایک کوڑا اٹھا کر میری طرف بڑھا۔ ابھی وہ برآمدے سے نیچے بھی نہ اتر پایا تھا کہ میں نے ہمزاد کو طلب کیا اور پھر لوگوں نے جو کچھ دیکھا وہ بہت حیرت انگیز تھا۔ جان ولیم میرے پاس آ کر چیخا۔ "میں تیری زبان کھلوانا اچھی طرح جانتا ہوں۔ بتا تو نے نواب صاحب کی لڑکی کو اغوا کرایا تھا۔ بول! ورنہ میں تیری کھال گرا دوں گا۔" وہ صاف اردو بول رہا تھا اور یہ پہلے ہی سے میرے علم میں تھا کہ جان ولیم بھی انہیں انگریزوں میں سے ایک ہے جو رموز حکومت میں اس بات کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ جہاں حکومت کی جائے وہاں کی زبان بولنا بھی اچھی طرح جانیں تاکہ بہتر طور سے حکومت کر سکیں۔ میں نے ایک نظر جان ولیم کو دیکھا جس کا ہاتھ مجھے کوڑا مارنے کے لئے اٹھ چکا تھا مگر اس سے پہلے کہ کوڑا میرے جسم پر پڑتا' خود بخود اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بہت زور سے پیٹر کے پیٹ میں لگا۔ وہ اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ہمزاد نے اس کے ہاتھ سے کوڑا چھین کر پیٹر کو دے مارا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ جان ولیم دوبارہ کوڑا اٹھاتا' کوڑا خود بخود اپنی جگہ سے اٹھا' فضا میں لہرایا اور بہت زور سے ولیم کے لگا۔ ولیم چیخ پڑا مگر اب کوڑا برابر اس کے جسم کو چاٹ رہا تھا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ دوسرا کوڑا بھی جو ناند میں بھیگ رہا تھا خود بخود ناند سے نکل کر پیٹر پر برسنے لگا۔ جان ولیم اور پیٹر دونوں ہی بری طرح چیخ رہے تھے۔ اسمتھ بقیہ لوگوں کے ساتھ دور کھڑا یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ تمام لوگ بہر حال یہ سمجھ چکے تھے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ میری ہی پراسرار قوتوں کا کرشمہ ہے۔ اچانک پیٹر پٹتے پٹتے بھاگ کھڑا ہوا۔ کچھ دور کوڑے نے اس کا تعاقب کیا اور پھر واپس ناند میں آ گرا۔ پیٹر کا رخ کوتوالی کے صدر دروازے کی طرف تھا۔ جان ولیم نے جب پیٹر کو اس عذاب سے بچ کر بھاگتے ہوئے دیکھا تو خود بھی اسی طرف دوڑ پڑا۔ ایک مرتبہ گھبراہٹ میں پاؤں اپنے ہی لباس سے الجھ گیا اور وہ اوندھے منہ گرا۔ کوڑا اب بھی اس کی پیٹھ پر برس رہا تھا۔ وہ ایک دم بلبلا کر اٹھا اور چیختا ہوا کوتوالی سے باہر بھاگ گیا۔ کسی کو اتنا ہوش نہیں تھا کہ اس بات پر غور کرتا کہ جان ولیم اور پیٹر ہی کی پٹائی کیوں ہوئی جبکہ اسمتھ بھی اس کمیشن کا ممبر تھا۔

سب لوگ سحر زدہ سے کھڑے تھے۔ جیسے انہوں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ پھر اس سے پہلے کہ کوئی مجھے درخت سے کھولتا ہمزاد مجھ تک پہنچ گیا اور میری رسیاں کھولنے لگا۔ یہ نظارہ بھی ان سب کے لئے حیرت انگیز تھا۔ رسیاں خود بخود کھل رہی تھی۔ چند ہی لمحے میں' میں آزاد ہوگیا۔ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر میں ایس پی اور کوتوال کے قریب پہنچا تو جیسے انہیں ہوش آگیا۔ ابھی میں ایس پی سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسمتھ میرے قدموں میں گر پڑا۔ وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا میں نے جھک کر اسے اٹھایا اور تسلی دی۔

"ہم تم سے بہت خوش ہیں نیک بچے کہ تمہارا دل روشن ہے۔ تم نے ہر ممکن طور پر اس شیطان کو سمجھانے کی کوشش کی ہمارے اوپر سب کچھ روشن ہے۔ اب تم نے اس کا عبرت ناک انجام دیکھ لیا۔ وہ ہمارے سامنے ایک حقیر کیڑے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔" میں نے برآمدے میں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ابھی اسے مناسب سزا نہیں ملی ہے۔ ہم جب چاہیں یہاں سے جا سکتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں کریں گے اس وقت تک نہیں جب تک وہ شیطان خود ہمارے قدموں پر گر کے ہم سے معافی نہ مانگے۔ اگر ہم یہاں سے خود چلے گئے تو ہم جانتے ہیں کہ وہ اپنا غصہ تم لوگوں پر اتارے گا جو ہم نہیں چاہتے۔"

"پھر کیا حکم ہے مرشد!" اس مرتبہ ایس پی نے کہا۔

"ہم یہیں کوتوالی میں رہیں گے۔ جب تک وہ دوبارہ نہ آئے۔"

"جو آپ کا حکم۔ میں آپ کے لئے بستر وغیرہ کا انتظام کر دوں گا۔ آپ یہیں میرے کمرے میں آرام فرمائیں۔" کوتوال بولا۔

"نہیں بستر وغیرہ رہنے دو ہمیں صرف اپنے ہی بستر پر آرام کی نیند آتی ہے۔ وہ ہم ضرور منگالیں گے۔ ویسے اگر آج رات تم جان ولیم اور پیٹر کا حشر دیکھنا چاہو تو چھپ کر اس حویلی میں داخل ہو جاؤ جہاں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ایس پی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دوسری صبح ایس پی' کوتوال کو گزرے ہوئے واقعات سنا رہا

تھا اور میں خاموشی سے سب کچھ سن رہا تھا۔ اس لئے کہ میرے تو علم میں تھا کہ رات بھر ہمزاد نے ولیم اور پیٹر کو تنگ کیا ہے اور سونے نہیں دیا۔ ایس پی کہہ رہا تھا۔

"اس وقت رات کے تقریباً بارہ بجنے والے تھے۔ جان ولیم کا لیمپ مدھم مدھم جل رہا تھا۔ شاید اس نے سونے سے پہلے لیمپ کی لو نیچی کر دی تھی۔ پہلو کی کھڑکی کسی قدر کھلی ہوئی تھی جس سے لگا ہوا میں خاموشی کے ساتھ کمرے کے اندر دیکھ رہا تھا۔ ولیم کراہتے کراہتے آخر سو گیا تھا لیکن اس کے برابر والے کمرے میں پیٹر اب تک جاگ رہا تھا۔ میرے ساتھ اس وقت اسمتھ بھی خاموشی سے کھڑا تھا۔ اچانک میں نے کسی کے زور زور سے ہنسنے کی آواز سنی۔ آواز ولیم کے کمرے سے آ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ولیم اسی طرح بے خبر سو رہا تھا۔ پھر یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کسی کی چیخ کی آواز سے ولیم بھی جاگ گیا۔ وہ کمرے کی چھت کی طرف حیرت سے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اب جو میری نظر اوپر اٹھی تو مجھے بھی ایک دم چکر سا آ گیا۔ وہ منظر اتنا ہی حیرت انگیز تھا۔ چھت کے ساتھ فضا میں پیٹر الٹا لٹکا ہوا تھا بلکہ لٹکا ہوا کہنا بھی غلط ہے وہ فضا میں معلق تھا۔ وہ عین ولیم کے بستر کے اوپر معلق تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر ولیم کے بستر پر گر رہے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ ایک دم وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ یہ صورت حال بڑی مضحکہ تھی۔ پیٹر لگاتار ہنس رہا تھا جیسے اسے کوئی گدگدا رہا ہو۔ اب اسے ہنستے دیکھ کر شاید ولیم کی کچھ ہمت بندھی وہ سختی سے بولا۔ "پیٹر! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" اس کی آواز سے میں نے محسوس کیا کہ وہ خوفزدہ ہے۔ پیٹر اب بھی ہنس رہا تھا۔ ہنسے ہی جا رہا تھا۔ اس نے ولیم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو مگر ہنسی روکنے پر قادر نہ ہو۔ پھر ایک دم وہ رونے لگا چیخنے لگا۔ "بچاؤ! بچاؤ!" اس کے ساتھ ہی وہ جان ولیم کو فحش گالیاں بک رہا تھا جس کی وجہ سے وہ اس عذاب میں مبتلا ہوا تھا۔ پھر وہ بے بسی سے فضا میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا اور کسی نادیدہ قوت سے معافی مانگنے لگا۔ اسی کے ساتھ وہ فضا سے ایک دم ولیم پر گر پڑا۔ وہ سر کے بل گرا تھا نیچے بستر تھا ورنہ اس کے سر کے دو حصے ہو جاتے۔ جیسے ہی پیٹر نیچے گرا۔ جان ولیم اچھل پڑا۔ اور اچانک اس نے پیٹر پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ پیٹر پٹ رہا تھا اور اسے گالیاں بک رہا تھا۔ اس لئے کہ جسمانی طور پر وہ ولیم سے بہت کمزور تھا اور صرف گالیاں ہی بک سکتا تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ جس پلنگ پر وہ دونوں تھے وہ ایک دم الٹ گیا۔ اب وہ دونوں زمین پر پڑے ہوئے تھے اور پلنگ اوندھا پڑا تھا لیکن اب ولیم کی باری تھی۔ میں اور اسمتھ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک سکے۔ جب ہم نے دیکھا کہ ولیم چھت کے ساتھ فضا میں معلق بے بسی سے ہنس رہا ہے اور پیٹر نیچے کھڑا اسے چڑا رہا ہے۔

"غرض کہ رات بھر یہی تماشہ ہوتا رہا۔" ایس پی نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ وہ دونوں اس وقت سو رہے ہوں گے۔ اس لئے کہ رات بڑی مشکل سے گزاری ہے اور اب شاید گیارہ بجے تک ہی لوٹیں گے۔"

"یقیناً!" جان ولیم کے نام دارالحکومت سے ایک پیغام بھی آیا ہے۔ وہ یہاں آ جائے تو دیا جائے یا اگر وہیں بھجوا..." کوتوال ابھی یہی کہہ پایا تھا کہ ایک انسپکٹر نے اطلاع دی کہ جان ولیم آ رہا ہے اور ساتھ میں پیٹر اور اسمتھ بھی ہیں۔

میں نے فوراً کہا۔ "تم لوگ مجھے اسی طرح حوالات میں بند کر دو۔"

مجھے پھر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ ابھی کوتوال برآمدے تک ہی پہنچا تھا کہ میں نے جان ولیم وغیرہ کو دیکھا۔ وہ لوگ کوتوالی کے صدر دروازے سے داخل ہو رہے تھے۔ میں نے دور سے دیکھا کہ جان ولیم کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں سرخ ہیں نہ تو وہ ٹھیک طرح سویا تھا اور نہ ہی اسے کل سے کھانا نصیب ہوا تھا۔ میں نے کھانا اور نیند اس سے چھین لئے تھے۔ میں نے ہمزاد کو حکم دیا تھا کہ جان ولیم اور پیٹر نہ تو کچھ کھا پائیں اور نہ ہی سو پائیں کل رات بھی ولیم سویا نہیں تھا بلکہ اس پر نیم بے ہوشی طاری ہو گئی تھی جسے ایس پی نے سمجھا تھا کہ نیند ہے۔

بھوک' بے خوابی اور جسمانی و ذہنی اذیت کے سامنے اچھے اچھے بول جاتے ہیں مگر وہ ظالم بھی جان ولیم تھا۔ شیطان' ضدی اور خود سر۔ وہ برآمدے میں آ کر بیٹھا تو مجھے اس کے تیوروں سے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی خطرناک ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے آتے ہی سب سے پہلے وہ خط پڑھا جو دارالحکومت سے اس کے نام آیا تھا۔ پھر کچھ دیر بیٹھا ہوا نہ جانے کیا سوچتا رہا۔ خط اس کے سامنے کھلا ہوا میز پر رکھا تھا۔ یقیناً یہ کوئی اہم خط ہے جس نے اس شیطان کو فکرمند کر دیا ہے۔ میرے دل میں تجسس پیدا ہوا۔ ایس پی اور کوتوال ایک طرف پڑی ہوئی کرسیوں پر خاموشی سے بیٹھے تھے۔ اسمتھ اور پیٹر جان ولیم کے سامنے میز کے دوسری طرف بیٹھے تھے۔

میں نے ہمزاد کو طلب کیا اور اسے خط کا مضمون معلوم کرنے کے لئے کہا۔ اس نے مجھے آ کر بتایا کہ خط گورنر صاحب کا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ نواب صاحب حکومت پر زور ڈال رہے ہیں کہ مجرم کو فوراً گرفتار کیا جائے اور حکومت ہر حال میں انہیں خوش رکھنا چاہتی ہے۔ اس لئے فوراً مجرم کو گرفتار کر کے دارالحکومت پہنچو کسی تفتیش کی ضرورت نہیں۔

میں نے دیکھا کہ اس نے کچھ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا' ظاہر ہے کہ وہ احکامات صادر کرنے والا تھا کہ مجھے اب جیل میں ڈال دیا جائے میں نے ہمزاد کو حکم دیا کہ اسے روک دو۔ یہ کچھ بھی نہ لکھنے پائے اور اسے کسی طرح اس پر مجبور کرو کہ ہمارے سامنے جھک جائے۔ ہمزاد نے بتایا کہ ابھی وہ صرف مجرم شیخ کرامت ہی لکھ پایا ہے۔ دوسرے ہی لمحے ہمزاد اس تک پہنچ چکا تھا۔

قلم اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ آگے کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر کسی نادیدہ ہاتھ نے اسے روک دیا تھا اب وہ ایک لفظ بھی آگے نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس نے جھنجلا کر اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور پھر لکھنا چاہا مگر قلم رک گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور ایک لمحے کے لئے اس کی نظریں مجھ سے مل گئیں۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ اس کی گردن اسی طرح مڑی کی مڑی رہ گئی۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور قلم میز پر پھینک دیا۔ اسمتھ اور پیٹر اس کی حالت دیکھ رہے تھے وہ وحشت زدہ سا لگ رہا تھا۔ اچانک پیٹر بولا۔ "سر جلدی سے آرڈر دے کر چلئے مجھے یہاں ڈر لگ رہا ہے۔ اسے جیل بھیج دیجئے تاکہ......"

لیکن وہ ابھی اپنا جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ ایک دم چیخ پڑا اور بقیہ لوگ بھی خوفزدہ نظر آنے لگے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ کھیل شروع ہو چکا ہے۔ ہوا یہ کہ میز پر پڑا ہوا لکڑی کا رول خود بخود اٹھ کر بہت زور سے پیٹر کے سر پر پڑا تھا۔ اور ابھی وہ لوگ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کی آنکھوں نے ایک اور حیرت انگیز منظر دیکھا۔ قلم خود بخود قلمدان سے اٹھا اور کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔ جان ولیم حیرت سے وہ تحریر پڑھ رہا تھا۔ کاغذ پر لکھا تھا۔ "تم نادان اور حقیر کیڑے ہماری پراسرار قوتوں سے ٹکرانے کی کوشش میں سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہ پاؤ گے۔ اس سے پہلے کہ ہم تمہیں نیست و نابود کر دیں۔ تم اپنی شکست تسلیم کر لو۔ اور سنو تم ہمیں قید نہیں رکھ سکتے۔ ہم جب چاہیں آزاد ہو سکتے ہیں۔ روک سکتے ہو تو روک لو۔" قلم ' قلمدان میں آ گیا اور اب ایک دوسرا منظر جان ولیم کی خوفزدہ آنکھوں نے دیکھا۔ میز پر چابی کا گچھا پڑا تھا جس میں حوالات کی چابی بھی تھی۔ گچھا اچانک میز سے بلند ہوا اور فضا میں تیرتا ہوا حوالات کی طرف بڑھنے لگا۔ سب کی نگاہیں گچھے پر جمی ہوئی تھیں گچھا حوالات کے دروازے پر آ کر فضا میں معلق ہو گیا۔ حوالات کے دروازے پر متعین سپاہی چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا اور پھر گچھے سے ایک چابی نکل کر حوالات کے بڑے تالے میں داخل ہو کر گھوم گئی۔ حوالات کا تالا کھل چکا تھا۔ پھر چند ہی لمحے میں حوالات کا دروازہ خود بخود کھل گیا اور میں باہر نکل کر برآمدے کی طرف بڑے باوقار انداز میں چلا جہاں جان ولیم وغیرہ بیٹھے تھے۔ وہ سب جیسے پتھر ہو گئے تھے۔ وہ ایک ٹک مجھے گھورے جا رہے تھے۔ میں نے اپنے پیچھے حوالات کا دروازہ بند ہونے اور پھر تالا لگنے کی آواز سنی۔ اب گچھا مجھ سے آگے آگے فضا میں تیرتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صرف میں ہمزاد کی حرکات و سکنات دیکھ سکتا تھا۔ ہمزاد نے گچھا میز پر رکھ کر نہ جانے کیوں ایک زور کا طمانچہ پیٹر کے سرخ گال پر جڑ دیا جس کی آواز سے ولیم بھی اچھل پڑا۔ پیٹر اپنا گال سہلا رہا تھا میں اب برآمدے کی سیڑھیوں تک پہنچ چکا تھا میں جیسے ہی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا' پیٹر ایک دم اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھا اور میرے قدموں پر گر پڑا۔ میں نے اسے اٹھایا وہ تھر تھر کانپ رہا تھا جیسے بہت زور کی سردی لگ رہی ہو۔ جان ولیم کو بھی اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے میرا دامن پکڑا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ رندھے ہوئے گلے سے کہہ رہا تھا "میں آپ سے ہار گیا۔ آپ یقیناً بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ میں اس وقت تک آپ کا دامن نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ مجھے معاف نہیں کر دیں گے۔" وہ زار و قطار رو رہا تھا۔

حالات بدل چکے تھے۔ غرور کا سر نیچا ہو گیا تھا میں نے جان ولیم کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "اٹھو میرے بچے! میں نے تمہیں معاف کیا۔" اور اس جملے کے ادا ہوتے ہی جیسے اس کے چہرے پر زندگی لوٹ آئی۔ وہ خوشی سے میرے سینے کے ساتھ لپٹ گیا۔ اس نے ضد کر کے مجھے اپنی کرسی پر بٹھایا اور خود سامنے مودب بیٹھ گیا۔ اب ایس پی اور کوتوال بھی اپنی کرسیاں کھسکا کر قریب آ گئے تھے۔

"میں نے کل سے تم دونوں پر کھانا اور نیند بند کر دی تھی میں جانتا ہوں تم دونوں سخت بھوکے ہو۔ بولو کیا کھاؤ گے۔" میں نے جان ولیم اور پیٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کے سر شرم سے جھک گئے اور وہ کچھ نہ بولے۔ پھر آنے والے چند لمحوں میں ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ان کے لئے یہ منظر قطعی نیا تھا۔ میں طرح طرح کے کھانے ہمزاد سے لے لے کر میز پر چن رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں فضا دوستانہ ہو گئی۔ سب لوگ بیٹھے ہوئے بہترین کھانے کھا رہے تھے۔ ان میں کوتوال اور ایس پی بھی شامل

تھے۔

دوپہر سے کچھ پہلے میں کوتوالی سے رخصت ہوا۔ میں اس تمام ہنگامے سے خود بھی کسی قدر تھکا ہوا تھا اس لئے کہ جو نیند اپنے گھر میں آتی ہے وہ کہیں اور نہیں۔ میں اپنی محل نما حویلی میں پہنچ کر دوپہر کا کھانا کھا کر سو گیا اور مغرب کے بعد تک سوتا رہا۔ پھر نہا دھو کر اپنی فٹن پر شہر کی سیر کو نکلا جب واپس ہوا تو ۹ بجے کا وقت تھا۔

گزشتہ رات میری آغوش خالی رہی تھی مجھے ابھی سے انگڑائیوں پر انگڑائیاں آ رہی تھیں۔ اور میں بے چینی سے رات گزرنے کا منتظر تھا تاکہ کوئی جسم میری روح کی پیاس بجھا سکے۔ میرے ذہن میں اس وقت سوائے کسی حسین بدن کی خواہش کے کچھ بھی نہیں تھا۔ جیسے تیسے رات کے بارہ بجے۔ میں اپنے بستر پر پڑا کروٹیں بدل رہا تھا۔ ۱۲ بجتے ہی میں نے ہمزاد کو طلب کیا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ چند لمحے ہی میں میری دلی مراد بر آئی اور میں اس طرح گم ہو گیا کہ مجھے کچھ دیر تو وہ آواز ہی سنائی نہ دی کہ کوئی زور زور سے میرے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا ہے۔ کون ہو سکتا ہے؟ میں نے سوچا۔ اس وقت صبح کے تقریباً ۴ بجے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت دروازے کے پیٹے جانے پر میرا خون کھول گیا ہو گا۔

میں نے ایک دم دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی میرا سارا غصہ ایک لمحے ہی میں ہوا ہو گیا اور صورت حال کی نزاکت نے میرے اوسان خطا کر دیئے۔ "نواب صاحب کے غنڈے" میرے ذہن نے کہا۔ وہ پندرہ تندرست و توانا غنڈے تھے۔ جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں، چھریاں اور تلواریں تھیں۔ وہ دندناتے ہوئے کمرے میں گھس پڑے۔ ان کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ ابھی میں سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ ان میں سے ایک نے اپنی لاٹھی سے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے جھکائی دی اور لاٹھی میرے کاندھے سے پھسلتی ہوئی زمین پر پڑی مگر اسی وقت دوسری لاٹھی میرے دوسرے کاندھے پر پڑی۔ اور میرے منہ سے ایک طویل چیخ نکل گئی۔ میں چیخا۔ "ہمزاد! ہمزاد! مجھے بچاؤ بچاؤ!" مگر ظاہر ہے کہ میرا چیخنا چلانا بے سود تھا۔ اس وقت ہمزاد میری کسی طرح بھی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ میں ناپاک تھا۔ میرے اور ہمزاد کے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ میں اسے ہمیشہ پاک ہونے کی صورت میں طلب کر سکتا ہوں۔ لیکن اس وقت اتنا ہوش کسے تھا مجھے تو اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ اچانک ہی میرے ذہن میں تیزی سے یہ خیال آیا کہ اگر میں اس وقت پاک ہو جاؤں غسل کر لوں تو میں ہمزاد کو طلب کر سکتا ہوں۔ یہی سوچ کر میں ایک مرتبہ بجلی کی طرح کوند کر ان کی گرفت سے نکل گیا۔

مجھے نہیں معلوم اس وقت مجھ میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ موت کا خوف بزدل سے بزدل اور کمزور سے کمزور آدمی کو ایک مرتبہ ضرور نڈر اور بہادر بنا دیتا ہے۔ شاید یہی سبب تھا کہ میں زخمی ہونے کے باوجود کمرے سے بھاگ کر صحن میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ سامنے گھڑونچی تھی۔ مگر گھڑونچی پر نظر پڑتے ہی میری تمام امیدوں پر پانی پھر گیا تمام گھڑے توڑے جا چکے تھے۔ اسی عرصے میں میرے قاتل بھی صحن تک پہنچ چکے تھے۔ موت میرے سامنے تھی۔ وہ تعداد میں مجھ سے زیادہ، میں نہتا اور اکیلا اسی لمحے کسی نے میرے پہلو پر اپنے خنجر سے وار کیا۔ میرے پہلو میں جیسے آگ بھر گئی۔ میں درد اور تکلیف سے چیخ اٹھا۔ ایک مرتبہ میں پھر چلایا۔ "ہمزاد بچاؤ! بچاؤ! ہمزاد ہمزاد!" اور اسی لمحے میری نظر سامنے پڑے ہوئے ایک ٹوٹے ہوئے گھڑے پر پڑی جس میں کچھ پانی ابھی باقی تھا۔ میں نے چیختے ہوئے اچانک اس ٹوٹے گھڑے کا پانی اپنے سر پر ڈال لیا۔ جس سے صرف میرا سر اور چہرہ ہی بمشکل بھیگ سکا اور اسی لمحے کسی نے تلوار کی ایک ہی ضرب سے میری گردن اڑا دی۔ میرا سر کٹ کر دور جا گرا اور پھر آخری منظر جو میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ کئی تلواریں میرے کٹے ہوئے تڑپتے ہوئے جسم میں اتر گئیں۔ اسی لمحے میں نے محسوس کیا کہ میرا کٹا ہوا سر فضاؤں میں بلند ہوتا جا رہا ہے اور قاتل حیرت سے میرے بلند ہوتے ہوئے سر کو دیکھ رہے تھے۔ میری کٹی ہوئی گردن سے اب تک خون بہہ بہہ کر فضا میں گر رہا تھا۔

****

میں اس وقت ناقابل بیان کرب و اذیت میں مبتلا تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ بدایوں کی کچی پکی عمارتیں مجھے بہت نیچے نظر آ رہی تھیں۔ میں کہاں ہوں؟ کیا میں زندہ ہوں؟ آخر یہ سب کیا ہے؟ میں کہاں جا رہا ہوں؟ میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات گردش کر رہے تھے۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ میرا سر پھر نیچے کی طرف آ رہا ہے۔ مجھے عمارتیں اپنے نزدیک آتی محسوس ہونے لگیں۔ جب میرا سر کافی نیچے آ گیا تو میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ یہ بدایوں شہر سے باہر ایک ویران خانقاہ تھی۔

میرا سر ایک شکستہ دیوار پر آ کر رک گیا۔ اب کسی قدر اجالا پھیلنے لگا تھا مجھے اسی وقت ہمزاد کا خیال آیا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ پریشان پریشان اور الجھا الجھا سا۔

وہ بولا۔

"بہت برا ہوا میرے آقا! یہ آپ نے کیا کیا؟"

"کیا میں زندہ ہوں؟" میں نے بہ مشکل اس سے سوال کیا۔

"ہاں میرے آقا آپ زندہ ہیں۔ اس لئے کہ آپ کی روح زندہ ہے یعنی میں لیکن..... لیکن....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہو! کہو اس سے مت ڈرو کہ میں کیا سوچوں گا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ مجھے تمہارے ہوتے ہوئے قتل کر دیا گیا۔"

"لیکن میرے آقا! آپ شاید بھول گئے کہ میں ایک روح ہوں اور روح پاک ہوتی ہے۔ میں نے روز اول ہی آپ کو آگاہ کر دیا تھا کہ میں ناپاکی کی حالت میں آپ کے طلب کرنے کے باوجود نہ آسکوں گا۔" ہمزاد نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا۔ پھر بولا "ادھر دیکھئے، غور سے دیکھئے میں بھی لہولہان ہوں۔ اگر وہ آپ کو پورے پورے طور پر ناپاکی کی حالت میں قتل کر چکے ہوتے تو میں بھی مر گیا ہوتا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ میرے پاس بھی اب صرف سر رہ گیا ہے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے اپنے سر اور چہرے کو پاک کر لیا۔ اور میں اسی وقت آپ کا سر لے اڑا۔ اب میں تمام کا تمام صرف چہرے اور سر میں سمٹ آیا ہوں۔ میں ادھورا ہوں۔ آپ بھی ادھورے ہیں۔" میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ آج سے پہلے میں نے کبھی اس کے چہرے پر اتنا دکھ اور ملال نہیں دیکھا تھا۔

"اب کیا ہو گا ہمزاد! کچھ تو بتاؤ؟ کیا ہم اور تم ادھورے ہی رہیں گے؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میرا بقیہ جسم مجھے مل جائے؟" میں نے پوچھا۔

"بے کار ہے۔ اس جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جا چکے ہیں۔ وہ قطعی ناکارہ ہو چکا ہے۔ مگر اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے صرف آپ کی ہمت پر سارا دارومدار ہے۔"

"مجھے بتاؤ کیا ہو سکتا ہے۔ تم میں اب بھی کیا کیا قوتیں موجود ہیں۔" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"آپ کو کسی نوجوان کا جسم حاصل کرنا ہو گا جس کے ساتھ آپ کا سر لگ سکے۔ جس دن یہ کام مکمل ہو گیا میری ساری قوتیں واپس آ جائیں گی۔ آپ اس طرح سمجھ لیجئے کہ جسم میرے لئے گھر ہے میں روح ہوں مجھے اپنا گھر چاہئے۔ لیکن میں خود اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا اور آپ کو بھی اس معاملے میں کسی کی مدد لینی پڑے گی۔"

"آپ کو شاید وہ پہلی لڑکی یاد ہو جس کا نام رضیہ تھا۔ میرا علم مجھے بتاتا ہے کہ وہ آپ سے سچی محبت کرتی تھی۔ شاید اب تک اس کے سینے میں آپ کی محبت کی چنگاریاں موجود ہیں۔ وہ آپ کے ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہے۔ اس نے شادی بھی نہیں کی۔ اسے آج بھی یقین ہے کہ آپ اسے کبھی نہ کبھی ضرور بلائیں گے۔ وہ آج بھی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ آپ کی نشانی کو سینے سے لگائے آپ کی منتظر ہے۔ جس لڑکے کے ساتھ اس کی منگنی ہوئی تھی وہ لڑکا اس سے محبت کرتا تھا اور اب بھی اسی طرح رضیہ کو چاہتا ہے۔ اس نے بھی شادی نہیں کی۔ اس کا نام اختر ہے۔ اختر رضیہ کا ماموں زاد بھائی بھی ہے بچپن ہی سے وہ رضیہ کو چاہتا ہے رضیہ بھی اس سے محبت کرتی تھی لیکن آپ نے اس پر نہ جانے کیا جادو کر دیا کہ وہ اختر کو بھلا کر آپ کی ہو گئی اور اب تک آپ کی ہے۔ اگر وہ کسی طرح آپ کی محبت سے مجبور ہو کر اختر کو قتل کر دے تو اس کا بقیہ جسم آپ اپنا سکتے ہیں۔ رضیہ کو اس پر آمادہ کرنے کی ساری ذمے داری آپ کی ہے۔ یہ میرے بس میں نہیں۔"

ہمزاد نے تفصیل سے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ زندگی کی ایک امید پیدا ہو رہی تھی۔ آدمی کتنا خود غرض اور کمینہ ہوتا ہے۔ اس بات کا اندازہ میرے اس وقت کے خیالات سے کیا جا سکتا ہے کہ میں ہمزاد کی یہ باتیں سن کر اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ ایک بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنی زندگی کا سامان پیدا کر لوں۔

میں نے یہی سب کچھ سوچ کر ہمزاد سے کہا اور سوال کیا۔

"تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ میں رضیہ تک پہنچوں گا کس طرح؟"

"یہ ذمے داری میری ہے بلکہ جب تک آپ اپنا جسم حاصل نہیں کر لیتے میں آپ کے ساتھ ساتھ ہوں۔" ہمزاد نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"پھر کب رضیہ کے گھر چلا جائے؟"

"آج آدھی رات کے قریب میں آپ کے سر کو وہاں لے جاؤں گا اسے شیشے میں اتارنے کی ذمے داری آپ کی ہے۔" ہمزاد بولا۔

اور اپنے قتل کی دوسری رات میں پھر بدایوں میں داخل ہو رہا تھا۔ جس وقت میرا سر اپنی حویلی کے اوپر سے گزر رہا تھا میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کل تک یہ حویلی زندگی سے بھرپور تھی اور آج اسی حویلی پر وحشت برس رہی تھی۔ ہم جلد ہی رضیہ کے گھر تک پہنچ گئے۔ میرا سر اس وقت فضا میں تیر رہا تھا۔ رضیہ ہمیں جلد ہی ایک الگ کمرے میں سوتی ہوئی مل گئی۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ میں کمرے کی ایک کھڑکی میں معلق ہو گیا۔ وہ محو خواب تھی۔ اور اس کے پہلو میں ایک معصوم سا خوبصورت بچہ سو رہا تھا۔ یہ بچہ یقیناً میرا ہے۔ میں نے سوچا۔ وہ

اسے سینے سے لگائے بڑی معصومیت سے نیند کی آغوش میں تھی۔ اس کی بڑی بڑی لانبی زلفیں اس۔ کے چہرے کے ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ جیسے چاند بدلیوں میں۔ وہ آج بھی پہلے ہی کی طرح حسین تھی۔

"کاش زندگی بھر میں اسے اسی طرح دیکھتا رہوں۔" میں سوچ رہا تھا۔ "یہی تو وہ واحد لڑکی ہے جس نے مجھے اب تک نہیں بھلایا۔"

"رضیہ! رضیہ!" میں اسے آواز دے رہا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور جیسے ہی اس کی نظر میرے کٹے ہوئے سر پر پڑی وہ ایک دم چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔ اس کی طویل چیخ سے ساری حویلی گونج اٹھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی چیخ سے بچہ بھی ایک دم جاگ کر رونے لگا ہے۔ حویلی میں جاگ ہوگئی۔ پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔

ہمزاد نے کہا "اس سے پہلے کہ کوئی آپ کو دیکھ لے' یہاں سے نکل چلئے۔" اس کے ساتھ ہی ایک مرتبہ پھر میرا سر فضا میں بلند ہونے لگا اور چند ہی لمحوں میں ہم بدایوں سے باہر نکل کر اس ویران خانقاہ میں پہنچ گئے۔ میں نے وہاں پہنچتے ہی ہمزاد سے کہا۔

"تم فوراً جاکر معلوم کرو اسے ہوش آیا کہ نہیں۔ میں تو یہ بھول ہی گیا تھا کہ اس حالت میں مجھے دیکھ کر وہ یقیناً خوفزدہ ہو جائے گی۔ تم اس کی خیریت کی خبر لے کر فوراً آؤ۔"

ہمزاد مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ ادھر ہمزاد مجھ سے رخصت ہوا ادھر میں اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ اور اس وقت چونکا۔ جب مجھے اپنے قریب ہی ایک پھنکار سی سنائی دی۔ میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس وقت میں خانقاہ کی اندرونی شکستہ کوٹھری میں تھا۔ ظاہر ہے کہ نہ میرے ہاتھ پاؤں تھے نہ بقیہ جسم جو میں کہیں چل پھر سکتا۔ اور اس وقت تو ہمزاد بھی میرے پاس نہیں تھا۔ یہ پھنکار حقیقتاً کسی سانپ ہی کی ہوسکتی تھی۔ میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ میں نے اپنے چہرے پر کچھ لجلجاہٹ سی محسوس کی اور میں کانپ کر رہ گیا۔ سانپ میرے چہرے پر رینگ رہا تھا اور کسی بھی لمحے مجھے ڈس سکتا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ سانپ میرے سر سے گزر کر کسی طرف نکل جائے گا۔ مگر خلاف توقع سانپ میرے چہرے کے ارد گرد کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اب مجھے پورا یقین ہوچکا تھا کہ وہ سانپ ہی ہے۔ یہ صورت حال یقیناً خطرناک تھی۔ میں نے دوسرے ہی لمحے ہمزاد کا تصور کیا۔ وہ فوراً حاضر ہوگیا اور اس سے پہلے کہ میں اسے صورت حال سے آگاہ کرتا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے چہرے سے بل کھلتے جا رہے ہیں۔ چند ہی لمحوں میں' میں سانپ کی گرفت سے آزاد تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ سانپ نے مجھے نہیں ڈسا تھا۔

"یہ تم مجھے کس خطرناک جگہ لے آئے ہو؟" میں نے ہمزاد سے برہم ہو کر کہا "اگر تمہیں کچھ دیر اور ہو جاتی تو وہ یقیناً مجھے ڈس لیتا۔"

"مگر آقا اس میں میرا کیا قصور ہے؟ جانور تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔ ویسے اب یہاں صرف اس سانپ کی مادہ رہ گئی ہے اور کوئی جانور اس کے علاوہ یہاں نہیں ہے اب اس مادہ کو مارنا بے حد ضروری ہے ورنہ وہ سخت انتقام لے گی۔" یہ کہہ کر ہمزاد نے اس کوٹھری کے کونے میں ایک بل کی طرف دیکھا اور نہ جانے کیا پڑھا کہ دوسرے ہی لمحے اس بل سے مجھے ایک سانپ کا سر نکلتے ہوئے دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دیکھا۔ ایک سرخ روشنی سی اس کی طرف لپکی اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ سانپ کوٹھری کے فرش پر بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے سارے جسم میں آگ لگی ہوئی تھی۔

"یہ بہت ضروری تھا میرے آقا!" میں ہمزاد کی آواز سن کر چونکا۔ "ورنہ یہ مادہ آپ سے انتقام لیتی۔ اب آپ یہاں پوری طرح محفوظ ہیں۔"

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔ "خیر یہ سب تو جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا مگر میں نے تمہیں جس غرض سے بھیجا تھا' اس کا کیا ہوا؟"

"رضیہ بدستور بے ہوش ہے۔ مگر کچھ ایسی زیادہ فکر کی بات نہیں۔ رضیہ کے گھر کے قریب حکیم سراج الدین رہتے ہیں۔ رضیہ کے والد نے انہیں بلا لیا ہے۔" ہمزاد نے مجھے تسلی دی۔ پھر کچھ لمحے رک کر بولا "لیکن اس طرح تو کام بگڑنے کا خطرہ ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ اگر رضیہ نے اپنے گھر والوں کو یہ بتادیا کہ اس نے آپ کا سر کٹا ہوا دیکھا تھا تو یہ خطرناک ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ دوبارہ بھی آپ کا کٹا ہوا سر دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی تو معاملہ کس طرح بنے گا؟"

"تمہاری پہلی بات کا تو یہ جواب ہے کہ اگر رضیہ نے ہوش میں آنے کے بعد میرے بارے میں لوگوں کو بتایا بھی تو لوگ اسے صرف اس کا واہمہ سمجھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی اس کی بات پر اعتبار نہیں کرے گا رہا تمہارا دوسرا سوال تو میں سمجھتا ہوں کہ دو ایک مرتبہ کوشش کے بعد اس کے دل سے کسی قدر خوف نکل جائے گا اور پھر میں اس سے اپنے مقصد کی بات کر سکتا ہوں۔"

میں اور ہمزاد صبح تک۔ طرح طرح کے مشورے آپس میں

کرتے رہے۔ اور یہ طے کیا کہ آئندہ آنے والی رات کو رضیہ کے پاس صرف ہمزاد جائے گا' میں نہیں۔ ہمزاد اسے نظر نہیں آئے گا بلکہ وہ صرف ہمزاد کی آواز سن سکے گی۔ اور ہمزاد اسے بتائے گا کہ مجھ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور یہ کہ میں اس سے بہت اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔

دوسری رات ہمزاد کو گئے ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی اور میں بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔ مجھے ایک ایک پل دوبھر ہو رہا تھا۔ آخر وہ صبح کے قریب واپس ہوا۔ اس نے آتے ہی مجھے خوشخبری سنائی کہ اس نے رضیہ کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ وہ مجھ سے بات کرے۔ ہمزاد نے مجھے بتایا کہ رضیہ کو اس نے بمشکل اس بات پر تیار کیا ہے۔ رضیہ لاتعداد سوالوں کا جواب چاہتی ہے جس کے لئے میں نے کہہ دیا ہے کہ آپ خود ان باتوں کا جواب دیں گے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس نے اپنے ہوش میں آنے کے بعد لوگوں کو سب کچھ بتادیا کہ اسے کیا نظر آیا تھا مگر جیسا کہ آپ نے کہا تھا کسی نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا۔ جس سے وہ بہت رنجیدہ ہوئی۔" ہمزاد نے تمام باتیں مجھے تفصیل سے بتادیں۔

میں وہ رات کبھی نہیں بھول سکتا جب میرا کٹا ہوا سر رضیہ سے پہلی مرتبہ ہمکلام ہوا۔ پہلے پہل میں نے اس کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھے مگر رفتہ رفتہ وہ مجھ سے مانوس ہوگئی۔ میں اس سے کہہ رہا تھا۔

"رضیہ! تم جانتی ہو کہ میں ایک اور ہی دنیا کا فرد ہوں۔ جس کا خالق اور مخلوق میں خود تھا۔ لیکن اس بدقسمت لمحے کو میں کبھی نہیں بھول سکتا جب میں اپنی دنیا کا حصار توڑ کر تمہاری دنیا میں داخل ہوا۔ اسی کا نتیجہ آج میرے سامنے ہے۔ میں نے اپنے لئے دنیا کی حسین ترین لڑکی کا انتخاب کیا اور وہ تم تھیں۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا تھا اور آج بھی چاہتا ہوں۔ اب سے تقریباً سال بھر پہلے جب میں تمہیں ایک رات اپنی دنیا میں لے جانے کے لئے تمہاری دنیا میں داخل ہو رہا تھا تو تمہاری دنیا کی کچھ نادیدہ اور پراسرار قوتوں نے مجھے تمہاری دنیا میں داخل ہونے سے روک دیا۔ مجھے اعتراف ہے کہ تمہاری دنیا کا خدا مجھ سے زیادہ طاقتور اور بااختیار ہے جس نے مجھے تمہاری دنیا میں داخل نہ ہونے دیا۔ اس نے میرے پیچھے اپنی پراسرار قوتیں لگادیں تاکہ میں پھر کبھی اپنی دنیا سے نکل کر اس کی دنیا میں داخل نہ ہوسکوں۔ میں تم سے جدا کر دیا گیا۔ یہ جدائی میرے لئے اذیت ناک تھی۔ میں کسی بھی طرح اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ میں تمہاری دنیا میں داخل ہونے کے لئے برابر کوششیں کرتا رہا اور آخر ایک دن اپنے اس ارادے میں کامیاب ہوگیا مگر اس کی مجھے بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ ان نادیدہ پراسرار قوتوں نے مجھے قتل کر دیا۔ میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کسی طرح میں ان سے اپنا سر بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ تم جانتی ہو کہ مجھے موت نہیں ہے میں ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ جس کا ثبوت یہ میرا کٹا ہوا سر ہے۔ مگر رضیہ کیا...... کیا تم اب بھی مجھے چاہتی ہو۔ اسی طرح...." میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ میری آنکھوں میں اس وقت آنسو تیر رہے تھے۔

"م..... میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں اس کا اندازہ شاید تمہیں نہ ہو... میں تمہارے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔..... مگر..... مگر یہ بہت برا ہوا.... تمہارے بعد میں نے بھی بہت دکھ جھیلے ہیں۔ اتنے عذاب' اتنے دکھ۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے رضیہ! سب کچھ! لیکن یاد رکھو کہ اگر ہماری محبت سچی ہے اور یقیناً سچی ہے ورنہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ہم نہ ملتے۔ تو سنو! ہماری محبت عظیم اور لافانی ہے۔ ہمیں کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا ہمیشہ کے لئے... ہمیشہ ہمیشہ اب تم میرے پاس رہو گی۔ میری اپنی دنیا میں۔ جہاں صرف میں اور تم...... مگر نہیں میرا بیٹا بھی ہوگا۔ میں تمہیں اور اپنے بیٹے کو لے جاؤں گا۔ اپنی دنیا میں اور پھر تمہیں لافانی کردوں گا۔ میں تمہیں آب حیات پلا دوں گا۔ تم ہمیشہ زندہ رہو گی۔ اور میرا بیٹا بھی۔" میں رضیہ کو پوری طرح اپنے جال میں پھانس رہا تھا۔ اسے ایک اور ہی دنیا کے خواب دکھا کر اپنے اعتماد میں لے رہا تھا۔ اور مجھے اندازہ تھا کہ وہ میری باتوں سے متاثر ہو رہی ہے۔

وہ اس وقت کچھ سوچ رہی تھی۔ کمرے میں لالٹین کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور میں فضا میں معلق اس سے کچھ فاصلے پر موجود تھا۔ بچہ سو رہا تھا۔ اور رضیہ اپنی چارپائی سے پاؤں لٹکائے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ بولی۔

"مگر یہ سب کس طرح ہوگا؟ کیا وہ پراسرار قوتیں جنہوں نے تمہیں قتل کر دیا ہے وہ تمہارا راستہ نہیں روکیں گی؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ اگر میں اسی وقت' اسی حالت میں تمہیں لے جانا چاہوں تو یہ ناممکن ہے۔ اس کے لئے ایک بڑے اور مشکل مرحلے سے گزرنا ضروری ہے۔ لیکن رضیہ! میری زندگی! اگر تم میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرو تو میں اس امتحان سے بھی بخوبی گزر سکتا ہوں۔ تمہاری دنیا سے نکل کر اپنی دنیا میں جانے کے لئے مجھے اپنی پوری قوتیں استعمال کرنا ہوں گی اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک میں ادھورا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے ایک جوان جسم چاہئے۔ جس کے ساتھ میں اپنا یہ کٹا ہوا سر جوڑ سکوں۔ اس طرح میری تکمیل ہو جائے گی اور میری پراسرار قوتیں بھی پوری طرح واپس آ جائیں گی۔ پھر میں بہت آسانی سے تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ اور یہ کام تم میرے لئے کرو گی۔" آخر کار میں نے مطلب کی بات کہہ دی۔

"کیا مطلب... مم... مم...... میں..... جوان جسم..... کہاں سے لاؤں گی۔ میں سمجھی نہیں۔" رضیہ میری بات سن کر حیرت زدہ ہو کر ہکلانے لگی۔

"میں بتاتا ہوں تمہیں۔ مجھ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔ لیکن اس حالت میں بغیر تمہاری مدد کے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر تم مجھے چاہتی ہو تو تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔ اس میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔ میں تم سے جو کہتا رہوں اس پر عمل کرتی رہو۔ تمام معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔"

میں نے دیکھا کہ وہ عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہی ہے۔ میں نے پھر کہا "بولو! کیا تم اس پر آمادہ ہو۔ اور اگر نہیں تو... تو میں بھی زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ میں کیوں زندہ رہوں؟ کس لئے زندہ رہوں؟ میں..... میں..." میں نے بمشکل اپنی آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا۔

حسب توقع میرے آنسوؤں کا اس پر اثر ہوا اور وہ بولی "میں تمہارے لئے سب کچھ کروں گی چاہے میری جان چلی جائے۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ میں نے اپنی زندگی میں جتنی محبت تم سے کی ہے اتنی کسی سے بھی نہیں کی۔" اس کی آواز جذبات سے کانپ رہی تھی۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی میری زندگی۔ تمہاری محبت قابل پرستش ہے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"تم مجھے بتاؤ! مجھے کیا کرنا ہوگا؟" رضیہ نے کہا۔ اب اس کی آواز میں بھرپور عزم تھا جیسے اس نے دل ہی دل میں کچھ فیصلہ کر لیا ہو۔

"تمہیں اختر کو قتل کرنا ہوگا۔" میں نے اچانک وہ بات کہہ دی جو انتہائی خطرناک تھی۔

"کیا؟" وہ تقریباً چیخ پڑی۔

"آہستہ بولو! کوئی جاگ نہ جائے۔ اپنے اوپر قابو رکھو اور میری بات توجہ سے سنو!" میں نے دیکھا کہ رضیہ کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اس سے یہ کام لوں گا۔ وہ گم سم بیٹھی میری بات سنتی رہی۔ میں کہہ رہا تھا۔

"میری پراسرار قوتوں نے مجھے بتایا ہے کہ اختر تم سے اب بھی محبت کرتا ہے اور اسی لئے اس نے اب تک کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کی۔ اگر تم اب بھی اس کی محبت کا جواب محبت سے دو تو وہ تم سے قریب ہو سکتا ہے اور....." میں اتنا کہہ پایا تھا کہ اس نے میری بات کاٹ دی۔ "نہیں میں اختر سے محبت نہیں کرتی۔ میں تمہیں چاہتی ہوں۔ میں تمہاری ہوں۔"

"میں بھی جانتا ہوں کہ تم صرف مجھ سے محبت کرتی ہو لیکن تم پہلے میری پوری بات تو سن لو۔ تمہیں اس سے محبت نہیں یہ بالکل سچ ہے۔ تمہیں صرف وقتی طور پر اس سے جھوٹی محبت کرنی پڑے گی جب اسے تمہاری محبت پر یقین آنے لگے تو تم اس سے تنہائیوں میں بھی ملو گی۔ تم اپنے گھر والوں پر بھی یہی ظاہر کرو گی کہ تم ایک مرتبہ پھر اختر سے قریب ہو گئی ہو اور بہت جلد اس سے شادی کر لو گی۔ ظاہر ہے تمہارے گھر والوں کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے، وہ تو خدا سے چاہتے ہیں کہ تم شادی کر لو۔ اور پھر اختر تو تمہارا منگیتر ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نہ میری بات؟"

"ہوں!" رضیہ نے صرف اتنا ہی کہا۔

"اور جب اختر تم پر پوری طرح اعتماد کرنے لگے تم سے تنہائیوں میں بھی ملنے لگے تو ایک دن تم موقعہ پا کر اسے قتل کر دو۔ خنجر تمہارے لئے میں مہیا کروں گا۔ تمہیں اس کی گردن اس کے جسم سے الگ کرنی ہوگی۔ جیسے ہی اس کا سر اس کے جسم سے علیحدہ ہوگا۔ میں اپنا کٹا ہوا سر اس کے بدن میں جوڑ لوں گا اور پھر اسی وقت ہم یہ دنیا چھوڑ کر اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔ قدم قدم پر تمہاری رہنمائی کرنے کے لئے میری آواز تمہارے ساتھ ہوگی جسے صرف تم سن سکو گی۔ بولو کیا تم تیار ہو؟"

کافی پس و پیش کے بعد رضیہ اس خطرناک کام پر آمادہ ہو گئی۔ صبح کے قریب جب میں ہمزاد کے ہمراہ فضاؤں میں تیرتا ہوا خانقاہ کی طرف جا رہا تھا تو بہت خوش تھا۔ "مجھے اب جسم مل جائے گا۔ میری تکمیل ہو جائے گی۔ میں پھر ایک مرتبہ زندگی کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاؤں گا۔" میں سوچ رہا تھا اور نیچے بہت نیچے شہر کی عمارتیں صبح کے نور سے جگمگانے لگی تھیں۔

رضیہ نے میری بات تو مان لی تھی مگر وہ ابھی تک پوری طرح خود کو اختر کے قتل پر آمادہ نہیں کر پائی تھی۔ ظاہر ہے کہ جذباتی فیصلے زیادہ پائیدار نہیں ہوتے۔ جب جذبات کا طوفان گزر جاتا ہے تو یہ فیصلے بدل بھی جاتے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ رضیہ کو ذہنی طور پر اس قتل پر آمادہ کرنے کے لئے اس سے مزید ملاقاتیں کی جائیں چنانچہ ملاقاتیں جاری رہیں۔

رضیہ سے ملتے ہوئے شاید وہ چوتھی رات تھی مجھے اس سے باتیں کرتے ہوئے تقریباً پوری رات گزر چکی تھی اور صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ اس دوران ہمزاد نے کئی مرتبہ مجھ سے واپسی کے لئے کہا تھا تاکہ پوری طرح اجالا پھیلنے سے قبل ہم اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ سکیں مگر میں رضیہ سے باتوں میں اس طرح گم تھا کہ میں نے ہمزاد کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ جب اجالا پوری طرح پھیل گیا تو مجھے ہوش آیا۔ پورا شہر جاگ اٹھا تھا۔ میں نے رضیہ سے اجازت چاہی۔ ابھی میں اور ہمزاد حویلی سے کچھ دور ہی نکلے ہوں گے کہ میری نظریں نیچے شہر پر پڑیں۔ لوگ سڑکوں اور گلیوں میں جمع تھے اور آسمان کی طرف انگلیاں اٹھا اٹھا کر کچھ اشارے کر رہے تھے۔ میرا ماتھا ٹھنکا "تو مجھے دیکھ لیا گیا" عین اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ میرا سر بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے نیچے نظریں دوڑائیں تو وہاں سوائے خلا کے کچھ نہیں تھا جیتا جاگتا شہر میری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ پھر اچانک میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ میں اب تیزی سے نیچے آ رہا تھا "کیا مجھے ہمزاد نے خلا میں چھوڑ دیا؟" اس خیال کے ساتھ ہی میری آنکھوں کے آگے اندھیرا سا آ گیا اور میرے حواس نے جواب دے دیا۔

دوبارہ میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اسی قدیم اور شکستہ خانقاہ میں پایا "میں زندہ ہوں! میں بچ گیا۔ میرے وسوسے فضول تھے" اس وقت میرے ذہن میں مختلف سوالات گردش کر رہے تھے۔ بہت کم وقت میں میں ایک بڑے حادثے سے دوچار ہوا تھا جو اس سے قبل میرے تجربے میں نہیں آیا تھا۔ میں نے اپنے کٹے ہوئے سر کو خانقاہ کے بڑے طاق میں رکھا ہوا پایا۔ میرا پورا وجود اب صرف یہی کٹا ہوا سر تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا، خانقاہ دور دور تک ویران تھی۔ وہی اداسی اور ویرانی جو شاید اس جگہ کا مقدر بن چکی تھی حالانکہ اب پوری طرح دن نکل آیا تھا۔ سورج کی کرنیں خانقاہ کی ٹوٹی ہوئی چھت کے ایک بڑے شگاف سے گزر کر سامنے نیم پختہ فرش پر پڑ رہی تھیں۔ دور و نزدیک کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ہمزاد بھی غائب تھا میں نے ابھی اس کے بارے میں خیال ہی کیا تھا کہ وہ آ گیا۔

اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ پوچھتا وہ خود بول پڑا۔

"آپ آج صبح بے ہوش ہو گئے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ کے لئے اتنا طویل سفر خطرناک ہے۔ مگر اس وقت مجبوری تھی۔ میں چاہتا تھا کہ آپ کا کٹا ہوا سر جلد سے جلد لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ میں اس وقت شہر سے آ رہا ہوں وہاں لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے آپ کا کٹا ہوا سر آسمان پر بلند ہوتے دیکھ لیا ہے ان میں سے بہت سے آپ کو پہچانتے بھی ہیں۔ آپ کے قتل کے بعد جو حالات پیش آئے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں بھی تمام معلومات حاصل کر لی ہیں۔ آپ کو قتل کرنے والے نواب کے غنڈے ہی تھے مگر جس طرح وہ رات کی تاریکی میں آئے تھے اسی طرح واپس چلے گئے اور کسی کو کانوں کان یہ خبر نہ ہو سکی کہ آپ کو کس نے قتل کیا ہے۔ وہ پولیس کی دسترس سے بھی محفوظ رہے آپ کے ٹکڑے ٹکڑے لاش شناخت کر لی گئی تھی۔ آپ کے قتل کے کچھ دیر بعد ہی پولیس وہاں پہنچ گئی تھی۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس رات جو لڑکی آپ کے پاس تھی وہ کوتوال کی لڑکی امینہ تھی۔"

ہمزاد کی بات سن کر میں سناٹے میں آ گیا۔ اس نے میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کہا "میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں یہ واقعی برا ہوا لیکن قدرت جو کرتی ہے بہتر کرتی ہے۔ ایک طرح سے یہ بات ہمارے حق میں گئی۔ اس لئے کہ کوتوال نے اپنی بدنامی کے سبب تمام واقعے کو دبا دیا اور عام لوگوں تک یہ بات نہ پہنچ سکی۔ لڑکی نے اپنے باپ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو آپ نے اس سے کہا تھا۔ کوتوال یہ سب کچھ سن کر اس حد تک پاگل ہوا کہ اس نے آپ کے جسم کو اپنے پیروں سے روندا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتا تھا اور غالباً اسی لئے اس نے آپ کے قاتلوں کی تلاش بھی ضروری نہیں سمجھی۔ اس نے اپنی رپورٹ میں صرف اتنا لکھا کہ جب وہ آپ کی حویلی میں پہنچا تو اسے وہاں صرف آپ کی سربریدہ لاش ملی۔ لڑکی کی وہاں موجودگی کو اس نے رپورٹ سے قطعی غائب کر دیا تھا۔ اس نے پوری حویلی چھان ماری کہ آپ کا کٹا ہوا سر اسے کہیں مل جائے۔ مگر ظاہر ہے کیسے ملتا؟ نواب کے غنڈوں نے بھی نواب کو اس بات سے آگاہ نہیں کیا کہ انہوں نے آپ کا سر فضا میں بلند ہوتے دیکھا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ غنڈے خود اس حیرت انگیز واقعے سے خوف زدہ ہوں اور اس کی تشہیر نہ چاہتے ہوں۔ انہوں نے نواب کو صرف اتنا بتایا کہ وہ آپ کو قتل کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ کے سر کی گمشدگی بھی پولیس کے لئے معمہ

بنی ہوئی تھی۔ لیکن آج صبح کے بعد پھر ایک مرتبہ شہر میں اضطراب سا ہے۔ اب پولیس بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی ہے کہ ان حالات کے پس پشت یقیناً کچھ پراسرار واقعات ہیں جو ان کے علم میں نہیں ہیں۔ یہ خبر رضیہ تک بھی پہنچ چکی ہے وہ سخت الجھن میں مبتلا ہے کہ لوگ آپ کے سر کو شیخ کرامت کا سر کیوں سمجھ رہے ہیں؟ اسے سو فیصدی یقین ہے کہ جو سر لوگوں نے فضا میں دیکھا تھا وہ آپ ہی کا ہے۔ کوتوال شہر بھی پریشان اور خوف زدہ نظر آتا ہے۔ اس نے خود بھی آپ کے سر کی ایک جھلک دیکھ لی ہے اب اسے اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں آپ اپنے جسم کی بے حرمتی کا بدلہ اس سے نہ لیں۔ وہ آپ کی پراسرار قوتوں سے تو پہلے ہی مرعوب تھا ان حالات میں تو اور بھی اس کے اوسان خطا ہوگئے ہیں۔"

یہ تمام باتیں سن کر میں کچھ دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔ حالات بہت تیزی سے نئے نئے رخ اختیار کر رہے تھے اور اب کوئی بھی غیر محتاط عمل میرے لئے تباہی کا باعث ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہمزاد مجھے بتا ہی چکا تھا کہ اب وہ بھی ان حالات میں میری کچھ زیادہ مدد نہیں کر سکے گا۔ میرا وجود' ایک بے جسم کا سر! یہی تو اب میرا سارا وجود رہ گیا تھا اور اس وجود کی تکمیل کے لئے ابھی مجھے بہت سی منزلوں سے گزرنا تھا۔ سب کچھ میرے لئے نیا نیا سا تھا۔ جن حالات سے میں دوچار تھا وہ کبھی کبھی مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتے کہ یہ سب کچھ حقیقت نہیں۔ صرف ایک بھیانک خواب ہے۔ مگر جب میں اپنے کٹے ہوئے سر کو دیکھتا ہوں تو مجھے مجبوراً ان پراسرار حقیقتوں پر یقین کرنا پڑتا۔ اب سب سے بڑی فکر مجھے اس بات کی تھی کہ میں شہر کس طرح جاؤں گا۔ لوگ مجھے دیکھ چکے ہیں۔ ادھر رضیہ سے ملتے رہنا بھی اتنا ہی ضروری تھا اس پر میرے مستقبل کا دارومدار تھا اگر رضیہ گڑبڑا گئی' اس کا خیال بدل گیا' اس نے اختر کو قتل نہ کیا تو کیا ہوگا؟ مجھے جسم کیسے ملے گا۔ میں کب تک ادھورا رہوں گا؟ ان تمام وسوسوں اور خیالوں نے مجھے چکرا دیا۔ میں بہت دیر تک اپنے خیالوں میں کھویا رہا۔ آخر کار میں نے ایک فیصلہ کر ہی لیا۔ میں نے ہمزاد سے کہا۔

"میں آئندہ تمہارے ساتھ شہر نہیں جاؤں گا۔ تم خود رضیہ سے ملوگے اور اس کے دل سے وہ تمام خدشات دور کرنے کی کوشش کروگے جو اسے اختر کے قتل سے روکنے کی کوشش کریں۔ کوشش کرو کہ رضیہ کو کسی طرح یقین آجائے کہ لوگوں نے جو سر دیکھا ہے وہ ہرگز شیخ کرامت کا نہیں ہے یہ اس لئے ضروری ہے کہ رضیہ ان تمام باتوں کو جھوٹ نہ سمجھے جو میں اس سے پیشتر اس سے کر چکا ہوں یعنی یہ کہ میں کسی اور ہی دنیا کا فرد ہوں اگر اسے یہ یقین ہوگیا کہ وہ سر شیخ کرامت کا تھا تو شاید وہ اختر کے قتل پر آمادہ نہ ہو۔ وہ اختر کے قتل پر صرف اسی لئے تیار ہوئی ہے کہ اسے یقین ہے کہ میں قتل کے بعد اسے بحفاظت یہاں سے نکال کر اپنی دنیا میں لے جاؤں گا اور اس بات سے تو تم واقف ہی ہو کہ ایسی کوئی دنیا وجود نہیں رکھتی۔ تمہیں ہر وقت سائے کی طرح رضیہ کے ساتھ لگا رہنا ہے تاکہ اس کے قدم کسی بھی مرحلے پر ڈگمگا نہ جائیں آخر وہ ایک لڑکی ہی تو ہے قدم قدم پر اسے تمہاری راہنمائی کی ضرورت ہوگی۔ لیکن .... لیکن ایک بات سے میں ڈرتا ہوں وہ یہ کہ اس اجاڑ اور ویران خانقاہ میں۔ میں کبھی بھی کسی حادثے سے دوچار ہو سکتا ہوں۔ نہ معلوم کیوں مجھے یہ خیال سا ہے کہ میں تمہارے بغیر تنہا یہاں نہیں رہ سکتا۔ دوسرے یہ کہ میں حالات سے باخبر رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے اگر تمہیں جلد جلد طلب کیا تو ممکن ہے اس سے کام بگڑ جانے کا خطرہ ہو۔ تم مجھے بتاؤ کہ کیا کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ میں حالات سے باخبر رہ سکوں؟"

"ہاں ممکن ہے۔ ابھی میں اتنا لاچار اور مجبور بھی نہیں ہوا ہوں کہ میں ذرا سی مشکل بھی حل نہ کر سکوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ میں ہر وقت آپ کے پاس موجود رہ سکوں" ہمزاد نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے تم اس وقت تک رضیہ ہی کے پاس رہو جب تک وہ کام نہ ہو جائے جس پر میری زندگی کا دارومدار ہے مگر وہ صورت کیا ہوگی کہ میں یہاں رہتے ہوئے بھی تمام حالات سے باخبر رہ سکوں؟"

"ادھر دیکھئے! میری آنکھوں میں" ہمزاد بولا اور اس کے بعد جیسے ہی میری نظریں اس سے ملیں مجھے محسوس ہوا کہ ایک دودھیا روشنی ہمزاد کی آنکھوں سے نکل کر میری آنکھوں میں منتقل ہوگئی۔ مجھے ایسا لگا کہ برف کی دو ٹھنڈی سلاخیں میری آنکھوں میں اتر گئی ہیں۔ کچھ دیر کے لئے میری بینائی قطعی جاتی رہی۔ میں نے گھبرا کر جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں کچھ ہی دیر میں میری حالت معمول پر آگئی اور مجھے ہمزاد کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آنے لگا۔

"یہ کیا تھا؟ یہ دودھیا روشنی کیسی تھی؟" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"یہی وہ پراسرار قوت ہے جس سے آپ یہاں رہ کر بھی ہزاروں میل دور کے واقعات دیکھ سکتے ہیں اور میں بھی وہاں رہ کر آپ سے بات کر سکوں گا۔"

میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مجھے خیال بھی نہ تھا کہ ان

حالات میں مجھے اتنی بڑی اور پراسرار قوت حاصل ہو سکتی ہے۔

"مگر یہ سب کچھ ہوگا کیسے؟" میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

اس نے بتایا کہ اس کے لئے مجھے صرف اس جگہ کا یا اس وجود کا تصور کرنا ہوگا جسے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ کچھ دیر بعد ہی ہمزاد مجھ سے رخصت ہو کر رضیہ کے پاس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی مجھے اس پراسرار قوت کے آزمانے کا خیال آیا۔ میں نے ہمزاد کا تصور کیا۔ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے بدایوں نظر آیا جس کی عمارتوں کے درمیان ہمزاد کا سر فضا میں تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ہمزاد جسے دیکھنے کی صلاحیت صرف مجھے حاصل تھی۔ ہمزاد فضا میں بہتے بہتے اچانک رک گیا۔ اب اس کا چہرہ میرے روبرو تھا "حکم؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ تم اپنا سفر جاری رکھو۔ میں صرف تمہاری دی ہوئی قوت آزما رہا تھا۔ ممکن ہے آئندہ بھی میں کسی وقت تمہیں اور رضیہ کو دیکھنا پسند کروں اس لئے تم مجھ سے اسی وقت مخاطب ہونا جب میں چاہوں۔ ہاں مجھے ایک بات یاد آگئی جیسا کہ تم نے مجھے بتایا تھا کہ رضیہ صرف تمہاری آواز سن سکے گی لہٰذا تم اس پر کسی طرح یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ رضیہ سے میں نہیں بلکہ تم مخاطب ہو۔ دوسری اہم بات یہ کہ رضیہ تمہارے اور میرے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سن سکے۔ لیکن اگر کسی وقت رضیہ کی موجودگی میں مجھے یہ ضرورت پیش آئی کہ تمہیں مخاطب کروں تو مجھے کس طرح جواب دوگے؟"

"آپ قطعی مطمئن رہیں رضیہ صرف وہی سن سکے گی جو میں اسے سنانا چاہوں گا۔ میرے اور آپ کے درمیان ہونے والی گفتگو وہ نہ سن پائے گی۔ دوسری بات یہ کہ میں نے اب تک رضیہ کے ساتھ بہت محتاط رویہ رکھا ہے اور اسے یہ شبہ نہیں ہونے دیا کہ میں اور آپ دو الگ الگ وجود ہیں۔"

"اب تم اپنا سفر شروع کر سکتے ہو" میں نے ہمزاد سے کہا۔

اسی لمحے وہ تیزی سے فضا میں تیرتا ہوا ایک طرف نکل گیا۔ اب میں پوری طرح مطمئن تھا۔ ہمزاد کی دی ہوئی حیرت انگیز قوت بھی آزما چکا تھا۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ میں کبھی نہ جان سکتا اگر میرے پاس عجیب وغریب قوت نہ ہوتی۔ میں جب بھی آنکھیں بند کر کے کسی بھی جگہ کا تصور کرتا وہ جگہ میرے سامنے آجاتی فاصلے ختم ہو جاتے۔ اتنے کہ میں سب کچھ سن سکتا تھا۔ دیکھ سکتا تھا اور میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ اتنا عجیب ہے کہ اگر یہ سب کچھ میرے ساتھ نہ گزرا ہوتا تو میں کبھی اس پر یقین نہ کرتا۔

تصور کی قوت نے مجھے پھر بدایوں میں پہنچا دیا۔

رضیہ اپنے گھر کے باورچی خانے میں برتن مانجھتے مانجھتے ایک دم چونک پڑی۔

"تم میری آواز سن رہی ہو رضیہ!" ہمزاد نے کہا۔

رضیہ کا چہرہ ایک لمحے کے لئے متغیر ہوا پھر وہ بہت آہستہ آواز میں بولی "اب تم دن میں بھی آنے لگے؟"

"کیوں؟ کیا تمہیں میرا اس وقت آنا اچھا نہیں لگا؟" ہمزاد نے کہا۔

"نہیں" رضیہ جلدی سے سنبھل کر بولی "تم رات کو آتے تھے نا۔"

اسی لمحے باورچی خانے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

"ارے یہ تو کس سے باتیں کر رہی ہے؟ گھنٹہ بھر ہوگیا ہے ابھی تجھ سے ذرا سے برتن نہیں دھلے" یہ رضیہ کی ماں زرینہ تھی۔

"دھو تو رہی ہوں امی! آخر برتن بھی ڈھیر سارے ہیں" رضیہ نے فوراً جواب دیا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ زرینہ اپنی بیٹی سے سخت بیزار ہے مجھے اس کی آواز پھر سنائی دی "جلدی سے برتن دھولے۔ وہ حرامی کا پلہ رو رو کر سارے گھر کو سر پر اٹھائے ہوئے ہے۔ مجھ سے نہیں بہلتا۔"

زرینہ کا اشارہ رضیہ کے بیٹے یا میرے بیٹے کی طرف تھا "حرامی پلا۔ میری اپنی اولاد۔ میرا اپنا خون حرامی پلا" مجھے زرینہ کا لہجہ ناگوار گزرا۔ لیکن اس میں زرینہ کا کیا قصور' رضیہ کا کیا گناہ! وہ جن حالات کا شکار ہوگئی تھی خود بھی اس سے بے خبر تھی مگر اس زمانے میں کسی کنواری لڑکی کا ماں بن جانا اتنا بڑا گناہ تھا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ رضیہ بھی ایک معزز گھرانے کی فرد تھی یہی کیا کم تھا کہ اس کے ماں باپ نے اس کا گلا نہیں گھونٹ دیا' اسے گھر سے نہیں نکالا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ بدایوں میں اس وقت صرف یہی گھر ایسا نہیں تھا جس میں کوئی کنواری لڑکی ماں بن گئی ہو۔ اس کے علاوہ بھی کئی گھر تھے' کئی معزز خاندان تھے جن کی بیٹیاں میری ہوس کا نشانہ بن چکی تھیں۔ لوگوں کو یقین تھا کہ ان پراسرار اور عجیب حالات میں ان کی بیٹیوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ مگر یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی اپنی تہذیب کے ان رشتوں کو کس طرح جھٹلا دیتے جو ان کے خون میں شامل تھے۔ حالات کچھ بھی رہے ہوں لیکن اس سے بڑا گناہ ان کی نظر میں اور کوئی نہیں تھا کہ کوئی کنواری لڑکی ماں بن جائے۔ اس لئے ان لڑکیوں کے والدین نہ چاہتے ہوئے

بھی اپنی لڑکیوں کے ساتھ سخت رویہ رکھنے پر مجبور تھے۔ ان ہی میں سے ایک رضیہ تھی جس کی آنکھوں میں اس وقت آنسو تھے شاید اسے بھی اپنی ماں کا لہجہ ناگوار گزرا تھا۔ زرینہ واپس جاچکی تھی۔ باورچی خانے میں اس وقت ہمزاد اور رضیہ تنہا تھے۔ میرا ذہن اس وقت اس معصوم وجود میں الجھا ہوا تھا جس کے باپ کا نام کوئی نہیں جانتا تھا رضیہ بھی نہیں۔ اور یہ بات کتنی عجیب تھی کہ ایک ماں بھی اپنے بیٹے کے باپ سے ناواقف تھی۔ میں نے تو رضیہ کو کچھ اور ہی بتایا تھا ایک ایسی من گھڑت کہانی جس پر آج کی لڑکیاں شاید یقین نہ کرتیں مگر وہ دور اور تھا اب سے ۱۳۰ سال پہلے کا دور۔ اس وقت لڑکیاں بہت بھولی ہوتی تھیں۔

رضیہ کی حالت پر رحم آنے کے علاوہ مجھ میں اس وقت ایک عجیب احساس جاگا۔ ایک ایسا احساس جس نے اس سے پہلے کبھی میرے ذہن کو نہیں چھوا تھا "وہ بچہ میرا ہے۔ میرا اپنا خون۔" وہ اس وقت رضیہ کے بستر پر پڑا رو رہا تھا اور زرینہ پاس پڑی ہوئی چوکی پر بیٹھی چھالیہ کترنے میں مصروف تھی "کاش میں اپنے بچے کو ایک بار صرف ایک بار گود میں اٹھا کر پیار کر سکتا۔ اسے سینے سے لگا سکتا۔" میرے خیالوں کی رو بہک گئی اور وہ سارا منظر میری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ مجھے اس دن پہلی مرتبہ شدت سے اپنی بے بسی کا خیال آیا "آخر میں کن عجیب وغریب حالات ۔سے دوچار ہوں اور کیوں؟ میں نے یہ تو نہیں سوچا تھا میں تو بہت نیک تھا۔ کبھی میں نے کسی کا دل نہیں، دکھایا تھا' کبھی گناہ کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میں نے کبھی ایک وقت کی نماز بھی قضا نہیں کی تھی۔ پھر یہ سب کچھ کیسے ہوگیا؟" لیکن اب میرا یہ سب کچھ سوچنا فضول تھا۔ واپسی کے تمام راستے مسدود ہوچکے تھے۔ میں ۔نے یہ زندگی خود منتخب کی تھی۔ پھر میرے ساتھ جو کچھ ہوا میں نے جو کچھ کیا اس میں حالات کا بھی تو بڑا ہاتھ ہے اس خیال سے میرے ذہن کو کچھ سکون محسوس ہوا۔ اگر ان حالات میں میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بھی شاید یہی سب کچھ کرتا۔ جو میں نے کیا۔ یہ بات میں اتنے یقین اور اعتماد سے اس لئے کہہ رہا ہوں، کہ مجھے خبر ہے کہ زندگی سے سب ہی کو پیار ہے کوئی بھی جانتے بوجھتے مرنا پسند نہیں کرتا۔ اگر مرتے وقت بھی آدمی کو کوئی اس بات کا یقین دلادے کہ وہ مرے گا نہیں زندہ رہے گا تو شاید وہ اس دھوکے میں کچھ دیر اور جی جائے۔ میری موت اور زندگی کا دارومدار ایک جوان جسم تھا خواہ اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ جب کسی شخص کو یہ یقین ہوجائے کہ وہ موت سے بچ سکتا ہے اور کوئی ایسی راہ موجود ہے تو وہ یقیناً اسی راہ کا انتخاب کرے گا۔ ہمزاد مجھے بتاچکا تھا کہ بغیر جسم حاصل کئے میرا وجود اور عدم برابر ہے۔ بھلا اس بے کیف اور بے رنگ زندگی سے کیا حاصل؟ یہ تو موت سے بدتر ہے۔ یہ خودغرضی ضرور ہے کہ آدمی زندہ رہنے کے لئے دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دے مگر یقین کرو کہ آدمی اس سے بھی زیادہ خود غرض اور کمینہ ہے اور مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ میں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں۔ میں نے بھی اپنی زندگی کے لئے وہ سب کچھ کیا جو ایک انتہائی خودغرض اور کمینہ شخص کرسکتا ہے۔ ایک بے قصور نوجوان کے قتل پر ایک معصوم لڑکی کو اکسانا جرم نہیں تو اور کیا ہے۔ میں مجرم ہوں' میں گنہ گار ہوں' میں دیکھ رہا ہوں کہ میری سچی اور کڑوی باتیں سن کر تمہارے چہرے پر نفرت کے آثار دکھائی دینے لگے ہیں۔ ہاں میں اسی قابل ہوں کہ مجھ سے نفرت کی جائے۔ نفرت' جو مجھے دنیا نے دی۔ نفرت جو میں نے دنیا کو واپس کردی۔ اور اب مرتے وقت میں خوش ہوں کہ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں۔ میں اپنی ساری محبتیں اور نفرتیں صرف کرچکا ہوں میرے پاس اپنی سرگزشت سنانے کے لئے وقت بھی بہت کم ہے۔ موت میری طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے میں اس کے قدموں کی دھمک سن رہا ہوں اس سے پہلے کہ وہ مجھ تک پہنچ جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنی تمام سرگزشت سنادوں تو سنو کہ یہ آواز تم پھر کبھی نہ سن سکو گے۔"

وہ تمام دن اسی اضطراب اور اسی بے کلی میں گزرا۔ گناہ ثواب کی کشاکش نے میرے وجود کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

تصور کی بے پناہ پراسرار قوت نے مجھے پھر حقیقت کی دنیا میں دھکیل دیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ رضیہ اپنے بچے کو گود میں لئے دودھ پلارہی تھی اور ہمزاد اس کے قریب ہی تھا جس کی صرف آواز ہی وہ سن سکتی تھی۔ رات ہوچکی تھی اور رضیہ اپنے کمرے میں دودھ پلاتے پلاتے بچے کو تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش بھی کررہی تھی۔ کمرے میں لالٹین کی مریل روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ رضیہ کی ماں زرینہ اپنے کمرے میں سونے کے لئے جاچکی تھی۔ حویلی میں دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

"تم نے دیکھی میری زندگی! میں کتنے عذابوں میں سفر کررہی ہوں؟" رضیہ نے کہا۔

"ہاں! میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تم بہت صبر کرنے والی لڑکی ہو تم نے واقعی غیر معمولی برداشت کا ثبوت دیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کا ذمے دار میں ہوں۔ میں نے تمہیں اس جہنم میں دھکیلا ہے۔ مگر یقین کرو رضیہ میں ہی تمہیں اس جہنم سے نکالوں گا بھی" ہمزاد اس سے کہہ رہا تھا "تم بہت جلد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان عذابوں سے چھوٹ جاؤگی۔ بس ذرا

سے صبر اور ہمت کی بات ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم نے میری محبت پر سب کچھ قربان کردیا ہے لیکن تمہیں یہ قربانی مہنگی نہیں پڑے گی اور....."

اچانک رضیہ کو کچھ خیال آیا اور اس نے ہمزاد کی بات کاٹ کر پوچھا "صبح ابو جان کہہ رہے تھے کہ شیخ کرامت کا سر لوگوں نے آسمان پر اڑتا ہوا دیکھا ہے۔ میں یہ بات تم سے پوچھنا بھول ہی گئی تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت تو تم ہی میرے پاس سے گئے تھے۔"

"شاید تمہارے علم میں ہو کہ شیخ کرامت کا قتل کتنے پراسرار حالات میں ہوا۔ تم نے اس کے بارے میں سنا ہوگا۔ اس کا سر بھی نہ جانے کس طرح لاش سے غائب ہوگیا تھا۔ پولیس کو تلاش کرنے کے باوجود اس کا سر نہ مل سکا اور نہ ہی قاتلوں کا کچھ سراغ ملا۔ یہ تمام باتیں مجھے اپنی پراسرار قوتوں سے معلوم ہوئی ہیں۔ میں تم سے خود اس مسئلے پر بات کرنے والا تھا دراصل لوگ ابھی تک اس خوفناک واقعے کو نہیں بھولے ہیں آج صبح جو سر لوگوں نے فضاؤں میں اڑتا ہوا دیکھا وہ خود میرا سر تھا۔ جس پر انہیں شیخ کرامت کا دھوکا ہوا اس لئے کہ اس کے جسم سے بھی سر غائب ہوگیا تھا۔ جیسا کہ میں تمہیں ابھی بتاچکا ہوں اسی لئے اب میں نے دنیا کی نظروں سے اپنا سر بھی چھپالیا ہے۔ اب کوئی میرا کٹا ہوا سر نہیں دیکھ پائے گا۔ یہاں تک کہ تم بھی نہیں اور میری آواز بھی صرف تمہیں سن سکوگی اور کوئی نہیں۔ یہ سارے انتظامات میں نے تمہاری اور اپنی حفاظت کے خیال سے کئے ہیں تم خود سوچو کہ تمہاری دنیا کے ایک فانی شخص کا سر کس طرح فضا میں اڑ سکتا ہے؟ اور وہ بھی اس وقت جب کہ اسے مرے ہوئے بھی خاصا عرصہ ہوچکا ہے" ہمزاد نے رضیہ کو سمجھایا۔

رضیہ کے چہرے پر ہمزاد کی باتیں سن کر کسی قدر اطمینان نظر آیا وہ بولی "تم ٹھیک کہتے ہو لوگوں کو یقیناً تمہارے سر پر شیخ کرامت کا دھوکا ہوا ہے۔"

اس رات دیر تک ہمزاد رضیہ کو ہموار کرتا رہا۔ میں نے جب دیکھا کہ رضیہ اب سونے کی تیاری کررہی ہے تو ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"میں نے تمہاری اور رضیہ کی ساری گفتگو سن لی ہے اب مجھے اطمینان ہے لیکن اصل مسئلہ اب بھی بدستور باقی ہے۔"

"وہ کیا؟" ہمزاد نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ رضیہ اور اختر کو کس طرح قریب کیا جائے؟ جب تک یہ دونوں قریب نہیں آئیں گے ہمارا مقصد حل نہیں ہوگا۔"

"یہ مسئلہ بہرحال ہے۔ اس لئے کہ میری معلومات کے مطابق اختر کے والدین نے اس پر یہ پابندی عائد کردی ہے کہ وہ رضیہ کے گھر نہیں جائے گا۔ یہ بات اس وقت کی ہے جب رضیہ نے آپ کے بچے کو جنم دیا تھا۔ دونوں خاندان میں اس مسئلہ پر کشیدگی ہے۔ یہاں تک کہ رضیہ کی ماں زرینہ کا آنا جانا بھی اپنے بھائی کے یہاں ختم ہوگیا ہے۔ یہ تو میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں کہ اختر رضیہ کا ماموں زاد بھائی بھی ہے اور یہ رشتہ بچپن سے طے تھا مگر درمیان میں یہ تمام ہنگامہ ہونے کے سبب سارا معاملہ بگڑ گیا۔ خیر کوئی ترکیب تو سوچنی ہی پڑے گی" ہمزاد کے چہرے پر مجھے فکرمندی کے آثار نظر آئے۔

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ کسی طرح رضیہ ہی کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ کوئی راستہ نکالے جب وہ اختر کے قتل پر آمادہ ہوگئی ہے تو یقیناً اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی ایسی صورت ہوگی کہ وہ اختر سے مل سکے" میں نے کہا۔

"ان حالات میں تو یہی ممکن ہے۔ ہمیں بہرحال رضیہ پر ہی بھروسہ کرنا پڑے گا ورنہ اور کوئی تدبیر فی الحال سمجھ میں نہیں آتی۔ اس وقت تو رضیہ تقریباً سوچکی ہے۔ میں صبح اس سے اس مسئلے پر تفصیلی بات کروں گا۔ بہرحال آپ مطمئن رہیں میں کوئی نہ کوئی ایسا راستہ پیدا کرہی لوں گا" ہمزاد نے مجھے یقین دلایا۔

دوسرے دن ہمزاد نے رضیہ سے اس مسئلے پر بات کی۔ رضیہ نے کہا "میرا دل تو اس پر آمادہ نہیں کہ میں اختر سے ایک مرتبہ پھر عہدوپیان کروں مگر تمہاری محبت نے مجھے ہر طرح مجبور کردیا ہے میں آج ہی کوشش کروں گی کہ اس سے مل سکوں۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے رضیہ! میرے علم میں تو یہ ہے کہ تم لوگوں کا وہاں آنا جانا بھی بند ہے؟" ہمزاد بولا۔

"میں نے اسے ضرور بھلا دیا ہے مگر وہ مجھے نہیں بھولا" رضیہ کی آواز میں ایک عجیب سا دکھ تھا۔

میں اس کا دکھ محسوس کرکے کانپ سا گیا "کیا رضیہ کے پاؤں ڈگمگا جائیں گے؟ کیا اس کے دل میں اب بھی اختر کی محبت زندہ ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو بہت غلط ہوگا ایسا نہیں ہونا چاہئے یہ بات میرے لئے بہت خطرناک ہے۔ رضیہ کو مجھ سے محبت ہے یا اختر سے؟" جس بات پر میں نے محسوس کیا تقریباً وہی بات ہمزاد نے محسوس کی ہمزاد نے رضیہ سے کہا۔

"رضیہ! مجھے تمہارے لہجے میں دکھ نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے اسی لئے میں تمہارا یہ جملہ سن کر اتنی دیر خاموش رہا۔ کیا تمہارے دل میں اب بھی اختر کی محبت کی کوئی چنگاری

روشن ہے؟ یہ میں طنز نہیں کررہا نہ میرا اس سے یہ مطلب ہے کہ میں تمہاری راہ میں دیوار بننا چاہتا ہوں بلکہ میں حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔"

یہ لمحہ میرے لئے بہت صبر آزما تھا اس لئے کہ رضیہ کے جواب پر میری آئندہ زندگی کا انحصار تھا۔ میں دم سادھے سب کچھ دیکھتا اور سنتا رہا۔ ہرچند کہ میں اس وقت رضیہ اور ہمزاد سے میلوں دور ایک اجاڑ خانقاہ میں تھا۔ مگر میرے سامنے سب کچھ اسی طرح تھا جیسے میں کوئی فلم دیکھ رہا ہوں۔ حالانکہ اس زمانے میں فلم کا تصور بھی نہیں تھا مگر آج کے زمانے میں یہ بات سمجھنا کچھ ایسا دشوار نہیں ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ لوگ فلم کے کرداروں سے بات نہیں کرسکتے اور میں ہمزاد سے بات بھی کرسکتا تھا یہ بات میں نے تمہیں اتنی تفصیل سے اس لئے سمجھائی ہے کہ تم میری سرگزشت سن کر الجھن کا شکار نہ ہو جاؤ۔ یوں سمجھ لو کہ میں رضیہ اور ہمزاد کے پاس ایک طرح سے موجود بھی تھا اور نہیں بھی تھا۔ موجود اس طرح کہ جب میں چاہتا ہمزاد سے ہمکلام ہو سکتا تھا اور غائب اس طرح کی مادی طور پر میں اس سے میلوں دور تھا لیکن اتنے فاصلے کے باوجود بھی میں اس کا لمس محسوس کرنے کا اہل تھا۔ اس دن بھی جب ہمزاد نے رضیہ سے وہ سوال کیا جس نے مجھے بے چین کردیا۔ میں ہمزاد کے اتنا ہی قریب تھا۔ جتنا تم مجھ سے۔ اس لئے جب ہمزاد کی نظریں مجھ سے ٹکرائیں تو وہ کچھ اور فکر مند ہوگیا اسے احساس تھا کہ اس وقت مجھ پر کیا گزر رہی ہوگی۔

رضیہ ہمزاد کی بات سن کر کچھ دیر خاموشی رہی پھر ٹھنڈی سانس بھر کے بولی "تم نے مجھ غلط سمجھا لیکن مجھے اس کا کوئی ملال نہیں اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ مرد کی فطرت میں شک کرنا شامل ہے۔ میرا مطلب اس جملے سے کچھ اور تھا۔ میں تمہیں کچھ اور بات بتانے والی تھی جسے تم نے سننے سے پہلے ہی مجھ پر شک ظاہر کردیا مگر......"

"نہیں یہ بات ہرگز نہیں" ہمزاد نے جلدی سے کہا "بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہیں اداس نہیں دیکھ سکتا۔"

"اداسی تو میرا مقدر بن چکی ہے" رضیہ بولی۔

"اور میں تمہارا مقدر بدل دینا چاہتا ہوں۔"

"کون جانے کیا ہو۔ بہرحال جو بھی ہو لیکن ایک بات میں تمہیں ضرور بتا دینا چاہتی ہوں عورت جب ایک مرتبہ خود کو کسی کی بانہوں کے سپرد کردیتی ہے تو پھر وہ نہیں بدلتی۔ عورت کی سب سے بڑی دولت اس کی عصمت ہوتی ہے عصمت جسے میں تمہارے سپرد کرچکی ہوں۔ اب میں کسی اور کی نہیں ہوسکتی۔ چاہوں بھی تو نہیں۔ کاش تم نے میرے اندر جھانکنے کی کوشش کی ہوتی پھر ممکن تھا کہ تم مجھ سے یہ سوال نہ کرتے۔"

"رضیہ! اگر میری اس بات سے تمہارے دل کو دکھ پہنچا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں میرا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا۔ مجھے تمہاری محبت پر پورا اعتماد ہے اور اسی اعتماد اور بھروسے پر میں نے تم سے اپنی زندگی کی بھیک مانگی ہے۔ تلخیوں کو بھول جاؤ اور بس اتنا یاد رکھو کہ بہت جلد ہم ایک نئی دنیا کے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔ وہ دنیا ہماری اپنی ہوگی محبت کی دنیا' مسرتوں اور حسین خوابوں کی دنیا' جہاں موت نہیں زندگی ہی زندگی ہے۔"

میں نے دیکھا کہ ہمزاد کی باتیں رضیہ کے دل پر اثر کررہی ہیں اس کی آنکھوں میں چمک لوٹ آئی ہے جو ابھی کچھ دیر پہلے غائب ہوگئی تھی۔ وہ بولی۔

"کتنے حسین ہیں یہ خواب۔"

"یہ خواب حقیقت بھی بن سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تم ہمت سے کام لو" ہمزاد نے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں تم سے وعدہ کرچکی ہوں اور تم دیکھو گے کہ تمہاری رضیہ تمہارے لئے کیا کرسکتی ہے" رضیہ نے کہا۔ پھر کچھ لمحے خاموش رہ کر بولی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں نے اختر کو ضرور بھلا دیا ہے مگر وہ مجھے نہیں بھولا۔ اس کا ثبوت تمہیں بھی بہت جلد مل جائے گا۔ تم حویلی کے پچھواڑے ہمارا باغ تو دیکھ ہی چکے ہو۔"

"ہاں میں نے دیکھا ہے" ہمزاد نے جواب دیا "بہت خوب صورت ہے۔"

"یہ باغ برابر والی حویلی تک پھیلا ہوا ہے۔ تم جانتے ہو برابر والی حویلی میں کون رہتا ہے؟"

"ہوں! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ تم ٹھیک سوچ رہی ہو" ہمزاد نے رضیہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"لیکن ابھی تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔ ہمارے ماموں برابر والی حویلی ہی میں رہتے ہیں۔ ہمارے گھر آنے جانے کے لئے ماموں نے اختر پر پابندی عائد کردی ہے۔ اس بات کو تقریباً ٦ مہینے ہو رہے ہیں لیکن ان چھ مہینوں میں شاید کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ اختر نے مجھے اور میں نے اختر کو نہ دیکھا ہو۔ وہ روز شام کو باغ میں آجاتا ہے اور گھنٹوں اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ میں اسے کھڑکی میں کب نظر آؤں۔ اس بات سے صرف میں ہی واقف ہوں۔ وہ ٹکٹکی باندھے کھڑکی کی طرف دیکھتا رہتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں اسے دیکھ کر کھڑکی بند کردیتی ہوں میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی جب پہلی مرتبہ میں نے ایسا کیا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ فاصلے کے باوجود میں نے اس کے رخساروں پر آنسو بہتے دیکھے تھے۔ لیکن میں اسے بھول جانا چاہتی تھی اور میں نے اسے بھلا بھی دیا۔ مگر وہ اب بھی ہر شام اسی طرح پابندی سے باغ میں آتا ہے کبھی کبھی تو یہ بھی ہوتا ہے کہ میں جانتے بوجھتے کھڑکی کی طرف جانے سے گریز کرتی ہوں۔"

رضیہ کی باتیں سن کر ایک لمحے کے لئے میرے اندر چھپا ہوا انسان جاگ اٹھا "یہ تم کیا کر رہے ہو؟ ایک معصوم اور بے گناہ محبت کا گلا گھونٹتے ہوئے تمہیں دکھ نہیں ہوتا؟" لیکن میں نے اپنے اندر چھپے ہوئے اس انسان کی آواز کو یہ کہہ کر دبا دیا کہ مجھے زندگی چاہئے جس طرح دوسروں کو جینے کا حق ہے' مجھے بھی ہے۔

اور میرے اندر چھپا ہوا انسان خاموش ہوگیا۔

اسی شام میں نے دیکھا رضیہ اپنی حویلی کی کھڑکی میں کھڑی ہوئی اختر کو کچھ اشارہ کررہی تھی "یہ لڑکی کون ہے؟ یہ رضیہ تو نہیں ہوسکتی" میں سوچ رہا تھا "کیا انسان اتنی جلدی بدل جاتا ہے؟ کیا محبت میں اتنا بڑا دھوکا بھی دیا جاسکتا ہے؟ سب کچھ جھوٹ ہے' سب کچھ فریب ہے" عورت کا یہ روپ میرے لئے بالکل نیا تھا۔ مجھے اس وقت رضیہ بالکل بدلی ہوئی لگی۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کہ وہ سب کچھ میرے ایما پر کررہی ہے میری محبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر اختر کو فریب دے رہی ہے۔ مجھے رضیہ کا عمل نہ معلوم کیوں اچھا نہیں لگا۔ نہ جانے اس وقت اس کے چہرے سے وہ بھولپن اور معصومیت کہاں غائب ہوگئی تھی جس پر میں جان چھڑکتا تھا۔ مجھے رضیہ فریبی اور عیار لڑکی نظر آرہی تھی۔ میری ہی طرح خود غرض اور قابل نفرت۔

دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ رضیہ کی حویلی کا باغ اختر کی گرم سانسوں سے مہکنے لگا۔ رضیہ اب اپنی حویلی کے پچھلے دروازے سے رات گئے نکلتی اور اختر کی بانہوں میں سمٹ جاتی۔ کتنا فریب تھا ان جملوں میں' کتنا زہر چھپا تھا ان لفظوں میں' جو سرگوشیاں بن کر ہوا کے دوش پر بکھر جاتے تھے۔

"اختر تم میری زندگی ہو۔ میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتی۔ بھول جاؤ۔ جو کچھ ہوا سب کچھ بھول جاؤ۔ میں بھی بھول جانا چاہتی ہوں۔ میں تو تمہاری آغوش میں آکر خود کو بھی بھول جانا چاہتی ہوں۔ تم تو جانتے ہی ہو جو کچھ ہوا اس میں 'میں بے قصور ہوں میری خطا اگر ہے تو صرف یہ ہے کہ میں زندگی سے مایوس ہوگئی تھی۔ میں اپنے آپ کو تمہارے قابل نہیں سمجھتی تھی مگر اس عرصہ میں 'میں نے تمہارے عشق کی صداقت کو پرکھ لیا ہے۔ تم سچے ہو' تمہارا عشق سچا ہے۔ اب ہم نے ایک دوسرے کو سمجھ لیا ہے ہم نے ایک دوسرے کو پالیا ہے اب ہمیں کوئی جدا نہیں کرسکتا۔ بولو اختر! کیا ساری دنیا کی طرح تم بھی مجھے ٹھکرا دو گے؟" اپنی آنے والی موت سے بے خبر معصوم اختر ان زہر بھرے جملوں کا جواب کانپتی ہوئی آواز میں دیتا "تم جیسی ہو' جو کچھ ہو۔ میری ہو ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے۔"

عہدوپیان کے یہ سلسلے طویل سے طویل ہوتے جاتے تھے اور جب رات اپنا سفر ختم کرنے لگتی تو وہ دونوں کسی تازہ محبت کی خوشبو سے سرشار ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے۔

کبھی کبھی تو مجھے شک گزرتا کہ رضیہ واقعی اختر کے قرب کی گرمی سے پگھل گئی ہے۔ اس لئے کہ مجھے جھوٹے اور سچے لہجوں کی اس وقت اتنی تمیز نہیں تھی جتنی اب ہے۔"

ایک ہی ہفتے میں رضیہ نے اختر کو پوری طرح اپنی گرفت میں پھانس لیا تھا اسی دوران رضیہ کی ماں زرینہ کو بھی رضیہ پر کچھ شک ہونے لگا۔ جب ایک رات اس نے اپنے شک کو یقین میں بدل لیا تو اس کے بجائے کہ وہ رضیہ پر برہم ہوتی اس کے چہرے پر ایک طرح کا سکون اور اطمینان سا نظر آنے لگا۔ آخر ایک دن اس نے دبے دبے لفظوں میں رضیہ سے پوچھ ہی لیا۔

"کیوں ری اگر میں بڑے بھیا سے تیرے لئے بات کروں تو اب تجھے کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟"

رضیہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

اس کے بعد بات کچھ اور آگے بڑھی۔ زرینہ نے اپنے شوہر مرزا قدیر بیگ سے بات کی اور ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ بھی بتا دیا کہ لڑکا اور لڑکی دونوں راضی ہیں۔ اب مسئلہ صرف اختر کے باپ جمشید علی کا تھا کہ وہ اس رشتے پر آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں۔ اس خدشے کا اظہار قدیر بیگ نے اپنی بیگم سے بھی کیا۔ زرینہ نے جواب دیا۔

"اختر میری مانگ ہے' بچپن سے یہ رشتہ طے تھا بڑے بھیا منع کس طرح کرسکتے ہیں۔ وہ تو رضیہ کی وجہ سے میں چپ رہی کیونکہ وہ پہلے تو شادی کے نام ہی سے بدکتی تھی۔ مگر اب ایسا نہیں ہے اچھا ہے اگر گھر کی عزت گھر ہی میں رہ جائے اور پھر کوئی ہماری رضیہ ہی کے ساتھ یہ واقعہ نہیں ہوا ہے دوسرے گھروں کی بیٹیوں کی عزت بھی کون سی محفوظ رہ گئی ہے۔ اس میں بیچاری لڑکیوں کا کیا قصور؟" قدیر بیگ نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا اور کچھ سوچنے لگے۔

"اب اپنا یہ سوچنا چھوڑو۔ میں تو جا کے ابھی بھیا سے بات کرلیتی ہوں۔ آخر تمہارے بھی بڑے ہیں۔ تم بھی ان سے معافی مانگ لوگے تو کون سی عزت چلی جائے گی۔ ساری زندگی کا معاملہ ہے کب تک لڑکی کو گھر بٹھائے رہیں گے۔ پھر کوئی دوسرا لڑکا

ملنا بھی مشکل ہے آخر کون قبول کرے گا ایسی لڑکی کو جس کے ایک بچہ بھی ہو۔"

"تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ میں بھائی صاحب سے معافی مانگ لوں گا۔ حالانکہ پہل انہیں کی طرف سے ہوئی تھی انہوں نے ہی ہمارے گھر آنا جانا بند کردیا تھا اور اختر پر بھی پابندی لگادی تھی۔

"تم یہ تو سوچتے ہو مگر یہ نہیں دیکھتے کہ اس زمانے میں حالت کیا تھی۔ تمام میں تھو تھو ہو رہی تھی جب رضیہ کے لڑکا ہوا تھا۔ آخر ان کی بھی تو بدنامی تھی کہ نہیں" زرینہ نے کہا۔

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

اب معاملہ خاصا پک چکا تھا۔ ہمزاد کی بھی یہی رائے تھی کہ جلد سے جلد وہ سب کچھ ہو جانا چاہئے جس کے لئے یہ سب بکھیڑا کیا گیا تھا۔ کیونکہ اختر اور رضیہ کی شادی سے نہ تو مجھے دلچسپی تھی اور نہ خود رضیہ کو۔ ہمارا مقصد تو اختر کو اعتماد میں لینا تھا اور وہ مقصد بڑی حد تک پورا ہوچکا تھا۔ اس سے پہلے کہ رضیہ کے والدین بات آگے بڑھائیں اور دوبارہ تمام معاملات طے پائیں' ہمزاد اور مجھے اپنا کام کر گزرنا تھا۔ شادی ہونا تو خیر دوسری بات ہے' میں تو یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ رضیہ کی شادی کی بات بھی طے ہو اس لئے کہ اس صورت میں رضیہ اور اختر کا ملنا بند ہو جاتا۔ ہمزاد بھی نئی سے نئی سوچتا تھا۔ جس زمانے میں رضیہ اور اختر کی ملاقاتیں جاری تھیں اس نے رضیہ کے یا میرے بیٹے کے لئے وہ علاج تجویز کردیا تھا کہ ساری رات بڑے سکون سے گزر جاتی اور وہ ایک مرتبہ بھی نہ اٹھتا۔ رات بھر افیون کے نشے میں پڑا رہتا۔ یہ ترکیب اس نے اس لئے نکالی تھی کہ رضیہ سکون کے ساتھ اختر کو وقت دے سکے۔

آج بھی اس نے رضیہ کو افیون کی گولی دیتے ہوئے کہا "لو یہ ننھے کو کھلا دو اختر کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔"

رضیہ نے بچے کو گود میں اٹھایا اور کڑوی گولی اس کے منہ میں رکھ کر اسے دودھ پلانے بیٹھ گئی تاکہ اسے تلخی کچھ کم محسوس ہو۔ بچہ کچھ ہی دیر میں سوگیا۔

آج رات اختر کے پاس جانے سے پہلے ہمزاد نے رضیہ سے کہا "میرا خیال ہے کہ اب وہ وقت قریب آگیا ہے جب تمہیں اپنی محبت اور ہمت دونوں کا ثبوت دینا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں" رضیہ نے آواز کی سمت دیکھا۔

"میں تم سے یہ بات نہیں چھپانا چاہتا کہ تمہارے والدین تمہاری شادی کے لئے راہ ہموار کررہے ہیں" اس کے بعد ہمزاد نے زرینہ اور قدیر بیگ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے اسے آگاہ کردیا۔

یہ بات کسی حد تک میرے علم میں بھی تھی اس لئے کہ امی نے بھی ڈھکے چھپے لفظوں میں میری رضامندی چاہی تھی۔ مگر میں نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا اور جواب بھی کیا دیتی" رضیہ بولی۔

"تم نے جواب نہ دے کر اچھا ہی کیا تمہارا اقرار یا انکار دونوں ہی مصیبت ہوتے ابھی تو بات گول مول ہے۔ مگر میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ تمہاری امی بھی اب اس بات سے آگاہ ہوچکی ہیں کہ تم اختر سے ملتی ہو۔ وہ ایک رات تمہیں اور اختر کو باغ میں چھپ کر دیکھ چکی ہیں" ہمزاد نے رضیہ کو سب کچھ صاف صاف بتادیا۔

"کیا!" رضیہ اچھل پڑی "تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"بتانے سے فائدہ بھی کیا تھا۔ وہ اس بات سے خوش ہیں کہ ان کے سر سے ایک بوجھ اتر جائے گا اور تم تو ویسے بھی اختر سے منسوب تھیں آخر اس میں حرج ہی کیا تھا شاید یہی سب کچھ سوچ کر انہوں نے تمہیں آزاد چھوڑ دیا کہ تمہیں اور اختر کو زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کا موقع مل سکے۔"

"لیکن اب ...." رضیہ کچھ کہتے کہتے رک گئی کیونکہ اسی وقت کھڑکی کے پاس ایک سایہ سا لہرایا تھا۔

"وہ آگیا" رضیہ نے سرگوشی کی اور جلدی سے اٹھ کر دبے پاؤں کمرے سے نکل گئی۔

"رضیہ آخر اب کیا چاہتی ہے؟ اب اگر دیر ہوئی تو معاملہ بگڑ جانے کا خطرہ ہے" میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے میں آج اس سے یہی بات کرنے والا تھا۔ آج دن ہی میں زرینہ اپنے بھائی جمشید علی سے مل کر آئی ہے۔ زرینہ کی منت سماجت پر وہ کچھ نیم راضی سے ہیں۔ اس لئے بہتر صورت یہی ہے کہ دو ایک دن ہی میں رضیہ کے ہاتھوں اختر کا قتل ہو جائے ورنہ یہ راتیں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گی۔ ابھی میرے لئے اور بہت سے مسئلے ہیں جن سے قبل از وقت میں آپ کو آگاہ کردینا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟" میں نے دریافت کیا۔

"اختر کے قتل کے بعد بھی معاملہ فوراً ہی نہیں نمٹ جائے گا" ہمزاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یعنی؟ میں سمجھا نہیں۔"

"آپ کے سر کے ساتھ اس کا جسم جڑنے کے بعد آپ کو پوری طرح حواس میں آنے کے لئے کم از کم ۲۱ دن لگیں گے اور یہ ۲۱ دن آپ کے لئے اور خود میرے لئے بھی بڑے صبر آزما اور

عذاب ناک ہوں گے میں آپ سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ ان ۲۱ دنوں میں میں بھی پوری طرح معطل ہو کے رہ جاؤں گا۔ مجھے آپ کی اور اپنی تکمیل کے لئے یہ دن دنیا کی نظروں سے پوری طرح چھپ کر گزارنے ہوں گے۔ ساتھ ساتھ اپنی حفاظت کا بھی پہلے سے انتظام کرنا پڑے گا تاکہ ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔"

ہمزاد کی بات سن کر مجھے کچھ خوف سا محسوس ہوا "آخر یہ ۲۱ دن کس طرح گزریں گے" میں نے اس سے پوچھا "کیا تمہاری تمام قوتیں سلب ہو جائیں گی۔"

"تقریباً" ہمزاد نے کہا "میرے لئے ضروری ہوگا کہ نئے جسم سے ربط پیدا کروں اس میں بے انتہا تکلیف کا سامنا مجھے بھی ہوگا اور آپ کو بھی۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

"کیا مجھ سے یہ قوت بھی چھن جائے گی جو مجھے اس وقت حاصل ہے؟ میری مراد تصور کی قوت سے ہے" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں۔ صرف یہی قوت مجھ میں اور آپ میں برقرار رہ جائے گی باقی تمام قوتیں اس ۲۱ دن کے عرصے میں مفلوج ہو جائیں گی" ہمزاد نے جواب دیا۔

"تم نے مجھے بتایا تھا کہ اختر کے قتل ہوتے ہی تم اس کے جسم کے ساتھ میرا سر جوڑ دو گے لیکن اگر اختر کو حویلی کے باغ میں قتل کیا گیا تو بہرحال ۲۱ دن وہیں گزارنے ہوں گے اور یہ میرے خیال میں بہت خطرناک ہوگا۔ وہاں تو ہم ہر طرح سے غیر محفوظ ہوں گے۔"

"ہوگا یہ کہ میں اختر کے جسم کے ساتھ آپ کا سر جڑتے ہی آپ کو لے کر فوراً خانقاہ میں پناہ لے لوں گا۔ پھر ۲۱ دن ہم اسی خانقاہ میں گزاریں گے" ہمزاد نے بتایا۔

"اور... اور... رضیہ کا..... رضیہ کا کیا ہوگا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات کیا رخ اختیار کریں۔"

"رضیہ کی وفاداری کے امتحان کا وقت اب آیا ہے۔ امید ہے کہ وہ اس امتحان میں پوری اترے گی مگر نہ معلوم کیوں کبھی کبھی مجھے یہ خیال سا آتا ہے کہ کہیں رضیہ ہمارے ساتھ دھوکا نہ کررہی ہو۔ تم نے کبھی اختر اور اس کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی ہے؟" میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"کئی بار سنی ہے مگر جہاں تک میرا علم مجھے بتاتا ہے وہ آپ کے ساتھ مخلص ہے اور یہ سب کچھ وہ آپ ہی کے لئے کررہی ہے ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اختر کے قتل پر آمادہ ہی نہ ہوتی"

ہمزاد نے کہا۔

"تمہارے علم پر مجھے کوئی شک نہیں لیکن میں خود بھی یہ نہیں سمجھ پاتا کہ میرے ذہن میں ایسے خیالات کیوں آتے ہیں۔ جب میں اسے اختر کے ساتھ دیکھتا ہوں تو وہ مجھے بدلی بدلی سی لگتی ہے۔ جیسے وہ رضیہ نہ ہو کوئی اور ہی لڑکی ہو پھر یہ کہ جو لڑکی ایک مرد سے بے وفائی کرسکتی ہے اس سے جھوٹی محبت جتا سکتی ہے وہ کسی دوسرے کے ساتھ کس طرح وفادار ہو سکتی ہے؟"

"آپ کا یہ سب کچھ کہنا بجا مگر آپ ہی نے اسے مجبور کیا ہے۔ وہ آپ ہی کے بچے کی ماں ہے لیکن اگر اس کے باوجود آپ اسے ناپسند کرتے ہیں تو یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ اس بات پر مجبور تو بہرحال نہیں ہیں کہ آپ بھی اس کے وفادار رہیں۔ آپ ایک خاص مقصد کے لئے اسے استعمال کررہے ہیں وہ مقصد پورا ہو جانے کے بعد آپ اپنی مرضی کے مختار ہیں۔"

"رضیہ کا چکر میرے ساتھ کچھ عجیب ہے۔ کبھی مجھے اس پر رحم آتا ہے کبھی سخت نفرت محسوس ہوتی ہے۔ اس کا کردار میرے لئے ایک معمہ بن کر رہ گیا ہے۔ تم خود سن لو وہ اس وقت اختر سے کیا باتیں کررہی ہے کتنا عجیب ہے یہ سب۔ کل جسے وہ موت کے گھاٹ اتار دینے والی ہے آج اس کے گلے کا ہار بنی ہوئی ہے۔"

ہمزاد سے یہ کہہ کر میں نے رضیہ کی حویلی کے باغ کا تصور کیا اور بہت جلد ایک کنج میں وہ دونوں مجھے مل گئے رضیہ اختر کے زانو پر سر رکھے نرم زمین پر لیٹی تھی۔ اس کے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا جسے کبھی کبھی وہ شوخی سے اختر کے گالوں پر مارتی۔ وہ اس وقت اختر سے کہہ رہی تھی "ہماری تمہاری محبتوں کے رازدار یہ گلاب ہیں' یہ گھنے پیڑوں کے سائے ہیں' یہ کنج ہیں' یہ حسین راتیں ہیں اور....."

اختر نے رضیہ کی بات کاٹ کر کہا "اور میرا دوست' میرا غم خوار عابد ہے۔"

رضیہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی "یہ عابد کون ہے؟"

"عابد کو بھول گئیں۔ ہاں تمہیں بھول ہی جانا چاہئے۔ تم تو مجھے تک بھول گئی تھیں" اختر نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"یہ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کیسی اکھڑی اکھڑی باتیں کررہے ہو؟ اب اتنے دنوں کی بات مجھے کیا یاد رہ جاتی۔ عابد وہی تو ہے نا دبلا پتلا مرگھلا سا تمہارا دوست جسے دیکھ کر اکثر مجھے ہنسی روکنا دوبھر ہو جاتا تھا اور تم ناراض ہوتے تھے؟ وہ تو بہت پہلے کسی اور شہر چلا گیا تھا۔"

"ہاں وہی! آج رات ہی آیا ہے میرے پاس ہی ٹھہرا ہے

اب وہ پتلا دبلا نہیں رہا اور اس کی شادی بھی ہوگئی ہے......" اختر نے کہا "کل رات اسی کے مشورے پر عمل کرکے میں نے ہمت کی اور امی جان سے صاف صاف سب کچھ کہہ دیا کہ مجھے دنیا والوں کی کوئی پروا نہیں جو چاہیں کہیں۔ میں اگر شادی کروں گا تو رضیہ سے ورنہ کسی سے نہیں۔"

"سچ!" رضیہ نے خوش ہوکر کہا "کیا کہا تمہاری امی نے؟"

"کہتیں کیا؟ فی الحال تو چپ ہوگئیں۔ بہرحال میں انہیں راضی کرہی لوں گا۔ بس ذرا ابا جان کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔"

"اگر وہ نہ مانے؟"

"میں ہر قیمت پر تمہیں حاصل کرکے رہوں گا۔ میں یہ فیصلہ کرچکا ہوں چاہے مجھے اس کے لئے اپنی جان کی بازی ہی کیوں نہ لگانی پڑے ابا جی کو راضی کرنا تو بہت چھوٹی سی بات ہے۔"

"کیا تم واقعی مجھے اتنا ہی چاہتے ہو کہ اپنی جان کی بازی بھی لگادو؟"

"ہاں رضیہ! میں تمہارے لئے جان بھی دے سکتا ہوں" اختر کا لہجہ جذبات سے بوجھل تھا۔

میں اس کے بعد ان کی گفتگو سننے کی ہمت نہ کرسکا وہ جو اپنی محبوبہ کے لئے جان تک دینے کو تیار تھا اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کا انجام یہی ہونے والا ہے وہ اپنی موت سے بے خبر بڑے سکون کے ساتھ آنے والے اچھے دنوں کے خواب دیکھ رہا ہوگا "کتنا بھولا اور معصوم سا ہے یہ نوجوان۔ آنے والے دن سے بے خبر خود اپنی موت سے کھیل رہا ہے لیکن مجھے اس پر رحم کیوں آرہا ہے؟" میں سوچتا رہا اور یہی سوچتے سوچتے مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ میں نے بہت بھیانک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ رضیہ کے ساتھ باغ میں اختر کی جگہ میں ہوں اور اپنے پورے وجود کے ساتھ۔ رضیہ میرے زانو پر اسی طرح سر رکھے نرم زمین پر لیٹی ہے جیسے اختر کے ساتھ لیٹی تھی پھر اچانک وہ اٹھ بیٹھی۔ رفتہ رفتہ رضیہ کا چہرہ خوف ناک حد تک ڈراؤنا ہوگیا اس کے دانت باہر کی طرف لٹک آئے اور منہ سے رال بہنے لگی۔ اس کے بعد اس نے ایک دم اپنے لانبے لانبے دانت میرے نرخرے میں گاڑ دئے۔ میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کھولنے کے باوجود بھی مجھے بہت دیر تک ایسا ہی محسوس ہوتا رہا جیسے میں خواب ہی کے عالم میں ہوں۔ آنکھیں کہتیں جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں' حقیقت ہے لیکن ذہن اسے خواب ہی سمجھنے پر آمادہ تھا۔

کچھ دیر بعد نیند نے پھر مجھ پر یلغار کردی اور میں سوگیا۔

دوسری صبح آنکھ کھلی تو ہمزاد موجود نہیں تھا۔ میں اپنی خاص قوت کو بروئے کار لایا اور آج خلاف معمول رضیہ کے حویلی کے بجائے اپنی حویلی کا تصور کیا۔ حویلی میرے سامنے تھی مگر مجھے خیال گزرا کہ یہ میری حویلی تو نہیں ہے' کہیں میرا تصور مجھے دھوکا تو نہیں دے رہا۔ پھر میرا تصور اس حویلی کے ایک ایک کمرے' ایک ایک دالان اور ایک ایک دریچے سے گزرا۔ ویران اجاڑ حویلی' عجیب ہیبت ناک' قالینوں پر منوں گرد' دالانوں میں ڈھیروں کوڑے کے ڈھیر۔ حویلی کیا سے کیا ہوگئی۔ اتنے سے دنوں میں؟" میں سوچ رہا تھا اور دیکھ رہا تھا۔ یہ شام کا وقت تھا۔ میرا تصور اپنی حویلی سے بھٹکتا ہوا بدایوں کے گلی کوچوں میں آگیا۔ لوگ اسی طرح ہیں سب کچھ وہی ہے' وہی چہرے' وہی رستے' وہی اپنے وہی بیگانے' بدلا تو صرف میں تھا۔ بچھڑنے والوں کو لوگ کتنی جلدی بھول جاتے ہیں' کسی لب پر میرا ذکر نہیں' کہیں میرا چرچا نہیں۔ کیا سب لوگ وہی ہیں؟ کیا میں اتنا ہی بے وقعت تھا؟ اسی قابل تھا کہ بھلا دیا جاؤں؟ میرا تصور نہ جانے کب تک انہی "آشنا اجنبی" سے رستوں سے گزرتا رہا۔ اور میں اس وقت چونکا جب میں نے بالکل سامنے رضیہ کی حویلی دیکھی۔ میرا تصور رضیہ تک پہنچنے کے لئے بے تاب ہوگیا۔ وہ میرے سامنے تھی۔ شاید ابھی کچھ دیر پہلے نہا چکی تھی۔ بالکل تازہ کھلے ہوئے چنبیلی کے پھول کی طرح لگ رہی تھی۔ سفید جمپر اور غرارے میں اسے میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ کالے کالے لانبے بال شانوں پر دونوں طرف بکھرے ہوئے تھے جنہیں وہ ہاتھوں سے جھٹک رہی تھی اور اس کا بچہ اس وقت خلاف معمول قلقاریاں مار رہا تھا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ ...." رضیہ کے الفاظ اس کے منہ ہی میں رہ گئے۔ اس کی ماں زرینہ اچانک ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی بولی "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تو ہمیشہ اکیلے میں کس سے باتیں کیا کرتی ہے۔ یا تو تو پاگل ہے یا میں۔ میں نے کئی بار تجھے اس طرح بہکی بہکی باتیں کرتے سنا ہے۔"

رضیہ جلدی سے بولی "کچھ بھی تو نہیں امی! میں تو منے سے باتیں کررہی تھی۔ آپ تو بات کا بتنگڑ بنادیتی ہیں۔"

"یہ بات نہیں بیٹی اب تو پرائے گھر کی ہونے والی ہے۔ میں آج بات کر آئی ہوں' وہاں اگر تو نے اس طرح کی حرکتیں کیں تو لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ تو ویسے ہی بدنام ہے میں نہیں چاہتی کہ لوگ تیرے جنم پر تھوکیں یا مجھے برا بھلا کہیں۔"

زرینہ کی بات سن کر رضیہ کے ساتھ ساتھ میرے اور ہمزاد کے کان بھی کھڑے ہوگئے جو اس وقت کمرے ہی میں موجود تھا غالباً میرے تصور کے وہاں پہنچنے سے قبل رضیہ سے کچھ بات کررہا تھا جس کا جواب رضیہ نے دینا چاہا ہوگا کہ اچانک زرینہ آگئی اور

بات ادھوری رہ گئی۔

"امی! کیا بات کر آئی ہیں آپ؟ اور کس سے؟" رضیہ نے پوچھا۔

"ارے اور کس سے بات کرکے آتی تیرے ماموں کو مناکر آئی ہوں اور آج دوپہر بعد تو تیرے ابا بھی میرے ساتھ گئے تھے۔ دیکھ اب ایک بات کان کھول کر سن لے۔ میں جلد سے جلد تیرے ہاتھ پیلے کرنے والی ہوں اب اختر سے ملنا جلنا قطعی بند اور ......"

"مگر امی! میں تو ان سے کبھی ملتی بھی......"

"بس بس رہنے دے۔ میں بھی تیری ماں ہوں۔ جو کہہ دیا ہے اس پر عمل کرنا۔ دیکھ بیٹی! اسی میں عزت ہے' وقار ہے' ہم لوگ کوئی ایرے غیرے خاندان کے ہیں نہیں۔ پتا نہیں وہ کون سی گھڑی تھی جب وہ بلا تیرے پیچھے پڑ گئی اور اللہ واسطے اتنی بدنامی مل گئی۔ اب بھی کچھ نہیں گزرا۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگ سب بھول جاتے ہیں۔ زرینہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ادھر زرینہ کمرے سے نکلی ادھر میں نے فوراً ہمزاد کو مخاطب کیا۔ "یہ سب کیا ہورہا ہے؟ تمام بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"جو کچھ ہورہا ہے ہونے دیجئے اس لیے کہ آج اختر کی زندگی کی آخری رات ہے۔" ہمزاد نے کہا۔

"تم کہاں چلے گئے؟ میری آواز سن رہے ہو؟ جواب کیوں نہیں دیتے...." یہ رضیہ کی آواز تھی جو میرے اور ہمزاد کے درمیان ہونے والی گفتگو سننے کی اہل نہیں تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید ہمزاد کہیں جاچکا ہے۔ میں نے ہمزاد سے کہا "پہلے تم رضیہ سے بات کرلو پھر میں بات کرلوں گا۔"

"ہوں! کیا بات ہے۔ بولو! میں یہیں تمہارے پاس ہوں۔" ہمزاد نے رضیہ کو مخاطب کیا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری باتیں سن کر میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں یہ سب کچھ کیسے کروں گی؟ اگر میرے ہاتھ کانپ گئے تو یا.... اختر نے میرے ہاتھ سے خنجر چھین لیا.... تو کیا ہوگا.... اگر کسی نے دیکھ لیا تو....."

میں نے دیکھا کہ بات کرتے کرتے رضیہ کی سانس پھول گئی۔ وہ بری طرح خوف زدہ معلوم ہوتی تھی۔

"میں تمہارے بالکل قریب رہوں گا۔ اگر تمہیں یہ خوف ہے کہ تم اچانک اس پر حملہ نہیں کرپاؤ گی تو اس کا بھی انتظام میں کردوں گا اختر مرنے سے پہلے ذرا بھی جدوجہد نہ کرسکے گا۔ تم اسے پھول تو سنگھا ہی سکتی ہونا؟" ہمزاد نے پوچھا۔

"ہاں ہاں پھر؟" رضیہ جلدی سے بولی۔

"بس پھر ٹھیک ہے۔ جب تم آج رات اختر کے ساتھ با[غ] میں ہوگی اور وہ پوری طرح بے خبر ہوگا اور میں دیکھوں گا کہ موقع غنیمت ہے تو میں تم سے کہوں گا کہ اب پھول سنگھا دو۔ تم واقف ہی ہو کہ میری آواز صرف تمہیں سن سکتی ہو اور کو[ئی] نہیں۔ پھول اور خنجر تمہیں پچھلی کھڑکی کے دائیں ہاتھ والے [...] میں پتوں کے نیچے چھپے ہوئے مل جائیں گے بس تمہیں یہ خیا[ل] رکھنا ہے کہ اختر کو اسی کنج میں لے جانا ہے۔ احتیاطاً کچھ دیر بعد باغ میں جاکر وہ کنج دیکھ آنا کہ وہاں خنجر اور پھول کس جگہ ر[کھے] ہیں تاکہ تمہیں عین وقت پر پریشانی نہ ہو۔ ویسے میں تمہار[ے] پاس ہی موجود رہوں گا۔ ہاں یہ بتاؤ کہ ایسا تو نہیں کہ آج رات نہ آئے؟"

"وہ ضرور آئے گا۔ ضرور" رضیہ نے کھوئے کھوئے [سے] لہجے میں کہا۔

"اچھا میں ابھی آیا" رضیہ سے یہ کہہ کر ہمزاد مجھ [سے] مخاطب ہوا "کہئے سب کچھ ٹھیک ہے نا۔"

"مگر یہ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہے۔ آخری وقت پر ہاتھ [...] چھوڑے دے رہی ہے" میں نے کہا "تم نے اسے سمجھا[یا] نہیں؟"

"شام ہی سے سمجھا رہا ہوں یہ بات پہلے ہی سے میرے [علم] میں آچکی تھی کہ زرینہ آج تمام معاملہ طے کر آئی ہے۔ اسی [لئے] میں نے رضیہ کو آج ہی تیار کرلیا۔ دراصل اسے اس قدر جلد[ی] کی توقع نہیں تھی پھر یہ کہ بہرحال وہ لڑکی ہے' گھبرانا قدرتی با[ت] ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ اتنے پراسرار اور عجیب حالات میں [...] اپنے ہوش وحواس برقرار رکھے ہوئے ہے ورنہ کوئی اور لڑ[کی] ہوتی تو اب تک بول جاتی۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔ بس تم ذرا اس کی ہمت بندھاتے رہو[" ...] میں نے کہا۔

"کچھ دیر بعد آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں تاکہ آپ کو لے [کر] یہاں پہنچ سکوں" ہمزاد بولا۔

"ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ آج رات تو رضیہ کی حو[یلی] میں میری موجودگی ضروری ہے۔ ٹھیک ہے تم آجاؤ میں تمہار[ا] منتظر ہوں۔"

پھر ایک لمحہ گنتے گنتے وہ وقت بھی آگیا جب ایک طویل عرصے کے بعد میں فضاؤں میں تیر رہا تھا۔ فضا میں تیرنے کا ایک الگ ہی لطف ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہمزاد مجھے لے کر لمحوں میں رضیہ کے باغ پہنچ گیا۔ یہ وہ باغ [تھا] جسے ایک مدت سے میں اپنے تصور کی قوت کے بل بوتے پر دیکھ[تا]

رہا تھا۔ مجھے رضیہ کی حویلی اور پھر اس کے باغ میں پہنچ کر قطعی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں برسوں سے یہاں رہتا بستا ہوں۔ میرا تصور یہاں کی سب چیزوں سے اتنا ہم آہنگ تھا کہ مجھے نہ تو کوئی نیا پن محسوس ہوا اور نہ ہی کسی قسم کا خوف۔

نصف سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔ ہمزاد کے کہنے کے مطابق اس وقت رضیہ اور اختر کو باغ کے اسی مقررہ کنج میں ہونا چاہئے تھا جس کا انتخاب ہمزاد نے کیا تھا۔ ہمزاد نے میرا سر ایک پیڑ کی دو شاخوں کے درمیان رکھ دیا۔ اسی پیڑ کے بالکل برابر وہ کنج تھا۔ میں نے اپنی سماعت کو اس طرف متوجہ کیا اور کچھ ہی دیر میں مجھے وہ جملے صاف سنائی دینے لگے جو اس سے پہلے دھیمے لگ رہے تھے۔ رضیہ کہہ رہی تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟ خواہ مخواہ کباب میں ہڈی۔ کیا ضروری تھا کہ تم آج ہی اس سے مجھے ملاتے۔ کبھی اور بھی ملاقات ہو سکتی تھی۔"

"تم یہ الفاظ عابد کے لئے استعمال کر رہی ہو۔ وہ عابد جو تمہاری پرستش کی حد تک عزت کرتا ہے تم بھی عجیب ہو۔ ارے اگر وہ آجائے گا تم سے مل لے گا تو کیا قیامت آجائے گی تمہیں اس سے پہلے اس نے دیکھا تو ہے ہی۔ یہ بھی نہیں کہ کوئی نئی بات ہو۔ تم بھی بس خواہ مخواہ روٹھ جاتی ہو۔" یہ آواز اختر کی تھی۔

میرا دماغ سنسنانے لگا' اگر دل ہوتا تو اس کی دھڑکنیں ضرور تیز ہو جاتیں۔ مجھ پر گھبراہٹ سی طاری تھی۔ یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ میں اختر کا جسم حاصل کر سکوں گا یا نہیں۔ دراصل میں رضیہ کی طرف سے مشتبہ تھا۔ وہ اختر سے ایسے والہانہ انداز میں ملتی تھی کہ اس کی سچی انسیت کا گمان ہوتا تھا چنانچہ اس وقت بھی مجھے یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ رضیہ عین وقت پر مجھے دغا دے کر اختر سے نہ مل جائے۔

"وقت ضائع مت کرو رضیہ! اسے زیادہ باتوں میں مت الجھاؤ" ہمزاد نے سرگوشی کی جسے صرف میں اور رضیہ ہی سن سکتے تھے۔

"بس وہ آتا ہی ہوگا" اختر نے رضیہ سے کہا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ آجائے' اختر نے رضیہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ فقرہ اس نے ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔

○☆○

یہ منظر میرے لئے بڑا صبر آزما تھا۔ رضیہ کو اختر کی آغوش میں دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہوا "آخر اب کس بات کا انتظار ہے؟" میں نے ہمزاد سے کہا۔

ہمزاد نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے رضیہ کو مخاطب کیا۔ رضیہ جلدی کرو' ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

اس وقت رضیہ اختر کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی "کیا واقعی تم میرے لئے جان دے سکتے ہو؟ لیکن ابھی جو تم نے کہا کہ عابد..." رضیہ کچھ کہتے کہتے رک گئی شاید اس کا سبب یہ تھا کہ اس نے ہمزاد کا فقرہ سن لیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ آہستہ سے کنج میں ایک طرف رینگ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں ایک پھول تھا۔

"یہ ہماری محبت کی آخری یادگار ہے" رضیہ نے معنی خیز لہجے میں اختر سے کہا۔

"آخری یادگار؟" اختر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے رضیہ کے ہاتھ سے پھول لے لیا۔

"سونگھ کر دیکھو کیسی مست خوشبو ہے" رضیہ سچ بات کہہ گئی تھی۔

"یہ عام گلابوں سے مختلف لگتا ہے مگر ہے خوب صورت" اختر نے یہ کہتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ پھول اب اس کی ناک تک پہنچ چکا تھا "مگر اس کی خوشبو بہت عجیب ہے رضیہ! یہ' میرا سر کیوں گھومنے لگا قریب آجاؤ' مجھے سنبھالو' میرا دل کیوں ڈوب رہا ہے مجھے چکر آرہے ہیں۔ رضیہ .... یہ .... یہ پھول .... میں .... مجھے کیا ہو' .... رہا ہے .... میں .... میں۔" اس کے ساتھ ہی رضیہ کی طرف اٹھے ہوئے اختر کے ہاتھ ایک طرف گر گئے اور سر بھی ایک طرف ڈھلک گیا۔ اس کا جسم کنج میں بے حس و حرکت پڑا تھا اور رضیہ کھوئی کھوئی آنکھوں سے گم صم اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا یہ مر گیا؟" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"نہیں صرف بے ہوش ہوا ہے۔ مگر اب کبھی ہوش میں نہیں آئے گا" ہمزاد نے جواب دیا۔ پھر رضیہ کو مخاطب کر کے بولا "رضیہ! میری روح سخت مضطرب ہے اب دیر نہ کرو۔ میں ہلکان ہو رہا ہوں۔"

ہمزاد کی آواز پر ایک عجیب سی رقت طاری تھی جس نے رضیہ کو چونکا دیا تھا "ہاں میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔ تمہیں جسم مل جائے گا' اختر کا جسم" اس کے بعد رضیہ کا ہاتھ پھر ایک مرتبہ کنج میں رینگ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر تھا "میں اپنی محبت کی خاطر سب کروں گی۔ میں اختر کو قتل کر دوں گی! قتل کر دوں گی!" رضیہ پر اس وقت جنونی کیفیت طاری تھی۔ اچانک قریبی کنج میں کچھ کھٹکا سا ہوا جیسے کوئی دبے پاؤں گزرا ہو۔ مگر میں نے اس پر کچھ دھیان نہ دیا اور نہ ہی رضیہ نے اس طرف توجہ کی۔ میری

تمام تر توجہ اس وقت رضیہ پر مرکوز تھی۔ رضیہ خنجر ہاتھ میں لئے نہ معلوم کس بات کی منتظر تھی مجھے یہ لمحے بہت گراں گزر رہے تھے۔ نہ جانے کیسے رضیہ کی ہیجانی کیفیت اچانک ختم ہو گئی تھی میں نے دیکھا کہ اب اس کا ہاتھ نمایاں طور پر کانپنے لگا تھا۔

"شکار سامنے ہے اور شکاری بے بس۔ آخر رضیہ کو ہو کیا گیا ہے؟" میں نے سوچا اور ہمزاد سے بولا "کیا ہمارا سب کچھ کیا دھرا رائیگاں جائے گا؟ کسی طرح اسے راہ پر لاؤ۔"

ہمزاد نے میری بات کا جواب دیا "میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں مگر آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ ایک لڑکی ہے اس کی یہ حالت ہونا قدرتی امر ہے ویسے اس وقت اس کا جذباتی ہونا بہت ضروری بھی ہے ورنہ وہ قتل نہ کر پائے گی اور اس کے جذبات کو مزید ہوا دینا آپ ہی کا کام ہے۔"

میں نے ہمزاد کے مشورے پر فوراً عمل کیا اور بہ آواز بلند رضیہ کو مخاطب کر کے کہا "رضیہ ان قیمتی لمحوں کو ضائع نہ کرو۔ یہ لمحے پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت نہیں تو اپنے بچے ہی کا خیال کرو۔ وہ دنیا ہماری منتظر ہے جہاں تم اور میں اپنے بچے کے ہمراہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلے جائیں گے۔ اس ذلت اور رسوائی کی دنیا سے بہت دور...... بہت دور جہاں ہمیں روکنے والا کوئی نہ ہوگا" میں کہے جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ رضیہ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا ہے میری باتوں کا اس پر خاصا اثر ہوا تھا۔

"تم .... تم ... کیا سچ کہہ رہے ہو ... ہاں تم ٹھیک ہی کہتے ہو میں یہ دنیا چھوڑ دوں گی۔ میں اختر کو قتل کر دوں گی۔ میں اپنے بچے کا مستقبل تاریک نہیں کر سکتی۔ نہیں نہیں" رضیہ واقعی جذباتی ہو گئی۔

"تو پھر چلاؤ خنجر! انتظار کس بات کا ہے؟"

اچانک جیسے رضیہ کے ہاتھوں میں بجلی کی سی تیزی آگئی اس نے اختر کے گلے پر تیز خنجر پھیر دیا تھا گرم گرم خون کی دھار اختر کے گلے سے ابل کر رضیہ کے کپڑوں سے ٹکرائی۔

"رکو مت! رکو مت رضیہ!" میں نے رضیہ سے کہا۔ اختر کا جسم اسی وقت ایک مرتبہ زور سے تڑپا اور اس کے کٹے ہوئے گلے سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں جیسے بکرے کو ذبح کرنے کے بعد اس کے گلے سے نکلتی ہیں اختر کا آدھا گلا کٹ چکا تھا اور اس کا خون کنج کی ہری ہری گھاس کو سرخ کر رہا تھا اسی وقت قریبی کنج سے ایک سایہ سا نکل کر بھاگا اور اندھیرے میں نہ جانے کدھر غائب ہو گیا یہ ایسا وقت نہیں تھا کہ میں اس طرف توجہ دے سکتا۔ میں نے رضیہ کو پھر مخاطب کیا۔

"اب کیا دیکھ رہی ہو؟ اس کی گردن اس کے جسم سے علیحدہ کر دو ورنہ کام ادھورا ہی رہے گا۔"

میرے فوراً بعد ہی ہمزاد بولا "اور ہاں ذرا دیکھ کر چلانا گردن سیدھی ہی کٹے۔"

لیکن میں نے دیکھا کہ نہ تو میری ہی بات کا رضیہ پر کوئی اثر ہوا اور نہ ہمزاد کے فقرے کا وہ ایک مرتبہ پھر ہاتھ میں خنجر لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی جیسے پتھر کی ہو گئی ہو۔

"رضیہ!"

"رضیہ!"

باری باری میں نے اور ہمزاد نے اسے کئی مرتبہ مخاطب کیا۔

"خود کو سنبھالو رضیہ! یہی تمہاری محبت کے امتحان کا وقت ہے" ایک مرتبہ میں نے جب زور سے اس کا نام لے کر پکارا تو جیسے اس کا سکتہ ٹوٹ گیا۔ مگر ایک دم اس کے منہ سے تیز چیخ نکل گئی جو رات کے وقت اور بھی تیز محسوس ہوئی تھی یقیناً اس کی چیخ اتنی ہی تیز تھی کہ آس پاس کی حویلیوں اور گھروں تک ضرور پہنچتی ہوگی میرے اوسان خطا ہو گئے مگر ہمزاد ہمت نہ ہارا وہ برابر رضیہ کو اس بات پر اکساتا رہا کہ وہ اختر کا سر اس کے جسم سے علیحدہ کر دے آخر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو ہی گیا رضیہ کا ہاتھ اب تیزی سے اختر کی گردن پر چل رہا تھا جیسے ہی اختر کا سر کٹ کر گرا ہمزاد نے مجھ سے کہا۔

"تکلیف تو بہت ہوگی لیکن وقتی طور پر۔ مجھے امید ہے آپ برداشت کر جائیں گے" پھر مجھے محسوس ہوا کہ میرا سر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور نیچے کنج کی طرف بڑھنے لگا۔ رضیہ نے جیسے ہی میرا کٹا ہوا سر دیکھا اس کے منہ سے پھر چیخ نکل گئی اب وہ بالکل پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی "دیکھ لو میں نے اسے قتل کر دیا میں نے اختر کو قتل کر دیا۔ میں نے قتل کر دیا۔ یہ کہتے کہتے وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اسی لمحے ایک جھٹکے کے ساتھ میرا کٹا ہوا سر اختر کی کٹی ہوئی گردن سے مس ہوا اور مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میری گردن کی ہڈی پر بھرپور ضرب لگائی ہو میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ میں ہزار کوشش کے باوجود اپنی چیخوں پر قابو نہ پا سکا اس وقت میری وہی حالت تھی جیسی اس رات جب مجھے قتل کیا گیا تھا مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے گلے پر کوئی خنجر چلا رہا ہو۔ ہمزاد میرے سامنے ہی کھڑا تھا اور اس کی حالت بھی تقریباً وہی تھی اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ وہ بھی اس وقت سخت کرب و اذیت میں مبتلا ہے۔

ایک دم تیز تیز سیٹیاں بجنے اور دوڑتے ہوئے لوگوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جو لمحہ لمحہ قریب ہوتی

جارہی تھیں۔ ہمزاد نے فوراً کنج سے باہر نکل کر دیکھا۔ پھر بغیر وقت ضائع کئے اس نے مجھے اٹھایا اور فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ رضیہ مجھے پکارتی ہی رہ گئی "سنو تو مجھے کہاں چھوڑے جارہے ہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ تھوڑی دیر رک جاؤ ذرا منے کو اندر سے لے آؤں سنو! سنو!"

مگر ہمزاد نے اس کی ایک نہ سنی میں نے فضا میں بلند ہوتے ہوئے وہ سب کچھ دیکھ لیا۔ جس نے ہمزاد کو ایک دم وہاں سے بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ تیز سیٹیاں پولیس والوں کی تھیں اگر ہمزاد چند لمحے بھی دیر کردیتا تو پولیس مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتی۔ چاندنی رات نے قدم قدم پر میری اور ہمزاد کی رہنمائی کی تھی اگر رات اندھیری ہوتی تو پولیس اتنی دور سے نظر نہ آتی اور پھر جو کچھ ہوتا ظاہر ہے میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔

میں ہمزاد کے ہمراہ فضا میں تیر رہا تھا۔ اور اب ہم شہر سے کافی دور نکل آئے تھے۔ میری تکلیف ابھی تک بدستور تھی۔ میں ہی جانتا ہوں کہ میں اس وقت کس طرح ضبط کئے ہوئے تھا۔

"ہماری منزل کہاں ہے؟" میں نے رک رک کر بمشکل ہمزاد سے پوچھا۔

"وہی پرانی خانقاہ! ہمیں وہاں پورے ۲۱ دن بحفاظت گزارنے ہیں۔ یہ سب کچھ میری اور آپ کی تکمیل کے لئے بے حد ضروری ہے اس وقت بھی میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ یقین کیجئے اس وقت جو کرب آپ محسوس کررہے ہیں اسی سے میں بھی گزر رہا ہوں۔ اس لئے کہ میں آپ ہی کا تو جسم لطیف ہوں جب مادی جسم اذیت میں مبتلا ہوتا ہے تو جسم لطیف پر بھی وہی کیفیت ہوتی ہے۔"

نہ معلوم اس وقت کیوں مجھے ہمزاد پر بے انتہا رحم آیا وہ خواہ مخواہ میرے لئے عذاب میں مبتلا تھا۔

ہم بہت جلد اپنے مسکن پر پہنچ گئے ویران خانقاہ میں پہنچ کر ہمزاد نے نہ معلوم میری گردن کی کس نس کو چٹکی لے کر دباتے ہوئے کہا "اب یہ بہت ضروری ہے کہ آپ سوجائیں اور آپ کو اگر نیند آگئی تو میں بھی سو رہوں گا۔ کچھ آرام بے حد ضروری ہے ورنہ کسی نقصان کا احتمال بھی ہوسکتا ہے اور......" اس کے بعد ہمزاد نے کیا کہا میں نہ سن سکا اس لئے کہ میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا تھا۔

کسی کے آہستہ آہستہ کراہنے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد آہستہ آہستہ اپنی گردن پر مساس کررہا ہے اور کراہنے کی آواز بھی اسی کی تھی۔

"کیوں کیا ہوا تمہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"آپ کو تو میں نے سلا دیا لیکن میں پوری رات نہیں سوسکا۔ آپ بھی کچھ دیر بعد یہی تکلیف محسوس کریں گے جس سے میں گزر رہا ہوں دراصل آپ کی اذیت میں نے اوڑھ لی ہے میں جانتا ہوں کہ آپ اتنی شدید تکلیف برداشت نہیں کرسکیں گے لیکن اس سے زیادہ میرے بس میں نہیں۔ آپ کو بہرحال کچھ نہ کچھ تکلیف اٹھانی ہی پڑے گی۔ ہمزاد نے کہا اور کچھ دیر بعد واقعی میں ایک بار پھر اسی کیفیت سے گزرنے لگا جس سے رات کو دوچار ہوا تھا۔

"میں یہ سب برداشت نہیں کرسکتا" میں بمشکل ہمزاد سے کہہ سکا۔ وہ مجھے طرح طرح سے بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے اپنی گردن اور اختر کے جسم کے درمیان ایک خلا سی محسوس ہورہی تھی۔ ایک ایسی خلا جس میں آگ ہی آگ بھری ہو اس آگ میں مجھے اپنا پورا وجود جھلستا ہوا لگ رہا تھا۔ میں نے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے کچھ اور سوچنا چاہا اور وہ سوچ سوائے رضیہ کے اور کیا ہوسکتی تھی۔ ہمزاد نے مجھے بتایا کہ تمام قوتیں سلب ہوجانے کے باوجود اس میں اور مجھ میں ابھی ایک قوت ضرور برقرار تھی اور وہ تھی تصور کی قوت۔ ذہن میں یہ خیال آتے ہی میں نے رضیہ کا تصور کیا۔ میں یہ جاننے کے لئے مضطرب تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا! کچھ دیر کے لئے میں اپنی تکلیف جیسے بھول گیا۔ میری چشم تصور رضیہ کو ڈھونڈ رہی تھی اس وقت میری آنکھوں کے سامنے سے بدایوں کے گلی کوچے گزر رہے تھے یہ صبح کا وقت تھا لوگ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں محلوں اور گلیوں میں محو گفتگو تھے میرا تصور کچھ دیر کے لئے یہاں ٹھہر گیا۔

"آخر یہ لوگ کیا باتیں کررہے ہیں؟" میں نے سوچا۔ اب میں ان کی باتیں سن سکتا تھا۔ میں نے جو کچھ سنا اور دیکھا اس کا حاصل یہ تھا کہ اختر کے قتل کی اطلاع تمام شہر میں پھیل چکی تھی اور لوگ آپس میں اس کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کررہے تھے۔ یہ سب کچھ شاید چند لمحوں میں، میں نے دیکھ اور سن لیا۔ مجھے اب رضیہ کی تلاش تھی دوسرے ہی لمحے میرے تصور میں حوالات کی سلاخیں ابھریں اور ان کے پیچھے مجھے وہ چہرہ نظر آگیا۔ جس کی مجھے تلاش، تھی یہ رضیہ تھی جو حوالات کے فرش پر سر جھکائے بیٹھی تھی اس کے بال بکھرے ہوئے، لباس خون آلود اور چہرہ انتہائی مضمحل تھا۔ ایک ہی رات میں جیسے قطعی بدل کر رہ گئی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم کا سارا خون کسی نے نچوڑ لیا ہو وہ بھیانک ہونے کی حد تک اجڑی ہوئی لگ رہی تھی۔ میرے دل

میں اچانک یہ خیال آیا کہ اسے مخاطب کروں مگر کچھ سوچ کر رک گیا میں بغیر ہمزاد سے مشورہ لئے کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ نے اسے دیکھا؟" اچانک ہمزاد کے مخاطب ہونے پر میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"ہاں!" میرے منہ سے ایک سرد آہ نکلی "آخر وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی؟"

"یہی کہ آپ نے اسے دھوکا دیا۔ مگر اس کا ضمیر بھی تو مجرم ہے اس نے بھی تو کسی کو دھوکا دیا ہے اور کسی دھوکے باز کو دھوکا دینا اتنا بڑا گناہ نہیں" ہمزاد نے دلیل پیش کی۔

"مگر نہیں، میں ایسا نہیں سمجھتا۔ اس نے یہ سب کچھ میری محبت میں کیا۔ وہ بے قصور ہے قطعی بے قصور۔ اسے بہرحال اس مصیبت سے بچانا ہمارا فرض ہے۔" میں نے ہمزاد کی دلیل کو مسترد کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ان حالات میں نہ صرف آپ بلکہ میں بھی مجبور ہوں۔ ہم اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتے" ہمزاد بولا۔

"یہ تو خیر تم ٹھیک کہتے ہو مگر کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ہم رضیہ کو اس بات سے آگاہ کردیں کہ وہ کسی طرح ۲۱ دن کاٹ لے اس کے بعد ہم اسے بچالیں گے۔"

"لیکن آپ اسے کہاں باندھے باندھے پھریں گے وہ ہمارے لئے عذاب بن جائے گی لڑکیوں کی آپ کے لئے کوئی کمی نہیں پھر کیا ضروری ہے کہ وہ رضیہ ہی ہو۔ میرے خیال سے آپ اس سلسلے میں کچھ جذباتی ہورہے ہیں" ہمزاد نے کہا۔

"نہیں ایسا نہیں بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ اس سے پہلے خود میری رائے رضیہ کے بارے میں اچھی نہیں تھی اور میں اس کی طرف سے قطعی مطمئن نہیں تھا لیکن اب جبکہ وہ میرے لئے اتنی بڑی قربانی دے کر اپنی محبت کا عملی ثبوت فراہم کرچکی ہے اس کی طرف سے میرا دل صاف ہوچکا ہے وہ یقیناً مجھے چاہتی ہے۔"

"بہرحال جو بھی ہے آپ کے سامنے ہے ہاں ایک بات بتایئے یہ ۲۱ دن پورے کرنے کے بعد کیا آپ اسی شہر میں رہنا پسند کریں گے؟" ہمزاد نے بات کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ پھر کافی دیر میں اور ہمزاد مستقبل کے بارے میں پروگرام بناتے رہے۔ مجھے مسلسل گفتگو میں الجھائے رکھنے کا مقصد ہمزاد کا یہ بھی تھا کہ میں تکلیف کی طرف کم سے کم توجہ کرسکوں اور میرا دھیان بٹا رہے۔ اس دن وہ اس میں کامیاب بھی رہا۔ اس دن کئی مرتبہ اس نے میرے ذہن کو سکون بخشنے کے لئے مجھے مشورہ دیا کہ میں اپنے تصور کی قوت بروئے کار لاؤں اور وہ سب کچھ خود معلوم کرنے کی کوشش کروں جو رات کو ہمارے بعد رضیہ کی حویلی میں ہوا۔

میں نے لوگوں کی گفتگو سے جو کچھ سنا۔ شہر کوتوال اور پولیس کے دوسرے عملے کی باتوں سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ تھا کہ اختر کا کوئی دوست عابد جو اس کا رازدار و غمگسار بھی تھا کل رات باغ میں موجود تھا۔ عابد بدایوں ہی کا رہنے والا تھا مگر اپنے والد کی سرکاری ملازمت اور ان کے تبادلے کے بعد وہ مراد آباد چلا گیا تھا۔ جن دنوں رضیہ اور اختر کا عشق زوروں پر تھا عابد مستقل طور پر بدایوں ہی میں تھا۔ اختر کا دوست ہونے کے سبب وہ رضیہ سے بھی مل چکا تھا آج کل عابد بدایوں آیا ہوا تھا اور اختر ہی کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ اختر نے اسے تازہ حالات سے آگاہ کیا تو اس نے رضیہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جسے اختر نے قبول کرلیا اور اسی سبب اس نے رضیہ سے بھی اس کے بارے میں بتایا۔ عابد کو اختر کی ان باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ رضیہ ایک بار پھر اس کا دم بھرنے لگی ہے۔ اختر نے ثبوت کے طور پر اس سے کہا تھا کہ اگر عابد کو اس کی بات کا یقین نہیں تو آج رات خود برابر والے کنج میں چھپ کر ان کی گفتگو سن لے اور جب اختر اسے بلائے وہ آجائے۔ مگر عابد کا بیان ہے کہ جب اس نے اختر کے یہ الفاظ سنے کہ اس کا سر چکرا رہا ہے اور پھر رضیہ کو یہ کہتے سنا کہ میں اپنا وعدہ پورا کروں گی تمہیں جسم مل جائے گا.... اور میں اختر کو قتل کردوں گی تو عابد گھبرا گیا۔ اس نے سوچا کہ یہاں رضیہ اور اختر کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ موجود ہیں جن سے رضیہ مخاطب ہے۔ عابد فطرتاً ذرا بزدل واقع ہوا تھا اس نے لاکھ چاہا کہ اپنے کنج سے نکل کر دیکھے کہ کیا معاملہ ہے مگر اس کی ہمت نہ ہوئی اور ایک مرتبہ کوشش کرنے کے باوجود وہ کنج سے باہر نکلتے نکلتے ٹھٹک کر رک گیا۔ مگر جب پانی سر سے اونچا ہوگیا اور اس نے پوری طرح دیکھ لیا کہ رضیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے اختر کے گلے پر خنجر پھیر دیا تو وہ ضبط نہ کرسکا اور تیزی کے ساتھ اپنے کنج سے نکل کر حویلی کے پچھلے دروازے سے تقریباً بھاگتا ہوا تھانے پہنچا اور پھر پولیس کے ہمراہ باغ میں واپس آیا۔

رضیہ کی مسلسل چیخوں سے اس کی ماں زرینہ بھی جاگ گئی تھی۔ مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ باہر نکل کر دیکھ سکے اس نے رضیہ کے باپ مرزا قدیر بیگ کو جگایا اور تقریباً پولیس کے ساتھ ساتھ یہ دونوں بھی باغ میں پہنچے۔ اختر کے باپ جمشید علی پولیس کے موقع پر پہنچنے کے بعد باغ میں آئے تھے۔ لیکن پولیس کے رضیہ تک پہنچنے سے قبل ہی میں اور ہمزاد وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ پولیس نے رنگے ہاتھوں رضیہ کو

پکڑلیا۔ اختر کے قتل کا عینی شاہد عابد بھی اس وقت پولیس کے ساتھ موجود تھا۔ پولیس نے باغ کے چپے چپے کو کھنگال ڈالا مگر وہ اختر کے سر کے علاوہ اس کا بقیہ جسم نہ پاسکے اختر کا کٹا ہوا سر انہیں کنج میں مل گیا تھا رضیہ نے دہشت زدہ ہوکر پولیس کے سامنے قبول دیا تھا جس پر کسی نے یقین کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر شہر کوتوال ضرور گھبرا گیا تھا۔ اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہورہا ہے رضیہ نے میرا جو حلیہ بیان کیا تھا اس سے شہر کوتوال ہی کیا ہر وہ شخص جس نے مجھے دیکھا ہے یہی نتیجہ اخذ کرتا کہ وہ شیخ کرامت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ جبکہ وہ سب اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ شیخ کرا[illegible] کو قتل ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے اور اس کا سر پراسرار طور پر لاش سے غائب ہوگیا تھا شہر کوتوال نے لاکھ چاہا کہ یہ بات چھپی رہے کہ رضیہ نے پولیس کو کیا بیان دیا ہے مگر اس کے باوجود صبح ہوتے ہی تمام شہر میں یہ بات آگ کی طرح پھیل گئی لوگ یہ تمام باتیں سن کر حیرت زدہ بھی تھے اور اور خوفزدہ بھی۔ رضیہ نے جو کچھ پولیس کو بتایا تھا وہ ان کے لئے بہت عجیب وغریب تھا رضیہ نے شروع سے اب تک میرے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا کہ کس طرح میری اور اس کی ملاقات ہوئی اور پھر میں نے اس سے کیا کیا کہا' پھر ایک طویل عرصہ کے بعد جب وہ میرے بچے کی ماں بن گئی تو کس طرح میرا کٹا ہوا سر اس نے دیکھا اور میں نے کس طرح اسے اختر کے قتل پر آمادہ کیا۔ وہ ہمزاد کے وجود سے تو بے خبر ہی تھی اس لئے اس نے پولیس کو بتایا کہ وہ ہر وقت مجھ سے مخاطب رہتی تھی اور میں ہی اس کے پاس رہتا تھا۔ اس بات کی گواہی رضیہ کی ماں نے بھی دی تھی کہ اس نے اکثر رضیہ کو تنہائی میں کسی سے باتیں کرتے سنا ہے جب کہ اس کا کمرہ قطعی خالی ہوتا تھا۔

رضیہ کے بیان کے بعد پولیس نے باغ سے وہ پھول اور خنجر بھی برآمد کرلئے تھے جن کے بارے میں رضیہ نے بتایا کہ وہ اسے میں نے دیئے تھے۔ شہر کوتوال وہ خنجر دیکھ کر ایک دم چکرا گیا تھا۔ خنجر کے پھل پر اس نے اپنا نام پڑھ لیا تھا۔ ہمزاد نے وہ خنجر خود شہر کوتوال کے گھر سے حاصل کیا تھا۔ اور اتفاق یہ کہ اس خنجر کے پھل پر شہر کوتوال کا نام کندہ تھا۔ وہ سخت الجھن میں مبتلا تھا کہ اس کا خنجر یہاں تک کیسے پہنچ گیا۔ یہ تمام کیس اس کے لئے لاینحل تھا۔ اس لئے اس نے اپنی مدد اور مشورے کے لئے ایس پی کو بلا بھیجا۔ ایس پی کے سامنے اس نے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کئے۔ ایس پی کو بلانے سے ایک مقصد شاید اس کا یہ بھی تھا کہ ایس پی بھی میرے معتقدین میں سے ایک تھا۔ ایس پی بھی تمام حالات تفصیل سے سن کر الجھ کے رہ گیا۔ حالات اتنے عجیب اور پراسرار تھے کہ سوچتے سوچتے ان کے ذہن تھک گئے۔ اختر کے بقیہ جسم کا غائب ہوجانا اور خود اختر کا رضیہ جیسی لڑکی کے ہاتھوں قتل اس بات کی کھلی شہادت تھے کہ رضیہ کا بیان قطعی درست ہے پھر شہر کوتوال کے خنجر کا آلہ قتل بننا ایک الگ الجھاوا تھا۔ ان سب باتوں کی روشنی میں یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ یقیناً کچھ پراسرار قوتیں ان حالات کے پس پشت کام کررہی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ جاننے کے باوجود دنیا کی کوئی عدالت ان باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوتی۔ اس بات سے شہر کوتوال اور ایس پی دونوں ہی واقف تھے اب یہ بات عام لوگوں تک بھی پہنچ چکی تھی کہ ان سب حالات کا ذمے دار میں ہوں۔ اس لئے کہ جو حلیہ رضیہ نے پولیس کو بتایا وہ میرا تھا اور پولیس ہی کے کچھ عملے سے وہ بات عوام تک پہنچی تھی کہ رضیہ نے کیا بیان دیا ہے۔ شہر کوتوال کے لئے اب یہ بھی مشکل ہوگیا تھا کہ وہ رپورٹ میں سے خنجر کے ذکر کو غائب کردے اس لئے کہ خنجر کے بارے میں رضیہ کا بیان بھی تھا اور عابد کا بھی۔ اس کے علاوہ وہ خنجر شہر کوتوال کے علاوہ بقیہ پولیس والوں نے بھی دیکھ لیا تھا پھر وہ اس بات سے بھی خوف زدہ تھا کہ جو پراسرار ہستی اس کے گھر سے خنجر غائب کراکے رضیہ تک پہنچا سکتی ہے اسے بھی کسی مرحلے پر پھانس سکتی ہے اس لئے اس نے اپنی بہتری اسی میں سمجھی کہ وہ جو کچھ ہے اسے اسی طرح عدالت کے سامنے رکھ دے اور اپنی طرف سے نہ کچھ کم کرے اور نہ بڑھائے۔ رضیہ کے پاس خنجر کی موجودگی کے بارے میں وہ سوائے اپنی لاعلمی ظاہر کرنے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس نے ایس پی سے یہی کہا کہ ان حالات میں اس کا ہر قدم انتہائی محتاط اٹھے گا اور وہ جو کچھ بھی سچ ہے عدالت کے روبرو کہے گا۔ اب یہ فیصلہ عدالت کرے گی کہ اختر کے قتل میں کس کا ہاتھ ہے۔

اختر کے والد جمشید علی اور رضیہ کے باپ مرزا قدیر بیگ کا بھی برا حال تھا۔ جوان بیٹے کے پراسرار قتل نے جمشید علی کی کمر توڑ دی تھی اختر ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور یہی حال کچھ قدیر بیگ کا تھا ان کی اکلوتی اولاد بھی رضیہ ہی تھی دونوں گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ اسی دن شام کو تھک ہار کر پولیس نے صرف اختر کا سر جمشید علی کے سپرد کردیا۔ اس کا جسم تلاش کرنے میں وہ ناکام ہوچکے تھے اختر کے سر کو سپرد خاک کردیا گیا۔ اختر کے جنازے میں پورا شہر جمع ہوگیا تھا اور ہر شخص اپنی بساط بھر قیاس آرائیاں کررہا تھا لیکن ایک بات محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان حالات کے پیچھے میرا ہاتھ ہے مجھے برا بھلا کہنے سے گریز کررہے تھے کسی کی زبان سے میرے لئے کوئی نازیبا جملہ نہیں نکلا تھا۔ وہ میرا نام زبان پر لانے کے بعد خوفزدہ ہوکر اس طرح ادھر ادھر دیکھتے۔ جیسے میں کہیں قریب ہی موجود ہوں اور کہیں مجھے ان کی کوئی بات گراں نہ گزرے۔ جس کی انہیں سزا بھگتنی پڑے۔ میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی مجھے قصوروار کیوں نہیں ٹھہرا رہے تھے؟ اور یہ کتنی عجیب حقیقت تھی کہ واقعی میں ان کے اتنا ہی قریب تھا کہ ان کی ایک ایک بات سن سکتا تھا ان کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھ سکتا تھا۔

شام کے بعد جب خاصی رات ہوگئی تو مجھے رضیہ کا خیال آیا۔ میں نے صبح سے اب تک اس کی خبر تو لی ہی نہیں تھی۔ میں نے ہمزاد سے پوچھا "کیا میں یہاں رہ کر جس طرح تمہیں پہلے مخاطب کرسکتا تھا کیا رضیہ سے بھی اس طرح بات کرسکتا ہوں۔ صبح بھی میرے دل میں یہ خیال آیا تھا مگر میں نے بغیر تمہارے مشورے کے ایسا مناسب نہیں سمجھا۔"

"جی نہیں ایسا ممکن نہیں۔ آپ فاصلے کے باوجود صرف مجھ سے بات کرنے کے اہل ہیں کسی اور سے نہیں اس لئے کہ میں تو خود آپ ہی کا جسم لطیف ہوں۔ کسی دوسرے سے بات کرنا قطعی ناممکن ہے اگر ایسا ممکن ہوتا کہ آپ میرے علاوہ دور رہ کر بھی رضیہ کو مخاطب کرسکتے تو پہلے ہی میں رضیہ کے پاس کیوں رہتا۔ یہ پراسرار قوت صرف دیکھنے اور سننے تک محدود ہے یا صرف مجھ سے بات کرنے تک جس کی وجہ میں بیان کرچکا ہوں کہ آپ صرف مجھے ہی فاصلے کے باوجود کیوں مخاطب کرسکتے ہیں۔"

ہمزاد سے یہ سب کچھ جان کر مجھے سخت ملال ہوا اور بجھے ہوئے لہجے میں کہا "تو کیا ایسی کوئی صورت نہیں کہ رضیہ کو کم ازکم یہ تسلی ہی دے دی جائے کہ اسے بچالیا جائے گا۔ وہ یہ ۲۱ دن کسی طرح گزار دے؟"

"نہیں یہ بھی ناممکن ہے میں آپ کو پہلے ہی سب کچھ بتاچکا ہوں کہ ان ۲۱ دنوں میں ہم کچھ بھی نہیں کرسکتے" ہمزاد بولا۔

"اور اگر اس عرصہ میں رضیہ کو پھانسی ہوگئی تو؟"

"مجبوری ہے۔ اب جو بھی ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اتنی جلدی یہ کیس نہیں نمٹے گا اس لئے کہ اس میں بہت سے الجھاوے ہیں جو کہ میں نے جان بوجھ کر پیدا کئے ہیں۔ جو آپ کے علم میں بھی ہیں مثلاً شہر کوتوال کے خنجر والا معاملہ۔ ایک طرح سے وہ بھی اس قتل میں ملوث نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ قتل اسی کے خنجر سے ہوا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی طرح شہر کوتوال کو اس چکر میں پھنسادیا جائے اور سارا الزام اس پر ڈال دیا جائے۔" میں نے پوچھا۔

"ممکن تو سب کچھ ہے لیکن ۲۱ دن سے پہلے کچھ بھی نہیں ہوسکتا" ہمزاد نے جواب دیا۔

"اور یہ ۲۱ دن کاٹنا میرے لئے سخت اذیت ناک ہیں" میں نے کہا "اب میرا ذہن تھکنے لگا ہے اور کچھ نیند بھی محسوس ہورہی ہے بقیہ باتیں کل صبح ہوں گی" میں نے یہ کہہ کر آنکھیں موندلیں۔ تکلیف اب پہلے سے کچھ کم تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یا تو واقعی تکلیف میں کمی ہورہی تھی یا میں اتنے عرصے میں کچھ عادی ہوگیا تھا۔ بہرحال جو حالت کل رات تھی آج نہیں تھی چنانچہ اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کہ ہمزاد کسی طرح مجھے سلادیتا۔ میں رضیہ ہی کے بارے میں سوچتے سوچتے سوگیا۔

جس دن رضیہ عدالت میں پیش ہوئی۔ میں سترہ دن پورے کرچکا تھا۔ اور اب مجھے پوری طرح ٹھیک ہونے میں صرف چار دن کی ضرورت تھی۔ میرے علم میں سب کچھ تھا جو ان سترہ دنوں میں ہوا تھا۔ شہر کوتوال نے اس عرصہ میں ایس پی سے مل کر پورا کیس تیار کیا تھا۔ قتل کا عینی شاہد موجود تھا اس کے علاوہ دیگر گواہوں میں رضیہ کی ماں زرینہ' باپ مرزا قدیر بیگ اور اختر کے والد جمشید علی تھے۔ رضیہ کو عدالت میں پیش کیا گیا تو جیسے پورا شہر کچہری پر ٹوٹ پڑا۔ ہر شخص اسے دیکھنے کا خواہشمند تھا لیکن کسی کی امید بر نہیں آئی۔ سیشن جج نے کمرہ عدالت میں داخل ہونے کی اجازت صرف چند خاص لوگوں کو دی تھی جن میں معززین شہر کے علاوہ صرف وہ لوگ تھے۔ جن کا کوئی نہ کوئی تعلق موجودہ کیس سے تھا۔ وہ یا تو اختر کے رشتے دار تھے یا مرزا قدیر بیگ کے جاننے والے تھے جو اس کے ساتھ آئے تھے۔ جج ایک انگریز ایڈورڈ تھا مجھے اس کا پورا نام یاد نہیں رہا۔ مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور دوپہر کے بعد تک جاری رہی۔ آئندہ تاریخ فیصلے کی تھی اس لئے عدالت کی نظر میں کیس صاف تھا۔ مجرمہ اقبال جرم کرچکی تھی۔ جس وقت جج آئندہ تاریخ کا اعلان کرنے والا تھا میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور میں دل ہی دل میں دعا کررہا تھا کہ تاریخ چار دن کے بعد پڑے تو بہت اچھا ہے تاکہ میں رضیہ کے لئے کچھ کرسکوں۔ میرا مراد بر آئی۔ جج نے آئندہ ہفتے کی تاریخ دی تھی یعنی اب سے ٹھیک آٹھ دن بعد۔ میرا دل یہ جانتے ہوئے بھی خوش تھا کہ رضیہ ہر طرح سے پھنس چکی ہے اور اب کوئی قانون اسے نہیں بچاسکتا۔ مگر مجھے اپنے اور ہمزاد کے اوپر بھروسا تھا کہ ہم اسے اس مصیبت سے نجات دلادیں گے۔

وہ چار دن کاٹنے میرے لئے عذاب بن گئے۔ میں ایک ایک لمحہ گن رہا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ شام بھی آئی جب میں اس قابل ہوا کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکوں۔ مگر نہیں، پیر میرے کب تھے یہ تو اس شخص کے تھے جس کے قتل میں رضیہ ملوث تھی۔ میں اختر کے پیروں پر کھڑا تھا۔ یہ جسم میرے لئے اپنے جسم سے زیادہ صحت مند اور خوب صورت تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ اس پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ اب بھی میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال ضرور موجود تھا کہ یہ میرا اپنا جسم نہیں ہے میں نے ذہنی طور پر ابھی اس جسم کو قبول نہیں کیا تھا۔ میں نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا اور حیران رہ گیا۔ وہاں مجھے کوئی ایسی نشانی نہیں ملی جس سے یہ پتا چلتا کہ میری گردن کو کسی دوسرے جسم کے ساتھ جوڑا گیا ہے کھال ملائم اور چکنی تھی۔ ہمزاد اس وقت بھی میرے پاس ہی موجود تھا وہ میری حرکات و سکنات کو بڑی محبت بھری اور عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے میری صحت یابی اور نئے جسم کا ملنا اس کے لئے بھی اتنی ہی مسرت کی بات ہو۔ سب کچھ ٹھیک تھا سوائے ان کپڑوں کے جو میں پہنے ہوئے تھا ان پر ابھی تک خون کے دھبے موجود تھے۔ میں نہ جانے کب تک اسی حالت میں رہتا کہ ہمزاد نے کہا۔

"آپ کو نیا جسم مبارک ہو۔ آیئے ذرا باہر کھلی فضا میں چلیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم صدیوں سے اس خانقاہ میں قید ہیں۔ آنے والی صبح تک آپ قطعی طور پر اعتدال پر آجائیں گے۔ اب مجھے آپ کے کھانے اور کپڑوں وغیرہ کی فکر بھی کرنی پڑے گی۔"

ہمزاد اور میں باتیں کرتے ہوئے اس شکستہ خانقاہ سے باہر آگئے۔ ہلکا ہلکا اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا تھا۔

"کپڑے تو خیر میں آپ کے لئے اختر ہی کے لا دوں گا تاکہ آپ کے جسم پر بالکل ٹھیک آئیں۔ رہا کھانے کا مسئلہ تو صبح دیکھا جائے گا۔ آپ نہیں جانتے کہ کتنے بڑے تجربے سے گزرے ہیں۔ کئی مرتبہ تو خود میں بھی گھبرا گیا تھا۔ حالات نے اتنی جلدی جلدی اور غیر متوقع طور پر نئے رخ اختیار کئے ہیں کہ اگر آپ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو جی چھوڑ جاتا۔ مگر آپ نے ہمت نہیں ہاری۔ اب آپ بالکل ایک عام آدمی کی طرح اعتدال پر ہیں۔ اب آپ کو بھوک بھی لگے گی اور پیاس بھی۔ اب تک میں آپ کو سنبھالے ہوئے تھا۔ آپ کا اتنے دن ان خطرناک حالات میں زندہ رہنا جب کہ آپ اور میں تقریباً بے بس تھے کسی معجزے سے کم نہیں۔" ہمزاد کہتا رہا "اب یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اس شہر کو چھوڑ دیا جائے۔ یہاں سبھی آپ سے واقف ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ آپ قتل کئے جا چکے ہیں، دوسرے ایک قتل کے سلسلے میں بھی آپ ملوث ہیں۔ میرا مشورہ تو یہی ہے، ویسے آپ کو اختیار ہے۔ اگر آپ کی مرضی اسی شہر میں رہنے کی ہے تو یہ ضمانت میں لے سکتا ہوں کہ آپ پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ لوگ پہلے ہی آپ سے خوف زدہ ہیں اور جب وہ آپ کو دوبارہ زندہ حالت میں دیکھیں گے تو کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی نے آپ کے حضور گستاخی کی تو وہ سخت سزا پائے گا۔"

میں ہمزاد کی یہ باتیں سن کر فکر مند ہو گیا۔ سب کچھ خود میری نظر میں تھا۔ بدایوں میں رہنا اپنے لئے نئی نئی مصیبتیں مول لینے کے مترادف تھا اور ان مشکلوں پر کسی طرح قابو پا بھی لیا جائے تو ہر وقت کسی بھی ناگہانی مصیبت کے لئے خود کو تیار رکھنا میرے بس سے باہر تھا۔ خواہ مخواہ زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی۔ اسی لئے میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہی فیصلہ کیا کہ یہ شہر چھوڑ دوں گا۔ لیکن اس وقت تک نہیں جب تک رضیہ کو رہا نہ کرا لوں۔ یہ مسئلہ میرے لئے ابھی باقی تھا اس کے علاوہ یہ بھی سوچنا تھا کہ یہاں سے اگر جایا جائے تو کہاں؟ یہی سوال میں نے ہمزاد سے کر دیا۔

میرا سوال سن کر وہ مسکرایا اور کچھ دیر بعد بولا "میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ آپ کا فیصلہ کچھ مختلف نہ ہوگا۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ یہ شہر چھوڑ دیا جائے۔ اب مسئلہ یہ کہ کس شہر چلا جائے۔ یہ مجھ سے بہتر آپ جانتے ہیں اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی آپ اپنے قاتلوں کو نہیں بھولے ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟" میں ہمزاد کے معنی خیز لہجے کو سن کر چونک پڑا "کیا تمہاری مراد میرٹھ کے نواب صاحب کے غنڈوں سے ہے؟"

"جی ہاں! ان سے انتقام لینا ابھی باقی ہے" ہمزاد نے سنجیدگی سے کہا۔

ہمزاد کی بات سن کر میرا خون کھولنے لگا۔ میں اس عرصے میں اپنے قاتلوں کو قطعی بھول گیا تھا۔

"یقیناً میں انہیں ایسی موت ماروں گا کہ ان کی روحیں تک پناہ مانگیں گی۔ مجھے سب یاد ہے وہ ہولناک رات میں نہیں بھولا جب ان بزدلوں نے مجھ نہتے کو گھیر کر قتل کر دیا تھا۔ ہم میرٹھ ہی چلیں گے لیکن اس سے پہلے ضروری ہے کہ رضیہ کی رہائی کا بندوبست کر دیں۔"

ہمزاد کے ساتھ انہی باتوں میں رات ہو گئی۔ وہ اسی رات جا کر نہ جانے کہاں سے بستر اور چارپائی اٹھا لایا اور اس کے علاوہ وہ میرے لئے کپڑے لانا بھی نہیں بھولا تھا۔ وہ اختر کے کپڑوں کے

کئی جوڑے لے آیا تھا جو میں نے پہن کر دیکھے جسم تو ظاہر ہے اختر ہی کا تھا کپڑے بالکل ٹھیک تھے۔ اس رات نہ جانے کتنی راتوں کے بعد میں ایک قدرتی نیند سویا۔

صبح اٹھا تو ہمزاد نے میرے غسل کا پورا سامان سجا رکھا تھا۔ دو بڑی بالٹیوں میں پانی لوٹا وغیرہ سب کچھ تھا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد میں جی بھر کے نہایا۔ پھر کپڑے وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد مجھے ایسا لگا کہ اب سے پہلے گزرنے والے دن مجھ پر نہیں کسی اور پر گزرے ہیں۔ وہ سب جیسے ایک بھیانک خواب تھا جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس وقت میرے دل میں ایک عجیب سے خواہش نے جنم لیا۔

"ہمزاد میں اپنی حویلی جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن ایسا کرنا خطرناک ہے۔ وہاں آپ کی موجودگی راز نہیں رہ سکے گی۔ میرا مشورہ ہے کہ جب تک آپ یہ شہر نہیں چھوڑتے اسی خانقاہ میں رہیں۔ یہاں میں آپ کو کسی طرح کی پریشانی نہیں ہونے دوں گا۔ آپ جو بھی کہیں گے میں یہیں مہیا کر دوں گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر میرا ارادہ وہاں مستقل طور پر رہنے کا نہیں۔ بس نہ معلوم کیوں جی چاہ رہا تھا" میں نے کہا۔

"آپ کا جو حکم! چلئے" ہمزاد تیار ہو گیا۔

چند ہی لمحوں بعد میں پاگلوں کی طرح اپنی حویلی کے ایک ایک کمرے میں چکراتا پھر رہا تھا۔ نہ جانے کتنے دنوں بعد میں پیروں پر چل کر اپنے در و بام سے گزر رہا تھا۔ میرے اس احساس کو وہ لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو ایک طویل عرصے تک اپنے گھر سے دور رہنے کے بعد دوبارہ گھر آئے ہوں حالانکہ میرا یہاں آنا لاحاصل ہی تھا۔ ان خالی در و بام میں کیا دھرا تھا مگر میرے ماضی سے ان کے رشتے ضرور تھے۔ ماضی جسے میں چاہوں بھی تو نہیں بھلا سکتا۔ میں اپنے حافظے سے ایک معمولی واقعہ بھی کھرچ کر نہیں پھینک سکتا۔ میری سرگزشت واقعی اتنی عجیب اور پراسرار ہے کہ خود مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے یہ سب کچھ میرے ساتھ نہیں ہوا۔ اس حویلی میں جس میں اس وقت میں تھا میرا بچپن گزرا تھا۔ یہیں پہلی مرتبہ میں نے خود کو نوجوان محسوس کیا تھا بلکہ جوان ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ میں جب اپنے سونے کے کمرے میں پہنچا تو نہ جانے کتنے حسین چہرے میری آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ کیسے کیسے بدن تھے جو یہاں میرے پہلو میں کسمسائے تھے میری وحشت بڑھتی گئی۔ میں پھر ایک مرتبہ حویلی کے مختلف کمروں کے چکر کاٹنے لگا۔ یہاں محفل عام جمتی تھی یہاں میں قوالیاں کراتا تھا اور یہاں یہ اور وہاں وہ۔

ہمزاد نے میری حالت کا اندازہ کر کے واپس چلنے کا مشورہ دیا۔

حویلی سے خانقاہ پہنچنے کے بعد میرے جسم کی پیاس جاگ چکی تھی میں نے ہمزاد سے کہا "آج کی رات خالی نہیں جائے گی۔"

"رات تو آنے دیجئے" ہمزاد نے جواب دیا "آپ حیرت زدہ نہ رہ جائیں تو کہئے گا۔"

اور واقعی ہمزاد نے جو کچھ کہا تھا ویسا ہی ہوا۔ پہلے تو میں اسے پہچانا ہی نہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے تھوڑے سے دنوں میں اس کا یہ حال ہو جائے گا۔ اس کے رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ چمکتی ہوئی آنکھیں اب بجھی بجھی سی تھیں۔ وہ بالکل بدلی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اسے بھی جیسے سکتہ سا ہو گیا۔ شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں اسے مل جاؤں گا۔

"رضیہ! اے رضیہ" میں نے اسے مخاطب کیا۔ وہ جیسے نیند سے بیدار ہو گئی "یہ تمہاری کیا حالت ہو گئی ہے؟"

"کیا میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں" وہ پہلی مرتبہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"نہیں، یہ کوئی خواب نہیں حقیقت ہے۔ تم میرے پاس ہو۔ میری آغوش میں" میں نے رضیہ کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

وہ میرے سینے سے لگتے ہی ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پھر ہچکیوں کے دوران بولی "تم...... تم بے وفا ہو تم نے مجھے بھلا دیا تھا تم خود غرض ہو" نہ جانے وہ کیا کیا کہتی رہی اور میں اسے اپنے سینے میں چھپائے تسلیاں دیتا رہا۔ پھر اچانک اس نے ایک ایسی اطلاع دی جس نے مجھے لرزا دیا۔

"جانتے ہو وہ مر گیا۔"

"کون؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارا منا" وہ بولی اور پھر رونے لگی۔

مجھے رضیہ سے یہ اطلاع سن کر سخت صدمہ ہوا۔ میں اس تمام ہنگامے میں اس ننھے وجود کو قطعی بھول گیا تھا جس پر مجھے کئی بار بے انتہا پیار آیا تھا اور مجھ میں خواہش جاگی تھی کہ کاش میں اسے اپنی گود میں لے سکتا اور پیار کر سکتا۔ یہ خبر سن کر میری نفسانی خواہشات نہ جانے کہاں غائب ہو گئیں۔ اسی وقت ہمزاد نے مجھ سے کہا۔

"اسے صبح ہونے سے پہلے واپس بھی پہنچانا ہے اس لئے کہ جب تک کیس کا قانونی طور اس کے حق میں فیصلہ نہ ہو جائے اس کا آزاد ہونا دشوار ہے۔ میں اسے صرف آپ کے لئے جیل

سے نکال لرلایا ہو۔ یا دوسری صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ اسے غائب ہی کردیا جائے مگر اس صورت میں ہر وقت اسے ساتھ رکھنا آپ کے لئے بھی خطرناک ہوجائے گا اس لئے کہ جیل سے فرار ہونے کا الزام بھی اس کے سر آجائے گا۔ پولیس اس کی تلاش میں رہے گی۔"

ہمزاد کی بات صرف میں ہی سننے کا اہل تھا۔ یہ ہمزاد کے لئے بہت معمولی سا کرشمہ تھا کہ وہ اپنی بات جسے سنانا چاہتا صرف وہی سنتا کوئی دوسرا نہیں۔ حالانکہ ایک عرصہ تک وہ رضیہ سے ہمکلام رہ چکا تھا مگر اب رضیہ بھی اس کے بات سننے کے اہل نہیں تھی۔ میں نے ہمزاد کی بات پر غور کیا وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ اس وقت رضیہ کا جیل سے فرار میرے لئے مسئلہ بن جاتا۔

رضیہ کی ہچکیاں اب کسی قدر کم ہوگئی تھیں۔ میں نے دانستہ بچے کے بارے میں مزید تفصیل سے اس وقت اجتناب کیا تاکہ بچے کے ذکر سے رضیہ کو تکلیف نہ ہو میں نے اس کے رخساروں سے آنسو پونچھ دیئے۔

"تم واقعی شیخ کرامت ہو یا کوئی اور مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں، میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم میرے ہو اور میرے لئے یہی جاننا کافی ہے۔ میں نے تمہارے لئے تمام دنیا سے رشتے منقطع کرلئے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم اس دنیا کے آدمی ہو اور بدایوں ہی کے رہنے والے ہو۔ جو بھی ہو میں کچھ نہیں جانتی۔ لیکن میں تم سے اتنا ضرور پوچھوں گی کہ تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟" رضیہ اب کافی سنبھل چکی تھی۔

میرے لئے اب ضروری ہوگیا تھا کہ اس کے ذہن سے اپنے بارے میں شکوک و شبہات دور کردوں۔ اسی لئے میں نے اس سے کہا۔

"رضیہ! میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا، اگر میرا مقصد تمہیں دھوکا دینے کا ہوتا تو اس وقت تم میرے پہلو میں نہ ہوتیں۔ حالات کچھ اس طرح کے تھے کہ اختر کے جسم سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے مجھے کچھ وقت چاہئے تھا۔ جس کا علم مجھے پہلے سے نہیں تھا۔ عین وقت پر مجھے معلوم ہوا کہ میں ۲۱ دن تک قطعی عضو معطل ہو کے رہ جاؤں گا۔ ورنہ تم ان حالات سے نہ گزرتیں۔ میں نے تم سے اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ حرف بہ حرف صحیح ہے لوگ ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ شیخ کرامت میرا ہمشکل رہا ہو۔ جس کی بنا پر سارے مفروضات لوگوں نے خود گھڑ لئے۔ تم بہت جلد خود دیکھو گی کہ میں نے جو کچھ تم سے کہا تھا اس میں کچھ بھی جھوٹ نہیں۔"

میں اپنی لفاظی سے ایک مرتبہ پھر رضیہ کو دھوکا دے رہا تھا اور اس کے چہرے پر بے یقینی کی پرچھائیاں دور ہوتی جارہی تھیں۔ ایسا اس لئے بھی ضروری تھا کہ مجھے اب واقعی رضیہ کے ساتھ دلی لگاؤ محسوس ہونے لگا تھا۔ حالانکہ اس وقت رضیہ میں اتنی جسمانی کشش نہیں رہ گئی تھی جو کبھی تھی لیکن اس کی خود سپردگی کا والہانہ انداز اب بھی وہی تھا۔ میں رضیہ کو سمجھا رہا تھا "اگر میں واقعی تمہاری ہی دنیا کا کوئی فرد ہوتا تو تم خود سوچو کہ بغیر جسم کے اتنے دن زندہ کس طرح رہتا پھر اپنا کٹا ہوا سر کسی دوسرے جسم کے ساتھ کس طرح جوڑلیتا اور سب سے آخر میں یہ کہ تم اس وقت میری آغوش میں کس طرح ہوتیں؟" میں نے دیکھا کہ میرے دلائل سے اب وہ مطمئن ہوچکی ہے۔ "تمہیں ابھی تین دن جیل میں اور گزارنے پڑیں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ فیصلہ ہونے میں ابھی تین دن باقی ہیں۔ میں چاہتا ہوں تمہیں قانونی طور پر باعزت بری کردیا جائے۔ اور تم دیکھو گی کہ ایسا ہوگا۔"

"سچ" وہ ایک دم خوش ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"ہاں! صبح ہونے سے پہلے تمہیں پھر جیل میں پہنچادیا جائے گا یہ تین مصیبت کے دن اور کاٹ لو۔ اور ہاں میں تم سے اب کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ تمہارے رہا ہونے کے بعد میں کچھ دن کے لئے اپنی دنیا میں جاؤں گا۔ وہاں سے واپسی پر تمہیں ساتھ لے کر ہمیشہ کے لئے ہم یہ دنیا چھوڑ دیں گے اس عرصہ میں تم اپنے گھر ہی رہوگی....."

"لیکن کیوں؟ مجھے بھی اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جارہے؟"

"بہت سی باتیں ہیں، بہت سی مصلحتیں ہیں جن سے رفتہ رفتہ تم بھی آگاہ ہوجاؤ گی۔ فی الحال جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اس پر خاموشی سے عمل کرو۔ یہی میرے اور تمہارے لئے بہتر ہے تم نے حالات سے گھبرا کر اب تک میرے بارے میں جو کچھ پولیس کو بتایا ہے میں جانتا ہوں کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی تو وہ یہی کرتی۔ حالات ہی اتنے غیر متوقع اور عجیب ہے۔ مجھے اس سلسلے میں تم سے کوئی شکوہ نہیں لیکن اب آئندہ تم میرے بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔"

میری بات سن کر رضیہ نے اثبات میں سر ہلایا اور کچھ دیر خاموش رہ کر بولی "تم کتنے دن بعد واپس آؤ گے؟"

"پہلے سے کچھ کہنا میرے بس میں نہیں۔ لیکن میں جلد سے جلد تم تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ اور سنو یہ رات آخری نہیں۔ میں جانے سے پہلے تم سے مل کر جاؤں گا۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ دیکھو رات دبے پاؤں گزر رہی ہے اور یہ رات بہت دن

بعد آئی ہے۔ ایک طویل اور تھکا دینے والے انتظار کے بعد۔"

رضیہ میرا اشارہ سمجھ کر اور بھی سمٹ گئی۔

جب ہلکا ہلکا اجالا سا پھیلنے لگا تو میں رضیہ سے جدا ہوا۔ رات ہی میں نے غسل کے لئے پانی منگا کر رکھ لیا تھا میں خانقاہ کے ایک حصے میں جاکر نہایا اور کپڑے تبدیل کرکے میں نے ہمزاد کو طلب کیا۔

"آپ نے بہت دیر کردی دیکھئے بالکل صبح ہونے والی ہے۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ رضیہ پر کچھ شبہ نہ کیا جائے اور جس طرح خاموشی سے میں اسے لایا تھا اسی طرح واپس پہنچادوں۔"

ہمزاد رضیہ کو لے کر چلا گیا اور میں رات بھر جاگنے کے سبب فوراً ہی سوگیا۔

اس رات کے بعد احتیاطاً میں نے رضیہ کو نہیں بلایا اور بقیہ دو راتیں میری آغوش خالی رہی۔ میں نے مصلحتاً بھی ایسا کیا تھا تاکہ کوئی نیا ہنگامہ نہ کھڑا ہوجائے۔ اب میں جو بھی کرنا چاہتا تھا میرٹھ پہنچ کر ہی کرنا چاہتا تھا۔ میرا جذبہ انتقام مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں جلد سے جلد میرٹھ پہنچ کر اپنے قاتلوں کو مزا چکھاؤں۔ نواب صاحب کے غنڈوں کو میں ابھی بھولا نہیں تھا اور نہ خود نواب صاحب کو۔ جن کے سبب مجھے اتنے بڑے عذاب سے گزرنا پڑا تھا۔ پھر نواب صاحب کا طبیب خاص بھی میری نظر میں تھا جس نے نرگس کے ذریعے مجھے دھوکا دے کر معلوم کرلیا تھا کہ میں کس شہر میں ہوں۔ یہ سارے قرض مجھے بیباق کرنے تھے۔ وہ تین دن انہیں حالات کو سوچتے ہوئے گزر گئے۔ تین دن سے پہلے میں بدایوں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیونکہ رضیہ کا معاملہ ابھی بیچ ہی میں لٹکا ہوا تھا۔ ہمزاد نے مجھے بتایا کہ شہر بھر میں لوگ یہی سوچ رہے ہیں کہ رضیہ کو عمر قید ہوجائے گی۔ میں نے ہمزاد سے گفتگو کرکے رضیہ کے لئے جو کچھ سوچا تھا وہ بالکل قرین قیاس اور ممکن تھا۔ رضیہ اس طرح صاف بچ سکتی تھی۔

جس دن رضیہ کے مقدمے کا فیصلہ سنایا جانے والا تھا۔ ہمزاد میرے حکم پر صبح ہی کچہری پہنچ گیا آج بھی تمام شہر اختر کے قتل کا فیصلہ سننے ٹوٹ پڑا تھا۔ حالانکہ ان سب کو یقین تھا کہ رضیہ عمر قید سے نہیں بچ سکتی اور فیصلہ یہی سنایا جائے گا مگر ہر شخص مضطرب سا تھا۔

مقدمہ پیش ہوا۔ مگر وکیل صفائی کی کمزور جرح مشکل سے پانچ منٹ بھی نہ چلی۔ جج ایڈورڈ نے فیصلہ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا۔ میں یہ سب کچھ خانقاہ میں آنکھیں بند کئے دیکھ رہا تھا۔ اچانک جج کی کرسی کے پیچھے مجھے ہمزاد نظر آیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب کیا ہونے والا ہے شاید جج بھی فیصلہ لکھنے کے لئے قلم اٹھانے سے پہلے ناواقف تھا کہ اس کا قلم کیا فیصلہ لکھے گا۔ جج پر ہمزاد پوری طرح مسلط ہوچکا تھا۔ جج فیصلہ لکھ کر جب بہ آواز بلند پڑھنے لگا تو اچانک اس کی آواز بے جان سی ہونے لگی۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور پانی مانگا۔ اسے فوراً پانی پیش کیا گیا۔ جج اپنے فیصلے پر خود حیران تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے رکھے ہوئے کاغذ کو گھور رہا تھا۔ ساری عدالت میں سناٹا تھا لوگوں نے جو کچھ اب تک سنا تھا وہ ان کے لئے انتہائی غیر متوقع اور حیرت میں ڈال دینے والا تھا وہ پورا فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔ جج ایڈورڈ اپنی پیشانی رگڑ رہا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کرسی سے اٹھنا چاہا۔ مگر لوگوں نے دیکھا کہ ایک جھٹکے کے ساتھ وہ پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ عدالت برخواست کرنا چاہتا تھا۔ مگر ایسا نہیں کرسکا۔ اس کی زبان بھی اب اس کے قابو میں نہیں تھی اس نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر لوگوں کو کچھ سنائی نہ دیا۔ جج پسینے میں شرابور ہوگیا۔ لوگوں کو جیسے سکتہ سا ہوگیا تھا ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جج کو کیا ہوگیا۔ جج نے ایک دم گھبرا کر جلدی سے سامنے رکھا ہوا فائل اٹھایا اور پھر شروع سے بہ آواز بلند پڑھنے لگا اب لوگ اس کی آواز سن رہے تھے جج نے فیصلہ سنایا اور عدالت برخواست کردی، اور فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کر اپنے چیمبر کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے قدم واضح طور پر ڈگمگا رہے تھے ایک اردلی نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

جج کے کرسی سے اٹھتے ہی عدالت کا کمرہ جیسے مچھلی بازار بن گیا ہر شخص جج کے فیصلے پر الجھ رہا تھا۔ جج نے رضیہ کو باعزت طور پر بری کردیا تھا اس کی دلیل اس نے یہ دی تھی کہ رضیہ کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے جو اس کے بیان سے ظاہر ہے اور اختر کا قتل بھی اسی کا نتیجہ ہے۔"

فیصلہ مختصر ہونے کے باوجود جامع تھا اس فیصلہ پر مرزا قدیر بیگ ہی نہیں جمشید علی بھی خوش تھے اور یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی قاتلہ کے باعزت رہا ہوجانے پر بھی خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ رضیہ بہرحال ان کی بھانجی تھی۔ بیٹے کا غم تو جھیل ہی چکے تھے اب بہن کی بیٹی کی موت وہ کس طرح برداشت کرتے۔ فیصلہ سننے کے بعد مرزا قدیر بیگ اور جمشید علی گلے لگ کر رونے لگے۔ قدیر بیگ بھی اختر کے قتل پر بہت غمزدہ تھے۔ سارا شہر اس غیر متوقع فیصلے کو سن کر ششدر رہ گیا تھا۔ انہیں [illegible] فیصلے کے پیچھے بھی شیخ کرامت کی کوئی کرامت نظر آرہی [illegible]

رضیہ [illegible] مرزا قدیر بیگ کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی۔

میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ ہمزاد نے واقعی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ دوپہر کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو میں نے اسے بہت شاباش دی۔

"اب کیا ارادے ہیں؟ یہ کام تو ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ آج ہی کیوں نہ میرٹھ چلا جائے۔ لگے ہاتھوں نواب کے غنڈوں سے بھی نمٹ لیا جائے" ہمزاد بولا۔

"بس آج کی رات میں اس شہر میں اور رہنا چاہتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ میں یہ رات کہاں گزارنا چاہتا ہوں؟" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"رضیہ کی حویلی میں۔ کہئے کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"تم نے ٹھیک سمجھا۔ دراصل میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ بدایوں چھوڑنے سے قبل ایک مرتبہ پھر اس سے ملوں گا" میں نے کہا۔

آدھی رات گزرنے سے کچھ پہلے ہمزاد مجھے لے کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا اس نے مجھے رضیہ کی حویلی کی چھت پر اتار دیا۔ میں اندھیرے میں ہمزاد کی رہنمائی میں نیچے جانے والے زینے کی طرف بڑھا۔ نیچے پہنچ کر میں نے دیکھا کہ رضیہ کا کمرہ اندر سے بند ہے۔ میں نے بہت آہستہ سے دستک دی مگر کوئی جواب نہ ملا مجبوراً مجھے پھر چھت پر آنا پڑا اور وہاں سے پشت کی طرف باغ میں اتر کے اس کھڑکی تک پہنچ گیا جو اکثر کھلی رہتی تھی۔ مگر آج خلاف معمول وہ بھی بند تھی۔ میں نے کھڑکی پر دباؤ ڈالا تو وہ اندر کی طرف کھل گئی۔ اندر سے بند نہیں کی گئی تھی۔ میں کھڑکی پر چڑھ کر اندر کمرے میں آہستگی کے ساتھ کود گیا۔ اور پھر جیسے ہی رضیہ کی مسہری کی طرف بڑھا ایک دم کسی کی گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔

"چور .... چور... چور.... چور" وہ بری طرح چیخے جا رہی تھی۔

میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں اس کی آواز سے پہچان چکا تھا کہ یہ رضیہ کی ماں زرینہ ہے۔ رضیہ بھی ایک دم اپنی ماں کی چیخ سن کر ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی اور حیرت سے اس تمام منظر کو دیکھنے لگی۔ کمرے میں ہلکی 'بہت ہی ہلکی لالٹین کی روشنی پھیلی ہوئی تھی [illegible] سے پہلے کہ صورت حال مزید بگڑتی میں نے ہمزاد کو طلب کرلیا اور نہ معلوم اس نے کیا کیا کہ زرینہ ایک میرے ہاتھوں میں جھول گئی۔

جلدی سے رضیہ اٹھی اور اس نے لالٹین کی لو اونچی کردی۔ میں جھنجلا گیا "یہ کیا حماقت تھی جب تمہیں معلوم تھا کہ آج رات میں آنے والا ہوں تو تمہیں الگ سونا چاہئے تھا۔ اپنی ماں کو دوسرے کمرے میں سلانا چاہئے تھا...."

رضیہ میرا غصہ دیکھ کر سہم گئی۔ پھر اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا "انہیں کیا ہوگیا.... یہ کیا کردیا تم نے...؟" رضیہ نے رقت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ صرف بے ہوش ہوئی ہیں۔ صبح تک ہوش میں آجائیں گی مگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا" میں نے برہمی سے کہا۔

"امی خود ضد کر کے میرے پاس سوگئی تھیں 'ورنہ تم تو جانتے ہو کہ ان کا کمرہ الگ ہے اور...." رضیہ بھی اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔

"رضیہ! رضیہ! کیا ہوا میری بیٹی! دروازہ کھولو" یہ آواز مرزا قدیر بیگ کی تھی۔

یہ ایک نئی مصیبت تھی۔ یقیناً قدیر بیگ نے زرینہ کی چیخ سن لی تھی۔ میں نے آہستہ سے سے رضیہ سے کان کے قریب منہ لے جاکر کچھ کہا اور رضیہ کی مسہری کے نیچے گھس گیا۔ رضیہ نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے رضیہ کی مسہری کے نیچے پڑے پڑے آنکھیں بند کر کے اپنے تصور کی قوت کو مہمیز دی۔ اب میرے سامنے رضیہ کا پورا کمرہ تھا۔ مرزا قدیر بیگ گھبرائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

"وہ چیخ کس کی تھی؟ کیا ہوا تھا تمہیں؟" میں نے محسوس کیا کہ دوری کے سبب قدیر بیگ یہ تمیز نہیں کرپائے کہ چیخ رضیہ کی نہیں زرینہ کی تھی۔

"نہیں تو ابو! یہاں تو کچھ بھی نہیں.... دیکھئے امی بھی آرام سے سو رہی ہیں۔ میری آنکھ تو آپ کے دروازہ پیٹنے سے کھلی ہے۔"

"نہ معلوم مجھے کیا ہوگیا ہے" قدیر بیگ بڑبڑاتا ہوا واپس جانے لگا "تم سو جاؤ۔ سو جاؤ۔"

رضیہ نے فوراً آگے بڑھ کر دروازہ لگا دیا۔ جب قدیر بیگ کے قدموں کی چاپ کہیں دور جاکر معدوم ہوگئی تو میں مسہری کے نیچے سے نکلا اور رضیہ سے بولا "یہ سب تمہاری حماقت کا نتیجہ ہے۔ بہرحال جو ہوا اس پر خاک ڈالو۔ میں آج تمہاری دنیا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ جانے سے پہلے تم سے ضرور ملوں گا دیکھو لو میں آگیا" یہ کہہ کر میں نے رضیہ کو اپنی طرف کھینچ لیا وہ مسہری کے سرہانے کھڑی تھی۔ وہ اپنی ماں کی طرف دیکھ کر کسمسائی۔

"وہ صبح سے پہلے نہیں جاگیں گی۔ کیا خیال ہے یہ مسہری کچھ دیر کے لئے خالی کرلی جائے۔"

"اور امی؟" رضیہ نے پوچھا۔

"وہ کچھ دیر نیچے بستر پر لٹادی جائیں گی۔ اور ہاں سنو! صبح جب یہ جاگ کر اٹھیں گی تو تم ان سے یہی کہو گی کہ رات کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ تم سے کچھ بھی کہیں مگر تم یہی کہو گی کہ انہوں نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہوگا' سمجھ گئیں۔"

رضیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر میرے حکم پر ہمزاد نے زرینہ کو مسہری سے اٹھا کر نیچے دری بچھا کر لٹا دیا۔ رضیہ حیرت سے اپنی ماں کے جسم کو خود بہ خود مسہری سے اٹھ کر نیچے بچھی ہوئی دری پر دراز ہوتے ہوئے دیکھتی رہی اسے ہمزاد نظر نہیں آیا تھا صرف مجھے دکھائی دے رہا تھا کہ ہمزاد نے زرینہ کو مسہری سے اٹھا کر نیچے فرش پر لٹا دیا ہے۔ جب رضیہ نے مجھے کسی ان دیکھے وجود کو مخاطب کرتے ہوئے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئی اور اس وقت بھی کچھ نہ بولی تھی لیکن اپنی ماں کے جسم کو اس طرح فضا میں بلند ہوتے دیکھ کر اور پھر نیچے فرش پر لیٹتے دیکھنے کے بعد وہ ضبط نہ کرسکی۔

"یہ .... یہ ... کیا ہے؟ .... تم!.... تم کس سے بات کر رہے تھے .... ابھی تم نے کسے حکم دیا تھا؟"

"ان سب باتوں میں نہ پڑو! تم تو جانتی ہی ہو کہ میں اپنی دنیا کا بے تاج شہنشاہ ہوں۔ میرے کچھ خادمین ہر وقت میرے حضور ہر کام بجالانے کے لئے موجود رہتے ہیں۔ آؤ یہ حسین رات ان بیکار باتوں میں ضائع نہ کرو۔" میں نے یہ کہہ کر رضیہ کا ہاتھ پکڑا .... لیکن اس سے پہلے کہ میں کھو جاتا۔ میں نے ہمزاد کو پھر طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ باغ میں کہیں نہ کہیں سے پانی لاکر رکھے تاکہ میں فوری طور پر غسل کرسکوں۔

"آپ کو اسی کمرے کی کھڑکی کے نیچے دو بالٹی پانی بھرا ہوا مل جائے گا۔ آپ مطمئن رہیں آپ آرام سے باغ میں غسل کرسکتے ہیں مگر یہ خیال رہے کہ بالکل صبح ہی نہ ہو جائے" ہمزاد یہ کہہ کر مجھ سے رخصت ہوگیا۔

رضیہ صرف میرا حکم ہی سن سکی تھی۔ ہمزاد کی بات اس نے نہیں سنی تھی۔

"تم نے مجھے بڑے عجیب حالات سے دوچار کردیا ہے یقین کرو کہ ان میرے قریبی عزیز بھی مجھ سے خوف زدہ رہنے لگے ہیں۔ آج دن بھر کوئی میرے قریب نہیں آیا۔ وہ نہ معلوم مجھے کیا سمجھتے ہیں" رضیہ میرے سینے سے لگی ہوئی بولی۔

"ایسا ہونا قدرتی چیز ہے۔ تم نے پولیس کے سامنے جو بیانات دئے پھر اس سے پہلے تم نے قتل کیا۔ سب سے تعجب خیز بات یہ کہ تم باعزت بری کردی گئیں۔ ان حالات میں لوگ یہ سب کچھ سوچنے پر مجبور ہیں کہ تمہارے ساتھ یقیناً کچھ پراسرار نادیدہ قوتیں ہیں جنہیں سمجھنا ان کے بس میں نہیں ہے اور تم خود بھی تو کتنی پراسرار ہو' ہر بار تمہارا قرب ایک نیا پردہ اٹھاتا ہے۔"

رضیہ میری بات سن کر شرما گئی۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اب رضیہ تین دن پہلے والی رضیہ نہ تھی۔ ان تین ہی دنوں میں اس نے حیرت انگیز طور پر سنبھالا لیا تھا۔ میں صبح ہونے سے کچھ پہلے ہی اٹھ گیا۔ میں نے رضیہ کو آخری بار گلے لگالیا۔ اور بہت جلد لوٹنے کا وعدہ کر کے اس سے رخصت ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ آنسوؤں کے بوجھ سے اس کی پلکیں بوجھل تھیں۔

میں کھڑکی ہی کے راستے نیچے باغ میں اتر گیا۔ میرے حکم کے مطابق کھڑکی کے نیچے ایک طرف دو بالٹیاں پانی سے لبالب بھری ہوئی رکھی تھیں۔ میں انہیں اٹھا کر اندر گھنے درختوں کے درمیان لے گیا۔ کپڑے اتارے اور جلدی جلدی غسل سے فارغ ہو کر میں نے ہمزاد کو طلب کیا۔ جب میری نظر سامنے رضیہ کے کمرے کی کھڑکی پر پڑی تو دیکھا کہ وہ ابھی تک کھڑکی میں کھڑی تھی لیکن میں نے دوبارہ اس سے ملنا مناسب نہیں سمجھا اور چپ چاپ ہمزاد کو ساتھ لے کر ویران خانقاہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ رات بھر کی تھکن کے بعد میرا سونا بہت ضروری تھا۔ اور خانقاہ سے بہتر پناہ گاہ کہاں ہوسکتی تھی۔ میں خانقاہ میں پہنچتے ہی بستر پر گر گیا اور بہت جلد بے خبر ہوگیا۔

****

میری آنکھ کھلی تو شام قریب تھی۔ میں جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہوا۔ اور ہمزاد کو طلب کیا۔

"حکم!" اس نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ رات ہونے سے پہلے میرٹھ پہنچ جائیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"جیسا آپ کا حکم! لیکن آپ کس طرح چلنا پسند کریں گے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ چاہیں تو سفر کی طوالت کو کم کیا جاسکتا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا" میں نے کہا۔

"میں آپ کو صرف چند لمحوں میں وہاں تک پہنچا سکتا ہوں مگر اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ آپ ہوش میں نہ ہوں" ہمزاد نے بتایا۔

"مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ رہا بے ہوش ہونے کا مسئلہ تو یہ تم جانو۔ تم نے اسے ضروری کہا ہے تو یقیناً کوئی بات ہوگی۔"

"ایسا اس لئے ضروری ہے کہ آپ کے حواس پر کوئی غلط اثر نہ پڑے۔ میں ایک مرتبہ دیکھ چکا ہوں کہ زیادہ اونچی پرواز آپ کے لئے ناقابل برداشت ہے" ہمزاد بولا۔

"وہ شہر میرے لئے قطعی اجنبی ہے مجھے قدم قدم پر تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم بغیر طلب کئے بھی اس وقت تک میرے ساتھ رہ سکتے ہو جب تک میں تمہیں منع نہیں کردیتا۔"

"بہتر ہے۔"

ہمزاد نے آناً فاناً تمام تیاری کرلی۔ اب نہ تو خانقاہ میں وہ چارپائی اور بستر تھا جس پر سوکر میں نے دن گزارے تھے نہ دوسرا سامان۔ بالٹیاں لوٹے اور نہ جانے کیا کیا اگڑم جھگڑم اس نے سمیٹا اور کہیں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد ہی جب وہ لوٹا تو میں نے پوچھا "وہ سارا سامان کہاں پھینک آئے؟"

"جن غریبوں کا تھا انہیں واپس کر آیا۔ اچھا اب چلتے ہیں" یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر رکھ دیا۔

میرا ذہن تاریک ہوتا چلا گیا۔ جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک کنویں کی منڈیر پر لیٹا ہوا پایا۔ یہ جگہ میرے لئے قطعی اجنبی تھی شاید یہ کوئی گاؤں تھا۔ دور دور اندھیرا اور سناٹا تھا۔ میں نے ہمزاد کو اپنے اوپر جھکا ہوا محسوس کیا۔ وہ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر بولا "آپ خلاف توقع بہت دیر بے ہوش رہے۔ یہ میرٹھ کا ایک قریبی گاؤں ہے میں نے سوچا تھا کہ یہاں تک پہنچ کر آپ کو ہوش میں لے آؤں گا مگر آپ کی بے ہوشی طویل ہوگئی۔ غالباً ابھی تک آپ پوری طرح صحت مند نہیں ہوئے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ اب آپ لڑکیوں سے گریز کریں۔ اصولاً نیا جسم ملنے کے بعد کم از کم آپ کو چالیس دن تک لڑکیوں سے گریز کرنا چاہئے تھا مگر میں نے اس وقت یہ مشورہ اس لئے نہیں دیا کہ آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ بہرحال یہ اچھا ہوا کہ یہ جگہ گاؤں سے باہر ہے۔ ورنہ آپ کو دیکھ لیا جاتا۔ میرا خیال یہ تھا کہ اس جگہ سے میرٹھ تک کیوں کہ بہت کم فاصلہ ہے اس لئے آپ بقید ہوش و حواس سفر کریں تاکہ شہر میں پہنچ کر مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میرا خیال تھا کہ ہم دن ڈھلنے سے پہلے میرٹھ پہنچ جائیں گے تو آج ہی رہائش کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔ لیکن اب رات ہوچکی ہے آپ کو کسی سرائے میں رات گزارنی پڑے گی۔"

"چلو اب جو بھی ہوا ٹھیک ہے" میں نے کہا "اب ہمیں چلنا چاہئے۔"

ہمزاد نے میرا ہاتھ پکڑا اور بلندیوں میں پرواز کرنے لگا۔

پرواز کا تجربہ میرے لئے نیا نہ ہوتے بھی عجیب سا تھا اس سے پہلے میں نے صرف اپنے کٹے ہوئے سر کے ساتھ پرواز کی تھی۔ پورے جسم کے ساتھ یہ میری پہلی پرواز تھی۔ میرے کانوں کے ادھر ادھر تیز ہوا سائیں سائیں کرتی گزر رہی تھی۔ ہم نہ معلوم کتنی تیز پرواز کر رہے تھے اس لئے کہ چند ہی لمحوں میں ایک شہر کے آثار نمودار ہونے لگے۔ شہر سے کچھ فاصلے ہی پر ہمزاد نے مجھے زمین پر اتار دیا۔ بہت آہستگی کے ساتھ۔ اتنی کہ مجھے گمان بھی نہ ہوا کہ میں اتنی بلندی سے نیچے آیا ہوں۔ چند منٹ میں ہم شہر میں داخل ہوگئے کہیں کسی قریبی مسجد سے اذان کی آواز آئی میں نے اندازہ لگایا کہ عشاء کا وقت ہوچکا ہے۔ ہمیں بدایوں سے چلے کافی دیر ہوچکی تھی۔ ہمزاد مجھے محلوں کے نام بتاتا جارہا تھا۔

"یہ گھنٹہ گھر ہے' یہ خیر نگر دروازہ' اور یہ صدر' یہ لال کرتی۔ یہ بنی سرائے وغیرہ وغیرہ۔

میں بہت دیر شہر میں گھومتا رہا۔ بازار بند ہوچکے تھے۔ لیکن گلی کوچوں میں اب بھی زندگی باقی تھی۔ مجھے یہ شہر اچھا لگا۔ دیلی بازار سے کچھ پہلے اس زمانے میں ایک سرائے تھی۔ میں نے رات وہیں بسر کرنے کا پروگرام بنایا۔ ہمزاد نے مجھے بتایا کہ دیلی بازار طوائفوں کا محلّہ ہے۔ مجھے اس کی ستم ظریفی پر بہت ہنسی آئی۔ اس نے مجھے ٹھہرایا بھی تو کہاں۔ پھر اس پر اس کے یہ مشورے کہ میں لڑکیوں سے دور رہوں۔ وہ رات میں نے سرائے میں بسر کی۔ ہمزاد بھی میرے ساتھ تھا۔ صبح اٹھ کر سب سے پہلا کام ہمزاد نے یہ کیا کہ میرے کپڑوں اور دیگر ضروری سامان کا انتظام کردیا اور ساتھ ہی ساتھ اس نے میری جیبیں روپوں سے بھردیں۔ سامان سرائے میں چھوڑ کر وہ مجھے لے کر شہر میں نکل گیا۔ اس شہر میں کوئی میرا شناسا نہیں تھا سوائے ان غنڈوں کے جنہوں نے مجھے قتل کیا تھا یا نواب صاحب کی لڑکی نرگس کے اور ان عاملوں کے جو میری تلاش میں بدایوں پہنچے تھے۔ اس لئے سب سے پہلا کام میرے لئے یہ تھا کہ ان غنڈوں کو ٹھکانے لگاؤں۔ اب ان کے ڈھونڈنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ ہمزاد قدم قدم پر میری رہنمائی کر رہا تھا۔ ہمیں اب چلتے چلتے دوپہر ہوگئی تھی۔ ہم اس وقت صدر کے علاقے میں تھے۔ وہیں ایک بوسیدہ سے ہوٹل میں میں نے کھانا کھایا۔ ہمزاد نے مجھے بتایا کہ نواب صاحب کا قیام "بیگم پل" میں ہے۔ اسی دن میں نے ایک مکان اس علاقے میں خرید لیا۔ روپوں کی میرے پاس کوئی کمی نہیں تھی۔ یہ مکان مجھ سے پہلے کسی انگریز افسر کے تصرف میں تھا جو اب اپنے وطن جانے والا تھا۔ مالک مکان سے میں ملا تو اس کا ارادہ اس مکان کو کرائے پر اٹھانے کا تھا لیکن جب میں نے ایک

بڑی رقم کی پیش کش کی تو وہ مکان بیچنے پر راضی ہوگیا۔ بیگم پل کے علاقے میں مکان خریدنا ذرا دشوار کام تھا۔ اس لئے کہ اس علاقے میں زیادہ تر طبقہ امرا کی رہائش تھی اور زیادہ تر مکان ان کے اپنے تھے۔ بہت سی مصلحتیں میرے پیش نظر تھیں۔ ایک تو یہاں مکان لینے کا سبب یہ تھا کہ نواب صاحب کی کوٹھی یہاں سے بہت قریب تھی دوسرے یہ علاقہ صاف ستھرا تھا۔ سر چھپانے کے لئے جگہ ملنے کے بعد مجھے اب دوسری باتیں سوجھیں۔ اسی دن ہمزاد نے اس مکان کو اعلیٰ درجے کے ساز و سامان سے لیس کردیا۔ ایرانی قالین وہ میری بدایوں والی حویلی سے اٹھا لایا تھا۔ آس پاس رہنے والے لوگ مجھے قطعی ناآشنا تھے مصلحتاً مالک مکان کو میں نے اپنا نام بھی رشید یار جنگ بتایا تھا۔ اس پر میرا یہی تاثر قائم ہوا تھا کہ میرا تعلق بھی نوابین کے خاندان سے ہے۔ میرے گھر کے ٹھاٹ باٹ اب کسی نواب کی حویلی سے کم نہیں تھے۔ ان سب ہنگاموں میں رات ہوگئی۔ مغرب کی اذان کے بعد میں نے ہمزاد سے کہا۔

"قبلہ نواب صاحب کی تو کچھ خبر لو' وہ کیسے ہیں؟"

میرے لہجے سے ہمزاد سمجھ گیا کہ میرا کیا مطلب ہے۔ ہمزاد کے جانے کے بعد میں نے اس کا تصور کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک حویلی میں داخل ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے تصور کو مہمیز دیتا رہا۔ یہ حویلی کسی بھی طرح میرے مکان کی سج دھج سے کم نہیں تھی۔ ہمزاد ایک بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں دبیز قالین بچھے ہوئے تھے اور ایک طرف خوب صورت مسہری کے چاروں طرف رنگ برنگے پردے پڑے ہوئے تھے۔ دائیں طرف ایک بڑی سی چوکی پڑی تھی اور اس کے قریب ایک بڑی میز کے گرد کچھ کرسیاں رکھی تھیں۔ جن میں سے ایک پر کوئی ضعیف شخص بیٹھا شراب پینے میں مصروف تھا۔ ضعیف شخص کے ساتھ اس نوجوان کو دیکھ کر میرے ذہن میں عجیب سے خیالات آئے۔ یہ دونوں چہرے میرے لئے اجنبی تھے۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد ضعیف شخص اور نوجوان کی کرسیوں کے بیچوں بیچ کھڑا ہے۔ میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"یہ کون لوگ ہیں اور تم کہاں ہو؟ میں نے تمہیں نواب صاحب کی خبر لینے بھیجا تھا' کیا یہی ضعیف شخص نواب ہے؟"

"آپ کا خیال درست ہے۔ یہ ضعیف شخص ہی نواب ہے۔ یہ شخص کچھ غیر فطری علتوں میں بھی گرفتار ہے جس کا ثبوت یہ نوجوان لڑکا ہے جو اس کے پاس بیٹھا شراب پی رہا ہے" ہمزاد نے بتایا "آپ دیکھ رہے ہیں کہ ضعیف ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر کیسی سرخی دوڑ رہی ہے۔ کشتے کھاتا ہے کشتے"

ہمزاد نے ہنس کر کہا۔

اسی وقت نواب نے اپنے سامنے رکھا ہوا شراب کا گلاس خالی کردیا اور لڑکے سے بولا "ایک پیگ اور بناؤ۔ تمہارے ہاتھوں سے شراب پی کر نشہ دگنا ہوجاتا ہے۔"

لڑکے نے شراب گلاس میں انڈیلنے کے بعد اس میں پانی ملایا اور نواب صاحب کے سامنے گلاس رکھ دیا۔

نواب صاحب منمنائے "نہیں اب تو خود اپنے ہاتھ سے پلاؤ۔"

لڑکے نے گلاس اٹھایا۔ اور دوسرے ہی لمحے ساری کی ساری شراب نواب صاحب کے منہ پر پھینک دی۔ نواب صاحب کا چہرہ شراب سے بھیگ گیا۔ اور کپڑے خراب ہوگئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ نواب صاحب کچھ سمجھ ہی نہ پائے۔ ایک دم ان کا چہرہ غصے سے لال انگارہ ہوگیا اور وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے "بدتمیز' گستاخ! تیری یہ مجال!"

لڑکا خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ خود بھی یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ کس طرح اس نے ایسا کردیا۔ اس نے تو شراب کا گلاس نواب صاحب کے ہونٹوں کی طرف بڑھایا تھا۔

ہمزاد ان دونوں سے دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔ دراصل یہ حرکت اسی کی تھی جیسے ہی لڑکے نے گلاس نواب صاحب کے چہرے کے قریب کیا تھا' ہمزاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ساری شراب نواب صاحب کے چہرے پر پھینک دی تھی اور نواب صاحب یہ سمجھے تھے کہ یہ گستاخی لڑکے نے کی ہے۔ لڑکا نواب صاحب کے قدموں میں گر کر ان سے معافی مانگ رہا تھا مگر نواب صاحب کا غصہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ مجھے نواب صاحب کی فرعونیت پر سخت غصہ آرہا تھا۔ اور شاید یہی احساس ہمزاد کو بھی ہوا تھا۔ اس لئے کہ دوسرے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ ہمزاد نے نواب صاحب کے پیروں کے نیچے بچھی ہوئی قالین کھینچ لی تھی۔ نواب صاحب اوندھے منہ گرے اور جب انہوں نے اپنا چہرہ اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان کے اوپری ہونٹ سے خون بہہ رہا تھا۔ نواب صاحب گرتے گرتے بہت زور سے چیخے تھے۔ ملازمین کی پوری فوج کی فوج ان کے کمرے میں در آئی۔ دو ملازمین نے انہیں پکڑ کر اٹھایا۔ اور سامنے بچھی ہوئی مسہری کی طرف لے کر چلے۔ لڑکا ایک طرف خوفزدہ سا کھڑا تھا۔ کوئی ملازم باہر کی طرف دوڑا۔ کچھ دیر بعد ہی نواب صاحب کے کمرے میں اچھا خاصہ اژدہام ہوگیا۔ نواب صاحب کے طبیب خاص بھی دوڑے ہوئے آئے اور ان کے ہونٹ کے زخم کا معائنہ کیا اندر شاید زنانخانے میں بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ نواب صاحب زخمی ہوگئے ہیں' پردہ کرایا

گیا اور خود بڑی بیگم صاحبہ نواب صاحب کو دیکھنے تشریف لائیں موقع غنیمت جان کر لڑکا وہاں سے کھسک لیا۔ بڑی بیگم کے ساتھ ہی نواب صاحب کی اکلوتی بیٹی نرگس بھی تھی۔ نرگس کو ایک طویل عرصے کے بعد دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی وہ اب پہلے سے بھی زیادہ بھرپور ہوتی جا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا دوران خون تیز ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ گزارے ہوئے حسین لمحات یاد آنے لگے۔ اس کے ساتھ میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ میں نے کچھ دیر بعد ہمزاد کو طلب کیا اور اس سے نواب کے غنڈوں کے بارے میں دریافت کیا۔

"اگر آپ حکم کریں تو آج رات ان سبھی کو ٹھکانے لگادوں" ہمزاد نے کہا۔

"نہیں! میں انہیں تڑپا تڑپا کر اور خوفزدہ کرکے مارنا چاہتا ہوں۔ آج کی رات ان میں سے ایک کے لئے آخری ہوگی تاکہ کل جب وہ مردہ پایا جائے تو بقیہ کو اپنے بارے میں فکر ہو اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت خود میں بھی موجود رہوں۔"

"تو پھر چلئے" ہمزاد بولا۔

ہمزاد مجھے وہاں سے ویلی بازار کے ایک تاڑی خانے میں لے گیا۔ جو ایک عمارت کے نچلے حصے میں بنا ہوا تھا۔ وہ بھی زمین کی سطح سے کافی نیچے۔ وہاں موجود لوگوں کے سامنے مٹی کے کلھڑوں میں تاڑی رکھی ہوئی تھی وہاں نہ کوئی میز تھی نہ کرسی بلکہ لوگ زمین پر لکڑی کی کندیوں پر بیٹھے تھے کندیاں دور تک فرش پر بچھی ہوئی تھیں۔ لکڑی کی یہ کندیاں قطعی ان کندیوں سے مشابہ تھیں جس پر قصائی قیمہ وغیرہ کوٹتے ہیں۔ ایک خالی کندی پر میں بھی بیٹھ گیا ہمزاد نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا' وہ میرے دائیں طرف بیٹھا تھا اس کے سامنے تاڑی کی بوتل اور آبخورے کے علاوہ ایک پتے پر ابلے ہوئے چنے بھی رکھے تھے وہ آہستہ آہستہ تاڑی کی چسکیاں لے رہا تھا۔ میں نے بہت آہستہ آواز میں ہمزاد سے کہا "یہ تم مجھے کہاں لے آئے....؟"

"آپ کے شکار کے پاس" ہمزاد نے جواب دیا۔

"لیکن میں یہاں اسے کس طرح ماروں گا" میری سرگوشیاں جاری تھیں۔

"آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو بس دیکھتے رہئے کہ وہ کس طرح مارا جاتا ہے۔" ہمزاد بولا۔ میں اس کی بات سن کر خاموش ہوگیا۔ اسی وقت ایک میلا کچیلا سا لڑکا مجھ تک آگیا "کہو بابو کتنا لاؤں؟" میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہہ دیا ایک بوتل!

وہ میرا آرڈر لے کر سامنے بنے ہوئے ایک کاؤنٹر کی طرف چلا گیا جسے کاؤنٹر کہنا بھی بس محال ہی تھا اس لئے کہ لکڑی کی گھڑونچی پر تین چار بڑے بڑے مٹکے رکھے تھے جن میں ٹونٹیاں فٹ کردی گئی تھیں۔ ان مٹکوں کے سامنے ایک بڑی بڑی مونچھوں والا سیاہ فام شخص کھڑا تھا۔ جو ان مٹکوں سے خالی بوتلوں میں تاڑی بھر رہا تھا اور کئی میلے کچیلے لڑکے یہ بوتلیں گاہکوں کو سپلائی کر رہے تھے۔

جس شخص کی طرف ہمزاد نے اشارہ کیا تھا اس کا چہرہ مجھے قطعی یاد نہیں آیا۔ دراصل اس رات جن حالات میں مجھے قتل کیا گیا تھا۔ اس میں مجھے اتنی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ میں اپنے قاتلوں کے چہرے ٹھیک طرح شناخت کرسکتا۔ اس وقت تو مجھے اپنی زندگی بچانے کی فکر تھی۔ اگر ہمزاد اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے ان کا پتہ نہ لگالیتا تو میں ہمیشہ ان سے لاعلم رہتا۔ وہ شخص مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی اطمینان سے تاڑی پینے میں مصروف تھا۔

اچانک تاڑی خانے میں موجود لوگوں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا چند لمحے تو یہی سمجھے کہ وہ کچھ زیادہ ہی پی گئے ہیں مگر اس شخص کی پے درپے چیخوں نے سب کے اوسان خطا کردیئے۔ وہ سب اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا دیکھ رہے تھے مگر کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ اس شخص کے قریب رکھی ہوئی لکڑی کی کندی خود بخود اپنی جگہ سے اٹھی اور زور سے اس کے سر سے ٹکرائی۔ وہ شخص چیخ مار کر اوندھا گرا اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا کندی پھر فضا میں بلند ہوئی اور اس کے سر کے پچھلے حصے پر پڑی۔ وہ دونوں ہاتھوں کے بل اٹھا اور پھر چت گر پڑا۔ اس کا چہرہ لہولہان تھا۔ سر سے مستقل بہنے والے خون نے اس کا چہرہ بھیانک کردیا تھا۔ اس کے اردگرد لوگ کھڑے ہوئے چیخ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ انہی میں' میں بھی تھا اور بالکل خاموش کھڑا اسے زمین پر تڑپتے دیکھ رہا تھا۔ کندی ایک مرتبہ پھر فضا میں بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی کئی لوگوں کے منہ سے چیخ نکل گئی کندی اب تیزی سے نیچے آرہی تھی زمین پر پڑا ہوا شخص ابھی تک اپنے ہوش میں تھا۔ اس نے چیخ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر کردیئے مگر وہ کندی کی ضرب سے نہ بچ سکا۔ اس مرتبہ کندی کی ضرب نے اس کے چہرے کا بھرتا بنادیا تھا۔ پھر تو جیسے اس کے چہرے پر کندی کی ضربوں کی بارش ہوگئی پے درپے ضربوں نے اسے بے ہوش کردیا تھا مگر اس کی بے ہوشی' اسے آنے والی موت سے نہ بچا سکی چند لمحوں بعد ہی اس کے سر کا بھیجا تاڑی خانے کے فرش پر بہہ رہا تھا۔

لوگ یہ پراسرار قتل دیکھ کر اپنے ہوش وحواس پر قابو نہ

پاسکے اور چیختے ہوئے تاڑی خانے سے بھاگنے لگے۔

ہمزاد نے آہستہ سے سرگوشی کی "ایسے میں آپ بھی نکل چلئے۔"

میں نے بھی یہ موقع غنیمت جانا کچھ دیر بعد ہی میں اپنے مکان کی طرف جا رہا تھا۔

اس بھیانک قتل نے میرے اعصاب پر بھی برا اثر ڈالا تھا ابھی زیادہ رات نہیں ہوئی تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ مجھے آرام کی سخت ضرورت ہے۔ ابھی میں اپنے مکان سے کچھ دور ہی تھا کہ ایک نوعمر لڑکے کے ہمراہ ایک برقعہ پوش لڑکی ایک مکان کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ لڑکا ابھی مکان کے باہر ہی تھا کہ لڑکی نے پلٹ کر اس سے کچھ کہا اور اسی وقت میں نے اس کی ایک جھلک دیکھ لی۔ وہ ایک جھلک ہی مجھے پاگل بنادینے کے لئے کافی تھی۔ ممکن ہے اس نے بھی مجھے دیکھا ہو لیکن مجھے اس وقت یہ ہوش ہی کب تھا۔ وہ چلی بھی گئی اور میں اسی طرف دیکھتا رہا۔ مکان کا دروازہ بند ہوگیا مگر میں ابھی تک بیچ سڑک پر کھڑا تھا۔ ہمزاد اس وقت بھی میرے ساتھ تھا اس نے میری یہ کیفیت دیکھی تو بولا "جانتے ہیں یہ کون ہے؟"

میں ایک دم چونکا "کیا تم اس سے واقف ہو؟"

"ابھی ابھی آپ کی یہ حالت دیکھ کر معلوم کیا ہے۔ اس کا نام...... مہ پارہ ہے اور یہ نواب صاحب کی طبیب خاص ارشاد احمد کی لڑکی ہے۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا "طبیب خاص کی لڑکی! پھر تو مزہ آگیا مجھے کیا خبر تھی کہ ظالم نے اپنے گھر میں ایسے ہیرے چھپا رکھے ہیں۔"

"اب آپ چلیں گے بھی یا رات ہونے کا یہیں انتظار کریں گے۔" ہمزاد نے چھیڑا۔ وہ میری دلی کیفیت سے آگاہ ہوچکا تھا۔

یہ میں ہی جانتا ہوں کہ میں نے رات کا کس بے چینی سے انتظار کیا۔ جب ہر طرف سناٹا چھا گیا تو میں نے ہمزاد سے کہا "اب تو بہت دیر ہوچکی ہے وہ سوچکی ہوگی اٹھالاؤ۔"

"صبر کیجئے ابھی طبیب خاص جاگ رہا ہے وہ نواب کے لئے کوئی دوا بنانے میں مصروف ہے اور مہ پارہ کا کمرا اس کے قریب ہے۔" ہمزاد نے مجھے آگاہ کیا "جیسے ہی اس نے اپنا کام ختم کیا میں یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا کچھ دیر اور انتظار کرلیجئے۔"

میں بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا کچھ دیر بعد ہمزاد نے مجھے بتایا کہ وہ مہ پارہ کو لینے جا رہا ہے میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا چند ہی لمحوں بعد اس نے میرے بستر پر اس سراپا قیامت کو لاکے لٹادیا۔ نہ جانے وہ لڑکیوں کو کتنی آہستگی سے اٹھا کر لاتا تھا کہ ان کی آنکھ ہمیشہ میرے ہی پاس آکر کھلتی تھی۔ میں بستر کی طرف بڑھا مگر خلاف معمول آج پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں جیسے ہی بستر کے نزدیک پہنچا لڑکی ایک دم بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی بڑی بڑی ہرنی جیسی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا سحر تھا۔ وہ آنکھیں عام آنکھوں سے قطعی مختلف تھیں میں نے کچھ کہنا چاہا مگر میرے الفاظ حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئے۔

وہ بولی "سنو! تم جو کوئی بھی ہو اس سے مجھے کوئی غرض نہیں لیکن میں تمہیں یہ بتادینا چاہتی ہوں کہ آج تک کوئی مرد بغیر میری مرضی کے مجھے ہاتھ لگانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ تم نے زبردستی میری نیند خراب کی ہے اور میری خلاف مرضی مجھے اٹھوایا ہے' تم اگر عام حالات میں مجھے ملتے تو ممکن تھا کہ میں خود تمہاری مردانہ وجاہت دیکھ کر اپنا جسم تمہیں سونپ دیتی لیکن اب یہ ناممکن ہے قطعی ناممکن۔"

میں اس کی باتیں سن کر ششدر رہ گیا آج تک اتنی صاف اور سچی گفتگو میں نے کسی لڑکی سے نہیں سنی تھی۔ پھر اس کا مضبوط لہجہ جیسے وہ ایک ایک لفظ نپا تلا بول رہی ہو۔ اس کے لہجے سے اس کے ارادے کی پختگی کا پتہ چلتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ممکن ہے یہ لڑکی مجھے بے وقوف بنا رہی ہو یہی سوچ کر میں اس کی طرف بڑھا۔

وہ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر بولی "میں کہتی ہوں رک جاؤ۔ جو شعبدے تم جانتے ہو ان سے میں بھی واقف ہوں۔"

پھر جب میں نہ رکا تو اس نے کہا "ٹھیک ہے آؤ میرے قریب آؤ تمہیں خود میری قوت کا اندازہ ہوجائے۔ ہاں ہاں لو پکڑلو میرا ہاتھ۔"

اب مجھے بھی اس کی اس دیدہ دلیری پر غصہ آگیا اور میں نے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو اپنی طرف کھینچنا چاہا لیکن جیسے ہی میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس ہوا مجھے بہت زور کا جھٹکا لگا جیسے میں نے بجلی کے کسی ننگے تار کو چھولیا ہو۔

وہ مجھے زمین پر گرتا دیکھ کر زور سے ہنسی "بس ختم ہوگئی مردانگی؟ میں جا رہی ہوں اگر روک سکتے ہو تو روک لو۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی اور اسی وقت میں زور سے چیخا "ہمزاد ہمزاد۔"

میرے چیختے ہی ہمزاد فوراً حاضر ہوگیا۔ اس وقت تک مہ پارہ میرے کمرے کا دروازہ عبور نہیں کرپائی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں

نے تقریباً چیختے ہوئے حکم دیا "اس لڑکی کو بتاؤ کہ میں کون ہوں یہ یہاں سے نکل کر نہ جانے پائے۔" میرا حکم سنتے ہی ہمزاد اس کی طرف بڑھا اور ابھی وہ اس کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اچانک مہ پارہ مڑی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اسے ہمزاد کی موجودگی کا اور اپنی طرف بڑھنے کا احساس ہوگیا ہو۔ حالانکہ میرے علم میں یہ تھا کہ ہمزاد کو دیکھنے کا کوئی اہل نہیں۔ کہنے کو تو وہ صرف چند لمحے تھے مگر میں وہ چند لمحے کبھی نہیں بھول سکتا اس کی ایک ایک تفصیل مجھے آج تک یاد ہے۔ جیسے ہی مہ پارہ ہمزاد کی طرف مڑی میں نے دیکھا ہمزاد کے بڑھتے ہوئے قدم ایک دم رک گئے اور اسی لمحے میں نے مہ پارہ کی آنکھوں میں ایک عجیب و غریب تیز چمک سی محسوس کی۔ میں اس وقت اس کی آنکھوں ہی کی طرف دیکھ رہا تھا میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ میری کیفیت اس وقت بالکل ایسی تھی جیسے میں نے سورج کی طرف دیکھ لیا ہو۔ مہ پارہ کی آنکھوں میں ایسی ہی تیز چمک تھی کہ کچھ دیر کے لئے میری بصارت ناکارہ ہوکر رہ گئی اور جب میں دوبارہ کچھ دیکھنے کے قابل ہوا تو کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ نہ وہاں ہمزاد تھا' نہ مہ پارہ' مجھے کچھ دیر پہلے گزرے ہوئے واقعات ایک خواب کی طرح محسوس ہوئے "کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ہمزاد کی دسترس سے بھی باہر ہو؟ میرے ذہن میں بار بار یہی سوال گونج رہا تھا۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ آخر اس لڑکی میں کون سی ایسی پراسرار قوت تھی جس نے مجھے پیچھے دھکیل دیا؟" میں سوچ رہا تھا اور پھر اس کے ساتھ میں ہمزاد کی طرف فکر مند ہوگیا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اسے طلب کروں کہ وہ خود حاضر ہوگیا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی بے تابی سے پوچھا "کیوں' کیا وہ نکل گئی؟" "ہاں۔" ہمزاد نے بجھے بجھے سے لہجے میں کہا "مگر کیوں؟ کس طرح؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تمہاری ساری قوتیں اس کے سامنے مفلوج ہو گئیں؟" میں نے ہمزاد پر سوالوں کی بوچھار کردی۔ "یہ جانے بغیر کہ اس کے پاس کیا پراسرار قوتیں ہیں اس پر ہاتھ ڈالنا قطعی غلط ہے۔ میں صرف اتنا جان سکا ہوں کہ اس کے پاس یقیناً کچھ ایسی ناقابل فہم قوتیں ہیں جس کے بل بوتے پر اس نے کچھ دیر کے لئے مجھے بھی معطل کردیا۔ آپ نے اس کی آنکھوں میں وہ تیز اور پراسرار روشنی دیکھی تھی؟" ہمزاد نے سوال کیا۔

"ہاں وہ عجیب روشنی دیکھ کر ہی تو میں چند لمحوں کے لئے اپنی بینائی سے محروم ہوگیا تھا اور میں نے تمہیں یہ تو بتایا ہی نہیں کہ میں نے جیسے ہی اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا مجھے شدید جھٹکا لگا اور میں زمین پر گر گیا تھا میں نے ہمزاد کو بتایا اور پھر جذباتی لہجے میں بولا "اس نے میری سخت توہین کی ہے میں ہر قیمت پر اس سے بدلا لوں گا۔"

"ضرور" ہمزاد بولا "مگر اس کے لئے آپ کو کم از کم تین دن انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کیوں؟ آخر کیوں؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"اس لئے کہ اس کے بارے میں تمام معلومات اکٹھا کرنے کے لئے مجھے مکمل تین دن چاہئیں یہ میرے اور آپ کے لئے بہتر ہی ہوگا۔"

"تم اپنی گفتگو سے مجھے سخت مایوس معلوم ہوتے ہو پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔" میں نے کہا۔

"تمام بات حالات کی ہے۔ اس سے پہلے کبھی ایسے حالات بھی تو پیش نہیں آئے۔ میں آپ سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا اس لئے آپ کو صاف صاف بتادوں کہ مہ پارہ کے پاس مجھے کچھ ایسی پراسرار قوتیں بھی معلوم ہوتی ہیں جو میرے یا آپ کے پاس نہیں۔ اس لئے اب ہمارا ہر قدم بہت محتاط اٹھنا چاہیے۔ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ ان تین دنوں کے لئے آپ اس کا خیال اپنے دل سے قطعی نکال دیں۔"

ہمزاد کی باتیں سن کر مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ میری عزت نفس کو مہ پارہ نے جو ٹھیس پہنچائی تھی اس نے مجھے اندر سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا۔ میرا خون کھول رہا تھا آج تک مجھے جتنی لڑکیاں ملی تھیں کسی نے بھی میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا تھا۔

اب تک قسمت نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہمزاد کی موجودگی کے باوجود میں بے بس تھا اور اس پر ستم یہ کہ اپنی بے عزتی کا انتقام لینا بھی میری دسترس سے باہر تھا۔ میرا ذہن اس وقت صرف ایک گردان کررہا تھا "انتقام انتقام!"

چند لمحوں ہی میں اس لفظ کے ساتھ ساتھ میرے خیالات کی رو بھٹک کر نواب صاحب اور ان کے غنڈوں تک پہنچ گئی۔ میں اپنے پرانے دشمنوں کو بھول ہی گیا تھا۔ میں نے سوچا میرے ذہن نے ایک راہ فرار ڈھونڈلی تھی۔ ہمزاد اب تک نظر جھکائے گم سم میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کبھی میں نے اسے اتنا اداس اور پریشان نہیں دیکھا تھا لیکن یہ وقت ان سب باتوں کو سوچنے کا نہیں تھا۔ مجھے اس وقت کچھ نہ کچھ مشغلہ چاہئے تھا اور حالات کے پیش نظر وہ مشغلہ صرف انتقام ہو سکتا تھا۔ انتقام! اپنے قاتلوں سے۔ مہ پارہ سے بعد میں نمٹ لیا جائے گا آج کی رات ایک دشمن اور کم ہوجائے تو کیا مضائقہ ہے؟ میں نے خود سے سوال کیا۔ پھر ہمزاد سے بولا "کیا یہ ممکن ہے کہ رات

رائیگاں نہ جائے؟"

"جی ہاں! آپ نے جو کچھ سوچا ہے وہ درست ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود یہ کام نمٹا لیتا ہوں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"نہیں' تم شاید میری بات پوری طرح سمجھ نہیں پائے۔ میں خود اس کھیل میں شامل ہونا چاہتا ہوں میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں جس کی شاید میں نے ایک جھلک دیکھی ہو۔"

"تو پھر چلئے۔"

"مگر کہاں؟"

"نواب کے غنڈوں میں سے ایک لال کرتی میں رہتا ہے آج وہی سہی۔" ہمزاد نے کہا۔

"وہ ہے کون؟" میں نے پوچھا۔

"وہ میرٹھ کے بڑے بدمعاشوں میں سے ایک ہے لال کرتی ہی میں اس کی کچی شراب کی ایک بھٹی ہے۔ وہ اتنا عیار اور ہوشیار ہے کہ تنہا رہتا ہے اور اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہیں کرتا۔ اسے نواب صاحب کی پشت پناہی حاصل ہے اس لئے آج تک قانون کے ہاتھ بھی اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔"

"چلو چل کر دیکھ ہی لیتے ہیں۔" میں نے کہا۔

پھر چند لمحوں بعد ہی میں ہمزاد کے ہمراہ ایک چھوٹے سے مکان کی چھت پر اتر گیا۔ یہاں تک پہنچنے میں مشکل سے ہمیں دو تین سیکنڈ لگے ہوں گے۔ ہمزاد نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا اور فضا میں تیر گیا تھا۔ چھت سے ایک زینہ نیچے کی طرف جاتا تھا جو گھر کی آنگن میں جاکر ختم ہوگیا تھا۔ میں اسی زینے سے نیچے اتر کر گھر کے آنگن میں آگیا۔ ہمزاد میرے ساتھ ساتھ تھا۔ میں اب آنگن میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سامنے کی طرف ایک کمرا بنا ہوا تھا جس کے دروازوں کی جھریوں سے روشنی باہر برآمدے میں بھی آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی۔ "کیا وہ جاگ رہا ہے۔" میں نے سوچا۔

"نہیں" ہمزاد نے سرگوشی کی اور مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

"دروازہ اندر سے بند معلوم ہوتا ہے۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔

"جی ہاں! مگر ابھی کھل جائے گا۔" ہمزاد یہ کہہ کر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس بند دروازے سے گزر کر غائب ہوگیا۔ میں حیران سا یہ سب کچھ دیکھتا رہا میری آنکھوں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں وہ تمام باتیں تازہ ہوگئیں جو میں نے ہمزاد کے بارے میں قدیم قلمی نسخے میں پڑھی تھیں۔ خاص طور پر یہ کہ ہمزاد ٹھوس اشیاء کے درمیان سے گزر سکتا ہے۔ اس کا عملی تجربہ آج مجھے پہلی مرتبہ ہوا جب میں نے اسے بند دروازے میں تحلیل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میرے خیالات کا سلسلہ اچانک منقطع ہوگیا سامنے والا دروازہ کھل چکا تھا اور ہمزاد مجھے اندر آنے کا اشارہ کررہا تھا۔ کمرے کے اندر ایک لالٹین روشن تھی جو سامنے ہی ایک طاق میں رکھی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہوگیا۔ کمرے میں گھس کر جیسے ہی بائیں طرف نظر پڑی' میرے خون کی گردش تیز ہوگئی۔ میرے لئے وہ منظر ایسا ہی تھا۔ ایک بڑی مسہری پر ایک صحت مند توانا شخص محو خواب تھا جس کے پہلو میں ایک نیم برہنہ لڑکی تھی دونوں شراب پی کر بدمست پڑے ہیں۔" ہمزاد نے میرے خیالات پڑھ کر جواب دیا پھر بولا "شروع ہوجاؤں؟"

"نہیں پہلے اسے جگاؤ! میں چاہتا ہوں کہ یہ مرنے سے پہلے جان لے کہ اسے کیوں مارا گیا۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔

"لیکن ایسا کرنے میں خطرہ بھی ہے۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی مگر اس وقت آپ میرے ساتھ ہیں۔ اگر آس پاس کے لوگ ہنگامہ سن کر جاگ گئے تو خواہ مخواہ مسئلہ ہوجائے گا۔" ہمزاد نے کہا۔ لیکن نہ معلوم کیوں میری یہی خواہش تھی کہ وہ غفلت میں نہ مارا جائے' یا شاید لاشعوری طور پر میں اس وقت اس فعل کو بزدلی سمجھ رہا تھا کہ کسی کو سوتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اسی لئے میں نے ہمزاد کی بات سے اختلاف کیا اور خود آگے بڑھ کر اس شخص کی بڑی بڑی مونچھوں کو کھینچ لیا۔ وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی اس کی گھگی بندھ گئی۔

"بھ... بھ بھوت... بھوت۔"

میں سمجھ گیا کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔ اس شخص کے چونک کر اٹھنے سے لڑکی نے بھی ایک مرتبہ کسمسا کر کروٹ بدلی۔

اسی لمحے ہمزاد نے شاید میری بے خودی کو محسوس کرلیا۔ ہمزاد نے وقت ضائع کئے بغیر اس شخص کو مخاطب کیا۔

"میرے آقا کا حکم ہے کہ تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے تمہارا جرم بتادیا جائے۔ تو سنو کہ تمہیں شیخ کرامت کے قتل کے جرم میں موت دی جارہی ہے' اب یہ فیصلہ تم خود کرو کہ تم کس طرح مرنا پسند کروگے۔"

ہمزاد کو صرف میں ہی دیکھنے کا اہل تھا اس لئے وہ شخص گھبرا کر..... پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کہ اسے

تو صرف یہ نظر آرہا تھا کہ میرے ہونٹ ساکت ہیں۔میں نے محسوس کیا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو مگر خوف کے سبب نہ کہہ پا رہا ہو۔

"تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔" ہمزاد نے اسے پھر مخاطب کیا۔

اس مرتبہ وہ ہمت کرکے گھگھیایا "یا پیر! مجھ کو معاف کردو میں بب.... بڑا گناہ گار ہوں.... ہاں! اور..... اور... یہ شانتی... یہ اس نے مجھے... خود بہکایا... میں ایسا خراب..... نہیں.... میں سویرے ہی.... تمہارے مجار پر.... چادر چڑھوادوں گا۔"

وہ خوف اور نشے میں پتہ نہیں کیا کیا بک رہا تھا۔ لیکن اب اس کمرے میں ایک حسین و گداز جسم کی موجودگی کے سبب میں تمام قصے کو جلد سے جلد ختم کرنے کے چکر میں تھا۔ہمزاد نے میرے ذہن کو پڑھ لیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس کے نادیدہ ہاتھ اس شخص کی گردن تک پہنچ گئے۔اس سے پہلے کہ وہ چیختا یا کوئی اور حرکت کرتا اس کی آنکھیں باہر ابل پڑیں۔اس کا جسم مسہری پر بری طرح تڑپ رہا تھا۔ہمزاد کے ہاتھوں کی گرفت اس کی گردن پر مضبوط سے مضبوط ہوتی جارہی تھی۔ وہ شخص موت کے نادیدہ ہاتھوں سے بچنے کے لئے اپنی گردن سے الجھ رہا تھا۔بار بار وہ کوشش کرتا کہ ہمزاد کے ہاتھوں کو اپنی گردن سے الگ کردے مگر ناکام رہتا۔

اس کے تڑپنے سے لڑکی جاگ گئی۔اس نے جاگ کر جیسے ہی اپنے برابر اس شخص کو تڑپتے ہوئے دیکھا اور پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔وہ اس وقت کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

چند ہی لمحوں میں اس شخص کا جسم تڑپ تڑپ کر ہمیشہ کے لئے ساکت ہوگیا اس کا جسم ڈھیلا پڑتے ہی ہمزاد نے کہا "جلدی کیجئے، ممکن ہے اس لڑکی کی چیخ سے آس پاس کے لوگ جاگ گئے ہوں۔"

"یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گی۔" میں بولا، پھر نہ جانے ہمزاد نے اس لڑکی کو کیسے بے ہوش کیا۔اس کا بے ہوش جسم اس نے اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور مجھے باہر چلنے کا مشورہ دیا۔ ہم چھت پر آگئے۔ہمزاد نے لڑکی کے برہنہ جسم کو اپنے کاندھے پر ڈال کر میرا ہاتھ پکڑا اور فضا میں تیر گیا۔مجھے نہیں معلوم کہ آس پاس کوئی اٹھا یا نہیں لیکن ہمیں وہاں سے جاتے ہوئے شاید کسی نے نہیں دیکھا۔ جب ہم وہاں سے چلے تھے تو آس پاس بالکل خاموشی طاری تھی ممکن ہے اس کا سبب یہ رہا ہو کہ جاگنے کے باوجود کوئی اپنی جان خطرے میں نہ ڈالنا چاہتا ہو۔ہمزاد نے مجھے بتایا تھا کہ مرنے والا میرٹھ کا مشہور بدمعاش ہے۔

حویلی پہنچ کر میری شہوانی خواہشات کچھ اور تیز ہوگئیں۔اس کا بڑا سبب وہ نرم و گداز جسم تھا جو سامنے میری مسہری پر بکھرا پڑا تھا اور جسے اپنی آغوش میں سمیٹنے کی خواہش مجھ میں تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی۔

"اسے ہوش میں لاؤ۔" میں نے ہمزاد کو حکم دیا۔

ہمزاد لڑکی پر جھک گیا۔اس کی پشت میری طرف تھی میں نہیں دیکھ سکا کہ اس نے کیا کیا۔مگر جب وہ ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا تو میں نے دیکھا کہ لڑکی جو اب تک بے سدھ پڑی تھی ایک دم ہوش میں آکر اٹھ بیٹھی۔میری طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔مجھے یاد آیا کہ مرنے والے نے لڑکی کو شانتی کے نام سے یاد کیا تھا۔ یہ اتنی بے باک اور بے حیا کیوں ہے؟ خوف اور حیرت نے اس کے احساس برہنگی کو ختم کردیا ہے یا....." اس سے آگے میں نہ سوچ سکا اس لئے کہ لڑکی نے مجھے مخاطب کیا تھا "تو کون ہے بابو؟ میں کہاں ہوں؟ کیا تو نے دلاور کو مار دیا؟......وہ...وہ کیسے مرگیا؟.... مگر...." وہ ہکلانے لگی۔میں نے اس کی بات کا جواب دینے سے پہلے ہمزاد کو اشارے سے رخصت کردیا۔اور کمرہ اندر سے بند کرکے اس کے پاس مسہری پر بیٹھ گیا اور بولا "شانتی میں کون ہوں اس سے تمہیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے اور تم کہاں ہو؟ یہ جان کر بھی تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا دیکھو کتنی حسین رات ہے اس رات کو بیکار مت گنواؤ۔ہاں میں تمہیں اتنا یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ صبح ہونے سے پہلے تم جہاں کہو گی تمہیں پہنچا دیا جائے گا۔اس رات کے بعد تم وہ سب کچھ بھول جاؤ گی جو تم نے دیکھا ہے۔ مرنے والا جس کا نام.... تم نے دلاور بتایا ہے اپنے گناہوں کی سزا پاچکا ہے۔اسے میں نے نہیں اس کے گناہوں نے قتل کیا ہے۔تم نے دیکھا ہی ہوگا کہ میں اس سے کتنی دور کھڑا تھا۔اگر تم نے کسی کو آج رات کے واقعے کے بارے میں کچھ بتایا تو یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔تم صبح سے پہلے اپنے گھر پہنچادی جاؤ گی۔ پھر اگر پولیس یا کوئی اور تم سے کچھ پوچھے تو تم یہی کہو گی کہ تم اپنے گھر پر ہی تھیں اور یہ کہ ....."

"مگر.... مگر بابو۔" شانتی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں ہاں! کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔" میں نے اس کی ہمت افزائی کی۔

"تم نے کہا بابو کہ میں پولیس کو بولوں کہ میں گھر پہ تھی۔ پر بابو ماں جی کو پتہ ہے کہ میں دلاور کے ٹھکانے گئی تھی اور بھی لوگ جانتے ہیں۔" اس کے بولتے ہی ایک بدبو کا بھپکا مجھے محسوس

ہوا۔ میں نے کراہت سے کہا "یہ تمہارے منہ سے بدبو کیسی آرہی ہے۔"

"ہم نے شام دارو پیا تھا۔" وہ عجب بھولپن سے بولی۔ جیسے شراب پینا کوئی بات ہی نہ ہو۔

"ہوں، تو تم شراب پیتی ہو؟"

"ہوں بابو! ماں جی بھی پیتی ہے اب تو بوڑھی ہوگئی پر لت نہیں گئی۔" شانتی نے کہا۔

مجھے اس کی باتوں اور حرکات و سکنات سے اندازہ تو ہوگیا تھا کہ اس کا تعلق کس طبقے سے ہے۔ پھر بھی اپنے خیال کو یقین میں بدلنے کے لئے میں نے اس سے پوچھا "کیا تم ویلی بازار میں رہتی ہو ؟"

"ہاں بابو! ہم اودر ہی پیدا ہوا اور اودر ہی ہوش سنبھالا اب اودر ہی کاروبار کرتا ہے۔"

"ابی آپ کو ایک بات بولوں کہ یہ سالا دلاور ہم کو ایک رات کا پورا کھٹاک دو روپیہ دیتا تھا ابی ایسا گراہک کہاں ملتا۔"

"خیر اب تم اسے بھول جاؤ۔ہم تمہیں مالا مال کردیں گے۔ تم ہمیں پسند آئی ہو مگر یہ شراب وراب نہیں چلے گی۔" میں نے اس کی نرم اور چکنی جلد پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

اور یہ کتنی عجیب بات تھی کہ میں جو اسے شراب نہ پینے کی تاکید کررہا تھا خود اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ کبھی نہ کبھی میں بھی شراب کا مزہ ضرور چکھوں گا۔ کہ آخر یہ ظالم ہے کیا بلا؟ میری بات سن کر شانتی نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے اسے خاموش دیکھ کر پھر کہا "خیر یہ تمہارا فعل ہے اسے تم جانو، نہ پیو تو بہتر ہے۔ میں تو تمہیں دراصل یہ بتانا چاہتا تھا کہ اگر تمہاری ماں جی یا کوئی اور اس بات سے واقف ہے کہ تم دلاور کے پاس تھیں تو تم انہیں منع کردینا کہ وہ یہ بات کسی سے نہ کہیں تاکہ کل جب پولیس کو دلاور کی لاش ملے تو وہ تمہیں اس سلسلے میں نہ گھسیٹے۔ سمجھ گئیں؟" میں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔شانتی نے فوراً اثبات میں گردن ہلادی۔میں سمجھ گیا کہ وہ طوائف زادی اتنی بدھو ہرگز نہیں جتنی صورت سے نظر آتی ہے۔

وہ تمام رات اب تک بسر کی ہوئی ان سب راتوں سے زیادہ حسین گزری جو میں نے مختلف خوب صورت جسموں کی پناہ میں گزاری تھیں۔

صبح جب میں نے غسل کرنے کے بعد اسے رخصت کیا تو ساتھ ساتھ آئندہ رات ملنے کا وعدہ بھی اس سے لے لیا۔ میرا جی اس سے ابھی نہیں بھرا تھا۔میں نے اس سے کہا "شانتی کل رات تمہیں پھر بلایا جائے گا۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے اس کا خیال رکھنا اور یہ لو!" میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جتنے روپے بھی مٹھی میں آگئے اس کی طرف بڑھادیئے۔ "ابھی کچھ اندھیرا ہے تمہیں بحفاظت تمہارے گھر پہنچادیا جائے گا۔جب تمہاری دوبارہ آنکھ کھلے گی تو تم خود کو اپنے بستر میں پاؤ گی۔

اسے میری باتیں سن کر حیرت ہورہی تھی۔میں نے ہمزاد کو اشارہ کیا وہ آگے بڑھا اور شانتی کی کنپٹیوں کو اس نے ایک ہاتھ سے دبایا۔شانتی کا جسم لہرا کر گرنے ہی والا تھا کہ ہمزاد نے اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھالیا اور کمرے سے نکل گیا۔ میں جانتا تھا کہ ہمزاد کے لئے یہ معلوم کرنا کوئی بڑی بات نہیں کہ ویلی بازار میں شانتی کا کوٹھا کون سا ہے۔

ہمزاد چند لمحوں ہی میں واپس آگیا۔اس کے علم میں تھا کہ میں اس کا منتظر ہوں۔میں سونے سے پہلے اس سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا اور وہ بات مہ پارہ سے متعلق تھی۔ ہمزاد میں ایک صلاحیت اور تھی کہ وہ میرے جذبات پڑھ سکتا تھا۔میں جس الجھن میں ہوتا، جو کچھ سوچتا وہ اس سے باخبر ہوتا۔اس لئے اگر کبھی میں اسے طلب بھی نہ کرتا تو وہ میری اجازت لے کر حاضر ہوتا اور مجھے مشورے دیتا۔اس بات کا تجربہ مجھے کئی مرتبہ ہوچکا تھا۔ اسی لئے جب وہ شانتی کو لے کر جارہا تھا۔میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی کیونکہ میں جانتا تھا وہ باخبر ہے کہ مجھے اس سے کچھ اہم گفتگو کرنا ہے۔وہ آتے ہی بولا۔

"میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ مہ پارہ کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھے مکمل تین دن کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ مجھے اس سلسلے میں اس شہر سے باہر بھی جانا پڑے یا جو بھی صورت ہو۔ان تین دنوں میں آپ مجھے طلب کریں گے تو کام بگڑنے یا ادھورا رہنے کا خطرہ بھی ہے۔اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تین دن آپ مجھے طلب نہ کریں اور کسی طرح بغیر میرے گزارلیں۔"

"ٹھیک ہے مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے۔اس لڑکی نے میری انا کو مجروح کیا ہے میں ہر قیمت پر اس سے بدلہ لینے کا متمنی ہوں۔چاہے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔میں یہ تین دن گزارلوں گا۔" میں نے ہمزاد کو جواب دیا اور اسے رخصت کرنے سے پہلے ایک بڑی رقم اس سے طلب کی جو اس نے چند لمحوں بعد ہی مجھے لاکر دے دی۔یہ تقریباً ۲۵، تیس ہزار روپے تھے۔ روپے حفاظت سے رکھنے کے بعد میں نے ہمزاد کو تین دن کے لئے خیرباد کہا اور رات بھر کی تھکن اتارنے کے لئے

سو گیا۔ لیکن جب شام کو میری آنکھ کھلی تو مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں نے جس مقصد کے تحت روپے حاصل کئے تھے وہ تو اب لاحاصل تھا۔ کیونکہ ہمزاد سے میں نے شانتی کے گھر کا پتہ تو پوچھا ہی نہیں تھا۔ دراصل میں نے سوچا یہ تھا کہ اب میں بحیثیت رشید یار جنگ میرٹھ میں متعارف ہوں گا اور اسی حیثیت سے دیلی بازار جاکر شانتی سے ملوں گا۔ اب میں بدایوں کی طرح پراسرار بن کر اور لڑکیوں کو اپنے بارے میں کسی اور دنیا کا فرد بنا کر مزید جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اب میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ پیسے سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے اس لئے ہر مسئلے میں ہمزاد کی مدد حاصل کرنا اور اس کا محتاج رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔۔ اس کی مدد کے بغیر بھی بہت سے کام میں خود کر سکتا ہوں اور اب تو مجھے شانتی جیسی لڑکی کا چسکا پڑ چکا تھا۔ "شانتیاں" جنہیں روپوں کی جھنکار خرید سکتی ہے۔

جب میں اپنی شیروانی کی دونوں جیبیں روپوں سے بھر کر اپنے مکان سے باہر نکلا تو میرے ذہن میں صرف یہ خیال تھا کہ شانتی نہ سہی کوئی اور سہی' اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ اس دن پہلی مرتبہ میں نے اپنے اندر ایک اور ہی شیخ کرامت کو بیدار ہوتے محسوس کیا۔ شانتی نے ایک ہی رات میں مجھے بہت کچھ بدل دیا تھا۔

میں نے ایک یکہ لیا اور دیلی بازار پہنچ گیا۔ جسموں کا بازار' دیلی بازار۔ ہر بالکنی پر ایک سے ایک حسین چہرہ' ایک سے ایک گداز بدن۔ ان دنوں طوائفوں میں بھی ایک حسن تھا' ایک رکھ رکھاؤ' ایک تہذیب تھی۔

میں نے پورے بازار کا چکر لگایا مگر کسی جھروکے میں وہ چاند نظر نہ آیا جس کی مجھے تلاش تھی۔ شانتی نہ جانے کس گھر میں تھی؟ میں یوں ہی ایک کوٹھے پر چڑھ گیا لیکن ابھی زینے کی آخری سیڑھی پر ہی پہنچا تھا کہ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں الٹے پاؤں زینے سے اتر گیا۔ اپنی حماقت پر مجھے خود ہنسی آرہی تھی۔ دراصل ہمزاد کی غیر موجودگی اور پھر اس احساس نے کہ تین دن تک میں اس سے کوئی مدد نہیں لے سکتا میرے حواس گم کر دیئے تھے۔ جس خیال نے مجھے کسی طوائف کے گھر میں داخل ہونے سے روکا تھا وہ یہ تھا کہ میں بغیر ہمزاد کی مدد کے بھی یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ شانتی کا کوٹھا کون سا ہے۔ میں اپنے تصور کی قوت کو تو یکسر بھول ہی بیٹھا تھا۔

میں زینے سے اتر کر سڑک کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ جہاں ایک ۱۲ سالہ لڑکا شوقین مزاج لوگوں کے لئے بیلے اور چنبیلی کے ہار فروخت کر رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے شانتی کا تصور کیا۔

"چھن چھن چھن..... وہ شانتی تھی کہ بجلی کوند رہی تھی۔" میں نے دیکھا کہ طبلے کی تھاپ پر اس کے جسم کا ایک ایک عضو تھرک رہا تھا یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جس میں دیواروں کے سہارے گاؤ تکیئے لگائے کچھ ضعیف اور کچھ نوجوان شانتی کا رقص دیکھنے میں منہمک تھے۔ ایک طرف سازندوں کے قریب ایک ۳۵'۴۰ سالہ عورت اچھے کپڑوں میں ملبوس بیٹھی تھی۔ جو اب بھی صورت شکل اور جسم میں بری نہیں تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہی شانتی کی ماں جی ہے۔ میں اس اجنبی ماحول میں کھو سا گیا اور اس وقت چونکا جب کسی نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا "کیوں حاجی جی کیا سڑک پار کرادوں؟" میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مجھے اس نوجوان کا یہ فقرہ سن کر ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی۔ وہ کمبخت میرے آنکھیں میچ کر ایک طرف کھڑے ہونے سے شاید یہ سمجھا تھا کہ میں اندھا ہوں۔ میں نے آنکھیں کھول کر اس کا جائزہ لیا۔ ریشمی تہمد اور لکھنوی کرتے میں وہ نیا نیا شوقین لگ رہا تھا۔ میں نے اپنا غصہ پی جانا ہی مناسب سمجھا اور اس نوجوان سے بولا۔

"نہیں بھائی! بس ذرا کچھ سوچ رہا تھا۔ تمہارا شکریہ!" کسی طرح اس نوجوان کو ٹال کر میں آگے بڑھ گیا۔ کچھ لمحے پہلے پیش آنے والے واقعے پر مجھے اب خود ہنسی آرہی تھی۔ میں اب ہر کوٹھے کے نیچے ایک لمحے کو رکتا کوٹھے کے اندر کا تصور کرتا اور آگے بڑھ جاتا۔ آخر میں نے شانتی کا کوٹھا تلاش کر ہی لیا۔ میں اوپر چڑھ گیا محفل ابھی تک اسی طرح جمی ہوئی تھی۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھا اور جوتے اتار کر ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گیا۔ میں ابھی سنبھل کر بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ شانتی سے میری نظریں ملیں اور پھر تو جیسے وہ پتھر کی ہو گئی۔ اس کے اوپر اٹھے ہوئے ہاتھ اوپر ہی رہ گئے قدم جیسے جم گئے۔ میں بہرحال اس کے لئے بھی ایک پراسرار شخصیت تھا۔ غیر متوقع طور پر مجھے اپنے کوٹھے پر دیکھ کر اس کا ششدر رہ جانا قدرتی بات تھی۔ دوسرے تماش بین بھی شانتی کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ کبھی میری طرف دیکھتے کبھی شانتی کی طرف۔ جس کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ چند لمحے تھے مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے شانتی صدیوں سے اسی طرح پتھر بنی کھڑی ہے۔ وہ اس انداز میں بہت حسین لگ رہی تھی اور میں بھی جیسے اس میں کھو کر رہ گیا تھا۔ ساز خاموش ہو چکے تھے۔ اچانک شانتی کو اپنی حالت کا احساس ہوا اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے گر گئے وہ فرش پر بیٹھ کر اپنے گھنگھرو کھولنے لگی۔ اسی وقت پیچھے بیٹھی ہوئی شانتی کی ماں جی کی آواز

سنائی دی "کیوں بٹی کیا ہوا کیا اب نہیں ناچوگی؟ یہ تم گھنگھرو کیوں کھول رہی ہو؟ ابھی تو شام ڈھلی ہے' محفل جمی ہے شانتی! آخر کیا ہوا تمہیں؟"

"نہیں ماں جی! اب ہم نہیں ناچتے ہماری طبیعت کھراب ہے۔" اس کے لہجے میں عجب سی معصومیت تھی جیسے کوئی بچہ روٹھ جائے۔

"ارے تم دیکھتی نہیں یہ نئے حضرت آج ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں یہ کیا خیال کریں گے۔" ماں جی نے پھر کہا۔

شانتی اور ماں جی کی بول چال اور رکھ رکھاؤ میں زمین آسمان کا فرق تھا "ماں جی صحیح معنوں میں طوائف تھیں مگر شانتی اس فن میں شاید بالکل نووارد تھی۔ جس کی تصدیق بعد میں مجھے ہو بھی گئی۔ شانتی کو ماں جی نے نیا نیا خریدا تھا اور اس نے رات مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ دیلی بازار ہی میں پیدا ہوئی تھی اور یہیں پلی بڑھی ہے۔ دراصل اس نے مجھے وہی بتایا تھا جو اسے ماں جی نے سکھا رکھا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ تین مہینے قبل ماں جی نے شانتی کو ایک قریبی گاؤں سے پورے ۲۰۰ روپے میں خریدا تھا۔ اس زمانے میں ۲۰۰ روپے بہت ہوتے تھے۔

شانتی کو صرف رقص ہی سکھایا گیا تھا۔ نہ اسے گانا آتا تھا اور نہ وہ آداب جو طوائفوں کے لئے مخصوص تھے۔ روز رات گئے تک شانتی کا رقص ہوتا۔ کچھ رقم تو تماش بینوں سے انہیں مل جاتی اور جب محفل ختم ہوتی تو ماں جی کا اشارہ پاکر انہی میں سے کوئی رات وہاں ٹھہر جاتا جس کے لئے سارے معاملات ماں جی پہلے ہی طے کرلیتیں۔ یہ تمام باتیں مجھے کافی دن میں معلوم ہوئیں۔ میں نے پہلے اس لئے بتادیں تاکہ میری سرگزشت سنتے ہوئے شانتی کے بارے میں یہ الجھن پیدا نہ ہو کہ وہ اس قدر اجڈ کیوں تھی۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ شانتی کی ماں اسے رقص جاری رکھنے کے لئے کہہ رہی تھی لیکن جب شانتی نے اس کے کہنے کے باوجود گھنگھرو کھول دیئے تو مجبوراً اسے بھی محفل برخاست ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔ تماش بین ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ مگر ایک ضعیف العمر شخص بیٹھے رہے جب ماں جی نے انہیں بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہیں کچھ خیال آیا اور وہ شانتی کو مخاطب کر کے بولیں!

"بٹی! مرزا صاحب سے میں ایک ہفتے سے شرمندہ ہوں' روز آج کل کر رہی ہوں۔ تمہیں تو بس یہ دل و جان سے چاہتے ہیں۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تمہارے لئے پچھلے ہفتے یہ دلاور جیسے خطرناک آدمی سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے تھے آج رات......" پھر کچھ کہتے کہتے ماں جی رک گئیں۔ انہیں اچانک میری موجودگی کا خیال آگیا تھا۔ وہ میری طرف پلٹیں "معاف کیجئے گا حضور! آج بٹیا کی طبیعت کچھ ناساز ہے یار زندہ صحبت باقی' تشریف لاتے رہئے غریب خانہ آپ ہی کا ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ ماں جی کا مقصد کیا ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے ٹل جاؤں اور وہ اس ضعیف العمر شخص کو روک لیں یہ محسوس کر کے مجھے سخت غصہ آیا لیکن میرے کچھ جواب دینے سے پہلے شانتی بول پڑی!

"ماں جی ہم بولا نا کہ ہماری طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ مرجا جی کو کہدو نا... کل آجاویں۔"

اب میرے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ آخر یہ سب کیسے لوگ ہیں' یہ کیا ماحول ہے جہاں ہر جذبہ اتنا کھوکھلا اور ہر احساس اتنا بے قیمت ہے۔ شانتی جس نے مجھے ایک ہی رات میں اپنا گرویدہ بنالیا تھا وہ میرے ہی سامنے کس بے باکی سے ایک دوسرے شخص سے وعدہ وصل کر رہی تھی۔ میں نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا مگر یہاں تو رنگ ہی مختلف ہے میں ایک دم چیخ پڑا۔

"ماں جی شانتی صرف میری ہے۔ آج کے بعد یہاں کوئی مرزا صاحب شانتی کے جسم کا سودا کرنے نہیں آئے گا۔ سمجھ گئیں؟"

"جی کیا فرمایا؟ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی؟ کیا آپ اپنے ادا کئے ہوئے جملے کی قیمت دینے کے اہل ہیں؟" ماں جی نے نہایت شستہ اور نرم لہجے میں کاروبار کی بات چیت کی۔

"بولئے آپ کیا مانگتی ہیں؟" میں نے تیز ہو کر کہا۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ یہ ایک رات کا سودا نہیں' آپ نے اس سے بڑھ کر بات کی ہے۔ مگر ٹھہریئے!" ماں جی کچھ کہتے کہتے رکیں اور پھر ضعیف العمر سے مخاطب ہو کر بولیں۔

"مرزا صاحب آپ تو اس بازار کی اونچ نیچ سے اچھی طرح آشنا ہیں اگر آپ کل کسی وقت مجھ سے تخلیئے میں مل لیں تو کیا مضائقہ ہے؟"

مرزا صاحب پہلی مرتبہ بولے۔ خلاف توقع ان کی آواز ان کا جسم دیکھتے ہوئے کافی دبنگ تھی "ا مینہ بائی نئے لونڈوں کے شوق سے ہم بہت پریشان ہیں۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ جب ہم جوان تھے تو ہم بھی اسی طرح کی ڈینگیں مارتے تھے مگر اس بازار کی سیڑھیاں اترتے چڑھتے اتنا تو تجربہ ہو ہی گیا ہے کہ نئے اور پرانے پنچھی میں تمیز کر سکیں۔ یہ صاحب زادے شاید اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کوٹھے پر چڑھے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہاں کے آداب کیا ہیں۔ بہرحال! کی تو انہوں نے بدتمیزی مگر تمہارا خیال

کرکے معاف کئے دیتا ہوں کل کسی وقت دن میں آؤں گا۔" یہ کہہ کر مرزا صاحب اپنا بید اٹھا کر چل دیئے میں ان کی بات سن کر خون کے گھونٹ پیتا رہا اور کسی طرح ضبط کرگیا حالانکہ جی یہی چاہ رہا تھا کہ ان بڑے میاں کی عقل درست کردوں۔ ضبط کرنے کی ایک وجہ ہمزاد کی غیر موجودگی بھی تھی۔ مرزا صاحب کے جاتے ہی ماں جی یا امینہ بائی نے سازندوں کو بھی چھٹی دے دی اور اب کمرے میں صرف میں وہ اور شانتی رہ گئے۔ امینہ بائی پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں تو حضور آپ نے فرمایا کہ شانتی سے اب کوئی نہیں مل سکتا! بجا ارشاد گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اسے اپنا پابند کرنا چاہتے ہیں؟ جی!"

"تم جو بھی سمجھو میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ میرے علاوہ.... شانتی کے جسم کو کوئی ہاتھ لگائے۔"

"مگر شانتی کے ناچنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہوگی؟" امینہ بائی نے سوال کیا۔"

"آخر اس کی ضرورت کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کس چیز کی ضرورت ہے' کس کی نہیں۔ گستاخی معاف' یہ ہم حضور سے بہتر سمجھتے ہیں۔ جب تک بدن میں کمان کا سا کساؤ ہے دنیا اپنی ہے۔ جہاں ذرا سی کساؤ میں کمی آئی دنیا بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

"آخر تمہارا مطلب کیا ہے صاف صاف کہو۔" میں نے اکتا کر کہا۔

"شانتی کو آپ کا پابند کرنے سے پہلے میں ہر بات طے کرلینا چاہتی ہوں۔ آپ ماہانہ کیا دیں گے اور یہ کہ شانتی کو رقص کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟" امینہ بائی نے کہا۔

"تم اگر ماہانہ چاہو تو ماہانہ' روزانہ چاہو تو روزانہ' مجھے تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں۔ مجھے اس سے بھی غرض نہیں کہ تم شانتی کو نچاؤ گی کہ نہیں۔ یہ بھی تم جانو جو چاہے کرو' میری صرف ایک شرط ہے جو تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"آپ کی شرط منظور ہے مگر اب بھی رقم کی بات شاید آپ کے ذہن سے نکل گئی۔ یہ بات پہلے میں اس لئے کرنا چاہتی ہوں کہ کہیں آپ رقم سن کر اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔" امینہ بائی نے مطلب پر آتے ہوئے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں جو کہو۔"

"دو سو روپے مہینہ آپ کو ادا کرنا ہوگا۔" شانتی پوری کی پوری صرف آپ کی ہوگی رات یہاں بھی گزار سکتے ہیں اور اگر اسے ساتھ لے جانا چاہیں تو ساتھ بھی لے جاسکتے ہیں مگر صبح کوٹھے پر پہنچ جایا کرے۔"

"یہ لو! جتنے ہیں گن لو' خاصہ وقت برباد ہوچکا ہے۔ اب مزید صبر کی طاقت مجھ میں نہیں۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی دونوں جیبیں امینہ بائی کے سامنے خالی کردی۔

وہ رات میں نے اس بازار میں امینہ بائی کے کوٹھے پر شانتی کے ساتھ بسر کی۔ صبح جب میں یکہ کرکے بیگم پل پہنچا اور کرایہ ادا کرنے کے بعد سڑک عبور کرکے اپنے مکان میں داخل ہونا ہی چاہتا تھا کہ میرے قریب سے ایک باریش شخص گزرا۔ جیسے ہی اس کی نظر میرے چہرے پر پڑی وہ اس طرح اچھل پڑا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ پتہ نہیں اس نے میرے چہرے پر کیا دیکھا۔ میں جب تک اپنے مکان میں داخل نہ ہوگیا میں نے محسوس کیا کہ وہ شخص مجھے ہی دیکھتا رہا۔ مجھے اس کے اس طرح چونکنے پر تعجب ہوا لیکن زیادہ دیر تک میں اس کے متعلق نہ سوچ سکا اور نہ ہی کسی فیصلے پر پہنچا کہ وہ اجنبی شخص مجھے دیکھ کر کیوں حیران ہوا تھا۔ اس لئے کہ میرے اعصاب بری طرح شل تھے اور دماغ پر نیند کا غلبہ۔

میں سوگیا اور اس وقت جاگا جب کوئی زور زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ مجھے اس طرح دروازہ پیٹے جانے پر سخت غصہ آیا "پتہ نہیں کون بدتمیز ہے۔" میں بڑبڑاتا ہوا اٹھا مگر نہ معلوم کیوں کمرے سے نکل کر صدر دروازے تک آتے آتے میں رک گیا "آخر یہ کون ہوسکتا ہے؟ یہاں تو کوئی مجھ سے واقف بھی نہیں۔"

اسی لمحے نہ جانے کیا سوچ کر میں نے آنکھیں بند کرلیں اور صدر دروازے سے باہر کا تصور کیا۔ میں نے دیکھا کہ پولیس کے چند آدمیوں کے ہمراہ وہی باریش شخص موجود ہے۔ میرے ذہن نے گردان کی خطرہ! اور یہ سوچتے ہی مجھے وہ رات یاد آگئی جب مجھے قتل کیا گیا تھا۔ میں نے بغیر وقت ضائع کئے اور یہ جانے بغیر کہ معاملہ کیا ہے؟ یہاں سے فرار ہوجانے کا فیصلہ کرلیا۔ جلدی جلدی الٹے سیدھے کپڑے پہن کر اور جیبوں میں اوپر تک روپے ٹھونس کر میں مکان کے پچھلے دروازے سے گلیوں گلیوں کافی دور نکل گیا۔ پھر ایک سڑک پر نکل کر یکہ کیا اور یکے والے سے دہلی بازار کہہ کر پھر خیالوں میں کھو گیا۔ ہمزاد کی غیر موجودگی میں یہ بہت ضروری تھا کہ میں قدم قدم پر محتاط رہوں۔

کافی سوچنے کے بعد میں صرف ایک نتیجہ اخذ کرسکا وہ یہ کہ جس باریش شخص نے مجھے صبح دیکھا تھا وہ مجھے پہچانتا ہے۔ اس کا مجھے دیکھ کر ایک دم چونک پڑنا پھر شام کو اس کا پولیس کے ہمراہ ہونا ان تمام باتوں سے صرف ایک نتیجہ نکلتا تھا جو ہر چند کہ

میرے لئے خطرناک تھا مگر میں بہرحال اس کی تصدیق کرلینا چاہتا تھا اور اس کے لئے ضروری تھا کہ مجھے فی الحال کہیں پناہ مل جائے۔ جس کے لئے شانتی کے کوٹھے سے بہتر فی الحال کوئی جگہ نہیں تھی۔

میں شانتی کے کوٹھے پر پہنچا تو وہ ابھی تک سوئی ہوئی تھی اس وقت شاید شام کے چار بجے کا عمل تھا۔ امینہ بائی نے میرا استقبال کیا۔ صبح یہاں سے روانہ ہوتے وقت میں نے اسے بتایا تھا کہ میرا نام... رشید یار جنگ ہے اور میں جمشید پور کے نواب کا لڑکا ہوں اور اپنے باپ کی کسی بات سے خفا ہوکر میرٹھ آگیا ہوں۔ امینہ بائی یہ تمام باتیں... سن کر بڑی خوش ہوئی تھی اس نے پیشکش کی تھی کہ میں مستقل میرٹھ میں رہ جاؤں وہ ہر طرح میرے کام آئے گی۔ اسی لئے سرشام مجھے دیکھ کر وہ باغ باغ ہوگئی۔ اس نے فوراً ہی شانتی کو ایک ملازم سے جگوادیا۔ شانتی بھی مجھے اتنی جلد دوبارہ دیکھ کر حیران ہوئی اور ایک خاص ادا سے بولی "بابو تمہاری جی نا لگتا ہوگا اپنے گھر میں۔" میں کیا جواب دیتا اس کی بات سنی ان سنی کرکے میں نے امینہ بائی سے کہا "شانتی دراصل ٹھیک ہی کہتی ہے میں اکیلا ہوں اس لئے گھریوں بھی کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ پھر یہ کہ بغیر شانتی کے میں اپنے آپ کو ادھورا ادھورا محسوس کرتا ہوں اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو کچھ دن یہاں رک جاؤں؟"

"بسرو چشم! یہ تو عزت افزائی ہے کہ آپ نے غریب خانے کو اس قابل سمجھا۔" امینہ بائی نے طوائفوں کے عام ہتھکنڈے مجھ پر استعمال کردیئے۔

"دراصل ابھی میں صحیح طرح آرام بھی نہیں کرپایا ہوں۔ میں کچھ دیر اور آرام کرنا چاہتا ہوں پھر نہا دھو کر ذرا محفل میں بیٹھوں گا اس لئے کہ اب شام ڈھل رہی ہے اور تمہیں تو محفل بہرحال جمانی ہے۔" میں نے امینہ بائی سے کہا۔

اس وقت نیند مجھے بالکل نہیں آرہی تھی مگر مجھے کچھ دیر کے لئے تخلیہ چاہئے تھا تاکہ میں نے اپنے ذہن میں جو نتیجہ اخذ کیا تھا اس کی تصدیق ہوجائے۔

شانتی مجھے اندر لے جاکر ایک آراستہ کمرے میں چھوڑ آئی۔ اس کمرے میں ایک مسہری بچھی ہوئی تھی میں نے اندر سے کواڑ لگائے اور مسہری پر لیٹ گیا۔ میں نے لیٹتے ہی اپنے تصور کی قوت آزمائی اور اسی باریش شخص کا تصور کیا جو اب سے تقریباً ایک گھنٹے قبل پولیس کے ہمرا میرے مکان تک آیا تھا۔ وہ چہرہ مجھے نظر آنے لگا پھر اس کے آس پاس کا ماحول بھی اور اب میں سب کچھ دیکھ اور سن سکتا تھا "یہ جگہ تو میری دیکھی ہوئی ہے۔" میں نے سوچا "اور یہ چہرہ؟... ہوں..... یہ تو وہی نواب صاحب قبلہ ہیں۔ اچھا! تو یہ نواب صاحب کی حویلی کا مردانہ حصہ ہے۔ اور یہ کمرہ وہی کمرہ ہے جس میں ایک مرتبہ ہمزاد نے نواب صاحب کی درگت بنائی تھی۔" مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میرٹھ کے نواب صاحب گاؤ تکیہ لگائے اپنی مسہری پر محو استراحت تھے اور ان کی سامنے بچھی ہوئی کرسیوں پر تین باریش شخص بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک نواب کے طبیب خاص تھے اور ایک چہرہ میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔ وہی باریش شخص جسے میں نے صبح دیکھا تھا۔ "تو میرا خیال درست تھا۔" میں نے سوچا۔ اب میں ان کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی غور سے سن رہا تھا طبیب خاص کہہ رہے تھے۔

"نواب صاحب قبلہ! فصاحت صاحب نے جو کچھ کہا وہ بڑی عجیب سی بات ہے۔ اب تک میرے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں آیا۔ شیخ کرامت کو تو قتل کیا جاچکا ہے اور اس بات کو کافی عرصہ بھی ہوچکا ہے۔ پھر یہ کہ اس قتل کی تصدیق بھی کرائی جاچکی ہے۔ میں خود کو اس بات پر آمادہ نہیں کرپا رہا کہ یقین کرلوں کہ وہ زندہ بچ گیا یا دوبارہ زندہ ہوگیا اور ستم یہ کہ میرٹھ آگیا۔ یہ تو...."

باریش شخص جسے فصاحت کہا گیا تھا ضبط نہ کرسکا۔ اس نے طبیب خاص کی بات کاٹ کر کہا "جناب حکیم صاحب! آپ جانتے ہیں حضور کی خدمت کرتے ہماری یہ عمر ہوگئی' کبھی آپ نے ہماری زبان سے کذب نہ سنا ہوگا۔ بھلا میں جھوٹ کیوں بولتا آپ کے علم میں ہے کہ شیخ کرامت کے لئے نواب صاحب قبلہ نے جن عالموں کو بدایوں بھیجا تھا ان میں میں بھی تھا میں نے شیخ کرامت کو بدایوں میں اچھی طرح دیکھا ہے میں وہ چہرہ نہیں بھول سکتا۔"

"مگر وہ غائب کہاں ہوگیا؟ ہم نے تو اس کی اطلاع ملتے ہی فوراً سارا انتظام مکمل کردیا تھا۔ یہاں کے تمام بڑے انگریز افسران ہماری مٹھی میں ہیں تم لوگوں نے دیکھا کہ فوراً شیخ کرامت کی گرفتاری کے وارنٹ ہم نے جاری کرادیئے۔" اس مرتبہ نواب صاحب بولے۔

"حضور کے لئے تو یہ بہت معمولی بات ہے۔" اب تیسرا باریش بولا جو اب تک خاموش تھا "لیکن میری معلومات کے مطابق..... فصاحت صاحب نے جس مکان کے بارے میں کہا ہے کہ وہاں انہوں نے شیخ کرامت کو داخل ہوتے دیکھا ہے' وہ مکان کسی رشید یار جنگ نے حال ہی میں خریدا ہے اور وہی اس میں تنہا رہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معاملہ ہے؟ ویسے اگر میں بھی ایک نظر اسے دیکھ لوں تو تصدیق ہوجائے۔"

"کیا آپ لوگ اپنے کسی عمل کے ذریعے یہ معلوم نہیں کرسکتے کہ شیخ کرامت یہاں میرٹھ میں ہے یا نہیں؟ زندہ بھی ہے یا مرگیا؟" نواب صاحب نے فصاحت کو مخاطب کیا۔

"حضور! اس کے لئے چلہ کشی کرنی پڑے گی۔ آپ جانیں یہ کوئی معمولی کام تو ہے نہیں مگر اللہ کے کلام میں بڑی طاقت ہے یہ یقیناً معلوم ہوجائے گا وہ زندہ ہے یا نہیں؟ اور اگر زندہ ہے تو کہاں ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا چالیس دن کے عمل کے بعد ہی کچھ پتہ چل سکے گا۔"

"یہ چکر تو بہت لمبا ہوجائے گا۔" نواب صاحب کچھ سوچ کر بولے "حکیم صاحب کچھ آپ فرمایئے!"

ان سب کی گفتگو سن کر میں نے اندازہ لگالیا کہ مجھے یہاں پہچان لیا گیا ہے۔ میں نے مزید ان لوگوں کی گفتگو سننے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ میں اب اس طرف سے تو مطمئن تھا کہ وہ چالیس دن سے پہلے میرا پتہ نہیں چلا سکتے اور یہ چالیس دن کس نے دیکھے ہیں صرف دو دن بعد ہمزاد میرے پاس ہوگا۔ پھر تو ایک ایک سے نمٹ لیا جائے گا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب ہمزاد کے آتے ہی چن چن کر نواب کے غنڈوں اور عالموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری اگر ان لوگوں کو ٹھکانے لگادیا جائے تو مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ جب تک یہ لوگ زندہ ہیں میرے لئے خطرہ ہی خطرہ ہے میں نے سوچا۔ یہ فیصلہ کرکے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوا۔ ہمزاد کے بغیر میں بقیہ دو دن بھی بہت محتاط طور پر گزارنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ جو لوگ مجھے پہچانتے تھے' میرے قاتل تھے' ان سے میں بے خبر تھا۔ کیا معلوم کون آدمی نواب کا غنڈہ ہے اور کون ان عالموں میں سے' اسی لئے میں نے فیصلہ کیا کہ ان دو دنوں میں نہ تو میں گھر سے باہر نکلوں گا اور نہ ہی یہاں رہنے کے باوجود شانتی کے رقص کی محفل میں شریک ہوں گا۔

امینہ بائی نے شاید خاصا انتظار کرنے کے بعد میرے پاس ملازم بھیجا کہ محفل جم چکی ہے اور خود میں بھی گھنگھروؤں کی آواز سن چکا تھا۔ مگر میں نے ملازم سے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کردیا اور تنہا اسی کمرے میں لیٹا رہا۔ یہاں تک کہ ملازم نے شمع بھی خود آکر روشن کی۔ کچھ دیر بعد ہی شانتی مجھے لینے آئی مگر میں نے اسے بھی ٹال دیا۔ یہ تمام احتیاط اس وقت تک بہت ضروری تھیں جب تک ہمزاد میرے پاس نہ آجائے اور تین دن پورے ہونے سے پہلے میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے طلب کروں اس لئے کہ مہ پارہ کے بارے میں معلومات حاصل ہونا بھی بے انتہا ضروری تھا۔

وہ دو دن میں نے شانتی کے کوٹھے پر گزارے۔ امینہ بائی ہی کیا شانتی بھی مجھ سے خوش تھی۔ بقیہ دو راتوں میں شانتی نے مجھے اسیر کرلیا۔ اب مجھے محسوس ہورہا تھا کہ میں شانتی سے پہلے ادھورا تھا۔ ہاں امینہ بائی اور شانتی اس وجہ سے ذرا الجھن میں تھیں کہ میں کمرے سے باہر کیوں نہیں نکلتا۔ ان دو دنوں کی پابندی مجھے شانتی کے وجود نے محسوس ہی نہ ہونے دی۔ شانتی بس شام ہوتے ہی مجھ سے جدا ہوتی اور رات گئے سے پھر دوسرے دن شام تک میرے پاس رہتی۔

تیسرے دن صبح ہی صبح میں نے شانتی سے کہا "میں غسل کرنا چاہتا ہوں۔" رات بھر کی تھکن سے وہ نڈھال تھی مگر میرے کہنے پر وہ اٹھی لباس پہنا اور مجھے غسل خانے تک چھوڑ آئی۔ جب میں نہا کر واپس کمرے میں آیا تو وہ سوچکی تھی۔ عین اسی وقت میں نے ہمزاد کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی خوشی سے میری باچھیں کھل گئیں۔ دراصل میں ہمزاد کا اتنا عادی ہوچکا تھا کہ مجھے یہ تین دن تین صدیاں محسوس ہوئے تھے۔ میرا جی چاہا کہ میں بڑھ کر اسے گلے لگاؤں میری محبت کو شاید اس نے بھی محسوس کرلیا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ بولا "مجھے آپ کے جذبات کا علم ہے اور میں ان تین دنوں میں آپ سے بے خبر بھی نہیں رہا ہوں مجھے وہ سب کچھ معلوم ہے جو ان تین دنوں میں آپ پر گزری۔ لیکن میں اس قدر مصروف تھا کہ کوئی مداخلت نہ کرسکا۔ میں اگر یہ دیکھتا کہ پانی سر سے اونچا ہورہا ہے یا آپ کی زندگی خطرے میں ہے تو سب کام چھوڑ کر آپ کے حضور حاضر ہوجاتا لیکن میں نے دیکھا کہ آپ نے نہایت ہوشیاری اور دانشمندی سے کام لیا اور حالات کو مزید بگڑنے نہیں دیا۔ میں رات تین بجے کے بعد ہی سے یہاں اس شہر میں ہوں لیکن آپ اس وقت ناپاکی کی حالت میں تھے اس لئے میں آپ سے فوراً نہیں مل سکا۔ بہرحال گفتگو طویل ہے بہتر یہ ہے گھر چلا جائے۔"

"گھر؟" میں نے حیرت سے کہا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ....."

"مجھے سب کچھ معلوم ہے جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے عرض کیا کہ میں آپ کے حالات سے بے خبر نہیں رہا ہوں۔" ہمزاد نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"پھر؟"

"پھر یہ کہ اب اس شہر میں آپ کو پہچاننے والا ایک شخص بھی زندہ نہیں۔ میں نے تین بجے سے اب تک یونہی وقت نہیں گزارا۔" ہمزاد کی بات سن کر میں اچھل پڑا۔

"تو کیا تم نے سب کو ٹھکانے لگادیا؟" میں نے سوال کیا۔

"جی ہاں اب نہ تو نواب صاحب کا کوئی غنڈہ بچا ہے اور نہ ہی کوئی عامل۔ اب آپ کو اس شہر میں کوئی خطرہ نہیں سوائے ایک بڑے خطرے کے۔" ہمزاد نے کہا۔

"بڑا خطرہ؟"

"یہ تمام بات میں آپ کو گھر چل کر تفصیل سے بتاؤں گا۔"

میں نے شانتی کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور امینہ بائی سے رات کو آنے کا وعدہ کرکے ہمزاد کے ہمراہ بیگم پل کی طرف روانہ ہوگیا۔ گھر پہنچ کر غنودگی اور تھکن کے باوجود میں نے ہمزاد سے کہا۔

"میں جلد سے جلد مہ پارہ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تم نے اس کے بارے میں کیا کچھ معلوم کیا؟"

"مہ پارہ کے بارے میں میں الف سے لے کر ی تک سب کچھ معلوم کرچکا ہوں اور وہ سب آپ کو سنانے سے پہلے میں آپ سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ کیا آپ مہ پارہ کے خیال کو دل سے نہیں نکال سکتے؟" ہمزاد نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم؟ کیا اپنی بے عزتی بھلا دوں؟ ایک لڑکی کے سامنے سر جھکادوں؟ یہ نہیں ہوسکتا ہرگز نہیں ہوسکتا تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس کے بارے میں کیا معلوم ہوا ہے؟" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

میرے اور آپ کے لئے بہتر تو یہی تھا کہ ہم اس فتنے کو نہ چھیڑتے لیکن آپ نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے تو بہرحال میں آپ کو یہ ضرور بتادینا چاہتا ہوں کہ اس طرح نہ صرف آپ کی زندگی خطرے میں پڑنے کا امکان ہے بلکہ مجھے بھی بڑے سے بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے مثلاً میری تمام قوتیں سلب کرلی جائیں۔ میں ناکارہ و بیکار ہوجاؤں۔ میں آپ کو ہر بات سے آگاہ کئے دے رہا ہوں اب آگے آپ کو اختیار ہے جو چاہیں کریں لیکن میری اپنی رائے یہی ہے کہ مہ پارہ سے نہ ٹکرایا جائے لڑکیاں اور بہت مل سکتی ہیں۔"

"تم کیا بات کررہے ہو مسئلہ لڑکیوں کا نہیں عزت نفس کا ہے ذلت اور بزدلی کی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ آدمی مرجائے۔"

"سوچ لیجئے! میں تو آپ کے حکم کا تابع ہوں آپ جو حکم دیں گے اسے ہر طرح بجالانے کی کوشش کروں گا۔ آپ کی زندگی میں اتنی سستی نہیں سمجھتا کہ ایک لڑکی کے لئے اسے گنوا دیا جائے۔" ہمزاد نے مجھے پھر سمجھایا۔

"یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ تم مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ!" میں بولا۔ پھر ہمزاد نے مہ پارہ کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا وہ پراسرار اور عجیب ہونے کے علاوہ واقعی تشویش ناک تھا۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ بظاہر ایک معمولی سی لڑکی نظر آنے والی مہ پارہ میں اتنی پراسرار قوتیں جمع ہیں۔ ہمزاد سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ تھا "مہ پارہ کے والد یعنی نواب صاحب کے طبیب خاص ارشاد احمد خاں نے اپنی جوانی کے ایام میں موجودہ نواب کے والد بزرگوار کے ہمراہ ایک دور دراز علاقے کا سفر کیا تھا۔ طبیب خاص کی عمر اس وقت مشکل سے سولہ سترہ سال تھی۔ بڑے نواب صاحب انہیں بہت چاہتے تھے اسی لئے جب انہوں نے شیر کا شکار کرنے کے لئے افریقہ کا سفر اختیار کیا تو طبیب خاص بھی ان کے ہمراہ تھے۔ بڑے نواب صاحب کو شکار سے جنون کی حد تک شوق تھا۔ انہیں نہ معلوم کس نے بتادیا تھا کہ ٹانگانیکا سے بہتر شیر کا شکار کہیں نہیں ہوتا۔ بس بڑے نواب صاحب کو اسی دن سے ٹانگانیکا جانے کی دھن سوار ہوگئی تھی۔ حالانکہ لوگوں نے انہیں بہت سمجھایا بجھایا مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور کہتے رہے کہ اگر شیر کا شکار ہوگا تو ٹانگانیکا میں ورنہ نہیں۔ اور بغیر شیر کے شکار ہماری زندگی کا مقصد ہی کیا؟

نواب کے دربار میں طبیب خاص کے والد اس عہدے پر فائز تھے جس پر آج طبیب خاص متعین تھے۔ جب کسی طرح بڑے نواب نے اپنے سفر کا ارادہ ترک نہ کیا تو لوگوں نے ارشاد احمد خاں یعنی موجودہ طبیب خاص' مہ پارہ کے والد کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بڑے نواب کو اس سنکی پن سے روکیں اس لئے کہ ارشاد احمد خاں بڑے نواب کے منہ چڑھے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ بڑے نواب نے ارشاد احمد خاں کو بھی ساتھ چلنے کا حکم صادر فرمایا۔ اب کیا ہوسکتا تھا مجبوراً ارشاد احمد خاں کو بھی بڑے نواب کے ہمراہ ٹانگانیکا کے سفر پر روانہ ہونا پڑا۔

ٹانگانیکا پہنچ کر خیر شیر کا شکار تو دور کی بات ہے بڑے نواب ایک چڑیا نہ مار سکے۔ اس زمانے میں افریقہ کا سفر ہنسی کھیل نہیں تھا ارشاد احمد خاں جب میرٹھ سے چلے تھے تو ان کی عمر سولہ سترہ سال تھی اور جب وہ ٹانگانیکا کے ایک مقام ڈوڈوما پہنچے تو ان کی عمر پورے بیس سال ہوچکی تھی۔ نہ جانے کہاں کہاں سے ہوکر اور کس کس طرح بڑے نواب کا قافلہ افریقہ کی پراسرار زمین میں داخل ہوا۔ راستے میں وہ تھک جاتے یا کوئی بیمار پڑجاتا تو ہفتوں ایک ہی مقام پر ٹھہرنا پڑجاتا۔ ڈوڈوما پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی کہ اس علاقے میں شیروں کی کثرت ہے۔ بڑے نواب

سخت مایوس ہوئے مگر اب کیا ہو سکتا تھا سفر کی تھکن اس قدر تھی کہ فوراً واپسی بھی محال تھی اس لئے طے یہ کیا گیا کہ ایک آدھ مہینے یہاں رہ کر واپس ہوا جائے۔ ڈو ڈوما کی آبادی ان دنوں کچھ ایسی زیادہ نہیں تھی بلکہ یہ سمجھو کہ وہ شہر کی بجائے ایک معمولی سا قصبہ تھا۔ جس کے اطراف میں گھنے جنگلات تھے اور جنگلات کے بعد ریگستان۔ طبیب خاص پر بڑے نواب کی چشم عنایت رنگ لائی اور انہوں نے اپنے تمام ملازمین کو آزادی دے دی کہ وہ جہاں جی چاہے گھومیں۔ ملازمین نے یہ اجازت طبیب خاص ہی کے ذریعے حاصل کی تھی۔ ایک شام بڑے نواب کا خاص خدمت گار عبدالصمد برے حالوں میں لوٹا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ جنگلات کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا ان جنگلوں کے بارے میں مشہور تھا کہ ان میں بہت زہریلے سانپ ہیں اسی وجہ سے لوگ ان سے دور دور رہتے تھے اور ڈو ڈوما کے باشندے اجنبیوں کو بھی ان سے دور رہنے کی ہدایت کرتے تھے۔ عبدالصمد کی حالت بتا رہی تھی کہ اسے بھی کسی سانپ نے کاٹا ہے مقامی لوگ بڑے نواب کی قیام گاہ پر ٹوٹ پڑے جو چند ڈیروں پر مشتمل تھی۔ ان میں سے ہر ایک اس کوشش میں تھا کہ عبدالصمد کو بچا لیا جائے اور ہر ایک کے پاس سانپ کے کاٹے کی دوا تھی۔ وہ بڑے عجیب لوگ تھے بہر حال ڈو ڈوما کے رہنے والوں نے کسی طرح عبدالصمد کو بچا لیا۔

دوسرے دن پوری طرح ہوش میں آنے کے بعد اس نے جو کہانی بیان کی، وہ نہ صرف بڑے نواب کے لئے حیرت انگیز تھی بلکہ قافلے کا ہر شخص اسے سن کر حیران تھا۔ عبدالصمد نے بتایا کہ سرِشام جب وہ ٹہلتا ہوا ان جنگلوں کی طرف نکل گیا تو اس نے پیڑوں کے درمیان ایک قطعی برہنہ نوجوان لڑکی کو دیکھا۔ جس کے جسم پر لباس کی جگہ سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ عبدالصمد نے چاہا کہ وہ لوٹ جائے مگر اس کی نظریں اس نوجوان افریقی لڑکی سے ٹکرا گئیں۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا' اسے ایسا لگا جیسے وہ لڑکی اسے زبردستی اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی مقناطیسی قوت تھی۔ پھر جب بے خود ہو کر عبدالصمد نے چاہا کہ لڑکی کو اپنی آغوش میں بھرے تو اس کے گلے میں لپٹے ہوئے ایک سانپ نے اسے ڈس لیا۔ سانپ کے ڈستے ہی جیسے وہ اس پراسرار سحر سے آزاد ہو گیا۔ بے پناہ اذیت کے باوجود اس نے ہمت نہ ہاری اور جنگل سے بھاگ کر اپنی قیام گاہ تک آ گیا۔ عبدالصمد نے بتایا کہ سانپ کے ڈستے ہی وہ نوجوان افریقی لڑکی نہ معلوم کہاں غائب ہو گئی تھی۔ عبدالصمد کے بیان میں کسی نے دلچسپی لی ہو یا نہ لی ہو مگر ارشاد احمد خاں نے اس نوجوان افریقی لڑکی کے بارے میں ایک ایک تفصیل بار بار پوچھی۔ دراصل عبدالصمد نے نوجوان لڑکی کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ ارشاد احمد خان کے دل کو لگ گیا تھا اور ان کے دل میں بھی اس لڑکی کو ایک بار قریب سے دیکھنے کی خواہش مچلنے لگی تھی۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کسی سے نہیں کیا۔ گھنے جنگلوں میں رہنے والی اس تنہا پراسرار لڑکی کے بارے میں ڈو ڈوما کے باشندوں میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور تھیں۔ وہ سب اس کے وجود سے باخبر تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ پراسرار لڑکی سیکڑوں سال سے ان جنگلوں میں رہتی ہے اور وہ اسی طرح ہمیشہ سے جوان ہے اور جوان رہے گی۔ لڑکی کے بارے میں ان روایتوں نے ارشاد احمد خاں کو اور زیادہ مجبور کیا کہ وہ اسے ایک بار ہی سہی مگر دیکھ ضرور لیں۔ بڑے نواب صاحب اپنے ہمراہ ایک ضعیف شخص کو بھی لائے تھے جو افریقہ کی قدیم زبانوں کو سمجھنے کا اہل تھا تاکہ انہیں یہاں پہنچ کر پریشانی نہ ہو یہی ضعیف شخص بڑے نواب کے قافلے اور ڈو ڈوما کے باشندوں کے درمیان رابطہ تھا اور اسی سے یہ تمام باتیں قافلے والوں کو معلوم ہوئی تھیں۔ اس پراسرار لڑکی کے بارے میں ایک روایت یہ بھی تھی کہ وہ اب سے ساڑھے پانچ سو سال پہلے سے یہاں رہتی ہے۔ اس کی کل عمر چھ سو سال ہے جس میں ابھی پچاس برس باقی ہیں۔ پچاس سال بعد وہ مر جائے گی لیکن وہ جوان ہی مرے گی۔ ان چھ سو سالوں کا جواز وہ یہ بتاتے تھے کہ اب سے ٹھیک پچاس سال بعد اس جادوئی عمل کا اثر ٹوٹ جائے گا جو اس لڑکی کی ماں نے اس کی طویل زندگی کے لئے ساڑھے پانچ سو سال پہلے کیا تھا۔ نہ جانے کیا کیا قصے کہانیاں تھیں جو ارشاد احمد خان نے لڑکی کے بارے میں سنیں۔ ان کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ وہ جوانی کے جوش میں عبدالصمد کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بھی بھول گئے اور ایک دن ان گھنے جنگلوں میں لڑکی کو تلاش کرنے کے لئے گھس گئے۔

نہ جانے وہ کہاں سے کہاں نکل گئے۔ اور جب انہوں نے لڑکی کی تلاش سے تنگ آ کر لوٹنا چاہا تو وہ راستہ بھول چکے تھے۔ دن کے وقت بھی اس گھنے جنگل میں کسی قدر اندھیرا تھا۔ ارشاد احمد خاں بہت گھبرائے مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ کافی دیر جنگل میں بھٹکنے کے بعد ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گئے۔ ابھی وہ سنبھل کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک سانپ تیزی سے سرسراتا ہوا ان کی قریب سے گزرا۔ وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ پھر تو جیسے انہیں سانپوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ وہ بدحواس اور خوفزدہ سے اپنے چاروں طرف دائرے کی صورت میں پھیلے ہوئے سانپوں کو دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت کسی کے کھلکھلا کر ہنسنے کی

آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ آواز سامنے سے آئی تھی جب انہوں نے غور کیا تو سامنے والے پیڑ کی ایک موٹی سی شاخ پر ایک لڑکی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔

وہ پھر ہنسی اس مرتبہ اس نے اپنے منہ سے عجیب سی آواز نکالی جو بہت حد تک سسکاری سے مشابہ تھی۔ اس آواز کا ردعمل ارشاد احمد خان کے اردگرد دائرے کی صورت میں پھیلے ہوئے سانپوں پر ہوا اور وہ اپنا حلقہ توڑ کر تیزی سے اس پیڑ کی طرف بڑھے جس پر وہ پراسرار لڑکی بیٹھی تھی۔ سانپ رینگتے ہوئے پیڑ پر چڑھ گئے اور پھر ارشاد احمد خان کے دیکھتے دیکھتے ہی وہ سب لڑکی کے جسم سے لپٹ گئے۔ ارشاد احمد خان یہ سب کچھ حیرت سے دیکھتے رہے۔

کچھ دیر بعد وہ لڑکی پیڑ سے اتری۔ ارشاد احمد خاں کے قریب آئی ان کا ہاتھ پکڑا اور ایک سمت چلنے کا اشارہ کیا۔ ارشاد احمد خاں نے محسوس کیا کہ لڑکی کے ہاتھ کی گرفت دوستانہ تھی وہ اس کے ساتھ چل دیئے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کے بارے میں ڈو ڈوما کے باشندوں میں عجیب عجیب کہانیاں مشہور ہیں۔ وہ مستقبل سے بے خبر اس لڑکی کے ساتھ چلتے رہے۔ یہ سفر جلد ہی ایک بڑے سے جھونپڑے پر جا کر ختم ہو گیا۔

جھونپڑے میں جنگلی گھاس کے ایک ڈھیر پر لڑکی لیٹ گئی اس کے لیٹنے سے پہلے سانپ اس کے جسم کو چھوڑ کر نہ جانے کدھر غائب ہو گئے۔ سانپ جو اس پراسرار اور عجیب لڑکی کا لباس تھے۔ سانپ جو اس کے محافظ تھے۔ سانپ جو اس گھنے جنگل کی واحد مخلوق تھے۔ اس لئے کہ ارشاد احمد خاں نے اس جنگل میں سوائے اس جانور کے اب تک کوئی دوسرا جانور نہیں دیکھا تھا۔ لڑکی آرام سے گھاس کے بنے ہوئے چبوترے پر لیٹی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ارشاد احمد خاں کو قریب بلایا اور ایسی غیر متوقع حرکت کی کہ اگر عام حالات ہوتے تو ارشاد احمد خاں اس لڑکی کو سخت سزا دیتے۔ ہوا یوں کہ ان کے قریب پہنچتے ہی وہ اچھل کر اٹھی اور ان کا لباس تار تار کر دیا۔ پھر وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورنے لگی۔ یہاں تک کہ ارشاد احمد خاں کو نیند آنے لگی۔ وہ پیال کے بستر پر گر گئے اور سو گئے آنکھ کھلی تو گزرے ہوئے واقعات یاد آنے لگے۔ اپنی حالت کا احساس ہوتے ہی وہ گھاس کے نرم بستر سے اٹھے اور بستر کے پاس ہی پڑے ہوئے اپنے کپڑوں کو سمیٹنے لگے جو پھٹے ہوئے ہونے کے باوجود ابھی اس قابل تھے کہ ان سے ستر پوشی ہو سکے۔ انہوں نے قمیض سے لنگوٹ کا کام لیا اور پھٹے ہوئے پاجامے کو گھاس کے نیچے سرکا دیا کہ شاید کبھی کام آ جائے۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہیں اس پراسرار لڑکی کا خیال آیا کہ وہ کہاں گئی؟

وہ کچھ سوچ کر جھونپڑے کے دروازے کی سمت بڑھے لیکن دروازے تک پہنچ کر وہ ایک دم ٹھٹھک کر رہ گئے ان کی آہٹ پاتے ہی لڑکی کے محافظ ہوشیار ہو گئے تھے۔ جھونپڑے کے دروازے میں سانپوں کا ایک جوڑا پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ سانپوں کو اپنی راہ میں حائل دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ وہ پراسرار لڑکی نہیں چاہتی کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں جھونپڑے سے نکل کر کہیں جا سکیں۔ وہ الٹے پیروں جھونپڑے میں واپس ہو گئے۔ انہیں اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ بغیر لڑکی کا اشارہ پائے یہ سانپ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اس لئے کہ اس کا تجربہ انہیں اس وقت ہو چکا تھا جب انہوں نے پہلی مرتبہ لڑکی کو دیکھا تھا۔ "ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر میں اس لڑکی کی مرضی کے بغیر کچھ کروں یا اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کروں تو سانپ میرے لئے ضرر رساں ثابت ہوں۔" وہ اس طرح کے وسوسوں اور خیالوں میں ایسے گم ہوئے کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلا کہ لڑکی کب خاموشی سے جھونپڑے میں داخل ہوئی اور کب ان کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت ان کی پشت جھونپڑے کے دروازے کی طرف تھی۔ جیسے ہی لڑکی نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا وہ اچھل پڑے...... ان کے اس طرح اچھل پڑنے پر لڑکی بہت زور سے ہنسی۔ لڑکی کے ہنسنے پر انہیں غصہ آ گیا۔ وہ جھنجلا کر مڑے جوانی کے جوش میں وہ یہ بھول گئے کہ وہ کسی عام لڑکی پر ہاتھ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ لڑکی کے جسم سے جیسے ہی ان کا ہاتھ لگا ایک شدید جھٹکے نے انہیں دور پھینک دیا۔ وہ جھونپڑے کے کچے فرش پر پڑے اس پراسرار لڑکی کو خوفزدہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ لڑکی کے چہرے سے بھی غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان کا جوش اب خوف میں بدل چکا تھا اور انہیں پوری طرح احساس ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ہر طرح اس کے رحم و کرم پر ہیں۔ اپنی مجبوری اور بے بسی کا احساس ہوتے ہی انہوں نے رحم طلب انداز میں لڑکی کی طرف دیکھا۔ لڑکی نے شاید ان کی نگاہوں کا پیغام پڑھ لیا وہ ان پر جھکی اور انہیں سہارا دے کر گھاس کے بستر پر بٹھا دیا۔ اس لئے کہ جھٹکا لگتے ہی انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کے جسم کی ساری جان نکل گئی ہو۔ وہ اس وقت بے انتہا کمزوری محسوس کر رہے تھے شاید اس کی وجہ وہ ماحول اور وہ پراسرار حالات تھے جن سے وہ نبرد آزما تھے۔ پھر نہ جانے لڑکی کو کیا سوجھی کہ وہ جھونپڑے سے نکل کر ایک دم کہیں چلی گئی جب وہ کچھ دیر بعد واپس ہوئی تو اس کے دونوں ہاتھوں میں جنگلی پھل تھے جو اس نے ان کے سامنے ڈھیر کر دیئے اور اشارے کرنے

گی۔ جب وہ کچھ نہ سمجھے تو لڑکی نے ایک پھل اٹھا کر خود کھانا شروع کردیا اور انہیں بھی اشارہ کیا۔ اب ان کی سمجھ میں آگیا کہ لڑکی انہیں پھل کھلانا چاہتی ہے۔ کچھ کچھ وہ پہلے بھی سمجھ رہے تھے مگر اب وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہتے تھے کہ کہیں کوئی بات ایسی نہ ہوجائے کہ لڑکی ان سے بدگمان یا ناراض ہو کر انہیں کوئی نقصان پہنچادے۔ وہ لڑکی کی پراسرار قوتوں سے آگاہ ہو ہی چکے تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے وہ جنگلی پھل کھالئے جو ذائقے میں بدمزہ تھے۔ اسی طرح دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ اب وہ جنگل کی زندگی کے کسی حد تک عادی ہوچکے تھے۔ وہ پراسرار افریقی لڑکی بھی بہت حد تک ان سے مانوس ہوگئی تھی۔ بات اشاروں کنایوں سے نکل کر لفظوں تک پہنچ گئی تھی۔ جب ان کے سکھائے ہوئے ٹوٹے پھوٹے لفظ لڑکی بولتی تو انہیں ایسی خوشی ہوتی جیسے انہوں نے دنیا بھر کی دولت پالی ہو۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لڑکی نے بہت کم عرصے میں یہ سب کچھ سیکھ لیا تھا۔ ان کو یہاں اس کے ساتھ رہتے ہوئے مشکل سے تین مہینے بھی نہ گزرے تھے۔ انہوں نے بالکل شروع سے سب کچھ سکھادیا تھا جیسے بچوں کو بتاتے ہیں "یہ پانی ہے' یہ زمین' وہ آسمان' یہ پیڑ اور....."

لڑکی کے ساتھ اتنا عرصہ گزارنے کے باوجود ارشاد احمد خاں ابھی تک اسے پوری طرح نہ سمجھ سکے تھے۔ اس لڑکی کی حرکات و سکنات بعض اوقات اتنی عجیب و غریب اور پراسرار ہوتیں کہ ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آتا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ روز علی الصبح اٹھ کر کہیں چلی جاتی ہے' وہ کہاں جاتی ہے یہ اب تک راز تھا۔ ان کے دل میں اکثر یہ تجسس پیدا ہوتا کہ وہ معلوم کریں کہ اس لڑکی کی حقیقت کیا ہے؟ ان قصے کہانیوں میں کہاں تک صداقت ہے جو اس پراسرار لڑکی کے بارے میں ڈوڈوما کے باشندوں میں مشہور ہیں؟ وہ یہ سب کچھ جاننے کے لئے بے تاب تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس عجیب اور پراسرار لڑکی کو اپنی زبان سکھائی تھی انہیں اس بات پر بھی حیرت تھی کہ لڑکی نے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا جبکہ لڑکی کے بارے میں اس سے پہلے کے واقعات شاہد تھے کہ جس نے بھی اسے پانے کی خواہش کی سخت نقصان اٹھایا۔ اس کی تازہ مثال عبدالصمد کے ساتھ پیش آنے والا حادثہ تھا۔ انہیں کچھ کچھ اندازہ تو تھا کہ لڑکی انہیں چاہتی ہے مگر کیوں؟ اس سے وہ ناواقف تھے۔ لڑکی اب بہت حد تک ان کی باتیں سمجھنے لگی تھی اور خود بھی ان کی زبان میں اپنی بات سمجھانے کی اہل ہوگئی تھی۔ انہوں نے اس کا نام بھی رکھ دیا تھا۔ وہ اسے ساحرہ کہتے تھے۔ جب وہ اسے ساحرہ کے نام سے پکارتے تو وہ بے انتہا خوش ہوتی۔ اس نام کے معنی بھی انہوں نے اسے سمجھادیئے تھے۔

اس کے محافظ اب زیادہ تر اس کے جسم سے جدا ہی رہتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے ساحرہ سے کہا تھا کہ انہیں ہر وقت سانپوں کی موجودگی سے وحشت ہوتی ہے۔ ساحرہ نے ان پر سے کڑی نگرانی بھی اٹھالی تھی۔ وہ کسی قدر ان پر بھروسہ کرنے لگی تھی لیکن وہ اس کے باوجود خود میں اتنی ہمت نہیں پاتے تھے کہ کبھی ساحرہ کا پیچھا کرکے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ علی الصبح کہاں جاتی ہے؟ حالانکہ اب جھونپڑے کے دروازے پر سانپوں کا پہرا بھی نہیں تھا۔

لیکن یہ صورت زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکی ایک رات انہوں نے ہمت کرکے ساحرہ کے بارے میں خود اس سے سوالات کرڈالے اور یہ وہ لمحے تھے جب دنیا کی کوئی بھی لڑکی کچھ چھپانے کی اہل نہیں ہوتی۔ انہوں نے بہت غور کرنے کے بعد اس سے کچھ معلوم کرنے کے لئے اس وقت کا انتخاب کیا تھا پھر انہیں جو کچھ معلوم ہوا وہ انتہائی عجیب اور ناقابل یقین تھا۔

اس نوجوان پراسرار افریقی لڑکی نے ارشاد احمد خاں کو بتایا تھا کہ اس کا تعلق افریقہ کے ایک انتہائی قدیم قبیلے سے ہے۔ جو اب سے چھ سو سال پہلے ڈوڈوما میں برسراقتدار تھا۔ اس قبیلے کی رسومات اور عقائد افریقہ کے دیگر قبیلوں سے قطعی مختلف اور جدا تھے۔ وہ قبیلہ پراسرار علوم سے مالا مال تھا اس کا عقیدہ تھا کہ جنس ہی وجہ تخلیق کائنات ہے۔ وہ سانپ کو اپنا انتہائی مقدس دیوتا مانتے تھے۔ کوئی ساڑھے پانچ سو سال پہلے ڈوڈوما پر مقدس دیوتا کا عذاب نازل ہوا۔ ساری بستی ایک وبائی مرض کا شکار ہوگئی۔ واقعہ یہ تھا کہ لڑکی کے بھائی کو مقدس دیوتا نے ڈس لیا تھا لیکن اس کا باپ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اس نے مقدس دیوتا کا پھن کچل دیا۔ ڈوڈوما کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ کسی نے مقدس دیوتا کو مارا ہو۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دیوتا اس وقت تک کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک وہ اس کا مستحق نہ ہو۔ لڑکی کے بھائی کے بارے میں بھی لوگوں کا یہی خیال تھا کہ وہ گناہ گار تھا۔ وہ مقدس دیوتا کی عبادت گاہ میں جنسی فعل کا مرتکب ہوا تھا اور ایسا کرنا انتہائی گناہ تھا۔ وبا کا پہلا شکار لڑکی کا باپ تھا۔ وہ رات کو اچھا بھلا سویا لیکن صبح اٹھا تو اس کا سارا جسم نیلا تھا منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ تڑپ تڑپ کر مرگیا اور پھر تو جیسے سارا قبیلہ دیوتا کے ہولناک عذاب کی لپیٹ میں آگیا۔ لوگ رات کو اچھے بھلے سوتے لیکن صبح ہوتے ہوتے ان کے جسم نیلے پڑجاتے اور وہ منہ سے جھاگ نکال نکال کر دم توڑ دیتے۔

انہی حالات میں لڑکی کی ماں نے اپنی بیٹی کی زندگی کے لئے ایک عجیب اور پراسرار عمل کیا۔ وہ دیوتا کی عبادت گاہ میں گئی لڑکی اس کے ہمراہ تھی۔ وہ پورے تین دن دیوتا کے حضور میں بلکتی رہی' آخر دیوتا نے اس کی قربانی قبول کرلی۔ لڑکی نے دیکھا کہ پتھر سے تراشا ہوا مقدس دیوتا زندہ ہوگیا اس کی پھنکار سے عبادت گاہ گونج اٹھی۔ تاریک عبادت گاہ میں دیوتا کی سرخ سرخ انگارہ جیسی آنکھوں سے ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی۔ لڑکی کی ماں دیوتا کو زندہ ہوتے دیکھ کر خوشی سے سجدے میں گر گئی۔ لڑکی نے چاہا کہ گھبرا کر عبادت گاہ سے بھاگ جائے مگر اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔ لڑکی نے دیکھا کہ دیوتا نے اس کی ماں کو ڈس لیا اور پھر ایک دم عبادت گاہ پہلے کی طرح تاریک ہوگئی۔ لڑکی کو اپنی ماں کی نحیف آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"بیٹی میرا عمل پورا ہوگیا۔ دیوتا نے میری قربانی قبول کرلی۔ میں نے دعا کی تھی کہ دیوتا میری بھینٹ لے کر تجھے اپنی پناہ میں لے لیں۔ دیکھ لے دیوتا نے میری سن لی۔ اب تو ایک طویل عمر پائے گی' اتنی طویل اور بڑی عمر جو آج تک تیرے قبیلے میں کسی کو نہیں ملی۔ زہر میرے خون میں شامل ہو چکا ہے اور میں جانتی ہوں کہ کچھ دیر بعد میں مرجاؤں گی۔ اس لئے میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اسے غور سے سن۔ تیرے باپ نے بہت بڑا گناہ کیا تھا۔ سو دیوتاؤں کے قہر نے پورے قبیلے کو نیست و نابود کردیا مگر میں نے صرف تجھے بچالیا۔ تو اب دیوتا کی چہیتی ہوگی اور ہمیشہ جوان رہے گی اور جوان ہی مرے گی۔ لیکن تیرے مرنے سے پورے پچاس سال پہلے ایک اجنبی اس سرزمین پر آئے گا اس کی پہچان یہ ہوگی کہ اس کا چہرہ ہو بہو تیرے باپ کی طرح ہوگا۔ جس طرح تیرا باپ رنگ اور ناک نقشے میں قبیلے کے دوسرے مردوں سے مختلف تھا' وہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ اپنے باپ کا چہرہ یاد رکھنا وہ شخص تیرا شوہر ہوگا اور زندگی کے آخری دنوں میں تیرا ساتھ دے گا۔ تجھے اس کا انتظار کرنا ہے' وہ زمین کے کسی حصے میں ہو' دیوتا اسے کھینچ کر تجھ تک لے آئیں گے۔ دیوتا نے وہ سارے علم جو صرف مجھے آتے تھے اب تجھے بخش دیئے ہیں۔ دیوتا تجھے بتائیں گے کہ تیرے پاس کیا کیا قوتیں ہیں۔ تو رفتہ رفتہ سب کچھ جان جائے گی۔ اب ان گھنے جنگلوں میں صرف تو رہے گی سارا قبیلہ موت کی نیند سوچکا ہے اور میں بھی اب ہمیشہ کے لئے سونے والی ہوں' ہمیشہ کے لئے ....." اتنا کہہ کر لڑکی کی ماں کی آواز ڈوب گئی۔ صبح ہوئی تو لڑکی نے دیکھا کہ اس کی ماں کی لاش غائب تھی عبادت گاہ خالی پڑی تھی۔

ارشاد احمد خاں ساحرہ سے یہ سن کر چونک پڑے کہ وہ ہو بہو اس کے باپ سے مشابہ ہیں۔ اب ان کی سمجھ میں سب کچھ آچکا تھا۔ ساحرہ نے انہیں بتایا کہ وہ ہر صبح اٹھ کر اسی قدیم عبادت گاہ میں جاتی ہے جہاں اس کی ماں نے دم توڑا تھا۔ وہ قدیم عبادت گاہ اس جھونپڑے سے کچھ فاصلے پر ہی تھی۔ ان کے دل میں اس عجیب عبادت گاہ کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی جس کا اظہار انہوں نے ساحرہ سے بھی کیا۔

صبح اٹھ کر جب وہ ساحرہ کے ہمراہ اس قدیم عبادت گاہ کی طرف جارہے تھے تو ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیا چکر ہے؟ انہیں ان حالات سے کب نجات ملے گی؟ وہ کب اس پراسرار جنگل سے نکل کر مہذب دنیا میں پہنچ پائیں گے؟ ان کے خیالات کا سلسلہ اس وقت ٹوٹا جب ساحرہ نے چلتے چلتے اچانک ان کے جسم سے لپٹی ہوئی کپڑے کی دھجیاں اور پتے نوچ کر پھینک دیئے' وہ ٹھٹھک کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ساحرہ پر ایک دم یہ کیسا دورہ پڑگیا۔ انہوں نے تو اسے بڑی حد تک مہذب بنادیا تھا پھر انہوں نے دیکھا کہ ساحرہ نے اپنے جسم سے بھی پتے نوچ کر پھینک دیئے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ پوچھتے ساحرہ نے آہستہ سے کہا۔ "وہ جگہ اب قریب ہے۔"

"تو کیا اس عبادت گاہ میں جانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم لباس سے آزاد ہوں۔"

ساحرہ نے جواب دیا "ہاں دیوتا یہی چاہتے ہیں۔ عبادت گاہ میں داخل ہوتے ہی دیوتا خود ہمارا لباس بن جائیں گے۔"

لڑکی کی بات سن کر ان پر خوف سا طاری ہوگیا "نہ جانے کیا ہو؟" وہ سوچنے لگے۔ اب انہیں لڑکی کے ساتھ اس قدیم عبادت گاہ کی طرف جاتے ہوئے دہشت سی محسوس ہورہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ لوٹ جائیں مگر انہوں نے اپنے اندر اتنی ہمت نہ پائی کہ تنہا جھونپڑے کی طرف لوٹ سکیں اور پھر وہ راستے سے بھی بے خبر تھے آج اتنے طویل عرصے کے بعد وہ جھونپڑے سے پہلی مرتبہ باہر نکلے تھے۔ انہی خیالوں میں وہ اس قدیم عبادت گاہ تک پہنچ گئے جس کے بارے میں ساحرہ نے بتایا تھا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ جنگل کے اس حصے میں بھرپور روشنی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ اس حصے میں قطعی پیڑ نہیں تھے اور یہ وہی حصہ تھا جس میں اس قدیم عبادت گاہ کے کھنڈرات نظر آرہے تھے۔ آج ایک طویل عرصے کے بعد ارشاد احمد خاں نے سورج دیکھا تھا۔ ساحرہ ان کا ہاتھ پکڑے کھنڈرات کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سامنے ہی ایک نیم شکستہ سی پتھریلی عمارت نظر آرہی تھی۔ وہ

ساحرہ کے ساتھ اس عمارت میں داخل ہو گئے مگر ابھی انہوں نے ایک قدم ہی اندر رکھا تھا کہ انہیں اپنے پیروں میں کوئی چیز لپٹی ہوئی محسوس ہوئی اور پھر جیسے ہی ان کی نظر اس پر پڑی ان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ یہ ایک کالا سانپ تھا جو اب پنڈلیوں پر رینگ رہا تھا۔ ان کی چیخ سن کر لڑکی نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا' ان کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ ساحرہ نے ان سے کہا۔

"کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ عبادت گاہ میں داخل ہوتے ہی دیوتا خود ہمارا لباس بن جائیں گے؟ تم اتنے خوفزدہ کیوں ہو؟ ڈرو مت' دیوتا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ میری طرف دیکھو دیوتاؤں کا لباس پہن کر کیا میں اچھی نہیں لگتی؟" اور پھر لڑکی کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ان کے جسم پر نہ جانے کتنے سانپ رینگ گئے۔ اب سانپوں نے ان کا جسم ڈھک لیا تھا۔ ساحرہ کی بات سن کر ان کی ڈھارس تو بندھ گئی مگر وہ مطمئن نہیں ہوئے پھر اسی خوف اور ناگواری کے عالم میں انہوں نے پتھر سے تراشے ہوئے اس بڑے قد آدم سانپ کو بھی دیکھا جس کے بارے میں ساحرہ نے بتایا تھا کہ وہ ایک مرتبہ زندہ ہو گیا تھا۔ ساحرہ' ارشاد احمد خاں دونوں سر جھکائے اس سانپ کے مجسمے کے سامنے کھڑے تھے۔ انہیں اس وقت اس جگہ ایک عجیب سی وحشت اور ویرانی برستی ہوئی محسوس ہو رہی تھی' ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائیں مگر وہ ایسا نہ کر سکے اور اس وقت تک وہاں کھڑے رہے جب تک ساحرہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبداتی رہی۔ ان الفاظ سے وہ قطعی ناواقف تھے۔ شاید وہ عبادت میں مصروف تھی۔ جب وہ ساحرہ کے ہمراہ اس عجیب و غریب عبادت گاہ سے باہر نکلے اور سانپوں نے بھی ان کے جسم کو آزاد کر دیا تو ان کا خوف کچھ کم ہوا۔ لڑکی عبادت گاہ کے کھنڈرات سے باہر نکل کر بولی۔

"کچھ دیر ٹھہرو ابھی میری عبادت مکمل نہیں ہوئی۔"

پھر ارشاد احمد خاں نے ایک اور عجیب منظر دیکھا ساحرہ سورج کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ وہ بغیر پلک جھپکائے سورج کو دیکھ رہی تھی اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھ رہی تھی جسے دور ہونے کے سبب وہ سن نہ سکے۔ ان کے لئے یہ بڑی عجیب بات تھی کہ سورج کی طرف براہ راست دیکھنے کے باوجود ساحرہ کی آنکھوں سے پانی نہیں بہہ رہا تھا۔ وہ جب اپنی عبادت سے فارغ ہوئی تو ان سے بولی۔

"حرارت اور قوت کے دیوتا سورج سے آنکھ ملانے کی تاب صرف میرے قبیلے کو تھی' میری ماں نے مجھے بچپن ہی سے یہ سب کچھ سکھایا تھا۔ میں جب چاہوں اپنے جسم میں اتنی قوت پیدا کر سکتی ہوں کہ کوئی میرے جسم کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے۔ جس کا تجربہ تمہیں بھی ایک بار ہو چکا ہے۔ اب میں سمجھتی ہوں کہ میرے بارے میں تم سب کچھ جان چکے ہو۔ اب میرے اور تمہارے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ میں نے تمہارا صدیوں انتظار کیا ہے تب کہیں پایا ہے اس لئے تم سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتی۔ یہاں تک کہ میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ اب سے ٹھیک پچاس سال بعد میں مر جاؤں گی۔" یہ کہتے کہتے ساحرہ نے اپنی بانہیں ان کی گردن میں ڈال دی۔ وہ بے خود سے ہو کر بڑبڑائے۔

"نہیں! نہیں میں تمہیں نہیں مرنے دوں گا۔" پھر وہ اس کے ساتھ چل دیئے۔

ارشاد احمد خاں اب محسوس کر چکے تھے کہ حالات کتنے ہی .... عجیب و پراسرار کیوں نہ ہو' اس لڑکی کے بغیر ان کی زندگی ادھوری ہے لیکن دوسری طرف انہیں اپنے وطن اور ماں باپ کا خیال بھی تھا وہ عجیب کشمکش میں تھے کریں تو کیا کریں۔ نہ تو وہ اس لڑکی کو چھوڑ سکتے تھے جس نے ان کا صدیوں انتظار کیا تھا اور نہ ہی اپنے لوگوں اور اپنے وطن کا خیال دل سے نکال سکتے تھے۔ وہ اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ انہیں اس جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ بھی نہیں معلوم اور اگر انہوں نے ساحرہ کی مرضی کے خلاف یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تو انجام کیا ہو گا۔ ایک طرف انہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں بڑے نواب ان سے مایوس ہو کر وطن واپس نہ چلے گئے ہوں اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو وہ تنہا کس طرح اپنے وطن واپس جائیں گے؟ ان ہی خیالات نے ان کی راتوں کی نیند اور دن کا چین برباد کر دیا۔ ساحرہ نے جلد ہی ان کی بے چینی کو محسوس کر لیا اور پھر ایک رات انہوں نے سب کچھ اس سے کھل کر کہہ دیا۔

"نہ تو میں تمہارے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں اور نہ اپنے لوگوں سے بچھڑ کر۔ تم نے میرا صدیوں انتظار کیا ہے' مجھے چاہا ہے' اپنی روح کی گہرائیوں سے مجھے پیار کیا ہے' مجھے وہ سب کچھ دیا ہے جو ایک، عورت کسی مرد کو دے سکتی ہے لیکن ...... لیکن ....." کچھ کہتے کہتے وہ رک گئے۔

"رک کیوں گئے بولو! بولو نا تم کیا چاہتے ہو۔ میں اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی" پھر ساحرہ کی حوصلہ افزائی پر انہوں نے وہ بات کہہ ہی دی جسے کہنے کے لئے وہ ہفتوں سے بے چین تھے۔ وہ بولے۔

"کیا تم میرے لئے یہ قربانی دے سکو گی کہ اپنی عبادت گاہ اپنا جنگل' اپنی زمین اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دو۔"

"مگر تم مجھے کہاں لے جاؤ گے؟ میں صدیوں سے یہاں رہ

رہی ہوں' میں اپنا دیوتا چھوڑ کر تمہارے ساتھ کس طرح جا سکتی ہوں؟" ساحرہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"وہ زمین جو میں نے کبھی نہیں دیکھی نہ جانے کیسی ہو؟ نہ جانے وہاں کیسے لوگ آباد ہوں؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا! نہ میں یہ زمین چھوڑ سکتی ہوں نہ تم یہاں سے جا سکتے ہو۔"

اس رات کے بعد سے ارشاد احمد خاں جیسے بجھ کر رہ گئے۔ اب انہیں لڑکی کی پناہ میں بھی راحت نہیں ملتی تھی۔ یکساں مصروفیت ایک سے صبح و شام آخر کب تک؟

"میں خودکشی کر لوں گا۔" آخر ایک دن تنگ آ کر انہوں نے ساحرہ سے کہہ دیا۔ خدا جانے اس ایک معمولی سے فقرے کا اس پر کیا اثر ہوا کہ بولی "تم .... تم مجھے اکیلا چھوڑ جاؤ گے ..... نہیں یہ نہیں ہو سکتا میں تمہارے لئے سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہوں سب کچھ! چاہے جو کچھ ہو۔ میں کسی قیمت پر تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی' ضرور چلوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ وقت سے پہلے مجھے کوئی نہیں مار سکتا۔ ہاں! مجھے دکھ ضرور ہو گا تم شاید نہ سمجھ سکو کہ مجھے اس زمین سے کتنا پیار ہے۔ یہ جنگل' یہ پیڑ' یہ فضا' یہ ماحول میری زندگی ہے لیکن میں تمہاری زندگی کے لئے اپنی زندگی قربان کر سکتی ہوں۔"

جس دن ہمیشہ کے لئے وہ اس پراسرار جنگل کو خیرباد کہہ کر جانے والے تھے۔ ارشاد احمد خان نے دیکھا کہ ساحرہ بالکل بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ کتنا بے ساختہ پن تھا اس کے رونے میں۔ وہ بے حد متاثر ہوئے۔ وہ اکیلی ہی قدیم عبادت گاہ بھی ہو آئی تھی شاید آخری بار۔ اس کی آنکھیں روتے روتے سرخ ہو گئی تھی۔ اس کی حالت بالکل اس لڑکی کی طرح تھی جو پہلی مرتبہ اپنے میکے سے الوداع ہو رہی ہو۔ حالانکہ وہاں اسے رخصت کرنے والا کوئی نہ تھا' سوائے ان سانپوں کے جو اس وقت اس کے سارے جسم سے بری طرح چمٹے ہوئے تھے۔ جیسے چاہتے ہوں کہ وہ نہ جائے ارشاد احمد خاں نے اپنے لئے پتوں کا لباس بنا لیا تھا۔ بڑے بڑے پتوں سے انہوں نے اپنے جسم کو چھپا لیا تھا۔ انہوں نے لڑکی کے لئے بھی ایسا ہی لباس تیار کیا اور چاہا کہ وہ اپنا جسم چھپا لے تو لڑکی نے ان کے دیئے ہوئے پتے دور پھینک دیئے۔

"نہیں! اس جنگل کی آخری حد تک میرا لباس میرے دیوتا ہیں تم اس کے بعد جو پہناؤ گے پہن لوں گی۔ مگر ابھی نہیں۔" لڑکی نے پیار سے سانپوں کے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ وہ ساحرہ کے جذبات کو مجروح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آخر کار وہ دونوں جھونپڑے سے چل دیئے۔ اس وقت وہ بڑے عجیب لگ رہے تھے۔ اگر مہذب دنیا کا کوئی فرد انہیں اس حالت میں دیکھ لیتا تو نہ جانے ان کے بارے میں کیا خیال کرتا لڑکی کے سارے جسم کو سانپوں نے گھیر رکھا تھا۔

ارشاد احمد خاں نے اپنا جسم جنگلی پتوں سے ڈھانک رکھا تھا۔ ساحرہ کے چہرے پر حزن و ملال تھا لیکن ارشاد احمد خاں کے چہرے سے کسی قدر اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہرچند کہ ان کا دل انجانے وسوسوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر بڑے نواب صاحب ڈوڈوما سے چل دیئے ہوں گے تو کیا ہو گا۔ انہی خیالوں میں لڑکی کا ہاتھ تھامے وہ گھنے جنگل کے راستوں پر چلتے رہے۔ انہیں یقین تھا کہ ساحرہ اس جنگل سے نکلنے کے راستے سے بخوبی واقف ہے۔ اور یہ حقیقت بھی تھی کہ وہ اس پراسرار جنگل کے ایک ایک راستے سے واقف تھی۔ چلتے چلتے ایک عجیب قسم کی سرسراہٹ کی آواز نے ارشاد احمد خاں کو چونکا دیا۔ یہ آواز وہ بہت دیر سے سن رہے تھے مگر اپنے خیالوں میں اس طرح گم تھے کہ پہلے انہوں نے اس پر کوئی توجہ ہی نہ دی تھی۔ وہ جن راستوں سے گزر رہے تھے وہاں جنگل اتنا گھنا تھا کہ سورج کی کرنیں دن کے باوجود زمین پر نہیں پہنچ رہی تھیں۔ ہلکا ہلکا دھندلکا ہر طرف پھیلا ہوا تھا اس لئے وہ قریب و دور واضح طور پر کچھ دیکھنے کے قابل نہ تھے انہوں نے ساحرہ سے پوچھا۔

"تم سن رہی ہوں ساحرہ یہ سرسراہٹ؟"

لڑکی نے آہستہ سے جواب دیا "ہوں۔"

"یہ آوازیں کیسی ہیں؟" ارشاد احمد خاں نے پھر سوال کیا۔

"یہ اس جنگل کے قدیم باشندے ہیں۔ وہ مجھے الوداع کرنے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ میرا ان کا صدیوں کا ساتھ ہے کیا تمہیں کچھ خوف محسوس ہو رہا ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں! میں تو دراصل جاننا چاہتا تھا کہ یہ آوازیں کیسی ہیں۔"

اب ارشاد احمد خاں اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ساحرہ کا اشارہ کس طرف ہے وہ سرسراہٹ سانپوں کے رینگنے کی تھی انہیں یہ سب کچھ بڑا عجیب سا لگا۔ انہوں نے سوچا "کتنا عجیب ہے یہ جنگل کہ اس میں سوائے سانپوں کے کوئی جانور نہیں۔ سانپ جو ساحرہ کے دیوتا ہیں۔ سانپ جو اس جنگل کے قدیم باشندے ہیں۔ سانپ جو جنگل کی آخری حدود تک ساحرہ کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔" پھر انہوں نے محسوس کیا کہ وہ سرسراہٹ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ انہوں نے ساحرہ سے ایک مرتبہ پھر استفسار کیا۔ ساحرہ نے انہیں بتایا کہ اس جنگل میں

ہزاروں لاکھوں سانپ ہیں جو رفتہ رفتہ سانپوں کے اس قافلے میں شامل ہوتے جارہے ہیں۔ جو اسے ڈوڈوما کی آبادی تک چھوڑنے جارہا ہے ان کا جی چاہا کہ ساحرہ سے پوچھیں کہ ان سانپوں کو اس کے جانے کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔ سانپوں کو کس طرح پتہ لگ گیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے جنگل چھوڑ کر جارہی ہے؟ مگر انہوں نے اس سے یہ سوال نہیں کیا۔ اس لئے کہ اب تک خود ان کی آنکھوں کے سامنے ایسے عجیب واقعات گزر چکے تھے جن کی کوئی واضح توجیہہ ان کے لئے مشکل تھی۔ وہ ساحرہ کا ہاتھ تھامے آگے بڑھتے رہے۔ نہ معلوم یہ جنگل کتنا وسیع و عریض تھا۔ انہیں جھونپڑے سے چلے کافی وقت گزر چکا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ساحرہ سے کچھ دیر ٹھہرنے کے لئے کہیں کیونکہ وہ تھکن محسوس کررہے تھے مگر ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ساحرہ نے انہیں مخاطب کیا۔

"اب ہم آبادی کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم کچھ پتے جمع کرلو تاکہ تمہاری خواہش کے مطابق ان سے میں اپنا جسم چھپا سکوں۔"

ارشاد احمد خاں اچھل پڑے۔

"کیا؟ کیا واقعی ہم آبادی کے قریب پہنچ چکے ہیں؟" ان کی آواز جذبات سے تھرتھرا رہی تھی۔

"ہاں!" اس نے بجھے بجھے انداز میں جواب دیا۔

"یہاں سے ہم جیسے ہی دائیں طرف مڑیں گے، اجالا دکھائی دینے لگے گا۔"

ساحرہ کے لہجے سے ارشاد احمد خاں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس جنگل کو چھوڑ کر خوش نہیں ہے۔ مگر یہ موقع اس کا نہیں تھا کہ وہ زیادہ دیر تک اس لڑکی کے بارے میں سوچتے۔ انہیں تو اپنے مستقبل کی فکر تھی اور اس وقت وہ سوائے بڑے نواب کے کچھ اور سوچنا نہیں چاہتے تھے۔ جب بڑے نواب صاحب انہیں دیکھیں گے تو ایک دم خوشی سے اچھل پڑیں گے۔ وہ نہ جانے کب تک ان ہی خیالوں میں کھوئے رہتے کہ ساحرہ نے انہیں چونکا دیا۔

"تم کہاں کھو گئے؟ میں نے تم سے کچھ کہا تھا نا؟"

"ہاں! ہاں وہ تو میں بھول ہی گیا۔" ارشاد احمد خاں کو یاد آگیا۔ ساحرہ نے ان سے پتے جمع کرنے کے لئے کہا تھا۔ انہوں نے جلدی جلدی زمین پر پڑے ہوئے چھوٹے بڑے پتے اٹھانے شروع کردیئے لیکن اب مسئلہ کپڑے کی دھجی کا تھا وہ تو جھونپڑے ہی میں رہ گئی تھی۔ بغیر اس کی مدد کے وہ کس طرح پتے اس کی کمر سے باندھتے؟

"اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنے دیوتاؤں کو اپنے ساتھ ساتھ بستی تک لے چلوں وہ مجھے وہاں چھوڑ کر لوٹ آئیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ دیوتا اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے جب تک انہیں کوئی نہ چھیڑے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم لباس کے لئے پریشان نظر آرہے ہو اور میں بھی جلدی میں یہ بھول گئی کہ کپڑے کی دھجیاں تو جھونپڑے ہی میں رہ گئیں، تم پتوں کا لباس کس طرح بناؤ گے؟"

وہ اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئے۔ پھر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ صورت بہتر ہے جو اس نے بتائی ہے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن بستی میں پہنچ کر جیسا کہ تم نے وعدہ کیا ہے اپنے دیوتاؤں کو رخصت کردو گی۔" اس نے اثبات میں سرہلایا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف مڑ گئی۔ اس کے کہنے کے مطابق دائیں طرف مڑتے ہی انہوں نے اجالا دیکھا، جنگل کی حدود اب ختم ہوچکی تھیں۔ اجالا ہوتے ہی ارشاد احمد خاں نے اپنے آس پاس دیکھا اور ایک لمحے کے لئے وہ خوف سے کانپ گئے ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں سینکڑوں ہزاروں سانپ زمین پر رینگ رہے تھے انہوں نے خوف زدہ ہوکر ساحرہ سے پوچھا۔

"کیا ہمارے ساتھ بستی میں یہ بھی جائیں گے؟"

"تمہیں آخر میرے دیوتاؤں سے اتنی نفرت کیوں ہے۔" لڑکی نے کسی قدر خفگی سے کہا "حالانکہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ جنگل ختم ہوتے ہی وہ سب لوٹ جائیں گے۔"

"معاف کرنا ساحرہ میرے ذہن سے یہ بات نکل ہی گئی تھی۔ تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ جو چیزیں تمہارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ میرے لئے کتنی پراسرار اور عجیب ہیں۔" ارشاد احمد خاں ذرا سنبھل کر بولے۔ وہ بہرحال اسے ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے۔ پھر وہ منظر بڑا ہی عجیب تھا جب ہزاروں سانپوں نے بیک وقت اپنے پھن اٹھا کر لڑکی کو رخصت کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ساحرہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

دوپہر ڈھل رہی تھی جب وہ اس مہیب جنگل سے نکل کر ڈوڈوما کی آبادی میں داخل ہوئے، اچانک بستی میں کھلبلی سی مچ گئی۔ وہ منظر خود ڈوڈوما کے باشندوں کے لئے بڑا عجیب اور حیرت انگیز تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان سب ہی ان کے گرد جمع ہوگئے۔ ارشاد احمد خاں نے دیکھا کہ وہ سب ان کے سامنے سجدہ ریز تھے۔ پھر وہ زمین سے اٹھے اور ان کے گرد حلقہ بنا کر رقص کرنے لگے ایک عجیب وحشت ناک رقص جو اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ تصویر حیرت بنے یہ سب دیکھ

رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں؟ رقص اپنے شباب پر تھا، ڈھول کی تھاپ پر وہ اس وقت تک رقص کرتے رہے جب تک کہ ساحرہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رقص کرنے سے منع نہ کردیا۔ مجمع سے ایک شخص آگے بڑھا وہ ساحرہ کے قریب پہنچ کر گھٹنے کے بل بیٹھا اور اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا۔ لڑکی نے اپنا ایک ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا پھر وہ شخص ارشاد احمد خاں کے سامنے اسی طرح بیٹھا اور ان کے ہاتھ بھی پکڑنے لگا پہلے تو وہ کچھ سٹپٹائے پھر کچھ سوچ کر انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس شخص نے وہی عمل ان کی ساتھ دہرایا۔ انہوں نے ساحرہ کا اشارہ پاکر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ شخص الٹے پیروں مجمع کی طرف لوٹ گیا۔ اسی وقت ارشاد احمد خاں نے مجمع میں کچھ گڑبڑ دیکھی۔ انہیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کچھ لوگ جو پیچھے کھڑے تھے لوگوں کا حلقہ توڑ کر آگے آنا چاہتے ہیں۔ وہ شخص جس کے بارے میں اب وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ قبیلے کا سردار ہے مجمع میں گڑبڑ دیکھ کر پلٹا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ابھی کچھ دیر پہلے ساحرہ کا اور ان کا ہاتھ چوما تھا۔ اب اس کے کسی محافظ نے اسے نیزہ بھی تھما دیا تھا اس نے نیزہ ہوا میں بلند کرتے ہوئے مجمع کی طرف دیکھ کر کچھ کہا جسے وہ نہیں سمجھ پائے۔ وہ غالباً ڈوڈوما کی مقامی زبان تھی لیکن گڑبڑ ختم ہوگئی۔ مجمع ہی میں سے کسی نے ایک شخص کو پکڑ کر دائرے میں کھینچ لیا۔ وہ غالباً انہی میں سے ایک تھا جو پیچھے سے آگے آنے کی کوشش کررہے تھے۔ سردار کا نیزہ بلند ہوا اور اسی وقت ارشاد احمد خان کی نظر اس شخص کے چہرے پر پڑی۔ اس سے پہلے کہ سردار کا نیزہ اس کے سینے میں اتر جاتا، ارشاد احمد خاں یہ جانتے ہوئے بھی کہ افریقی سردار ان کی زبان نہیں سمجھتا وہ بہت زور سے چیخے "رک جاؤ! اسے نہ مارو۔" ان کا یہ چیخنا کارآمد ہی ثابت ہوا اس لئے کہ افریقی سردار کا اٹھا ہوا نیزہ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ ان کے چیختے ہی سردار ایک دم ان کی طرف متوجہ ہوکر حیرت سے دیکھنے لگا تھا۔ اس شخص کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا وہ ٹکٹکی باندھے ارشاد احمد خاں کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک ساحرہ نے ان کو مخاطب کیا "کون ہے یہ؟ کیا تم اسے جانتے ہو مجھے لگتا ہے میں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہے۔"

"یہ سب کچھ تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ فی الحال اپنے ہم وطنوں کو رخصت کردو۔" انہوں نے جواب دیا۔

پھر ساحرہ نے نہ جانے ان سے کیا کہا کہ وہ سب آناً فاناً شور مچاتے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اب میدان میں صرف چھ سات آدمی تھے جو صورت سے افریقی نہیں لگتے تھے مقامی باشندوں کے چلے جانے کے بعد ارشاد احمد خاں نے آگے بڑھ کر اس شخص کو گلے لگالیا جس کی زندگی ابھی کچھ دیر پہلے انہوں نے بچائی تھی۔ یہ شخص بڑے نواب کا خدمتگار عبدالصمد تھا۔ وہی عبدالصمد جسے ساحرہ کے دیوتاؤں نے ڈس لیا تھا۔ بقیہ لوگوں سے بھی ارشاد احمد خاں گلے ملے۔ یہ تمام کے تمام بڑے نواب کے قافلے ہی کے افراد تھے۔

کچھ دیر بعد ارشاد احمد خاں، ساحرہ اور دیگر افراد ان خیموں تک پہنچ گئے جن میں بڑے نواب اور ان کے قافلے کے دوسرے افراد ٹھہرے ہوئے تھے۔ راستے میں عبدالصمد نے بتایا جیسے ہی ہم نے زور زور سے ڈھول بجنے کی آوازیں سنیں ہم اپنے خیموں سے نکل کر ادھر روانہ ہوگئے جدھر سے آوازیں آرہی تھیں۔ ہمارے ساتھ خاں صاحب احمد یار بھی تھے جو ان افریقیوں کی زبان سمجھتے ہیں۔ مجمع کے قریب جاکر خاں صاحب احمد یار نے ایک مقامی باشندے سے صورت حال معلوم کی تو پتہ چلا کہ صدیوں سے جنگل میں تنہا رہنے والی پراسرار لڑکی پہلی مرتبہ آبادی میں آئی ہے اور اس کے ہمراہ ایک مرد بھی ہے۔ وہ صرف اتنا ہی بتا سکے۔ وہ لڑکی کو اپنی دیوی اور مرد کو دیوتا بتا رہے تھے۔ ہم لوگ یہ دیکھنے کے لئے بے تاب تھے کہ وہ مرد کون ہے اس لئے کہ ہمیں نہ معلوم کیوں یہ خیال تھا کہ وہ آپ ہوں گے کیونکہ آپ ہی اس پراسرار جنگل میں جاکر غائب ہوگئے تھے۔ اسی سبب سے ہم نے لوگوں کو ہٹا کر آگے بڑھنے کی کوشش کی اور یہ ہنگامہ کھڑا ہوگیا پھر جو کچھ ہوا آپ کے سامنے ہے مگر یہ تو بتایئے کہ......" انہوں نے عبدالصمد کی بات کاٹ کر کہا۔

"سب کچھ بتاؤں گا پہلے مجھے بڑے نواب صاحب کے حضور تو پہنچ جانے دو مجھے بھی تم لوگوں سے بہت کچھ دریافت کرنا ہے۔"

ساحرہ کو ایک خیمے میں چھوڑ کر اور کپڑے تبدیل کرکے جب وہ بڑے نواب صاحب کے خیمے میں پہنچے تو بڑے نواب انہیں سینے سے لگا کر آبدیدہ ہوگئے۔

"میں نے قسم کھائی تھی کہ میں تمہارے بغیر یہاں سے نہیں لوٹوں گا۔"

کافی دیر بڑے نواب سے گفتگو کرنے کے بعد جب وہ اس خیمے میں واپس ہوئے جس میں ساحرہ کو چھوڑ کر گئے تھے تو خیمے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹھک کر رہ گئے۔ ساحرہ بالکل برہنہ بیٹھی تھی اور اس کے چہرے سے بے حد خفگی کا اظہار ہورہا تھا وہ ڈرتے ڈرتے اس کے قریب گئے اور بولے۔

"ساحرہ! کیوں کیا ہوا..... وہ... وہ تمہارے سانپ کہاں گئے؟"

"کیا تم بھول گئے میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ بستی میں پہنچ کر میں اپنے دیوتاؤں کو رخصت کردوں گی۔ میں نے تمہارے جاتے ہی انہیں رخصت کردیا تھا۔ تم نے مجھے ابھی تک پہننے کے لئے کچھ نہیں دیا۔ میں یہاں اتنی دیر سے تنہا بیٹھی ہوں' اس عرصے میں یہاں لوگوں کا تانتا لگا رہا کبھی کوئی خیمے میں جھانک کر جارہا ہے کبھی کوئی۔ مجھے یہاں ایک لمحے کے لئے سکون نہیں ملا۔" ساحرہ کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سخت برہم ہے۔ ان کو بھی اب حالات کی نزاکت کا احساس ہوا۔ انہیں واقعی بڑے نواب کے پاس اتنی دیر نہیں لگانی چاہئے تھی یا اگر ایسا ہی تھا تو کم از کم اس کے لئے کپڑوں کا انتظام کرکے جانا تھا۔ انہوں نے اپنے اس عمل پر سخت ندامت محسوس کی اور بغیر کسی جھجھک کے اس سے معافی مانگ لی۔ انہیں قافلے کے لوگوں پر بھی غصہ آرہا تھا انہیں اتنی بدتمیزی کی توقع نہیں تھی لیکن اب کیا پتہ کون لوگ تھے وہ؟ قافلے میں تو پچیس تیس افراد تھے انہوں نے اپنا غصہ پی جانا ہی مناسب سمجھا۔ ساحرہ کو انہوں نے منالیا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ قافلے میں تمام ہی مرد تھے۔ اس لئے مجبوراً ساحرہ کو انہوں نے اپنے ہی کپڑے پہنادیئے بہرحال وقتی طور پر تو ستر پوشی ہو ہی گئی تھی۔

ارشاد احمد خاں نے بڑے نواب کو اول سے آخر تک اپنی تمام روداد سنادی تھی اور ساحرہ کے بارے میں بھی سب کچھ بتادیا تھا۔ بڑے نواب سے انہیں معلوم ہوا تھا کہ اس کی پراسرار گمشدگی کے بعد تقریباً ہر روز خود بڑے نواب چند افراد کے ساتھ اس گھنے جنگل میں اس کی تلاش میں جاتے تھے لیکن اس خوف سے کہ کہیں راستہ نہ بھٹک جائیں' جنگل میں زیادہ دور جانے سے اجتناب کرتے تھے۔ انہیں ضد ہوگئی تھی کہ جب تک وہ ارشاد احمد خاں کو مردہ یا زندہ ڈھونڈ نہ نکالیں گے' ڈوڈوما چھوڑ کر نہیں جائیں گے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اور بڑے نواب کی یہی ضد ارشاد احمد خاں کے کام آئی ورنہ ممکن تھا کہ وہ ڈوڈوما سے کبھی نہ نکل پاتے۔

چند دن بعد ہی بڑے نواب کا قافلہ ڈوڈوما سے ہندوستان کے لئے روانہ ہوگیا۔ ایک طویل عرصے کے بعد ارشاد احمد خاں بڑے نواب کے ہمراہ اپنے وطن میرٹھ پہنچ گئے۔ میرٹھ میں شروع شروع تو ساحرہ کی بابت عجیب عجیب.... کہانیاں گشت کرتی رہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ لوگ ان کہانیوں کو بھولتے گئے۔ ارشاد احمد خاں نے بڑے نواب کے ایما پر وطن پہنچتے ہی ساحرہ سے شادی کرلی تھی۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ شادی صرف ایک ڈرامہ تھی تاکہ لوگوں کے منہ بند کئے جاسکیں کیونکہ ساحرہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر اپنا آبائی مذہب تبدیل کرنے پر تیار نہیں ہوئی تھی۔ لوگوں میں اس وقت بہت چہ میگوئیاں ہوئیں جب شادی کے چار ماہ بعد ہی ان کی ہاں لڑکی پیدا ہوئی مگر کسی طرح بڑے نواب نے اس واقعے کو بھی دبا دیا۔ اس لڑکی کا نام مہ پارہ رکھا گیا۔ مہ پارہ کو بچپن ہی سے ساحرہ نے اپنی کڑی تربیت میں رکھا تھا۔ ساحرہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی مہ پارہ اپنے باپ کا مذہب اختیار کرے۔

مہ پارہ بچپن ہی سے بہت عجیب وغریب لڑکی تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ افریقی عورت کے بطن سے پیدا ہونے کے باوجود اس کا ناک نقشہ افریقی نہیں' ہندوستانی تھا۔ وہ کسی بھی طرح ساحرہ کی اولاد نہ لگتی تھی۔ وہ بارہ تیرہ سال کی عمر تک سارے پراسرار علوم سیکھ چکی تھی جو اس کی ماں ساحرہ جانتی تھی ارشاد احمد خاں نے لاکھ چاہا کہ ان کی بیٹی اپنی ماں کی روش پر نہ چلے مگر ممکن نہ ہوا تیرہ سال ہی کی عمر میں ساحرہ نے اسے وہ سب کچھ بتادیا اور سمجھادیا تھا جو لڑکیاں بہت بعد میں سیکھتی ہیں۔ ارشاد احمد خاں کو اس واقعے کی سن گن لگی تو وہ سخت برہم ہوئے مگر ساحرہ کے آگے دم مارنے کی ان میں بھی مجال نہ تھی۔ ساحرہ اپنی ماں کی پیش گوئی کے مطابق پچاس سال زندہ رہی۔ حیرت انگیز بات یہ کہ انتقال کے وقت وہ ہمیشہ کی طرح جوان تھی۔ آپ کو شاید یہ سن کر تعجب ہو کہ مہ پارہ کی عمر اب تقریباً ۵۵ سال ہے مگر اپنی ماں ہی کی طرح وہ اب تک ہر اعتبار سے جوان ہے۔ میں نے مہ پارہ کا ماضی جاننے کی لئے گذرے زمانوں میں سفر کیا ہے۔ اس سلسلے میں چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بھی میں نے نظرانداز نہیں کی۔ مہ پارہ کے بارے میں سب کچھ جاننے کے لئے بے حد ضروری تھا کہ اس کے والدین کے بارے میں پوری تحقیق کی جائے۔ اسے یہ پراسرار قوتیں کہاں سے اور کیسے ملیں؟ میں نے سب کچھ معلوم کرلیا ہے۔ اس قدر تفصیل کے بعد آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ اس کے پاس کیسی کیسی ناقابل فہم اور پراسرار قوتیں ہوں گی۔ یہ اور بتادوں کہ مہ پارہ کوئی نیک اور پارسا لڑکی نہیں ہے' اس کا مذہب ہی جنس ہے۔ وہ جنس ہی کو اپنا دیوتا مانتی ہے اور بغیر کسی حسین اور خوب صورت لڑکے کے اس کی کوئی رات نہیں گزرتی۔ وہ ایک رات بھی تنہا سونا پسند نہیں کرتی اور اس کے لئے وہ اپنی پراسرار قوتوں کو بروئے کار لاتی ہے۔ ارشاد احمد خاں کے علم میں سب کچھ ہے مگر سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ مہ پارہ کو ان حرکتوں سے باز نہیں رکھ سکتے اور اب تو یوں بھی وہ کافی ضعیف ہوچکے ہیں۔ میں نے یہ تمام حالات بتانے سے پہلے ہی

عرض کیا تھا کہ مہ پارہ سے نہ ٹکرایا جائے تو اچھا ہے۔ میں پھر اپنی اس بات کو دہراؤں گا۔ وہ ایک انتہائی خطرناک اور پراسرار لڑکی ہے ممکن ہے کہ اس سے ٹکراؤ کی صورت میں ہمیں نقصان اٹھانا پڑے۔

ہمزاد نے اپنی تمام تگ ودو اور جو کچھ معلوم ہوا اس سے مجھے آگاہ کیا۔ یہ سب کچھ میرے لئے بھی انتہائی حیرت انگیز تھا۔ حالانکہ میں خود ..... اب تک ایسے عجیب اور پراسرار واقعات سے گزر چکا تھا کہ اگر کسی دوسرے پر گزرے ہوتے اور میں سنتا تو کبھی یقین نہ کرتا۔ اس وقت میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہمزاد کے مشورے اپنی جگہ پر تھے مگر میں کس طرح اپنی توہین بھلا دیتا۔ یہ میرے لئے ناممکن تھا۔ آخر کچھ دیر غور کرنے کے بعد میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"میں نے مہ پارہ کے بارے میں سب کچھ سن لیا ہے مگر یہ سب جاننے کے باوجود میرا آخری فیصلہ یہی ہے کہ اس لڑکی کو میرے سامنے جھکنا پڑے گا چاہے اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ میں بے عزت ہوکر زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس وقت تم جاؤ میں رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ سوکر اٹھنے کے بعد میں تمہیں پھر طلب کروں گا۔"

"آپ کا جو حکم! مجھ پر فرض تھا کہ آپ کو حالات سے آگاہ کردوں اور میں نے اپنا فرض پورا کردیا۔ اب جو آپ کا فیصلہ ہو مجھے بسروچشم قبول ہے۔" یہ کہہ کر ہمزاد رخصت ہوگیا اور اس کے جاتے ہی میں سوگیا۔

میں جاگا تو شام ہوچکی تھی۔ میری آنکھوں میں شانتی کا حسین سراپا گھومنے لگا "وہ بھی اب سوکر اٹھی ہوگی" میں سوچنے لگا "کیا شانتی میرا روزمرہ بن جائے گی؟ شانتی یا مہ پارہ؟" میں نے خود سے سوال کیا۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ میں اپنے ذہن سے مہ پارہ کا خیال جھٹک دیتا۔

"کیا یہ میرے لئے ممکن ہے؟"

"نہیں" جیسے میرے اندر سے کسی نے جواب دیا "شانتی شانتی ہے اور مہ پارہ مہ پارہ۔ کوئی بھی کسی کا بدل نہیں۔"

میں بہت دیر تک گزرے ہوئے واقعات کے متعلق سوچتا رہا۔ عجیب اور پراسرار واقعات جن سے پے درپے میں دوچار ہوا تھا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں ایسے حالات سے گزروں گا۔ ہمزاد کو قابو میں کرکے ایک مثالی زندگی گزارنا' پھر میرا قتل ہوجانا' قتل کے بعد دوسرا جسم حاصل کرنا یہ سب کچھ ناقابل فہم سا تھا جیسے میں نے کوئی ہولناک خواب دیکھا ہو۔ مگر جو حقیقت مجھ پر گزری تھی اس سے انکار کس طرح ممکن تھا۔ میں نے اپنے قاتلوں سے انتقام لے لیا تھا مگر اب بھی میرے اصل دشمن اس شہر میں زندہ تھے جن کے سبب مجھے موت کے تلخ تجربے سے گزرنا پڑا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میرے قتل میں جتنا ہاتھ طبیب خاص ارشاد احمد کا ہے اتنا کسی کا نہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنی ذہانت سے یہ پتہ نہ چلا لیتے کہ میں کس شہر میں ہوں تو نواب صاحب کے غنڈے مجھ تک پہنچ ہی نہ پاتے۔ مہ پارہ کو حاصل کرنے اور اس کے حسن خداداد سے فیض یاب ہونے کی خواہش میں بھی بڑی حد تک انتقامی جذبے کو دخل تھا۔ لیکن حالات ایسا رخ اختیار کرچکے تھے کہ ارشاد احمد خاں سے انتقام لینے کا جذبہ اب دوسرے درجے پر آگیا تھا۔ مہ پارہ نے میری سرکش انا پر وہ ضرب لگائی تھی کہ میری روح تک مجروح ہوگئی تھی۔ ہمزاد کو قابو میں کرنے کے بعد میں اتنا خود سر اور انا پرست ہوچکا تھا کہ میرے لئے یہ سوچنا تک عذاب تھا کہ میں مہ پارہ کو حاصل نہیں کرسکتا۔ میری عادتیں ہمزاد نے بگاڑ دی تھیں۔ ناممکن کا لفظ ہی میری لغت میں نہیں تھا لیکن مہ پارہ کے بارے میں ہمزاد بھی جھجک رہا تھا۔ ہمزاد کو طلب کرنے سے پہلے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مہ پارہ کو دیکھوں۔ میں نے اپنے تصور کی قوت کو آزمایا' میری چشم تصور میں اس وقت مہ پارہ کا حسین چہرہ تھا اور پھر میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرا خون کھولا دینے کے لئے کافی تھا۔ میں اس نوجوان کو پہچان گیا جو اس وقت مہ پارہ کے پاس موجود تھا "تو کیا میں نواب صاحب کے منظور نظر اس آوارہ لونڈے سے بھی بدتر ہوں جو مہ پارہ نے مجھے ٹھکرا دیا؟" میں سوچ رہا تھا اور وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جس نے میرے خون کی گردش تیز کردی تھی۔

"راحت! ہمیں دیکھا جارہا ہے۔ میں محسوس کررہی ہوں کہ کوئی پوشیدہ آنکھ ہماری تمام حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی ہے۔"

مگر وہ نوجوان اس وقت سرشاری اور بے خودی کی ان منزلوں میں تھا کہ اگر کوئی اس سے یہ بھی کہہ دیتا کہ دنیا تباہ ہونے والی ہے تو وہ اس پر کان نہ دھرتا۔

میں اب ضبط کی انتہائی منزلوں کو چھو رہا تھا۔ میں اس سے زیادہ کی تاب نہ لاسکا حالانکہ مہ پارہ کا حسین جسم میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور جی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی طرف سے نظریں ہٹائی جائیں۔ مہ پارہ کی اس بات پر ضرور تعجب تھا کہ اسے کس طرح خبر ہوگئی کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے یقیناً اس کی پراسرار قوتیں اس وقت بیدار تھیں۔ لیکن غصے اور انتقام نے مجھے اندھا کر رکھا تھا۔ میں زیادہ دیر اس بات پر غور نہ کرسکا۔ میں نے اسی لمحہ ایک فیصلہ کیا اور اس پر عمل کرنے کے لئے فوراً ہمزاد کو طلب کیا ہمزاد

کے آتے ہی میں نے اسے حکم دیا۔

"فوراً مہ پارہ کے گھر جاؤ اور جو نوجوان اس وقت اس کی خواب گاہ میں ہے اسے اسی حالت میں بے ہوش کر کے بیگم پل سے دور کسی آباد چوراہے پر پھینک آؤ!" ہمزاد میرا حکم سن کر سکتے میں رہ گیا وہ ہکلایا۔

"آپ..... آپ آگ سے کھیل رہے ہیں۔"

"بکومت!" میں حلق کے بل چیخا "میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔" میرا حکم سنتے ہی وہ سہا ہوا سا رخصت ہوگیا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ابھی مہ پارہ کا تصور ہی کیا تھا کہ دیکھا ہمزاد مہ پرہ کی خواب گاہ میں داخل ہوچکا ہے۔ مہ پارہ اور وہ نوجوان اس وقت بھی اپنی دنیا میں گم تھے ان دونوں کی تیز تیز سانسیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ہمزاد کے نادیدہ ہاتھ نوجوان کی طرف بڑھے اور اس نے ایک ہی جھٹکے میں اسے مہ پارہ کے قریب سے کھینچ لیا، نوجوان فضا میں معلق سہا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور مہ پارہ جیسے پتھر کی ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ ایک دم بھپری ہوئی شیرنی کی طرح مسہری سے اٹھی مگر اس عرصے میں اس نے دیکھا کہ دروازہ جو اندر سے بند تھا خود بخود کھلا اور نوجوان کا برہنہ جسم ہوا میں تیرتا ہوا باہر نکل گیا۔ مہ پارہ نے دیکھا کہ کمرے سے نکلنے سے پہلے نوجوان کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ مہ پارہ کے خلاف یہ میرا پہلا قدم تھا لیکن میرے دل کو تشویش ضرور تھی کہ نہ معلوم اب کیا ہو۔ میں سوچنے لگا۔

"ہمزاد مجھے بے سبب تو نہیں ڈرا رہا ہوگا یقیناً اب کچھ ہوگا۔ ممکن ہے مہ پارہ بھی میرے خلاف کچھ کرے مگر اسے یہ پتہ کس طرح لگے گا کہ اس واقعے میں کس کا ہاتھ ہے؟" اس طرح کے خیالات نے میرے تصور کا سلسلہ منقطع کردیا۔ میں اب اس واقعے کا رد عمل دیکھنے سے پہلے اور کچھ کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے اپنے تپتے ہوئے جسم کو سکون بخشنے کے لئے دیلی بازار جانے کا فیصلہ کیا۔ میرے لئے اس وقت آدھی رات تک انتظار کرنا بھی دوبھر تھا۔ حالانکہ یہ بھی ممکن تھا کہ میں ہمزاد کے ذریعے شانتی کو اٹھوا لیتا لیکن ایک تو یہ کہ میرے علم میں تھا کہ اس وقت شانتی کے ہاں محفل جمی ہوگی، دوسرے اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ میں اب رشید یار جنگ کی حیثیت سے میرٹھ میں متعارف ہونا چاہتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ لوگوں سے میرے تعلقات بڑھیں تاکہ میں اپنا وہ حلقہ اثر پیدا کرسکوں جو مجھے بدایوں میں میسر تھا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ میں جی حضوری اور حاضر باشوں کا عادی ہوچکا تھا۔ ایسے لوگ جو میرا احترام کریں جو میرے سامنے جھکیں جو میرے ہاتھ چومیں، جو مجھے معزز اور پہنچا ہوا سمجھیں۔ اس کے علاوہ لوگوں میں گھل مل کر میں ان واقعات کا رد عمل بھی معلوم کرنا چاہتا تھا جو پے در پے میرٹھ میں ہو رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ بیک وقت پراسرار طور پر اتنے آدمیوں کے قتل نے پولیس کو بوکھلا دیا ہوگا وہ سرگرمی سے اس شخص کی تلاش میں ہوگی جو ان کا ذمہ دار ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد میں دیلی بازار میں پہنچ گیا لیکن امینہ بائی کے کوٹھے پر پہنچ کر مجھے ایک ذہنی جھٹکا لگا۔ خلاف معمول کوٹھا خاموش تھا۔ میرے دستک دینے پر امینہ بائی کا ایک ملازم باہر نکلا اس نے مجھے بڑے کمرے میں بٹھایا اور اندر چلا گیا۔ چند ہی لمحوں بعد ہی امینہ بائی اندر سے آتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا "کہئے حضور کیسے تکلیف کی؟" اس کے اس معمولی سے فقرے میں مجھے بڑی اجنبیت محسوس ہوئی۔ میں نے ذرا تلخی سے کہا "کیوں کیا تمہیں میرا آنا ناگوار گزرا؟ کیا مجھے اپنے آنے کا مقصد بتانے کی ضرورت ہے؟ شانتی کہاں ہے؟"

"شانتی؟" امینہ بائی نے عجیب سے لہجے میں کہا "وہ اب اس کوٹھے سے ہمیشہ کے لئے جاچکی ہے۔" پھر وہ فوراً سنبھل کر بولی "مگر حضور فکرمند نہ ہوں، میں نے ایک نئی شانتی کا بندوبست کیا ہے بس چار چھ دن کی دیر ہے۔ چشم بددور حضور اگر اسے نظر بھر کے دیکھ لیں گے تو بس دیوانے ہوجائیں گے اس کے۔"

امینہ بائی کی بات سن کر میں کچھ بھی نہ سمجھ پایا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ مجھے اس پر ایک دم غصہ آگیا۔

"یہ کیا تم نے نئی پرانی شانتی لگا رکھی ہے۔ صاف صاف بتاؤ شانتی کہاں گئی؟"

"حضور برہم نہ ہوں تو میں عرض کروں کہ شانتی اب ڈھل چکی تھی یہ تو حضور کی چشم عنایت تھی کہ حضور نے اسے اتنی.... عزت بخشی۔ باسی کھانا مجبوری اور بھوک میں تو کھا لیا جاتا ہے مگر روز روز نہیں۔ معاف کیجئے گا شانتی آپ کے لائق نہیں تھی اس لئے....."

"تم پھر شروع ہوگئیں۔" میں نے امینہ بائی کی بات کاٹ کر کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ تم سیدھی سیدھی بات کرسکو۔" میں نے تقریباً چیخ کر کہا "اب اگر تم نے کوئی الجھاوے کی بات کی تو میں بری طرح پیش آؤں گا۔ شانتی کیسی تھی یہ تم سے زیادہ میں جانتا ہوں اسے تم نے نہیں میں نے برتا ہے۔"

"میں تو یہ سب حضور ہی کے لئے عرض کر رہی تھی۔ بہرحال اگر حضور کا مزاج نصیب دشمناں اس وقت ناساز ہے تو میں اپنی گفتگو مختصر بھی کرسکتی ہوں۔" وہ ایک لمحے کے لئے رک کر پھر بولی "میں نے پانچ ہزار میں اس کھوٹے سکے کا سودا کردیا۔"

"کیا؟ تم نے شانتی کو بیچ دیا۔ کب؟ کس کے ہاتھ؟ کیوں آخر کیوں؟ "جبکہ میں تم سے کہہ چکا تھا کہ جتنا پیسہ چاہو مجھ سے لے سکتی ہو۔" میں امینہ بائی پر برس پڑا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ یہاں سے گئی ہے۔ اس نوجوان نے شاید اپنا نام راحت بتایا تھا۔" امینہ بائی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"راحت؟" میں اچھل پڑا "اسے بھی تو مہ پارہ نے راحت کے نام سے مخاطب کیا تھا مگر..... مگر یہ نہیں ہوسکتا وہ کوئی اور ہوگا کوئی اور۔" میں بڑبڑانے لگا۔

"جی؟" امینہ بائی نے کہا۔

"نہیں میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ میں جارہا ہوں بہرحال تم نے یہ اچھا نہیں کیا اس کی سزا تمہیں بہت جلد بھگتنی پڑے گی۔"

"ٹھہریے حضور! ٹھہریئے حضور!" امینہ کہتی ہی رہ گئی اور میں وہاں سے تیز تیز قدم اٹھاتا چل دیا مجھے اب تنہائی کی ضرورت تھی تاکہ میں اپنے تصور کی قوت بروئے کار لاکر شانتی کا پتہ چلا سکوں اور تنہائی کے لئے گھر سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں نے اپنے تصور کی قوت استعمال کرنے سے پہلے ہمزاد کو طلب کیا۔

"تم نے اس نوجوان کا کیا کیا؟"

"میں شرمندہ ہوں۔" ہمزاد نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں اسے مہ پارہ کی گھر سے نکال لے جانے میں تو کامیاب ہوگیا تھا مگر راستے ہی میں اس کا جسم مجھ سے چھین لیا گیا۔"

"کیا مطلب؟....... کیا.... کیا یہ ممکن ہے؟... یہ کس طرح ہوگیا؟"

"میں نے جو کچھ عرض کیا وہی حقیقت ہے۔ میں ابھی مہ پارہ کے گھر سے کچھ دور ہی پہنچا تھا کہ مجھے اپنے تعاقب میں ایک دودھیا روشنی سی آتی دکھائی دی۔ پھر چند ہی لمحوں میں اس دودھیا روشنی کا حصار نوجوان تک پہنچ گیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نوجوان اس میں روپوش ہوگیا پھر وہ عجیب روشنی مجھے واپس جاتی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے دیکھا میرے ہاتھ خالی ہوچکے تھے۔ میں نے اس روشنی کا پیچھا کرنا چاہا مگر مجھے اپنا وجود جلتا ہوا محسوس ہوا اور گھبرا کر میں نے اس کا تعاقب چھوڑ دیا۔" ہمزاد خاموش ہوگیا۔

"وہ نوجوان کہاں گیا؟" میں نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں ہمزاد سے پوچھا۔

"کیا آپ حقیقت سننے کی تاب لاسکیں گے؟" ہمزاد نے سوال کیا اور پھر مجھے خاموش دیکھ کر خود ہی بولا "وہ نوجوان اس وقت نواب صاحب کی حویلی کے ایک حصے میں شانتی کے ساتھ شراب پی رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟ یہ سب کیا ہوا یہ کس طرح ہوگیا؟"

"تفصیل سے سننا چاہتے ہیں تو سنئے کہ وہ پراسرار اور عجیب روشنی مہ پارہ کی حیرت انگیز قوتوں کا کرشمہ تھی جس نے مجھ سے نوجوان کا جسم چھین لیا۔ پھر چند ہی لمحوں میں مہ پارہ نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے معلوم کرلیا کہ وہ کون ہے جس نے اس کی عبادت میں رخنہ ڈالا۔

وہ آپ کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہے۔ یہ بھی کہ آپ کے پاس کچھ پراسرار قوتیں ہیں۔ آپ نے اس کے منہ سے لقمہ چھیننا چاہا لیکن آپ تو اپنی کوشش میں ناکام رہے مگر وہ اپنا کام کرگئی۔ اس نے آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم کرنے کے بعد فوراً اس نوجوان کو جس کا نام راحت ہے ایک بڑی رقم دے کر دیلی بازار بھیج دیا تاکہ وہ شانتی کا سودا کرسکے۔ اور سب کچھ اس کے حسب منشا ہوا۔ اس نے آپ کے منہ کا نوالہ چھین لیا۔ مہ پارہ نے راحت کو شانتی کے ہمراہ نواب صاحب کی حویلی بھیج دیا۔ اس کے علم میں تھا کہ وہ نواب کا منظور نظر ہے میں نے چاہا کہ اس بزم عیش و نشاط کو برہم کردوں مگر یہ بھی ممکن نہ ہوا مہ پارہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار نکلی۔ اسے غالباً پہلے ہی اندازہ تھا کہ ایسا ہوگا لہٰذا اس نے اس کمرے کے گرد دودھیا روشنی کا حصار کھینچ دیا جس میں اس وقت شانتی راحت اور خود نواب صاحب موجود ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ اس حصار کو توڑنے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ تیز قسم کی تپش نے میرے وجود کو جھلسا دیا۔"

"تو وہ خبیث بوڑھا بھی شانتی کے ساتھ ہے۔" میں نے دانت پیس کر کہا اور پھر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آگیا۔ میں نے ہمزاد سے کہا۔

"آج کی رات خالی نہیں جائے گی۔ تم اس خبیث نواب کی لڑکی نرگس کو اٹھا لاؤ۔ میں شانتی کا بدلا اس سے چکاؤں گا۔ جاؤ! ابھی اسی وقت چلے جاؤ۔ میرا خون بری طرح کھول رہا ہے۔"

ہمزاد میرا حکم سن کر فوراً رخصت ہوگیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے سوچا کہ کم از کم شانتی کو دیکھ تو لوں کہ وہ کس حال میں ہے۔ میں نے اپنے تصور کی قوت استعمال کی۔ میری آنکھوں کے سامنے اس وقت نواب صاحب کی حویلی کا ایک حصہ تھا میں نے شانتی کا پھر تصور کیا مگر بیکار۔ آگے صرف مجھے دھند ہی دھند دکھائی دے رہی تھی۔ عجیب سی چمکدار دھند "آخر یہ سب کیا

ہے؟ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔" میں سوچ رہا تھا۔ میں نے اب جھنجلا کر نواب کا تصور کیا مگر بے سود پھر راحت کو دیکھنا چاہا لیکن اس چمکدار دھند کے حصار کو میری تصور کی قوت عبور نہ کر سکی۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دی۔

"کیا مجھ سے میرے تصور کی قوت چھین لی گئی۔" میں نے سوچا اسی وقت میں نے اپنی پراسرار قوت کو آزمانے کے لئے مہ پارہ کا تصور کیا۔ وہ مجھے فوراً نظر آگئی۔ وہ اپنے کمرے ہی میں تھی لیکن اس کی خواب گاہ اب بھی خالی نہیں تھی اس کے ساتھی کا چہرہ دیکھ کر میں اسے فوراً پہچان گیا یہ وہی تھا جس کی ساتھ سب سے پہلی مرتبہ میں نے مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ..... مہ پارہ ایک دم تیزی سے کھڑی ہوگئی اب میں اس کی آواز سن رہا تھا وہ کہہ رہی تھی۔

"شیخ! میں جانتی ہوں کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو اور یہ بھی جانتی ہوں کہ میری آواز بھی تم تک پہنچ رہی ہے۔ اپنی طفلانہ اور احمقانہ حرکتیں چھوڑ دو! مجھ سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ سودا تمہیں مہنگا پڑے گا۔ میں چاہوں تو تم مجھے بھی راحت شانتی اور نواب صاحب کی طرح نہ دیکھ سکو گے مگر میں تمہاری نظروں کو پہچانتی ہوں۔ میں خود چاہتی ہوں کہ تم مجھے اس حالت میں دیکھ دیکھ کر سسکتے رہو۔ میرے لئے اسی طرح تڑپتے رہو۔ میرے فراق میں یوں ہی بلکتے رہو۔ تم میرا اور میرے والد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور میں جب چاہوں تمہیں چیونٹی کی طرح مسل سکتی ہوں۔ لیکن نہیں میں تمہیں ایک موقعہ اور دینا چاہتی ہوں اگر اس کے بعد بھی تم میرے راستے میں حائل ہوئے تو اپنی تباہی کے خود ذمہ دار ہو گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اس شہر کو چھوڑ دو یہاں میری حکمرانی ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ مجھے تم سے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔ ہاں میں تم پر یہ پابندی نہیں لگاتی کہ تم مجھے دیکھ بھی نہ سکو۔ مجھے ضرور دیکھو، تڑپو، سسکو، مجھے اس طرح سکون ملے گا۔" مہ پارہ یہ کہہ کر پھر اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوگئی جو حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اگر مجھ میں یہ طاقت ہوتی کہ میری آواز بھی اس تک پہنچ جاتی یا میں کسی طرح اس کی بات کا جواب دے سکتا جسے وہ سن سکتی تو میں اسے ضرور جواب دیتا اس نے میری سخت توہین کی تھی۔ اس نے مجھ پر وہ کاری ضربیں لگائی تھیں جنہیں میں بھولنا بھی چاہتا تو نہ بھول سکتا۔ میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ایک تو میں شانتی کے نہ ملنے سے یوں ہی چراغ پا تھا دوسرے مہ پارہ کے ہتک آمیز فقروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اسی وقت ہمزاد نرگس کو لے کر آگیا۔ میں نے اپنا سارا غصہ اس پر اتار دیا۔ نرگس میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی چیخ پڑی تھی۔ اسے گمان بھی نہ تھا کہ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ رات بھر جگائے رکھنے کے بعد صبح کے وقت جب میں اسے رخصت کر رہا تھا تو میں نے اسے دھمکی دی کہ اگر اب کی بار اس نے میرے بارے میں اپنے باپ سے یا کسی اور سے کچھ کہا تو اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ نرگس میری بات سن کر سہم گئی تھی۔

میں نے سونے سے پہلے ہمزاد کو ایک مرتبہ پھر طلب کیا اور مہ پارہ نے جو کچھ کہا تھا اسے بتا دیا۔

"اب تم یہ بتاؤ کہ اسے کس طرح نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔ میں تمہیں اپنے فیصلے سے پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں کہ میں ہر قیمت پر اس سے اپنی توہین کا بدلہ لوں گا۔ میرے لئے قطعی ناممکن ہے کہ اتنی ذلت کے بعد اس لڑکی کے سامنے ہتھیار ڈال دوں۔"

"مجھے خود بہت دکھ ہے کہ میں اتنے عجیب حالات سے دوچار ہوں کہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر پا رہا ہوں لیکن میں غافل ہرگز نہیں میرا ایک ایک لمحہ مصروف گزر رہا ہے یہ مسئلہ میرے اور آپ کے وجود کی بقا کا مسئلہ ہے۔" ہمزاد کچھ دیر کے لئے خاموش ہوا تو میں بول پڑا۔

"ان حالات میں جبکہ وہ میرے بارے میں سب کچھ جان گئی ہے میرے لئے ہر طرح خطرہ ہی خطرہ ہے پولیس بھی میرے پیچھے لگ سکتی ہے اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ میں شیخ کرامت ہوں اور یہ مہ پارہ کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ وہ پولیس کو میرے بارے میں مطلع کر دے۔" میں نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"آپ کا کہنا بالکل درست ہے۔ ان حالات میں آپ کی زندگی ایک مرتبہ پھر خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ نواب صاحب پہلے ہی آپ کی طرف سے ہوشیار ہو چکے ہیں۔ اب میری سمجھ میں صرف دو صورتیں آتی ہیں یا تو کسی طرح مہ پارہ کو زیر کیا جائے یا پھر یہ شہر ہی چھوڑ دیا جائے۔ لیکن دوسری صورت پر آپ کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ اس طرح صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ مہ پارہ سے مقابلہ کیا جائے۔ تو اب میں نے خود کو پوری طرح اس کے لئے تیار کر لیا ہے۔ جیسا کہ پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں غافل نہیں رہا میں نے کچھ نئی معلومات فراہم کی ہیں جن سے یہ امید بندھتی ہے کہ اگر ہوشیاری سے کام کیا جائے تو مہ پارہ سے نمٹنا کچھ مشکل نہیں۔"

"وہ نئی معلومات کیا ہیں؟ مجھے بتاؤ" میں نے بے چینی سے پوچھا "آج تو تم بڑی حوصلہ افزائی کی باتیں کر رہے ہو۔"

"میں نے معلوم کیا ہے کہ مہ پارہ کے قبضے میں جو پراسرار قوتیں ہیں انہیں برقرار رکھنے کے لئے ہر سال اسے ایک عمل کرنا

پڑتا ہے اگر وہ یہ عمل نہ کرے یا نہ کر سکے تو اس سے تمام پراسرار قوتیں چھن جائیں گی۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ میں کسی طرح اس کا عمل پورا نہ ہونے دوں اور وہ رات گزر جائے۔ اگر وہ اس رات اپنا عمل پورا نہ کر پائی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی تمام قوتوں سے محروم ہو جائے گی۔ شاید آپ یہ جان کر خوش ہوں کہ اب اس رات میں صرف سات دن باقی ہیں۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ مہ پارہ کو عمل کرنے سے روک دوں گا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ میری انتہائی کوشش یہی ہوگی کہ اس کا عمل کسی طرح ادھورا رہ جائے۔"

ہمزاد کی بات سن کر جیسے مجھ میں نئی زندگی آگئی۔

"مجھے تم پر ناز ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں تو زیادہ صحیح ہے کہ مجھے خود پر ناز ہے اس لئے کہ تم میرا ہی تو جسم لطیف ہو۔ تم مجھ سے جدا کب ہو۔" یہ کہہ کر میں نے ہمزاد کو رخصت کیا اور اس کے جاتے ہی سونے کے لئے لیٹ گیا۔

اچانک میں سوتے سوتے اچھل پڑا۔ کسی نے میرے شانے میں کوئی تیز نوکیلی چیز بھونک دی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی میں کمرے میں تنہا تھا۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی میں نے بستر سے اتر کر زمین پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ میرے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ میں کمرے کے فرش پر پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میرے دائیں پیر کے تلوے میں شدید تکلیف تھی شاید میرا پاؤں کسی نکیلی چیز پر پڑ گیا تھا جو میرے تلوے میں اتر گئی تھی۔ تلوے میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں پھر ایک دم میرے منہ سے سسکاری نکل گئی۔ مجھے لگا کہ جیسے وہ تیز نکیلی چیز میرے تلوے سے کھینچ لی گئی ہو۔ میں فرش سے اٹھ کر پھر بستر پر گر پڑا۔ اب تلوے میں تکلیف کے بجائے ہلکی سی کسک تھی اسی وقت مجھے ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"مجھے یقین ہے کہ اب تک تمہیں جاگ جانا چاہئے۔ میں تمہیں دیکھنے کی قوت تو نہیں رکھتی مگر مجھ میں اتنی طاقت ضرور ہے کہ تم تک اپنی آواز پہنچا سکوں اور تمہاری آواز سن سکوں۔ کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟"

میں حیران حیران سا چاروں طرف دیکھ رہا تھا کمرا قطعی خالی تھا۔ وہ آواز مہ پارہ کی تھی جس نے میرے ہوش و حواس معطل کر دیئے تھے۔ نہ جانے میں کب تک اسی طرح مبہوت رہتا کہ آواز پھر سنائی دی۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا شیخ! حالانکہ تمہاری سسکاری سن کر میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ تم بیدار ہو چکے ہو۔" آواز ایک لمحے کو رکی اور پھر سنائی دی "میں تمہیں بولنے پر مجبور کر سکتی ہوں اچھا تو سنبھلو۔"

پھر اس کے ساتھ ہی اچانک مجھے اپنے جسم کے مختلف حصوں میں کوئی تیز نکیلی چیز ابھرتی ڈوبتی محسوس ہونے لگی جیسے کوئی میرے جسم کو باریک باریک سوئیوں سے چھید رہا ہے۔ میرے منہ سے کراہیں نکلنے لگیں۔ میں بستر پر تڑپنے لگا۔

"کاش! اس وقت میں تمہیں تڑپتا ہوا دیکھ بھی سکتی لیکن تمہارے منہ سے نکلنے والی کراہیں سن کر بھی مجھے کافی سکون مل رہا ہے۔" مہ پارہ کی آواز سنائی دی۔

"ہاں! میں تمہاری منحوس آواز سن رہا ہوں۔ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" میں نے یہ کہہ کر تکلیف کے احساس کو کم کرنے کے لئے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ اسی وقت میرے جسم میں سوئیاں چبھنی بند ہو گئیں۔

"میں کیا چاہتی ہوں۔ یہ میں تمہیں کل رات بتا چکی ہوں اور اگر تمہاری یادداشت کمزور ہے تو ایک مرتبہ پھر سن لو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ۔ یہاں میری حکمرانی ہے ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ تم ابھی تک یہیں موجود ہو۔" مہ پارہ کی آواز گزشتہ باتیں دہرا رہی تھی۔ اور اس عرصے میں، میں نے اپنے تصور کی قوت آزمالی تھی۔ اب وہ میرے سامنے تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں تنہا تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں مٹی کا کوئی پتلا تھا کسی آدمی کا پتلا اور دوسرے ہاتھ میں ایک سوئی۔ وہ بات کرتے کرتے اچانک چونکی اور اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے پتلے کے سینے میں سوئی بھونک دی۔ میں نے ایک دم چیخ کر اپنا سینہ پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"میری بات پر توجہ نہ دینے کی سزا تم نے دیکھی۔ تم میری بات پر دھیان نہ دے کر مجھے دیکھنے کے چکر میں لگ گئے۔ کیوں؟ پھر ایک کوشش کرو!" اس نے میرا خون کھولا دیا۔

"میں تمہیں فنا کر دوں گا۔" میں چیخ اٹھا۔

میرا جملہ سن کر وہ زور سے ہنس پڑی "اسی لئے تم محتاجوں کی طرح بستر پر پڑے ہوئے تڑپ رہے ہو۔"

"آخری بار پھر سن لو کہ اگر تم نے یہ شہر نہ چھوڑا تو میں تمہیں سسکا سسکا کر مار ڈالوں گی اور تم۔" اس کے بعد اس کی آواز قطعی معدوم ہو گئی۔

ہمزاد میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں اس پر برس پڑا "تم نے سنا وہ کیا کہہ رہی تھی۔ وہ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے نہ صرف دھمکیاں دے رہی ہے بلکہ یہ دیکھو!" میں نے اپنی قمیض اتار کر جگہ جگہ سے اپنا زخمی جسم اسے دکھایا۔

"مجھے افسوس ہے۔" ہمزاد کی دکھ بھری آواز سنائی دی "لیکن آپ کو ابھی ....." میں ہمزاد کا پورا جملہ نہ سن سکا کیونکہ اس سے پہلے پھر ایک مرتبہ میں اسی اذیت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ میں تکلیف سے چیخنے لگا۔ ہمزاد نے ایک لمحے رک کر میری طرف دیکھا پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ ایک دم آگے بڑھا اور اس نے میرے جسم سے تمام کپڑے اتار دیئے۔ پھر وہ میری مسہری کے چاروں طرف سات بار گھوما۔ اس کا آخری چکر پورا ہوتے ہی مجھے ایک دم ایسا لگا جیسے میرے جسم کی ساری تکلیف و اذیت ایک دم ختم ہو گئی۔ اب ہمزاد میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

"میں نے آپ کے چاروں طرف حفاظتی حصار کھینچ دیا ہے اب اس حصار کے اندر اس کا کوئی حربہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" اس کے بجائے کہ میں ہمزاد کے اس احسان کا شکر گزار ہوتا الٹا اس پر خفا ہو گیا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اب اس حصار میں قید رہوں گا۔ آخری تمہاری قوتیں کیا ہوئیں؟ تم نے تو کہا تھا کہ اب زیادہ فکر کی بات نہیں بولو جواب دو۔"

ہمزاد کا چہرہ اداس تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں بولا "مگر اس میں ابھی پورا ایک ہفتہ ہے۔ اس سے پہلے میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ میں آپ سے پہلے بھی صاف صاف کہہ چکا ہوں کہ جب تک اس کے پاس عجیب و غریب پراسرار قوتیں موجود ہیں۔ اس کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا۔"

"لیکن یہ سات دن کس طرح گزریں گے؟ کیا میں پورے سات دن اس حصار میں رہوں گا۔ نہیں یہ میرے لئے ناممکن ہے میں اپنی ہتک برداشت نہیں کر سکتا۔" جذبات کی شدت سے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے بے خیالی میں حصار سے باہر قدم رکھ دیا اور یہی میرے لئے غضب ہو گیا۔ میرے جسم میں بیک وقت لاتعداد سوئیاں اترتی چلی گئیں۔ میں فرش پر گر کر تڑپنے لگا میرے لئے یہ تکلیف ناقابل برداشت تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ہمزاد نے میرے جسم کو فرش سے اٹھا کر پھر آہستگی سے مسہری پر لٹا دیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اس ناقابل برداشت اذیت سے نجات مل چکی تھی اور اب میں چاروں شانے چت مسہری پر پڑا چھت کو گھور رہا تھا۔ مہ پارہ نے مجھے جس آفت میں مبتلا کر دیا تھا اس نے میرا خون کھولا دیا تھا۔

"میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اپنے جذبات پر قابو رکھیں یہی میرے اور آپ کے لئے بہتر ہے۔ میرے بس میں اس سے زیادہ نہیں کہ آپ کو کسی طرح اس کی ان دیکھی پراسرار قوتوں کی زد سے محفوظ رکھوں۔"

ہمزاد کی آواز سن کر میں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا "اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ چالاکی سے کام لے کر کسی طرح مہ پارہ سے ایک ہفتے کی مہلت لے لیں بلکہ میرے خیال میں تو آپ کو آج بھی اس سے نہیں الجھنا چاہئے تھا۔ آپ کے علم میں تھا کہ اب سے ایک ہفتے بعد وہ اپنا عمل شروع کرنے والی ہے جس میں مجھے رکاوٹ ڈالنی ہے۔ تو آپ کو یہ چاہئے تھا کہ ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اس سے یہ اجازت لے لیتے کہ آپ ایک ہفتے بعد یہ شہر چھوڑ دیں گے مگر اب بھی کچھ نہیں بگڑا ....."

میں نے ہمزاد کی بات کاٹ دی "کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس کے سامنے جھک جاؤں؟ ہرگز نہیں میں یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ اب شیخ کرامت اتنا محتاج ہو گیا کہ یہاں رہنے کے لئے اس حقیر لڑکی سے اجازت لے۔"

"آپ بات سمجھنے کی کوشش کیجئے یہ اس کے آگے جھکنا نہیں بلکہ اسے دھوکہ دے کر شکست دینا ہے۔ اس طرح آپ اس کی ان دیکھی پراسرار قوتوں سے بھی محفوظ رہیں گے اور اسے بے دست و پا کرنے کے لئے بھی کچھ کر سکیں گے۔ مصلحت وقت یہی ہے اس میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں اگر وقتی طور پر آپ اسے اس فریب میں مبتلا کر دیں کہ آپ نے اس سے ہار مان لی ہے تو وہ آپ کی طرف سے بے فکر ہو جائے گی۔ آخر کار یہی بے فکری اس کے لئے عذاب بن جائے گی۔ غالباً اب آپ میری بات پوری طرح سمجھ چکے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ آپ کو اس حصار کی قید سے بھی نجات مل جائے گی اور آپ آزادی سے گھوم پھر سکیں گے۔"

ہمزاد کی بات دل کو لگنے والی تھی۔ میں اس کی ذہانت اور حکمت عملی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہی سوچ کر میں نے اس سے سوال کیا "مگر اب یہ کس طرح ممکن ہے؟"

مجھے ہمزاد کے چہرے پر ایک خوشی کی لہر سی نظر آئی "تو کیا آپ اس کے لئے آمادہ ہیں؟"

"ہاں" میں نے آہستہ سے کہا "مجھے تمہاری تجویز سے کلی طور پر اتفاق ہے۔"

"یہ کوئی مشکل نہیں آپ بہ آسانی اس سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ اپنی تصور کی قوت کو بروئے کار لایئے جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ اس سے باخبر ہو جاتی ہے کہ اسے دیکھا جا رہا ہے۔ وہ یقیناً آپ سے استفسار کرے گی اور پھر اتنی قوت تو اس میں خود موجود ہے کہ وہ دور رہ کر بھی آپ کی بات سن سکے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں ابھی اس سے رابطہ قائم کرتا ہوں اب تم جا سکتے ہو۔"

ہمزاد کے جاتے ہی میں نے آنکھیں بند کر کے مہ پارہ کا تصور کیا اور دوسرے ہی لمحے اس کا حسین چہرہ میرے سامنے تھا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں تنہا نہیں تھی بلکہ کسی نوجوان سے محو گفتگو تھی۔ یہ نوجوان میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں اسے دیکھ کر غصے سے پیچ و تاب کھانے لگا یہ نواب صاحب کا منظور نظر راحت تھا۔ مگر ہمزاد کی باتیں یاد آتے ہی میں نے نوجوان کی ساتھ اپنی رقابت کو فراموش کرتے ہوئے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ یقیناً یہ وقت اس کا نہیں تھا کہ میں غصے سے بے قابو ہو کر کام بگاڑ دیتا۔ مجھے اس وقت نہایت ہوشیاری اور ذہانت سے مہ پارہ کو دھوکا دینا تھا ابھی مجھے مہ پارہ کو دیکھتے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ وہ راحت سے بات کرتے کرتے اچانک رک گئی اور اسے بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ غالباً اسے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے پتہ لگ گیا تھا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کمرے کا بھرپور جائزہ لیا کمرہ اندر سے بند تھا اور ایک طرف ایک چوکی پر وہی پتلا رکھا تھا جو کچھ دیر پہلے میں نے مہ پارہ کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔ اب مجھے اس مٹی کے پتلے پر ہر طرف چبھی ہوئی سوئیاں نظر آئیں۔ میرے لئے یہ عجیب معمہ تھا جسے میں کوشش کے باوجود نہ سمجھ پایا۔ البتہ اتنا ضرور سمجھ چکا تھا کہ اس پتلے سے یقیناً میرا کوئی تعلق ہے۔ کیونکہ میں نے دیکھا تھا کہ مہ پارہ نے جیسے ہی اس پتلے کے سینے میں سوئی بھونکی تھی مجھے اپنے سینے میں اس کی چبھن کا احساس ہوا تھا۔ اب اس پتلے کے سارے ہی جسم میں سوئیاں پیوست تھیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے بھی سارے جسم میں سوئیاں ہونی چاہئے تھیں لیکن میں حصار میں ہونے کے سبب ان کی تکلیف و اذیت سے محفوظ تھا۔ جب میں نے حصار سے نکلنے کی کوشش کی تھی تو مجھے اپنے سارے جسم میں بالکل اسی پتلے کی طرح سوئیاں پیوست ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔

"شیخ! تم اپنی بچکانہ حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے؟" اچانک مجھے مہ پارہ کی غصے میں ڈوبی آواز سنائی دی "میرے تخلیئے میں مخل ہونے کی سزا جانتے ہو تم؟ میں ہر وقت یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی سمجھے! اس بات پر خوش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کہ وقتی طور پر تم میرے عذاب سے بچ گئے ہو میں جب چاہوں تمہیں اس حفاظتی حصار سے باہر کھینچ سکتی ہوں اپنی طفلانہ قوتوں پر اترانا چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے میرے قہر و غضب کو آواز نہ دو۔ ورنہ تم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

مہ پارہ کی بات سن کر ظاہر ہے کہ غصے سے میرا برا حال ہو جانا چاہئے تھا مگر یہ اور وقت تھا۔ میں نے اس کی بات پر کان نہ دھرتے ہوئے اور اس کا کوئی تاثر قبول کئے بغیر نہایت نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا "تم عظیم ہو مہ پارہ! میں تمہیں اور تمہاری عظمتوں کو سلام کرتا ہوں۔ میں تمہاری پراسرار قوتوں کا معترف ہو چکا ہوں۔ میں یقیناً غلطی پر تھا۔ اب میں تم سے صرف پہلی اور آخری التجا کرتا ہوں اور وہ یہ کہ مجھے اپنے شہر میں صرف ایک ہفتے رہنے کی اجازت دے دو۔ اس کے بعد میں ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ہمیشہ کے لئے تمہاری یاد اپنے دل میں لئے چلا جاؤں گا۔" مجھے اپنے لہجے پر خود حیرت تھی کہ میں نے اتنی کامیاب اداکاری کس طرح کی۔

میرا لہجہ بدلا ہوا دیکھ کر مہ پارہ کی چہرے پر پہلے تو حیرت کے آثار نظر آئے پھر اس کے حسین ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ابھی تم نے کیا کہا میری یاد اپنے دل میں لے کر یہاں سے چلے جاؤ گے؟ تم بظاہر تو اتنے احمق دکھائی نہیں دیتے کہ دوسرے نوجوانوں کی طرح محبت کے دھوکے میں آ جاؤ۔"

"نہیں مہ پارہ یقین کرو مجھے تم سے سچی محبت تھی اور ہے۔ کاش تم نے میری محبت کو سمجھا ہوتا، کاش تم۔"

"بکومت!" اس نے مجھے جھڑک دیا "میرے پاس ان فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔ بہرحال تم نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا یہ اپنے ہی حق میں بہتر کیا۔ لیکن یاد رہے کہ اگر تم ایک ہفتے سے ایک دن بھی زیادہ اس شہر میں رکے تو اپنی تباہی کے خود ذمہ دار ہو گے۔ میں تمہیں اپنے شہر میں ایک ہفتے ٹھہرنے کی اجازت دیتی ہوں۔"

مہ پارہ کی بات سن کر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی بولا "جب تم نے مجھ پر اتنی عنایت کی ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ تم مجھ پر سے اپنا عذاب ہٹا لو تاکہ میں آزادی سے گھوم پھر سکوں اور یہ ایک ہفتہ سکون سے گزار سکوں۔"

میری بات سن کر مہ پارہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس مٹی کے پتلے تک پہنچ کر اسے اٹھایا اور پھر اس کے تمام جسم سے سوئیاں نکالنے کے بعد پتلے کو ایک طرف رکھ کر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"اب تم اپنے حفاظتی حصار سے باہر آ سکتے ہو اور جہاں جی چاہے آ جا سکتے ہو مگر خیال رہے کہ تم نے اس آزادی کا کوئی غلط فائدہ اٹھایا تو انجام کے خود ذمہ دار ہو گے۔"

"اب میں تخلیہ چاہتی ہوں۔"

اس کا یہ فقرہ سن کر میں سمجھ گیا کہ اب وہ راحت کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ ایک مرتبہ کم از کم اس کے بے مثال حسن ہی کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کی پیاس

بجھالوں مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس طرح کھیل بگڑ جانے اور مہ پارہ کے ناراض ہوجانے کا امکان ہے۔میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور اس کے ساتھ ہی میرا تصور کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

شانتی کے بارے میں مجھے ہمزاد سے معلوم ہوا کہ آج کل قبلہ نواب صاحب کے پاس ہے۔

شانتی کو انہوں نے اپنی محل نما حویلی کے ایک حصے میں چھپا رکھا ہے۔ جہاں وہ شراب و کباب کے ساتھ نشے میں دھت موجود ہوتے ہیں۔لڑکیاں اب میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھیں۔لیکن شانتی نے مجھے جس طرح متاثر کیا تھا اس طرح کوئی لڑکی میرے وجود پر نہ چھا سکی تھی۔یہ سوچ کر کہ اب تو مہ پارہ سے میری صلح ہوچکی ہے لہٰذا اس نے شانتی پر سے بھی اپنا پہرہ اٹھالیا ہوگا۔میں نے ہمزاد کو حکم دیا کہ شانتی کو اٹھالائے مگر وہ ناکام واپس آیا اور اس نے بتایا کہ ابھی تک اس کمرے کے گرد دودھیا روشنی کا حصار بدستور قائم ہے جس میں صرف نواب صاحب اور راحت ہی داخل ہوسکتے ہیں۔مجھے یہ سن کر بوڑھے نواب کی ہوس پر بہت تاؤ آیا۔کچھ تو انتقامی جذبہ اور کچھ میرے خیالات ان دونوں نے مل کر مجھے پھر نرگس کی طرف متوجہ کردیا۔میں نے اس رات نرگس کو اٹھوالیا۔نرگس اس زبردستی پر ظاہر ہے کہ خوش نہیں تھی۔ پھر اس نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہاں قدم قدم پر اس کی ناز برداریاں کرنے والے موجود تھے۔اس نے صرف حکم دینا سیکھا تھا کسی کا حکم سننا نہیں۔یہی سبب تھا کہ وہ میرے سخت رویے اور کھردرے لہجے کو ناپسند کرتی تھی اگر وہ میری قربت پر مجبور نہ ہوتی تو مجھے قطعی گوارا نہ کرتی۔

وہ میرے پاس آکر بھی بجھی بجھی اور پژمردہ رہتی۔ مجھے اپنے اس تپاک سے محروم رکھتی جس کے لئے عورت کو کسی طرح مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کے باوجود مجھے اس کا انداز پسند تھا۔

میں نے نواب صاحب کو اذیت میں مبتلا کرنے اور انتقام کی آگ بجھانے کے لئے ایک اور طریقہ استعمال کیا۔میں نے فیصلہ کیا کہ اب نرگس اس وقت تک اپنے باپ کے گھر واپس نہیں جائے گی جب تک شانتی نواب صاحب سے نہیں چھین لی جاتی۔اس لئے صبح جب میں نے ہمزاد کو طلب کیا تو اسے بتایا "نرگس یہیں رہے گی۔میں نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ نرگس کی گمشدگی سے نواب صاحب پریشان ہوں گے اور شانتی کے قرب کی لذتوں میں گم ہوکر بھی انہیں سکون نصیب نہ ہو۔"

"یہ ایک خطرناک قدم بھی ہوسکتا ہے۔ آپ کے علم میں ہے کہ نواب صاحب کتنے بارسوخ اور بااثر آدمی ہیں۔ یقیناً وہ اس سلسلے میں اعلیٰ حکام سے رجوع کریں گے۔" ہمزاد نے میری بات سن کر کہا۔

"تو کیا ہوا؟ وہ تمہارے ہوتے ہوئے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ پھر یہ کسے خبر ہے کہ نرگس یہاں میرے پاس ہے؟ مجھے تو ویسے بھی بحیثیت شیخ کرامت اس شہر میں کوئی نہیں پہچانتا۔"

"لیکن شاید آپ یہ بھول گئے کہ آپ یہاں کی پولیس کی نظروں میں بہرحال ایک مشتبہ فرد ہیں۔ ہرچند کہ آپ کے خلاف پولیس کے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ غالباً آپ نے نواب صاحب کے اس عامل کو فراموش کردیا جو یہاں تک پولیس کو لے کر آیا تھا۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ نواب صاحب پھر پولیس سے رجوع کریں گے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ انہیں پہلا شبہ آپ ہی پر ہوگا۔پولیس کے چار سپاہی اور ایک انسپکٹر اس حویلی کے محل وقوع سے واقف ہیں۔"

ہمزاد کی بات ختم ہوئی تو میں نے جھنجلا کر کہا "تم تو اب میری ہر بات میں کیڑے نکالنے لگے ہو اگر چار سپاہی اور ایک انسپکٹر اس جگہ سے واقف ہیں تو کیا انہیں ٹھکانے نہیں لگایا جاسکتا؟"

"آپ صحیح کہتے ہیں یقیناً ایسا ممکن ہے مگر قطعی بے فائدہ کیونکہ نہ صرف وہ پولیس والے اس جگہ سے واقف ہیں بلکہ اس عامل نے جسے میں نے ٹھکانے لگادیا تھا نواب صاحب، طبیب خاص ارشاد احمد خاں اور نواب صاحب کے دیگر رفقا کو بھی اس حویلی کے محل وقوع سے آگاہ کردیا تھا۔اس کی علاوہ پولیس کے اپنے ریکارڈ میں بھی یہاں کا پورا پتہ موجود ہے۔ پھر ایک بات آپ کے ذہن سے نکل گئی کہ نرگس کی گمشدگی ظاہر ہے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اس کا مہ پارہ کے علم میں آنا بھی ممکن ہے اور مہ پارہ کے علم میں آجانے کا مطلب آپ جانتے ہی ہیں وہ فوراً اسے آپ کی انتقامی کارروائی سمجھے گی اور پھر نتیجہ وہی نکلے گا جو کسی طرح ہمارے حق میں نہیں ہوگا۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ قبل از وقت خوف کھانے سے کچھ حاصل نہیں۔یہ میرا آخری فیصلہ ہے کہ نرگس یہاں سے اس وقت تک نہیں جائے گی جب تک شانتی اس بوڑھے کے قبضے میں ہے۔ سمجھ گئے تم؟ تمہارا کام یہ ہے کہ مجھے تازہ ترین حالات سے آگاہ کرتے رہو۔" یہ کہہ کر میں نے ہمزاد کو رخصت کیا اور اس کمرے میں آگیا جس میں نرگس کو چھوڑ کر گیا تھا۔ کمرہ کھول کر میں اندر داخل ہوا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں گھر جانا چاہتی ہوں۔" اس نے میری طرف دیکھ کر اداس لہجے میں کہا۔

"میری جان! اب یہی تمہارا گھر ہے تم یہاں سے نہیں جاسکتیں۔"

"مگر کیوں؟ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

اس کے سرخ رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔ مگر میں نے اس کا کوئی اثر نہ لے کر نہایت ڈھٹائی سے کہا "میں تمہاری جدائی ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کرسکتا۔" میں نے آگے بڑھ کر اس کے رخساروں سے آنسو پونچھ دیئے۔

****

میرے ذہن پر غنودگی طاری ہوتی جارہی تھی اس وقت میں صرف سونا چاہتا تھا چند ہی لمحے بعد میں بالکل غافل ہوگیا۔

کسی نے مسہری پر ٹھوکر ماری تو میری آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر تو میں سمجھ ہی نہ پایا کہ یہ حقیقت ہے یا خواب۔ میری مسہری کی چاروں طرف باوردی پولیس والے کھڑے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک ادھیڑ عمر جو اپنی وردی سے سب انسپکٹر معلوم ہوتا تھا میری طرف بڑھا اور اپنی کڑک دار آواز میں مجھے مخاطب کیا تو میں چونک پڑا۔ اس کے الفاظ میری سماعت میں زہر گھول رہے تھے۔اس کا لہجہ ہتک آمیز تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے ہر طرف دیکھ رہا تھا۔

"اب اٹھو بھی لاٹ صاحب! ہم تمہیں قبلہ نواب صاحب کی صاحبزادی نرگس کے ساتھ زنا بالجبر اور اسے حبس بے جا میں رکھنے کے جرم میں گرفتار کرتے ہیں۔"

سب انسپکٹر کے الفاظ میرے اوپر بجلی بن کر گرے۔ اب میں اپنی حماقت پر سوائے پچھتانے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ میرا نیند سے بوجھل دماغ یہ سوچ ہی نہیں سکا کہ اگر مجھے سوتا چھوڑ کر نرگس دروازہ کھول کر فرار ہوگئی تو میرا کیا حشر ہوگا۔ یقیناً یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا ہوگا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا۔ اس نے یہاں سے فرار ہوکر نواب صاحب کو سب کچھ بتادیا ہوگا۔ یہ بھی کہ میں ہی شیخ کرامت ہوں اور پھر نواب صاحب نے بغیر وقت ضائع کئے اپنے اثرورسوخ استعمال کرکے فوراً میرے وارنٹ گرفتاری نکلوادیئے ہوں گے۔ کیس بھی اتنا مضبوط تھا کہ اگر نواب صاحب کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو پولیس کے لئے وجہ گرفتاری موجود تھی۔ غالباً نواب صاحب نے مجھے پوری طرح پھانسنے کے لئے یہ بدنامی بھی مول لے لی کہ نرگس سے بالکل سچا بیان دلوادیا تاکہ میں کسی طرح بچ ہی نہ سکوں۔ میں اپنے خیالات میں اس طرح کھویا ہوا تھا کہ اس وقت چونکا جب میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑچکی تھیں۔ اب پانی سر سے اونچا ہونے لگا تھا اور میرے لئے ضروری تھا کہ میں ان حالات سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی تدبیر کروں۔ پولیس والے اب مجھے لے کر حویلی کے باہر نکل آئے تھے۔ غالبا پولیس تھانہ یہاں سے قریب ہی تھا اس لئے وہ مجھے لے کر پیدل ہی چلنے لگے۔ یہ بات میرے لئے بہت خطرناک تھی کہ مجھے اب بحیثیت شیخ کرامت پہچان لیا گیا تھا۔ مع انسپکٹر کے وہ پانچ پولیس والے تھے۔ میں نے چلتے چلتے ایک دم ہمزاد کو پکارا۔ جس کے ہاتھ میں ہتھکڑی کا دوسرا سرا تھا وہ میری طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے ہمزاد میرے پاس تھا پھر اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ کہتا آناً فاناً میں سب کچھ ہوگیا۔ میں اپنی حیرت سے اس وقت نکلا جب ہمزاد میرا ہاتھ پکڑے ایک قریبی گلی میں بھاگ رہا تھا۔ جو کچھ ہوا وہ اتنی جلدی ہوا تھا کہ راہ گیر بھی کچھ نہ سمجھ پائے۔ ہمزاد نے آتے ہی سب سے پہلے ان پانچوں کو ٹھکانے لگادیا۔ میں تو صرف یہ دیکھ سکا تھا کہ وہ پانچوں باری باری سڑک پر ڈھیر ہوگئے تھے۔ پھر ہمزاد نے بغیر وقت ضائع کئے میری ہتھکڑی توڑ دی تھی اور مجھے لے کر ایک قریبی گلی میں گھس کر دوڑنے لگا تھا۔ ایک پتلی گلی میں مڑتے ہوئے بھاگتے بھاگتے میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"کیا وہ پانچوں مرگئے؟"

"جی ہاں ان کا زندہ رہنا خطرناک تھا کیونکہ بحیثیت شیخ کرامت وہ آپ سے واقف ہوچکے تھے۔ اور میرا تو خیال ہے کہ اب نرگس کا زندہ رہنا بھی ہمارے لئے کسی طرح سودمند نہیں کیونکہ اب پورے میرٹھ میں صرف وہی آپ کو بحیثیت شیخ کرامت پہچانتی ہے۔"

میں نے اس وقت ہمزاد کی اس بات کا جواب نہ دیتے ہوئے اس سے ایک اور سوال کیا "ہماری منزل کہاں ہے؟"

"دہلی بازار! کیا آپ اس سرائے کو بھول گئے جس میں آپ نے میرٹھ آکر پہلی رات گزاری تھی؟ فی الحال کسی ٹھکانے کی ضرورت ہے اس کے بعد حالات پر غور کرکے کوئی صورت نکالی جائے گی۔"

کافی دیر گلیوں گلیوں دوڑنے کے بعد ہم دہلی بازار پہنچ گئے۔ ہمزاد مجھے اسی سرائے میں لے آیا تھا جس میں میں نے میرٹھ کی پہلی رات گزاری تھی۔ کچھ دیر بعد جب میں سرائے کے ایک کمرے میں سکون سے بیٹھا تو ایک مرتبہ پھر ہمزاد کو طلب کیا جو مجھے سرائے تک پہنچا کر یہ کہہ کر رخصت ہوگیا تھا کہ وہ بیگم پل جاکر ذرا حالات معلوم کرکے آتا ہے کہ ہمارے وہاں سے فرار ہونے کے بعد پولیس نے کیا قدم اٹھایا۔ ہمزاد کے آتے ہی میں نے اس سے پوچھا۔

"کوئی تشویش کی بات تو نہیں؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا "اس کی وجہ یہ ہے کہ سوائے نرگس کے یہاں آپ کا حلیہ تک جاننے والا کوئی نہیں۔ بیگم پل پر کھلبلی مچی ہوئی ہے اور اب پولیس کے اعلیٰ حکام کی موجودگی میں پانچوں پولیس والوں کی لاشیں اٹھوائی جا رہی ہیں۔ سب ہی پولیس والوں کی اس طرح اچانک موت پر حیران ہیں اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ پولیس اس سلسلے میں نہایت مستعدی کا ثبوت دے رہی ہے۔ پولیس کے کچھ افسران نواب صاحب کی کوٹھی تک بھی پہنچ چکے ہیں۔ وہ غالباً نرگس سے آپ کے بارے میں کچھ مزید معلومات حاصل کر کے کوئی قدم اٹھانا چاہتے ہیں۔ اب صرف چند لمحوں کی بات ہے کہ نرگس کو بھی راستے سے ہٹا دیا جائے کیونکہ ابھی جب آپ نے مجھے طلب کیا تھا تو پولیس نواب صاحب کی کوٹھی میں داخل ہو رہی تھی۔ میرے خیال سے اب تک وہ نرگس سے گفتگو نہ کر پائے ہوں گے اگر نرگس نے انہیں آپ کا حلیہ اور شکل و شباہت بتا دی تو کچھ الجھن بھی پیدا ہو سکتی ہے۔" ہمزاد نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ صرف حلئے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہمیں اس بے دردی سے قتل و غارت کا بازار گرم نہیں کرنا چاہئے۔ پھر تم جانتے ہو کہ مجھے نرگس پسند بھی ہے۔ مجھے اس بارے میں بتاؤ اس پر میرے فرار ہونے کا کیا رد عمل ہے۔"

"وہ بری طرح خوفزدہ دکھائی دیتی ہے۔ حالانکہ جس وقت میں نے اسے دیکھا تھا اس تک یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ آپ پولیس کی دسترس سے نکل گئے ہیں۔" ہمزاد نے مجھے بتایا۔

اور پھر اسی رات ہمزاد سے مجھے یہ اطلاع ملی کہ پولیس نے تمام پولیس اسٹیشنوں تک میرا حلیہ پہنچا دیا ہے۔ ریلوے اسٹیشن اور شہر سے باہر نکلنے کے تمام راستوں پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا ہے نواب صاحب نے اعلیٰ حکام کا ناک میں دم کر دیا ہے وہ ہر قیمت پر مجھے گرفتار دیکھنا چاہتے ہیں۔

کچھ دنوں سے میرٹھ میں عجیب و غریب اموات کے سبب اعلیٰ حکام خود بھی اس طرف متوجہ ہو گئے تھے اور اب پانچ پولیس والوں کی بیک وقت موت نے تو پولیس کو اور بوکھلا دیا تھا۔

ہمزاد نے یہ بھی اطلاع دی کہ میرٹھ کے بڑے افسران نے فوری طور پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس سلسلے میں تحقیقات کے لئے دارالحکومت سے کچھ ذہین انگریز افسران اعلیٰ کی خدمات حاصل کی جائیں۔

مجھے نواب صاحب اور پولیس کی سرگرمیوں کے بارے میں ایک ایک اطلاع ملتی رہی۔ نواب صاحب نے واقعی اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ میں نے ہمزاد سے اپنے حلئے کے بارے میں سن کر پہلی فرصت میں سرائے کے نائی کو اپنے کمرے میں بلوا کر مونچھیں منڈوا دیں۔ میں جانتا تھا کہ نرگس نے میرے حلئے میں یقیناً ان کا ذکر کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ ہمزاد سے میں نے نہایت معمولی درجے کا لباس منگوا کر پہن لیا۔ اب مجھے دور سے دیکھ کر پہچاننا ذرا مشکل تھا۔ جب میں ان تمام باتوں سے فارغ ہو گیا اور ذرا رات بھی بیت گئی تو میں نے ہمزاد کو ایک مرتبہ پھر طلب کر کے کہا۔

"کیوں کیسی رہے اگر آج رت بھی نرگس میرے پہلو میں ہو؟"

ہمزاد میری بات سن کر اچھل پڑا "یہ کیا غضب کر رہے ہیں آپ! ابھی تو اتنا ہنگامہ ہو چکا ہے اور پھر وہ لڑکی ہرگز قابل اعتماد نہیں وہ پھر سب کچھ جا کر کہہ دے گی اور آپ کا یہاں رہنا بھی دوبھر ہو جائے گا۔ پولیس ویسے ہی آپ کی تلاش میں ہے۔"

"نرگس کو پتہ کب چلے گا کہ وہ کہاں ہے؟ تم کیا بچوں جیسی باتیں کرتے ہو۔" میں نے ہمزاد سے ہنس کر کہا۔

"پھر آپ نے یہ مونچھیں خواہ مخواہ منڈوائیں کل اس کی اطلاع بھی پولیس کو پہنچ جائیں گی کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"ہاں یہ بات ضرور ہے مگر تمہیں ایک بات بتاؤں نرگس آخر کار ایک لڑکی ہے۔ جب اس نے سنا ہوگا کہ میں پانچ پولیس والوں کو قتل کر کے فرار ہو گیا ہوں تو وہ یوں بھی میری طرف سے خوف زدہ ہوگی۔ پھر جب وہ دیکھے گی کہ میں نے اسے دوبارہ اٹھوا لیا ہے تو یقیناً وہ اس قدر ڈر جائے گی کہ اب اپنے باپ سے میرے بارے میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں کرے گی۔ میں تم سے جو کہہ رہا ہوں کرو۔ اب تقریباً آدھی رات گزر چکی ہے سرائے میں ہر طرف سناٹا ہے۔ میں دروازہ کھلا رکھوں گا تاکہ تم آسانی سے اس کا جسم لے کر یہاں داخل ہو سکو۔ جاؤ جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔"

ہمزاد میری بات سن کر نرگس کو لینے روانہ ہو گیا گرمیوں کے دن تھے اور چاندنی راتیں۔ بہت سے مسافروں نے اپنی چارپائیاں سرائے کے کچے صحن میں بچھا رکھی تھیں۔ میں برآمدے میں کھڑا ہوا ہمزاد کے لوٹنے کا منتظر تھا۔ چند لمحوں بعد ہی مجھے ہمزاد فضاؤں میں تیرتا ہوا نظر آگیا۔ اس کے ہاتھوں پر جو جسم تھا اس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ نرگس ہی کا جسم ہے۔ وہ اب آہستہ آہستہ بلندی سے نیچے اتر رہا تھا۔ میں کمرے کی طرف مڑنے ہی والا تھا کہ اسی وقت میری سماعت سے کسی کی آواز ٹکرائی۔ کوئی

تقریباً چیختے ہوئے "بھ ... بھو .... بھوت ... بھوت" کا نعرہ لگا کر اپنے آس پاس سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کر رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک دم سرائے میں جاگ ہو گئی۔ یہ بڑی خطرناک صورت حال تھی۔ میں گھبرا گیا مگر اب جیسے ہی میری نظریں آسمان کی طرف اٹھیں میرا دل ہمزاد کی ذہانت پر جھوم اٹھا۔ اب نرگس کا جسم بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا تھا پھر چند ہی لمحوں میں وہ بالکل نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دیکھنے والوں نے صرف نرگس کا جسم فضا سے نیچے اترتے دیکھا تھا اور ہمزاد کو نہیں دیکھ سکے تھے اس لئے انہوں نے اسے کوئی بلا یا بھوت تصور کیا۔ ہمزاد نے جب یہ محسوس کیا ہوگا کہ سرائے میں جاگ ہو گئی ہے تو نرگس کے جسم کو واپس لے گیا تاکہ میں کسی الجھن اور پریشانی کا شکار نہ ہو جاؤں۔ اس کا یہ فیصلہ یقیناً میرے حق میں تھا میں بھی اجنبی بن کر حقیقت احوال جاننے کے لئے لوگوں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا جو بیچ صحن میں ایک دوسرے کے قریب اس طرح کھڑے تھے کہ اگر جدا ہو گئے تو انہیں کوئی بلا اچک لے جائے گی۔

ایک ضعیف شخص کہہ رہا تھا "میں پیشاب کرنے کے لئے اٹھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر اوپر اٹھ گئی۔ بس کیا بتاؤں میرے حواس جاتے رہے وہ یقیناً کوئی چڑیل تھی۔ میں نے خود دیکھا تھا اس کے بڑے بڑے بال کھلے ہوئے فضا میں لٹک رہے تھے اور اس کی ایڑیاں بھی آگے کی طرف تھیں اور پنجے پیچھے۔"

میں دل ہی دل میں اس بڑھے کی بات پر ہنس دیا۔ جواب بیچ میں اپنے مفروضات بھی شامل کرنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اس بڈھے سے کڑھا بھی بہت جس کی وجہ سے میں نرگس کی قربت سے محروم رہ گیا۔ اگر یہ خبیث نہ جاگ گیا ہوتا تو اتنا ہنگامہ کیوں ہوتا میں تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں لوٹ آیا اور ہمزاد کا انتظار کرنے لگا کچھ ہی دیر میں ہمزاد آگیا اور میں نے اس سے کہا۔

"یہ تو بہت برا ہوا خواہ مخواہ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا لیکن خیر تم نے بہت ہوشیاری کا ثبوت دیا ورنہ میرے لئے مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ اب کچھ دیر ٹھہر جاؤ اس کے بعد اسے اٹھا کر لانا۔"

ہمزاد میری بات سن کر چونک پڑا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں کیا آپ کو یقین ہے کہ جو لوگ نرگس کو دیکھ چکے ہیں وہ اتنے باہمت ہیں کہ نہایت آرام اور بے خوفی سے سو جائیں گے۔ خوف کی وجہ سے ان میں کسی کو صبح تک نیند نہیں آئے گی۔ میرا خیال یہ ہے کہ آج رات آپ صبر کریں۔ زندگی میں بہت سی حسین راتیں آئیں گی۔ کل سب سے پہلا کام کوئی مکان حاصل کرنا ہے تاکہ آپ بحفاظت وہاں رہ سکیں اور وہاں یہ تمام خطرات درپیش نہ ہوں۔"

ہمزاد کے سمجھانے پر آخر کار مجھے مجبوراً خالی آغوش سو جانا پڑا۔ صبح جب ضروریات سے فارغ ہوا تو سرائے میں ہر طرف رات والے واقعہ کا ذکر تھا۔ کئی لوگوں نے مجھے روک کر اس سلسلے میں بات بھی کرنا چاہی مگر میں نے اس میں اپنی عدم دلچسپی کا اظہار کیا اور یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا کہ میں تو آرام سے اپنے کمرے میں سو رہا تھا مجھے کچھ نہیں معلوم اور نہ میں ان خرافات پر عقیدہ رکھتا ہوں۔ جن لوگوں نے رات نرگس کے جسم کو دیکھا تھا وہ قسمیں کھا کھا کر دوسروں کو یقین دلانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ میں چپ چاپ اپنے کمرے میں آگیا کچھ دیر بعد ہمزاد کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اپنے ساتھ بہت سے کپڑے اور دوسری چیزیں لایا تھا۔ یہ کپڑے خاصے قیمتی معلوم ہوتے تھے۔

"انہیں پہن کر دیکھ لیجئے۔ یہ آپ کے جسم پر ٹھیک ہیں کہ نہیں۔ ویسے میں اچھی طرح دیکھ کر ہی لایا ہوں یہ آپ کے صحیح آنے چاہئیں۔" ہمزاد نے کپڑے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ سب کس لئے لائے ہو؟ کل تم نے مجھے معمولی قسم کے کپڑے لا کر دیئے تھے بلکہ شاید میں نے ہی خود تم سے منگائے تھے تاکہ میرا حلیہ کچھ نہ کچھ تبدیل ہو جائے۔" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"یہ کپڑے ان کپڑوں سے قطعی مختلف ہیں انہیں پہننا اس لئے ضروری ہے کہ آپ کوئی صاحب حیثیت آدمی نظر آئیں۔ کیونکہ آج آپ کو ایک مکان خریدنا ہے۔ نیا مکان!"

"مگر روپیہ تو وہیں حویلی میں رہ گیا؟" میں نے کہا۔

"جی نہیں! یہ دیکھئے وہ بکسا بھی یہیں اٹھا لایا ہوں اور اگر آپ کہیں تو آپ کا بقیہ سامان اور کپڑے وغیرہ بھی لا دوں؟"

"نہیں فی الحال رہنے دو۔ جب نیا مکان لے لیں گے تو تم میری حویلی کا سب سامان اٹھا کر نئے مکان میں لے آنا۔" میں نے ہمزاد کو جواب دیا۔

"پولیس نے آپ کی حویلی سیل کر دی ہے۔" ہمزاد نے مجھے بتایا۔

اس کے بعد میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اور شیروانی کی تمام جیبوں میں روپے ٹھونس کر ہمزاد کے ہمراہ سرائے سے باہر نکل کر میں نے ہمزاد سے پوچھا "مگر چلنا کہاں ہے؟"

ہمزاد نے میری بات سن کر جواب دیا "پہلے یہاں سے تو نکلئے یہاں بھی آپ کو پہچاننے والی ابھی ایک شخصیت موجود ہے۔"

"اس بازار میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں کیا آپ شانتی کی نائیکہ امینہ بائی کو بھول گئے۔ ابھی چند قدم آگے اسی کا کوٹھا ہے۔" ہمزاد نے مجھے بتایا اور یہ سن کر میری رفتار کچھ اور تیز ہوگئی۔ جلد ہی ہم دیلی بازار کی حدود سے نکل گئے۔ ہمزاد نے مجھے یکہ کرنے کا اشارہ کیا۔

"لیکن میں اس سے کہوں کدھر کی؟" میں نے ہمزاد سے دریافت کیا۔

"قیصر گنج!" ہمزاد نے جواب دیا۔

پھر اس دن خاصی دوڑ دھوپ کے بعد میں نے قیصر گنج میں ایک خوب صورت بڑا سا مکان خرید لیا۔ یہاں میں نے اپنا نام خورشید احمد خاں شیروانی بتایا تھا۔ اب میں اس نئے نام کے ساتھ یہاں ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ اس مکان کے باہر خوب صورت باغ بھی تھا اور اندر مکان بھی خاصہ بڑا تھا۔ مالک مکان عبدالجبار خاں کی عمر کوئی زیادہ نہیں تھی وہ مشکل سے تیس کے لگ بھگ ہوگا۔ حال ہی میں اس کے باپ کا انتقال ہوا تھا۔ باپ نے کافی جائیداد چھوڑی تھی مگر جبار نے ایک ہی سال میں سب کچھ ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اب یہ آخری مکان بھی فروخت کرکے وہ اپنی بوڑھی ماں کو لے کر خیر نگر دروازے کے ایک چھوٹے سے مکان میں منتقل ہوگیا تھا۔ میں نے ہمزاد سے جبار کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرلی تھیں اس لئے کہ وہ مجھے پہلی ہی نظر میں کام کا آدمی دکھائی دیا تھا۔ جوا، عورت اور شراب اس کی کمزوریاں تھیں۔ ہمزاد کو فوری طور پر اس علاقے میں مکان حاصل کرنے کے لئے کسی ایسے ہی شخص کی تلاش تھی تاکہ وہ فوراً راضی ہوجائے۔ ہمزاد نے میری پرانی حویلی سے جسے پولیس نے سیل کردیا تھا تمام ضروری سامان لاکر نئی حویلی میں اسی دن منتقل کردیا۔ ظاہر ہے کہ اب بیگم پل والی حویلی میری لئے قطعی بیکار تھی۔ اس رات میں بے چینی سے وقت گزرنے کا منتظر تھا کہ کسی طرح آدھی رات گزرے تو میں ہمزاد کے ذریعے نرگس کو اٹھوالوں۔ ایک طرف تو میرے شہوانی جذبات کی تسکین کے لئے یہ بہت ضروری تھا دوسری طرف میں بوڑھے نواب اور خود نرگس کو ان کی حرکت کی سزا دینا چاہتا تھا۔ حالانکہ میرے امکان میں یہ بھی تھا کہ کوئی اور لڑکی اٹھوالیتا مگر میں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کے لئے یہی مناسب خیال کیا کہ نرگس ہی کو تختہ مشق بنایا جائے۔ اس طرح میں اپنے دشمن نواب صاحب کو بھی روحانی کرب میں مبتلا کرسکتا تھا۔ اس مرتبہ بھی میرا یہی فیصلہ تھا کہ نرگس کو واپس نہ کیا جائے۔ یہ سارا وقت میں نے بڑے اضطراب اور بے کلی میں گزارا۔ خدا خدا کرکے رات ذرا ڈھلی تو میں نے ہمزاد کو طلب کرکے نرگس کو اٹھالانے کا حکم دیا۔ چند ہی لمحوں میں وہ میری مسہری پر محو خواب تھی۔ میں تیزی سے اس کے قریب پہنچا اور اسے جگادیا۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے چیخنا چاہا مگر میں نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر سختی سے کہا۔

"اگر تم نے ذرا بھی چیخنے چلانے کی کوشش کی تو اس مرتبہ واقعی تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

مجھے نرگس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے نظر آئے میں نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹالیا۔

"تم نے دیکھا کہ تم کبھی میری دسترس سے باہر نہیں ہو۔ تم نے میری محبت سے ناجائز فائدہ اٹھاکر مجھے پھنسوانے کی کوشش کی لیکن مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لئے بڑا دل گردہ چاہئے۔ مجھے اعتراف ہے کہ تمہارا عیاش باپ بڑے اثر ورسوخ کا مالک ہے مگر میرے آگے ایک تمہارا باپ ہی کیا اچھے اچھے پانی بھرتے ہیں۔ اب دیکھتا ہوں کہ وہ تمہیں کس طرح میری آغوش سے چھینتا ہے۔"

اگلی صبح کپڑے تبدیل کرنے کے بعد ہمزاد کو طلب کرکے ناشتہ وغیرہ منگانے کے لئے سوچ رہا تھا کہ مجھے دروازے پر دستک سنائی دی۔ میرے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں کون ہوسکتا ہے؟ مجھے تو یہاں کوئی بھی نہیں جانتا؟

میں نے کمرے کی کھڑکی ذرا سی کھولی اور باہر جھانکا وہ عبدالجبار تھا۔ عبدالجبار جس سے میں نے یہ مکان خریدا تھا مگر یہ اب کیوں آیا ہے؟ میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ میں کمرہ کھول کر برآمدے سے گزرتا ہوا بڑے دروازے تک پہنچا اور اسے اندر بلالیا۔ میں نے اسے باہر والے کمرے میں ہی بٹھایا تھا۔ وہ حیرت سے کمرے کی سجاوٹ اور قالینوں وغیرہ کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ہی دن میں مکان کی ہیت بدل کر رہ گئی تھی وہ غالباً اسی بات پر حیران تھا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا، آنکھیں سرخ تھیں جیسے وہ رات بھر سو نہ سکا ہو۔ میں نے اس کا جائزہ لے کر اس سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ وہ پہلے کچھ جھجکا پھر کسی قدر ہکلاتے ہوئے اس نے بمشکل کہا "مجھے کچھ پیسے کی ضرورت ہے۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ آپ کے پاس آؤں، مگر اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔"

میں نے اس کی بات سنی تو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے کل ہی تو یہ مکان بیچ کر مجھ سے ایک بڑی رقم لی تھی وہ کیا ہوئی۔ میں نے یہی سوچ کر پوچھا۔

"مگر کل تو تمہارے پاس کافی رقم تھی آخر اس کا کیا ہوا؟"

میرا سوال سن کر وہ کچھ مزید ملول دکھائی دینے لگا۔ "اگر آپ مجھ سے یہ سب نہ پوچھیں تو میں آپ کا ممنون ہوں گا۔ یہ سب کچھ بتانا میرے لئے تکلیف دہ ہے لیکن اگر آپ نے مجھے پیسے نہ دیئے تو مجھے سر چھپانے کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں ملے گی۔"

"مگر تم نے تو بتایا تھا کہ تم اپنی والدہ کو لے کر خیر نگر دروازے میں منتقل ہوگئے۔ کیا وہ تمہارا اپنا مکان نہیں؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"ہاں! کل رات تک تھا مگر اب نہیں۔ میں اس مکان کو بھی ہار چکا ہوں۔" جبار کی آواز میں بڑا دکھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے ہیں۔ مجھے اس پر بہت رحم آیا۔

"تم مرد ہوکر ہمت ہارتے ہو کمال کرتے ہو۔ بولو کتنا روپیہ چاہئے؟"

میری بات سن کر جیسے اس میں زندگی آگئی۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"آپ.... آپ بہت عظیم ہیں خورشید صاحب بہت...."

میں نے اسے اٹھاکر سینے سے لگالیا۔ اب اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد جب اس کی طبیعت سنبھلی تو میں نے اسے ایک بڑی رقم دی۔ جسے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

"مگر مجھے اتنے روپئے کی تو ضرورت نہیں۔" پھر وہ بولا۔ "آپ مجھ سے تحریر لے لیں۔"

"نہیں! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا تم ان روپوں کو جوئے میں برابر نہیں کروگے۔"

وہ میری بات سن کر اچھل پڑا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں جوا کھیلتا ہوں۔"

"اس چکر میں نہ پڑو کہ مجھے کس طرح معلوم ہوا لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ اب تم جاسکتے ہو اور جب جی چاہے میرے پاس آسکتے ہو۔ اس گھر کے دروازے تمہارے لئے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں۔"

جبار کو رخصت کرکے میں ایک مرتبہ پھر نرگس کے کمرے میں آیا۔ وہ ابھی تک اسی طرح بیٹھی تھی۔ میں نے اس کے قریب جاکر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور بولا "اٹھو! وہ سامنے غسل خانہ ہے۔ غسل کرلو اتنے میں ناشتہ منگاتا ہوں۔"

وہ بمشکل میرے اصرار پر اٹھ کر نہانے گئی۔ وہ نہا کر نکلی تو میں ہمزاد سے ناشتہ منگا چکا تھا۔ وہ خاموش خاموش سر جھکائے بالکل مجرموں کی طرح ناشتہ کرتی رہی۔

"سنو! اب اگر تم نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا سمجھ گئیں۔"

وہ میری بات سن کر بھی خاموش رہی۔ میں اسے کمرے میں بند کرکے دوسرے کمرے میں آکر سوگیا۔ شام کے قریب میں سو کر اٹھا اور نرگس کے کمرے میں پہنچا تو وہ جاگ رہی تھی۔ خدا معلوم وہ سوئی تھی یا نہیں؟ اس نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک عجیب جملہ کہا۔

"کیا اس طرح تم سمجھتے ہو کہ میری محبت حاصل کرلوگے؟"

"اس سے تمہارا مطلب؟" میں نے کہا۔

"تم زبردستی میرا جسم تو حاصل کرسکتے ہو مگر مجھے خود سے محبت پر مجبور نہیں کرسکتے۔ میں.....میں...."

نرگس کا جملہ ادھورا رہ گیا اس لئے کہ مجھے دروازے پر دستک سنائی دے رہی تھی۔ میں نے جلدی سے نرگس کو کمرے میں بند کیا اور باہر کے دروازے تک پہنچ گیا۔ میں جبار کو دیکھ کر ٹھٹھکا۔ اس کا چہرہ آج بھی کل کی طرح اترا ہوا تھا میں بغیر کچھ بتائے سب کچھ سمجھ گیا۔ وہ آج بھی جوئے میں سب کچھ ہار آیا تھا جس کی تصدیق بھی کچھ دیر بعد ہوگئی۔

"آخر تم نہیں مانے کیوں؟" میں نے کہا۔

"میں شرمندہ ہوں۔ میں نے سوچا تھا کہ آج رات کے بعد پھر کبھی جوا نہیں کھیلوں گا۔ بس آج رات اگلی پچھلی ساری کسر پوری کرلوں گا مگر تقدیر کے آگے میں ہی کیا سب ہی بے بس ہوجاتے ہیں۔"

"تم جوا کہاں کھیلتے ہو؟ اتنا بڑا جوا ظاہر ہے کسی معمولی جگہ نہیں ہوسکتا۔" میں نے دریافت کیا۔

میرے سوال کے جواب میں اس نے جو کچھ کہا اسے سن کر میں اچھل پڑا۔ اس نے کہا تھا کہ یہ جوا نواب صاحب کے یہاں ہوتا ہے۔ جہاں شہر کے بڑے لوگ اکثر جمع ہوتے ہیں۔ نواب صاحب ہی کی حویلی کے ایک حصے میں جوا ہوتا تھا۔

"تم شام کو آنا۔ آج رات تمہارے ساتھ ہم بھی چلیں گے۔" میں نے جبار سے کہا۔

اسے شاید میری بات پر یقین نہیں آیا "آپ؟ آپ یعنی آپ میرے ساتھ جوا کھیلنے چلیں گے۔ آپ نے تو مجھے منع کیا تھا؟" جبار نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"تم نے ان دو دنوں میں جو رقم ہاری ہے وہ جیتنے کے بعد ہم لوگ واپس آجائیں گے۔ مگر کھیلوگے تم۔ میں صرف تمہاری طرف سے رقم لگاؤں گا۔ اب تم جاؤ۔"

میں نے جبار کو رخصت کیا اور نرگس کے ساتھ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوکر سونے کے لئے لیٹ گیا۔ میں اس رات کچھ زیادہ

ہی تھکا ہوا تھا۔ اس لئے کافی دیر سوتا رہا۔ شام کو جب جبار نے زور زور سے باہر کا دروازہ پیٹا تو میری آنکھ کھلی۔ پھر کچھ دیر بعد ہی میں اور جبار یکے میں بیٹھے بیگم پل کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بیگم پل جہاں سے کئی دن پہلے میں فرار ہوا تھا۔ جہاں میرا سب سے بڑا دشمن رہتا تھا۔ وہ دشمن جس نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جو میری صورت سے ناآشنا تھا۔ آج میں پہلی مرتبہ اس کی حویلی میں جا رہا تھا۔ اس عرصے میں ہمزاد سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ نواب صاحب نے نرگس کی گمشدگی کے بارے میں پولیس کو مطلع کر دیا ہے اور اب پولیس سرگرمی سے نرگس کی تلاش میں ہے۔ کل رات پولیس نے ایک جگہ اس سلسلے میں چھاپہ بھی مارا تھا مگر ناکام رہی تھی۔ نواب صاحب نے دارالحکومت بھی اپنے خاص آدمی روانہ کئے تھے تاکہ وہ وائسرائے سے مل کر میرٹھ کے حالات پر بات کریں۔ امکان تھا کہ بڑے پیانے پر میرٹھ کے حکام کے تبادلے ہوں گے۔ لیکن مجھے حیرت تھی تو صرف اس بات پر کہ ایک طرف تو نواب صاحب اپنی لڑکی کی گمشدگی سے سخت پریشان تھے۔ دوسری طرف ان کی عیاشیاں بدستور جاری تھیں۔

یکہ نواب صاحب کی محل نما حویلی کے سامنے رکا تو میں چونکا۔ جبار یکے سے کود کر نیچے کھڑا ہو گیا تھا اور میرے اترنے کا منتظر تھا۔ میری اس وقت عجیب حالت تھی۔ اگر نواب صاحب کو اپنے سامنے دیکھ کر میں اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا تو کیا ہوگا اس لئے کہ میرا اصل دشمن تو یہی ہے جس نے مجھے قتل کرایا۔ مجھے مصائب میں گرفتار کرایا۔ یہی تو میرا قاتل ہے۔ میں سوچ رہا تھا مگر نہیں مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا پڑے گا۔ میں اسے تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ میں اسے روحانی اذیت میں مبتلا کر دوں گا۔ میں اسے محتاج کر دوں گا۔ یہی سب کچھ سوچتا ہوا نہ جانے کب میں پائیں باغ سے گزرتا ہوا جبار کے ہمراہ ایک بڑے ہال نما کمرے میں پہنچ گیا۔ اس بڑے کمرے میں پندرہ بیس افراد موجود تھے جو مختلف میزوں پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا' ان میں کچھ انگریز بھی تھے جو مجھے حیرت اور دلچسپی کے ملے جلے تاثرات سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی وجہ میرے علم کے مطابق یہ تھی اس زمانے میں مونچھیں منڈوانے کا رواج نہیں تھا۔ سوائے انگریزوں کے یا ان لوگوں کے جو انگریزوں سے انتہائی قربت رکھتے تھے اور ان کی تہذیب و معاشرت سے متاثر تھے۔ کوئی اور ہرگز مونچھیں نہیں منڈاتا تھا۔ ہندوستانی تو بڑی بڑی مونچھیں رکھنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

جبار مجھے لے کر ایک بڑی میز کی طرف بڑھا جہاں کئی کرسیاں خالی تھیں میز پر موجود دوسرے افراد سے اس نے میرا تعارف خورشید احمد شیروانی کے نام سے کرایا۔ اس نے مجھے اپنا عزیز دوست بتایا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ انگریز بھی ہماری میز پر آ گئے۔ وہ اپنے شراب کے گلاس بھی اٹھا لائے تھے۔ وہ دونوں مجھے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے شستہ اردو میں مخاطب کیا تو میں حیرت میں رہ گیا۔ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرا نام جارج ہے اور میں آپ کے شہر کا کلکٹر ہوں۔"

میں نے اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "مجھے آپ سے مل کر بے انتہا خوشی ہوئی مسٹر جارج! خصوصاً اس بات پر کہ آپ نہایت صاف اردو بولتے ہیں۔ مجھے خورشید احمد شیروانی کہتے ہیں۔"

جارج نے ایک ملازم کو اشارے سے بلا کر کہا "ایک گلاس اور لاؤ۔"

"جی نہیں۔ شکریہ! میں شراب نہیں پیتا۔"

وہ میری بات سن کر بہت زور سے ہنسا۔ "کمال ہے۔ آپ غالباً یہاں کے رئیسوں میں ہیں اور شراب نہیں پیتے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ لیکن شاید میں آپ کو قبلہ نواب صاحب کی محفل میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔"

جارج کی بات سن کر میں نے فوراً سنبھل کر کہا "جی ہاں میرا تعلق کانپور سے ہے میں ابھی پچھلے ہی ہفتے یہاں آیا ہوں اور اب مستقل یہیں رہنے کا خیال ہے۔"

نواب صاحب کا ذکر سن کر میں نے ہال میں چاروں طرف نظر دوڑائی مگر مجھے وہ کہیں نظر نہ آئے۔

مختلف میزوں پر لوگ جوا کھیلنے میں مصروف تھے اور ان میں سے سب ہی اپنے حلئے اور چہرے مہرے سے باحیثیت افراد معلوم ہو رہے تھے۔ جبار کا تعلق بھی میرے اندازے کے مطابق طبقہ امراہی سے تھا۔

"آیئے مسٹر جبار! جب تک نواب صاحب تشریف لائیں ہمارے ساتھ ایک آدھ ہاتھ ہو جائے۔" جارج نے میز پر رکھی ہوئی تاشوں کی ایک نئی گڈی کھولتے ہوئے کہا۔ "آپ تو زیادہ تر نواب صاحب سے کھیلتے ہیں اس لئے کہ اتنے بڑے ہاتھ کھیلنے کی اور کس میں جرات ہے۔"

جارج کی بات سن کر اس سے پہلے کہ جبار کوئی جواب دیتا میں بول پڑا۔ "آج بھی یہ لمبے ہی ہاتھ کھیلنے کے ارادے سے آئے ہیں۔"

جبار نے میری طرف دیکھ کر کہا "تو پھر ٹھیک ہے انہیں

نواب صاحب ہی بھگت سکتے ہیں۔ ہم میں اتنا دم کہاں۔"

پھر کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ ہال میں موجود تمام ہی لوگ تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ نواب صاحب ہال میں داخل ہو چکے تھے۔ انہی کے ہمراہ میں نے راحت کو دیکھا جس کی کمر میں ہاتھ ڈالے وہ چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے فرداً فرداً سب سے مصافحہ کیا اور دیر سے آنے کی معذرت کر کے سیدھے ہماری میز کی طرف آئے۔ میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے انہوں نے سوالیہ نظروں سے جبار کو دیکھا۔ جبار نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"یہ میرے عزیز دوست خورشید احمد شیروانی ہیں۔ ابھی حال ہی میں میرٹھ آئے ہیں۔"

کچھ دیر رسمی گفتگو ہونے کے بعد تاش کی بازی شروع ہو گئی۔ میں نے اسی وقت ہمزاد کو طلب کر لیا۔ پھر ظاہر ہے کہ ہمزاد کی موجودگی میں نواب صاحب کا جیتنا ناممکنات میں سے تھا۔ میں نے اپنی تصور کی قوت بروئے کار لاتے ہوئے آنکھیں بند کر کے نواب صاحب کے پتے دیکھے۔ ان کے پاس تین بیگمیں تھیں۔ دراصل ہمزاد نے انہیں بھی بڑے پتے اس لئے دیئے تھے کہ وہ ذرا بڑھ کر چال لگائیں۔ ہمزاد نے یہ گڑبڑ اس وقت کی تھی جب نواب صاحب پتے بانٹ رہے تھے۔ جبار کے ہاتھ میں تین بادشاہ تھے۔ بازی لمبی ہوتی گئی۔ جبار کی طرف سے رقم میں لگا رہا تھا۔ جارج اور میز پر بیٹھے ہوئے بقیہ افراد حیرت اور دلچسپی سے کھیل دیکھ رہے تھے۔ اس لئے کہ نہ تو نواب صاحب ہی پتے پھینکنے کے حق میں تھے اور نہ جبار۔ میں نے جبار کے کہنے پر چال ڈبل کر دی۔ میں نے دیکھا کہ نواب صاحب کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے حیرت کے آثار نظر آئے اور پھر چال کا جواب دے کر اچانک وہ بولے "شو"

جبار کے ہاتھ میں تین بادشاہ دیکھ کر ان کے چہرے پر پسینے کے قطرات چمکنے لگے۔ آج خلاف توقع جبار اتنا بڑا ہاتھ جیتا تھا ورنہ نواب صاحب سے فلش میں جیتنا ناممکن سی بات تھی۔ اس مرتبہ جبار نے تاش کی گڈی اٹھا کر پھینٹی۔ جبار نے میرے خیال میں ایک ہی داؤ میں کل اور پرسوں کی ہاری ہوئی ساری رقم جیت لی تھی۔ پتے بٹ چکے تو میں نے ایک مرتبہ پھر اپنی تصور کی قوت سے نواب صاحب کے پتے دیکھے۔

حالانکہ اس سے پہلے میں دیکھ چکا تھا کہ ہمزاد اپنا کام کر چکا ہے۔ لیکن جیسے ہی میں نے نواب صاحب کے پتے دیکھے میرے پاؤں کے نیچے زمین نکل گئی۔ ان کے ہاتھوں میں اس مرتبہ تینوں یکے تھے۔ میں نے آنکھیں کھول کر جبار کے پتے دیکھے اس کے پاس ایک یکہ' ایک تگی اور ایک پنجا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں پتے قطعی بے کار تھے۔ میں نے چاہا کہ جبار سے پتے پھنکوا دوں اور چال زیادہ نہ بڑھنے دوں۔ مگر ہمزاد نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایسا نہ کرنے کا اشارہ کیا۔ خدا جانے اس میں ہمزاد کی کیا مصلحت تھی۔ وہ بار بار مجھے چال بڑھانے پر اکساتا رہا۔ اب بازی پھر تقریباً اتنی ہی ہو گئی جتنی اس سے پچھلی بازی تھی۔ جبار کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔ اس نے میری طرف بے بسی سے دیکھا۔ میں نے آہستہ سے کہا "کھیلتے رہو۔"

نواب صاحب کے چہرے پر بے انتہا اطمینان تھا۔ اب انہوں نے اپنے تینوں پتے میز پر الٹے رکھ دیئے تھے اور پتے دیکھے بغیر بازی لگا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت تک بازی لگانے پر آمادہ تھے جب تک جبار ہی جی نہ چھوڑ جائے۔ جبار نے بھی اپنے پتے الٹے کر کے میز پر رکھ دیئے تھے اور کھیل جاری تھا۔ یہاں تک کہ میری ساری جیبیں خالی ہونے لگیں۔ اب میز پر پڑی ہوئی رقم پچھلی بازی سے چوگنی ہو چکی تھی۔ میز کا بڑا حصہ روپوں سے بھرا ہوا تھا۔ نواب صاحب نے اپنا ملازم بھیج کر کچھ اور روپیہ منگا کر اس بازی پر لگا دیا تھا۔ ہمزاد نے جب یہ دیکھا کہ اب میری جیبیں تقریباً خالی ہونے والی ہیں تو اس نے شو کرانے کے لئے اشارہ کیا۔ جبار کا چہرہ پسینے سے تر بہ تر تھا وہ سخت گھبرایا ہوا اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ اس سے بازی بڑھاتے رہنے کے لئے خود میں نے کہا تھا۔ اب وہ اگر ہارتا تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا وہ تو بہت پہلے پتے پھینکنے پر تیار تھا۔ میں نے جبار سے شو کرانے کے لئے کہا۔ نواب صاحب مسکرا کر بولے "شو کیا کراتے ہو صاحبزادے خواہ مخواہ تمہیں خفت ہوگی۔" پھر انہوں نے اپنے سامنے پڑے ہوئے تین پتوں میں سے پہلا پتہ شو کیا۔ یہ اینٹ کا اکا تھا۔ اچانک میرا ماتھا ٹھنکا "اینٹ کا اکا تو جبار کے پاس تھا۔" میں نے سوچا "اور یہ دیکھو" نواب صاحب نے یہ کہہ کر بقیہ دونوں پتے بھی شو کر دیئے۔ وہ تگی اور پنجے تھے۔ نواب صاحب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے پتے دیکھ رہے تھے۔ "یہ.... یہ کیسے..... کیسے ہو سکتا ہے... میرے پاس تو تین اکے تھے۔" نواب صاحب سر پکڑ کر بڑبڑا رہے تھے۔

پھر جب میرے کہنے پر جبار نے اپنے پتے شو کئے تو.... ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آئے۔ پھر وہ خوشی سے چیخا۔ "تین اکے ادھر ہیں نواب صاحب! یہ دیکھئے۔"

"لیکن یہ تینوں میرے پاس تھے۔ یہ.... یہ کھلی بے ایمانی ہے۔" نواب صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔

"نواب صاحب! معاف کیجئے گا ہم سب کی موجودگی میں صاف کھیل ہوا ہے۔ آپ واقعی ہار چکے ہیں ہم خود پوری توجہ سے کھیل دیکھ رہے ہیں۔ جبار نے کچھ نہیں کیا۔" جارج نے مداخلت کرتے ہوئے نواب صاحب کو سمجھایا۔ اس عرصے میں جبار میز پر رکھی ہوئی تمام رقم اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔ نواب صاحب ایک دم کھڑے ہوئے۔

"ہماری طبیعت کچھ ناساز ہے۔ چلو راحت۔" نواب صاحب راحت کی کمر میں ہاتھ ڈال کر چل دیئے۔ "آپ لوگ بیٹھنا چاہیں تو بیٹھئے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر اب میں آپ لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔" نواب صاحب یہ کہہ کر دروازے سے باہر نکل گئے۔

ہال میں موجود تمام لوگ اپنا اپنا کھیل چھوڑ کر ہمارے گرد جمع ہوگئے تھے۔ رات کیونکہ اب خاصی بیت چکی تھی۔ اس لئے کسی نے دوبارہ کھیل جمانے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں موجود افراد میں سے زیادہ تر کے پاس اپنی سواریاں تھیں۔ رفتہ رفتہ لوگ ہال سے باہر نکلنے لگے۔ جبار نے تمام رقم میر طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ سب آپ کی برکتوں کا نتیجہ ہے اس لئے آپ اپنے پاس رکھئے۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں! یہ سب تم اپنے پاس رکھو۔"

"لیکن اس میں سے آپ اپنے روپے تو لے لیں۔" جبار نے اصرار کیا۔

"مجھے جب ضرورت ہوگی لے لوں گا۔ فی الحال انہیں اپنے پاس رکھو۔"

پھر جارج کی ایما پر ہم ہال سے نکل کر اس کی فٹن میں بیٹھ گئے۔ وہ جبار کو خیر نگر دروازے چھوڑ کر مجھے چھوڑنے قیصر گنج آیا اور وہاں سے پھر بیگم پل کے لئے روانہ ہوگیا اس لئے کہ اس کا قیام وہیں تھا۔

اس رات کے بعد اب تقریباً ہر رات میں جبار کے ہمراہ نواب صاحب کی حویلی میں جانے لگا۔ لیکن اب جبار میری ہدایت پر جوا کھیلنے سے اجتناب کرتا تھا۔ کئی مرتبہ نواب صاحب میرے مشورے پر مختلف لوگوں سے کھیلے اور جیتے۔ لوگوں کو سخت حیرت تھی کہ میں خود تو تاش کو ہاتھ نہیں لگاتا مگر دوسروں کو کھلاتا ہوں۔ اس عرصے میں میں نواب صاحب کے خاصا قریب ہوگیا۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے اپنی لڑکی نرگس کی گمشدگی کے بارے میں بھی ذکر کیا۔ شہر کا کلکٹر جارج بھی اب مجھ سے کسی حد تک بے تکلف ہوچکا تھا۔

اسی طرح پورے سات دن گزر گئے۔ نرگس اب تک میرے ہاں تھی۔ ہرچند کہ اب وہ مجھ سے سخت بیزار تھی اور اسے ہروقت رونے دھونے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس رات میں سونے کے لئے لیٹا ہی تھا کہ مجھے اپنے بازو میں چبھن محسوس ہوئی جیسے کسی نے میرے بازو میں سوئی بھونک دی ہو۔ اسی کے ساتھ ہی مہ پارہ کی جانی پہچانی آواز ابھری۔

"شیخ! آج آخری دن ہے۔ آج تمہیں یہ شہر چھوڑ دینا ہے۔ تم یقیناً اپنا وعدہ نہ بھولے ہوگے۔"

"مجھے یاد ہے مہ پارہ! کل تم مجھے یہاں نہیں دیکھوگی۔" میں نے نرمی سے اس کی بات کا جواب دیا۔ اسی کے ساتھ ہی مجھے اپنے بازو کی چبھن ایک دم ختم ہوتی محسوس ہوئی جیسے کسی نے میرے بازو سے سوئی کھینچ لی ہو۔

"مجھے زندگی بھر تمہارے وصل سے محرومی کا احساس رہے گا۔" میں نے اس سے مزید یقین دہانی کے لئے کہا۔ جیسے آج میں واقعی یہ شہر چھوڑ کر جانے والا ہوں۔

"بھول جاؤ ان احمقانہ باتوں کو۔ تم میرے لئے نہیں، نہ میرے لئے تم جیسوں کی کمی ہے۔ مجھے تمہارے دانشمندانہ فیصلے پر خوشی ہے کہ تم یہ شہر چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ ورنہ اپنی تباہی کے خود ذمے دار ہوتے۔ اچھا الوداع، ہمیشہ کے لئے الوداع۔" مہ پارہ کی آواز آنا بند ہوگئی۔

****

سورج طلوع ہوئے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی مجھے ایک دم ہمزاد کی باتیں یاد آگئیں۔ یقیناً مہ پارہ آج رات اپنا عمل شروع کرنے والی تھی۔ میں اپنی رنگ رلیوں میں اتنا مست تھا کہ میں نے ہمزاد سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو ہی نہیں کی تھی۔ ہمزاد کا خیال آتے ہی میں نے اسے فوراً طلب کیا۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے مہ پارہ کے عمل میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے کیا سوچا ہے۔ ہمزاد کے آتے ہی میں نے اس سے اپنا سوال دوہرایا۔ اس نے کہا "میں تو ادھر ہی روانہ ہونے والا تھا لیکن آپ کے طلب کرنے پر یہاں آگیا۔"

"کیا مطلب؟ تم ابھی سے وہاں جاکر کیا کروگے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اب تک اپنا عمل شروع کر چکی ہوگی۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "یعنی دن میں؟ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں سمجھا شاید وہ رات کے وقت اپنا عمل شروع کرے گی۔"

"وہ مسلسل تین دن تک اپنا عمل جاری رکھے گی اس کا عمل سورج طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد شروع ہونا تھا۔ اگر آپ

اجازت دیں تو میں روانہ ہوجاؤں۔" ہمزاد نے کہا۔

"یقیناً تم فوراً وہاں پہنچو اور کسی طرح اس کے عمل میں رکاوٹ پیدا کرو۔" میں نے ہمزاد سے کہا اور وہ فوراً غائب ہوگیا۔

اب میں نے آنکھیں بند کرکے اپنے تصور کی قوت کو آزمایا۔ میں نے مہ پارہ کا تصور کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ میرے سامنے تھی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایک نظر دیکھ کر میں اسے پہچان بھی نہ پایا۔ اس کا خوبصورت اور حسین جسم اس وقت قطعی ڈھیلا ڈھالا اور بے ڈول لگ رہا تھا حالانکہ اب سے پہلے جب میں نے اسے دیکھا تھا تو اس کا جسم خاصا کسا کسا اور جاندار تھا۔ چہرے پر بھی ایک آدھ جھری پڑی ہوئی تھی اور سر کے بالوں میں سفید بالوں کی خاصی تعداد بھی نظر آرہی تھی۔ وہ اپنی حویلی کی چھت پر دھوپ میں سورج کے روبرو کھڑی تھی۔ اس کے جسم سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں سورج کی طرف تھیں اور وہ بغیر پلک جھپکائے سورج کی طرف دیکھ رہی تھی ساتھ ساتھ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کے جسم کے ڈھلنے میں یقیناً اس بات کا دخل ہے کہ اب اس کی پراسرار قوتیں پورے ایک سال بعد نئی توانائی چاہتی تھیں۔ یقیناً اس کا اصل جسم یہی تھا جو اس وقت مجھے نظر آرہا تھا۔ مگر وہ ہر سال اپنی پراسرار قوتوں کو تازہ کرکے اپنے جسم کو جوان، حسین اور پرکشش بنالیتی تھی۔ جیسا کہ مجھے ہمزاد بھی بتا چکا تھا کہ اس کی عمر زیادہ ہے مگر لگتی نہیں ہے۔ حویلی کی چھت کی منڈیریں خاصی اونچی تھیں اس لئے مہ پارہ کو اپنے دیکھے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ آس پاس کوئی اتنی بلند حویلی بھی نہیں تھی جہاں سے یہ چھت نظر آتی۔ مہ پارہ بڑے سکون سے اپنے عمل میں مصروف تھی کہ اچانک میں نے اس کے قریب ہمزاد کو دیکھا۔ نہ جانے ہمزاد نے کیا کیا کہ ایک دم مہ پارہ بہت زور سے اچھلی۔ وہ اوندھے منہ گرتے گرتے بچی مگر میں نے دیکھا کہ اس کی نظریں اس کے باوجود سورج کی طرف سے نہیں ہٹیں۔ پھر دوسرے ہی لمحے مجھے ہمزاد کی چیخ سنائی دی۔ اسی لمحے میں نے دیکھا کہ مہ پارہ کے چاروں طرف اچانک دودھیا روشنی کا ایک حصار سا کھینچ گیا تھا اور اب اس حصار کے اندر ہمزاد بھی تھا۔ مجھے اس کا وجود جلتا ہوا سا محسوس ہوا لیکن میرے دیکھتے ہی دیکھتے ہمزاد نے اچانک اس حصار سے باہر چھلانگ لگا دی اور اوندھے منہ چھت پر گرا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بمشکل اٹھ سکا۔ اس کے پاؤں بری طرح کانپ رہے تھے۔ اس کا چہرہ جھلسا ہوا تھا۔ مہ پارہ اپنے عمل میں بدستور مصروف تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ پھر میں نے ہمزاد کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے۔ چند لمحوں بعد ہی میرے سامنے ایک عجیب اور ناقابل یقین منظر تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ہمزاد نے جھنجلا کر وہ چھت ہی گرا دی جس کے اوپر مہ پار کھڑی تھی۔ چھت گرنے سے بڑے زور کی آواز ہوئی تھی مگر شاید گھر میں طبیب خاص ارشاد احمد خاں نہیں تھے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ آس پاس کی حویلیوں کے لوگ باہر نکل کر اس دھماکے کے بارے میں آپس میں پوچھ گچھ کررہے تھے۔ مہ پارہ کی حویلی کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا گیا لیکن ظاہر ہے کہ جواب کون دیتا۔ لوگ مایوس ہوکر پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ خیر یہ سب کچھ تو تھا ہی مگر سب سے حیرت انگیز بات جو میں دیکھ رہا تھا وہ یہ تھی کہ چھت گرنے کے باوجود مہ پارہ کے عمل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

اس کے پاؤں فضا میں لٹکے ہوئے تھے اور وہ اسی طرح سیدھی کھڑی سورج کے روبرو اپنے عمل پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کے چاروں طرف دودھیا روشنی کا حصار بدستور قائم تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر ہمزاد کو روشنی کے حصار کے پاس دیکھا اس نے اس مرتبہ حصار پر پتھروں کی بارش کردی مگر مہ پارہ کے استغراق میں کوئی فرق نہیں پڑا اور نہ ہی کوئی پتھر حصار کے اندر داخل ہوسکا۔ ہمزاد نے اس پر اپنا ہر حربہ استعمال کردیا مگر وہ روشنی کا حصار اس کے لئے مصیبت بنا ہوا تھا۔ دوپہر بارہ بجے تک یہی کھیل جاری رہا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ مہ پارہ نے ایک دم آنکھیں بند کرلیں اور اس کا جسم آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد اب وہاں سے غائب ہوگیا۔ اسی کے ساتھ اچانک میری نظروں سے سارا منظر غائب ہوگیا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا رہ گیا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور فوراً ہمزاد کو طلب کیا۔

"یہ کیا ہوا؟ اب کیا ہوگا؟ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم اس کے عمل میں رکاوٹ ڈال سکوگے۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔

ہمزاد نے تھکی تھکی آواز میں جواب دیا۔ "ابھی دو دن اور باقی ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا میں نے اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں کہ کسی بھی طرح اس کا عمل رک جائے مگر آپ نے خود دیکھ لیا کہ مجھے الٹا نقصان ہی پہنچا۔ اگر میں اس حصار سے باہر چھلانگ لگانے میں ذرا بھی دیر کرتا تو میرا وجود جل کر خاک ہوجاتا۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میرا چہرہ اور ہاتھ پیر بری طرح جھلس گئے ہیں۔" ہمزاد بات کرتے کرتے رکا تو میں نے اس سے ایک اور سوال کیا۔

"اس عمل کے بارے میں تمہیں اور کیا کیا تفصیلات معلوم

ہیں؟"

ہمزاد نے مجھے بتایا "یہ عمل جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا کہ سورج طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد سے شروع ہوتا ہے اور مسلسل تین دن تک کیا جاتا ہے جب تک کہ سورج نصف النہار تک نہ پہنچ جائے۔ اس کے بعد پراسرار قوتیں عامل کو اپنی حفاظت میں لے لیتی ہیں۔ اس دوران نہ تو مہ پارہ کسی سے ملے گی نہ بات کرے گی اور نہ ہی اسے کوئی نقصان پہنچایا جاسکتا ہے بلکہ اس کے برعکس اگر کوئی قوت اس دوران اس پر حملہ آور ہونا چاہے تو اس کی جان خطرے میں پڑنے کا احتمال ہوتا ہے۔ اسی لئے میں واپس آگیا۔ جو کچھ ہو سکتا ہے وہ صرف اس کے عمل پڑھنے کے دوران ہو سکتا ہے۔" ہمزاد خاموش ہوگیا۔

"شاید اسی لئے اس کے بعد میری تصور کی قوت بھی اسے دیکھنے میں ناکام ہوگئی؟" میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"جی ہاں! یہی وجہ ہوگی۔"

"مگر جب تم وہاں سے چلے تھے تو تم نے کیا دیکھا؟"

"میں نے دیکھا کہ مہ پارہ آنکھیں نیچے چھت کے گرے ہوئے ملبے پر اتری پھر وہ اسی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے ملبے سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ اس کے چاروں طرف سے بیشمار سانپ نہ جانے کہاں سے رینگتے ہوئے آئے اور اس کے جسم پر رینگنے لگے پھر اس نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ اس کے بعد میں چلا آیا۔" ہمزاد ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "کاش ہم دو ہوتے۔"

میں ہمزاد کی بات نہ سمجھ سکا۔ "دو سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میرا مطلب دو ہمزاد سے تھا۔ دو اشخاص کے ہمزاد مل کر بڑی قوت بن سکتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے بس میں اس کا ہمزاد ہوتا اور وہ شخص ہمارا دوست ہوتا تو اس وقت صورت حال یکسر مختلف ہوتی۔ ہم دو مل کر یقیناً مہ پارہ پر بھاری پڑتے۔"

ہمزاد کی بات سن کر میں بولا "تم نے مجھے یہ بالکل نیا خیال سجھا دیا۔ کاش تم پہلے سے مجھے بتاتے تو کوئی نہ کوئی انتظام ہو سکتا تھا۔"

"یعنی؟" ہمزاد نے پوچھا۔

"یعنی یہ کہ کسی کو اس بات پر آمادہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ اپنے ہمزاد کو قابو میں کرے۔ عمل اسے میں بتا سکتا تھا۔" میں نے کہا۔

"لیکن ایسا کون شخص ہو سکتا ہے؟ اب بھی کیا بگڑا ہے ہمیں تو بہر حال بقول آپ کے اسی شہر میں رہنا ہے۔ اور اگر نہیں بھی رہنا تو مہ پارہ سے تو ٹکرانا ہی ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے یہ بات بے حد سود مند ثابت ہو سکتی ہے۔" ہمزاد نے کہا۔

"لیکن اب اس کے لئے وقت بھی تو چاہئے۔ ۴۱ دن سے پہلے تو کسی بھی صورت میں کوئی شخص اپنے ہمزاد کو قابو میں نہیں کرسکتا۔ پھر یہ خدشہ بھی ہے کہ اس کا عمل پورا ہو پائے یا نہ ہو پائے۔" میں بولا۔

"لیکن آپ اس شخص کا نام تو بتایئے جس سے آپ یہ عمل شروع کرانا چاہتے ہیں' کون ہے وہ؟" ہمزاد نے پوچھا۔

"میرے ذہن میں جبار کا نام تھا۔ وہ یوں بھی میری بڑی عزت کرتا ہے پھر میں اس کا محسن بھی ہوں اس کے علاوہ جب وہ ہمزاد کے بارے میں سنے گا اور اس کی پراسرار قوتوں کا اسے علم ہوگا تو یقیناً عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔" میں نے ہمزاد کو بتایا۔

ہمزاد نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔

پھر اسی دن جبار میرے پاس بیٹھا ہوا نہایت سنجیدگی سے ہمزاد کی پراسرار قوتوں کے بارے میں سن رہا تھا۔ میں نے اس کے سامنے چند عملی مظاہرے بھی کئے۔ وہ بے انتہا متاثر ہوا اور ہمزاد کا عمل کرنے پر راضی ہوگیا۔ میں اسے عمل کے بارے میں ضروری ہدایات دینے لگا۔

"سنو! تمہیں عمل کے بارے میں کسی کو کچھ بتانا نہیں ہے کہ تم ہمزاد کو قابو میں کرنے کے لئے عمل کر رہے ہو۔ اس کے علاوہ تمہیں عمل کے دوران جو واقعات درپیش ہوں ان کا ذکر بھی کسی سے نہیں کرنا البتہ مجھے ضرور بتا سکتے ہو۔ عمل کے دوران شراب اور دیگر نشہ آور اشیا سے مستقل دور رہنا اور گوشت کھانا قطعی ترک کر دینا پڑے گا۔ تم کسی بھی دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھا سکو گے ہمیشہ عمل کے دوران اپنی اصل خوراک سے کچھ کم ہی کھاؤ گے۔ اس کے علاوہ اس دوران تم عورت سے قطعی دور رہو گے بلکہ بہتر یہ ہے کہ تم ان دنوں میں کسی سے ملو ہی نہیں۔ تمہیں اپنے مکان میں ایک الگ کمرہ عمل کرنے کے لئے منتخب کرنا پڑے گا۔ اس کمرے کو پہلے صاف ستھرا کرلینا اور اگر ہوسکے تو بہتر یہ ہے کہ اس کمرے کی دیواروں پر قلعی کرالو۔ جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو عمل سے پیشتر کمرے کو اچھی طرح دھوپ وغیرہ دے لینا۔ اس کمرے میں سوائے تمہارے اور کوئی داخل نہیں ہونا چاہئے۔ صرف ایک لنگوٹ باندھو گے۔ عمل روزانہ مقررہ وقت پر بلاناغہ کرنا پڑے گا۔ جب تم یہ تمام تیاریاں مکمل کرلو گے تو میں تمہیں وہ دن بتاؤں گا جس دن سے تمہیں عمل شروع کرنا ہے۔ ویسے چاند کی پہلی تاریخوں میں یہ عمل شروع

کرنے سے عمل کی کامیابی کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں بلکہ چاند کی پہلی تاریخوں ہی میں یہ عمل شروع کرنا درست بھی ہے۔" میں کافی دیر تک جبار کو ہمزاد کے عمل سے متعلق ہدایات دیتا رہا اور کافی دیر بعد اسے رخصت کیا۔ میں نے اسے ابھی وہ عمل نہیں بتایا تھا جس کے ذریعے وہ اپنے ہمزاد کو قابو میں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ ابھی چاند کی پہلی تاریخوں میں کم از کم دس دن باقی تھے۔

دوسرے دن صبح میں پھر مہ پارہ کو دیکھ رہا تھا۔ اب وہ اپنی حویلی کی دوسری قریبی چھت پر عمل میں مصروف تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد نے اس دن بھی اپنی انتہائی کوشش کی کہ مہ پارہ کی توجہ کسی طرح سورج کی طرف سے ہٹا دے لیکن انہی کوششوں میں دوپہر کے بارہ بج گئے اور ہمزاد ناکام میرے پاس لوٹ آیا۔

"اب صرف کل کا آخری دن باقی ہے۔ مجھے نظر آرہا ہے کہ ہمیں شہر چھوڑ کر بھاگنا ہی پڑے گا۔" ہمزاد نے مایوسی کہا۔

"ابھی سے کیوں ہمت ہارتے ہو۔ آخری کوشش اور کرلو۔"

"اور پھر تیسری صبح بہت قیامت خیز تھی۔ جب ہمزاد روانہ ہوا تو میں نے اس سے کہا "اگر تم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تو کم از کم اسے رسوا تو کر ہی سکتے ہو۔"

میری بات سن کر ہمزاد چونکا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر آج بھی خدانخواستہ تم ناکام ہونے لگو تو طبیب خاص کی پوری حویلی کو کھنڈر میں تبدیل کردو۔ ظاہر ہے اس طرح مہ پارہ فضا میں معلق ہو جائے گی اور پھر سارا میرٹھ نظارہ دیکھے گا۔"

پھر واقعی ایسا ہی ہوا بھی۔ جب بارہ بجنے میں کوئی آدھا گھنٹہ باقی رہ گیا اور ہمزاد کو یقین ہوگیا کہ وہ مہ پارہ کا کچھ نہ بگاڑ پائے گا تو اس نے پہلے وہ چھت گرا دی جس پر مہ پارہ کھڑی تھی پھر ساری حویلی دیکھتے ہی دیکھتے کھنڈر بن گئی۔ سارا میرٹھ ہی یہ عجیب و غریب منظر دیکھنے امنڈ پڑا تھا۔ خوش قسمتی سے اس دن بھی طبیب خاص ارشاد احمد خاں حویلی میں موجود نہیں تھے ورنہ ملبے میں دب جاتے۔ مہ پارہ اپنی حویلی کے ملبے کے اوپر فضا میں معلق تھی اور اس کے چاروں طرف دودھیا روشنی کا حصار قائم تھا۔ شاید طبیب خاص کو بھی کسی نے اس حادثے سے مطلع کر دیا تھا۔ وہ بھی نیچے سڑک پر مجمع کے ساتھ سہمے ہوئے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ایک عجیب و غریب اور ناقابل یقین منظر ان کے سامنے تھا۔ وہ سب مبہوت سے بنے مہ پارہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ خبر شاید آگ کی طرح پورے میرٹھ میں پھیل گئی تھی۔ بیگم پل میں ہجوم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہاں مجھے کلکٹر جارج' نواب صاحب اور دیگر معززین شہر بھی نظر آئے۔ سب ہی حیرت زدہ اور دم بخود تھے۔ آدھے گھنٹے میں اچھا خاصہ ہنگامہ گرم ہوگیا۔ میرے جذبہ انتقام کو مہ پارہ کی رسوائی سے کافی سکون مل رہا تھا لیکن یہ آدھا گھنٹہ ہوا کی طرح گزر گیا۔ اسی کے ساتھ مجھے اپنے تصور کی قوت ختم ہوتی محسوس ہوئی۔ میں نے دیکھا تھا کہ مہ پارہ کا جسم آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔ پھر وہ ملبے پر اتر کر سیدھی کھڑی ہوگئی تھی۔ اب اس کا جسم پھر پہلے ہی کی طرح حسین پرکشش اور جوان دکھائی دے رہا تھا۔

میں نے دیکھا کہ مجمع سے کئی نوجوان بے خود سے ہو کر اس کی طرف بڑھے جنہیں موقع پر موجود پولیس کی بھاری جمعیت نے روک دیا۔ مہ پارہ نے مجمع کی طرف ہاتھ اٹھا کر کسی سے کوئی چادر مانگی۔ اسی وقت فوراً ایک چادر اسے مہیا کر دی گئی۔ جس سے اس نے اپنے جسم کو ڈھانپ لیا۔ اب وہ کلکٹر جارج اور نواب صاحب کے درمیان کھڑی تھی۔ اس کے بعد اچانک میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اسی لمحے مجھے ہمزاد اپنے قریب نظر آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کچھ گھبرایا ہوا ہے۔ میرے کہنے سے پہلے اس نے جلدی سے کہا۔

"پولیس کی ایک بھاری جمعیت اس طرف آنے والی ہے مہ پارہ نے اس سارے ہنگامے کی ذمے داری آپ پر ڈال دی ہے۔ اس نے نواب صاحب' کلکٹر جارج اور دوسرے اعلیٰ حکام سے آپ کے بارے میں کہا ہے کہ آپ چند پراسرار قوتوں کے مالک ہیں جن کے ذریعے آپ نے اسے اس حال کو پہنچایا اور یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔ اس نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں اچھی بھلی لیٹی تھی کہ اسے ایک دم حویلی گرتی محسوس ہوئی۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی اور پھر اچانک اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اسے کچھ نہیں معلوم کہ اسے کس نے بے ہوش کیا۔ لیکن بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے حویلی میں آپ کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔ پھر کیا اور کیسے ہوا اسے کچھ معلوم نہیں۔ مہ پارہ نے پولیس کو یہ بھی بتایا کہ آپ بہت دن سے اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور کئی مرتبہ اسے زبردستی اپنی حویلی میں بھی لے گئے ہیں جہاں اس نے نرگس کو بھی دیکھا ہے۔ اس نے پولیس کو حویلی کا پتہ بھی بتا دیا ہے۔" ہمزاد کی بات سن کر میں بھی گھبرا گیا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے؟" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"سوائے فرار کے اور کوئی راستہ نہیں۔ پولیس اب یہاں تک پہنچنے ہی والی ہوگی۔"

ہمزاد کسی طرح مجھے لے کر ریلوے اسٹیشن تک پہنچ گیا اور میں پلیٹ فارم پر رینگتی ہوئی ایک مسافر گاڑی میں بھاگ کر چڑھ گیا۔ چند ہی لمحے بعد ٹرین نے اسپیڈ پکڑلی۔ میں اتنی گھبراہٹ میں بھاگا تھا کہ ٹکٹ بھی نہ لے سکا۔ نہ میرے علم میں یہ تھا کہ یہ ٹرین کہاں جارہی ہے؟ میں نے ایک سیٹ پر بیٹھتے ہی ہمزاد کو طلب کرکے اس سے اس سلسلے میں پوچھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ٹرین کول کی طرف جارہی ہے۔

میں اپنی سرگزشت پڑھنے والوں کو یہ بتادوں کہ اس زمانے میں علی گڑھ کا نام کول تھا اور اس کی حیثیت ضلع کی نہیں ایک تحصیل کی تھی۔ اسے تحصیل کول کہا جاتا تھا۔ ہمزاد کے رخصت ہوتے ہی مجھے ڈبے میں ٹی ٹی آئی داخل ہوتا نظر آیا۔ ٹرین اس وقت ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر کھڑی تھی جہاں سے یہ ٹی ٹی آئی سوار ہوا تھا۔ ٹرین مشکل سے اس اسٹیشن پر دو منٹ ٹھہر کر پھر چل دی۔ ٹی ٹی آئی مسافروں کے ٹکٹ چیک کرتا ہوا مجھ تک پہنچ گیا۔

''ٹکٹ؟'' اس نے سوال کیا اور میں چکرا گیا۔ لیکن اسی لمحے میں پھر ہمزاد کو طلب کرچکا تھا۔ میں نے ٹی ٹی آئی کی طرف دیکھ کر کہا ''کتنے ٹکٹ چاہئیں؟''

میں محسوس کرچکا تھا کہ ہمزاد نے میری جیب میں لاتعداد ٹکٹ بھر دیئے ہیں۔ وہ شاید پوری ٹرین کے مسافروں کے ٹکٹ اڑالایا تھا۔ ٹی ٹی آئی میری بات سن کر بوکھلا گیا۔ مجھے یہ سوچ کر بڑی ہنسی آئی کہ بقیہ مسافروں کا کیا حال ہوگا جن کے ٹکٹ ہمزاد اڑالایا تھا۔ میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ پھر ایک مرتبہ ٹرین کے بریک لگے۔ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ وہ ریلوے کے محکمے پر لعنت ملامت کر رہے تھے کہ اس چھوٹے اسٹیشن پر یہ ٹرین کبھی نہیں رکتی مگر آج خلاف توقع یہاں بھی رک گئی تھی۔ ٹرین آہستہ ہوتے ہوتے بالکل رک گئی۔ لوگوں نے نیچے اترنا چاہا کہ معلوم کرسکیں کہ ٹرین یہاں کیوں رکی ہے مگر کسی کو بھی ڈبے سے اترنے کی اجازت نہیں ملی۔ ہر ڈبے کے دونوں دروازوں پر مسلح سپاہی متعین تھے جنہوں نے مسافروں کو اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہنے کی تلقین کی۔ کچھ مسافروں کے استفسار پر میرے ڈبے پر متعین پولیس والے نے بتایا۔

''ہمیں میرٹھ سے حکم ملا ہے کہ اس ٹرین کو روک لیا جائے کیونکہ اس میں ایک نہایت خطرناک مجرم سفر کر رہا ہے۔ میرٹھ کے افسران بالا کا حکم ہے کہ ان کے پہنچنے سے پہلے کسی بھی مسافر کو ٹرین سے نہ اترنے دیا جائے۔ وہ خود آکر مجرم کو شناخت کریں گے۔ جب تک اعلیٰ افسران یہاں تک نہ پہنچ جائیں ٹرین یہیں کھڑی رہے گی۔ آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ اطمینان سے اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہیں۔ اگر آپ میں سے کسی نے ڈبے سے اترنے کی کوشش کی تو نتیجے کے ذمے دار ہم نہیں ہوں گے۔''

پولیس والا یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔ میری نظر اس کے ہاتھ پر تھمی ہوئی بندوق پر تھی جس کا رخ ڈبے کی طرف تھا۔

****

حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ مہ پارہ نے اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے کر پولیس کے اعلیٰ حکام کو میرے فرار سے آگاہ کر دیا ہے۔ ورنہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پولیس کو یہ علم ہوجاتا کہ میں کس ٹرین سے سفر کر رہا ہوں۔ یہ سوچ کر مجھے مہ پارہ پر شدید غصہ بھی آیا اور اپنے بچنے کی فکر بھی لاحق ہوئی۔ میں نے بغیر وقت ضائع کئے ہمزاد کو طلب کرلیا۔ ظاہر ہے کہ مجھے اس سنگین صورت حال سے صرف وہی بچا سکتا تھا۔ پھر چند ہی لمحوں بعد میری آنکھوں نے وہ عجیب معرکہ دیکھا جسے میں آج تک فراموش نہیں کرسکا۔ اور شاید وہ لوگ بھی ایک طویل عرصے تک اس واقعے کو نہ بھول سکے ہوں جو اس ٹرین سے سفر کر رہے تھے۔ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اتنا عجیب تھا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اچانک یہ سب کیا ہوگیا۔ دیکھنے والوں نے تو صرف اتنا دیکھا کہ اچانک پولیس کے سپاہیوں نے ایک دوسرے پر گولیاں چلانا شروع کر دی۔ ان میں سے کئی موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ گولیوں کی مسلسل آوازوں اور چیخ و پکار نے لوگوں کے حواس معطل کر دیئے تھے۔ وہ گولیوں کی زد سے اپنی جان بچانے کی خاطر ڈبوں سے اتر کر جدھر منہ اٹھتا، بھاگ نکلتے تھے۔ میرے ڈبے کے سامنے متعین پولیس والے بھی یا تو گولیوں کی نذر ہوچکے تھے یا وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اب میرے فرار کا راستہ قطعی صاف تھا۔ میں نے دانستہ اس چھوٹے سے اسٹیشن کی قریبی آبادی کی طرف جانے سے گریز کیا جہاں ٹرین رکی تھی۔ اس لئے کہ مجھے خطرہ تھا کہ حالات سنبھلتے ہی سب سے پہلے مجھے وہیں تلاش کیا جائے گا۔

میں امرودوں کے ایک باغ کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اسی وقت ہمزاد مجھ تک پہنچ گیا۔ وہ آتے ہی بولا ''وہ اس قدر بدحواس ہیں کہ انہیں پوری طرح سنبھلنے کے لئے تین چار گھنٹے چاہئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے آپ کو کسی محفوظ مقام تک پہنچا دوں۔''

میں نے ہمزاد کی طرف دیکھ کر اظہار ممنونیت سے کہا۔ ''تم نے واقعی زبردست معرکہ انجام دیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ یہاں سے سب سے نزدیک کون سی آبادی ہے اس جگہ کو چھوڑ کر جہاں ٹرین

رکی تھی۔''

میری بات سن کر ہمزاد نے فوراً جواب دیا ''اس کے علاوہ تو قریبی آبادی صرف ایک ہے۔ مگر وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہاں رہائش وغیرہ کا معقول انتظام نہیں ہوگا۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ یہاں سے کول چلیں وہ بھی یہاں سے کوئی زیادہ دور نہیں۔ اچھی خاصی بڑی تحصیل ہے۔''

میں نے ہمزاد کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''ٹھیک ہے تو پھر مجھے وہیں لے چلو۔'' پھر چند لمحوں بعد ہی میں ہمزاد کے ہمراہ فضا میں تیر رہا تھا۔ نیچے دور تک ہرے بھرے لہلہاتے کھیت اتنی بلندی سے بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ میں ان کے حسن میں کھویا ہوا ہمزاد کے ساتھ سفر کرتا رہا۔ وہ جان بوجھ کر آہستہ چل رہا تھا تاکہ میں اپنے ہوش و حواس نہ کھو بیٹھوں۔ شام سے کچھ پہلے اس نے مجھے آبادی کے باہر اتار دیا۔ میرے اردگرد کھیتوں اور باغوں کے طویل سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ جلد ہی میں آبادی تک پہنچ گیا یہ جگہ میرے لئے قطعی اجنبی تھی۔ میں ریلوے اسٹیشن سے گزرتا ہوا آگے بڑھا اس لئے کہ مجھے توقع تھی کہ اسٹیشن کے آس پاس یقیناً کوئی سرائے ہوگی۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا میں ایک سرائے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سرائے چھوٹی ہونے کے باوجود بظاہر صاف ستھری نظر آرہی تھی۔ میں صبح سے اب تک کی بھاگ دوڑ کے نتیجے میں خاصی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ میں سرائے کے ایک قریبی ہوٹل میں کھانے سے فارغ ہوکر اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ اب میں اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہتا تھا۔ مہ پارہ سے شکست کھا کر میرٹھ سے فرار ہوجانا میرے لئے توہین آمیز تھا لیکن حالات نے اتنی تیزی سے کروٹ لی تھی کہ سوائے اس کے اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ جب انسان کا ذہن سوچتے سوچتے تھک جاتا ہے اور وہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرپاتا تو فرار کے راستے ڈھونڈنے لگتا ہے۔ میرے اوپر بھی کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔

میں رات ڈھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ سرائے پر سکوت طاری ہونے لگا تھا۔ لیکن میں مکمل سناٹے کا منتظر تھا تاکہ ہمزاد کو طلب کرکے اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو سکون پہنچانے کے لئے کسی ریشمی زلفوں کی پناہ لے سکوں۔ آخر مجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ میں نے ہمزاد کو بلا کر اپنی خواہش کا اظہار کرہی دیا۔ میری بات سن کر وہ بولا۔

''غالباً آپ میرٹھ کی سرائے والا واقعہ نہ بھولے ہوں گے ابھی کچھ لوگ جاگ رہے ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آج رات آپ اور صبر سے کام لیں۔ کل دن میں کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنے اور وہاں منتقل ہونے کے بعد جو آپ کا جی چاہے کیجئے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہ عمل احتیاط کے تقاضوں کے منافی ہے۔''

میں ہمزاد کی بات سن کر جھنجلا گیا۔ میں نے تم سے اس بارے میں کوئی رائے طلب نہیں کی۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرو۔''

اس نے میری بات سن کر سر جھکا لیا اور بجھے ہوئے لہجے میں [illegible] ''جو آپ کا حکم۔'' یہ کہہ کر وہ غائب ہوگیا اور میں بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ مجھے ٹہلتے ٹہلتے کافی دیر ہوئی۔ مگر ہمزاد نہ لوٹا میں غصے کے عالم میں کبھی چارپائی [illegible] کبھی ٹہلنے لگا۔ آخر خاصے انتظار کے بعد وہ آیا۔ اس کے ہاتھوں پر جو جسم تھا اسے دیکھ کر میں یہ بھی بھول گیا کہ میں اس کے آنے سے پہلے سخت بیزاری اور غصے کی حالت میں تھا۔ وہ کوئی حسین خواب دیکھ رہی تھی اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ جیسے تازہ کھلے ہوئے گلاب کی پنکھڑیاں لرز رہی ہوں۔ ہمزاد ابھی تک کمرے میں موجود تھا۔ میں نے دبی زبان میں اس کے دیر سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ ''ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا کہ تمہیں اتنی دیر لگی ہو۔''

''میں دو مرتبہ یہاں آکر لوٹ چکا ہوں۔ جب مجھے قطعی اطمینان ہوگیا کہ اب تمام لوگ نیند کی آغوش میں پہنچ چکے ہیں تو میں اسے لے کر آیا ہوں۔ میرے دیر سے آنے کا سبب صرف احتیاط تھی۔'' ہمزاد نے جواب دیا۔ اس کا جواب سن کر میرا غصہ جو پہلے ہی لڑکی کو دیکھ کر کسی حد تک کم ہوگیا تھا۔ اب قطعی ختم ہوگیا۔

''ٹھیک ہے تم جاسکتے ہو۔'' میں نے ہمزاد کو رخصت کرکے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیا اور پھر پلٹ کر چارپائی کے قریب آگیا۔ لیکن میرا رویہ بہت محتاط تھا کیونکہ مجھے تجربہ تھا کہ عموماً لڑکیوں پر ان حالات میں دو طرح کے رد عمل ہوتے ہیں یا تو وہ جاگتے ہی خود کو ایک اجنبی جگہ اور ایک انجانے شخص کے ساتھ دیکھ کر ایک دم حیرت زدہ سی رہ جاتی ہیں اور ان کی زبان گنگ ہوجاتی ہے یا وہ جاگتے ہی اچانک ڈر کے چیخنے لگتی ہیں۔ میری اپنی حویلی ہوتی یا الگ کوئی رہائش گاہ ہوتی تو میں اتنا متفکر نہ ہوتا مگر یہاں [illegible] برعکس تھا۔ میں خود ایک اجنبی علاقے میں تھا۔ ذرا سی لاپرواہی میرے لئے مصیبتیں کھڑی کرسکتی تھی۔ ممکن تھا کہ یہ لڑکی جاگتے ہی چیخنا چلانا شروع کر دیتی۔ میں نے بہتر یہ سمجھا کہ اسے ہوش میں نہ لایا جائے۔

جذبات کا ریلا گزر جانے کے بعد میں سونے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے دروازے پر دستک سنائی دی اور اسی کے ساتھ کسی کی گرجتی ہوئی آواز بھی۔

"دروازہ کھول دو ورنہ توڑ دیا جائے گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی جیسے میرے حواس پر بجلی سی گری۔ میں نے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس میں سلاخیں تھیں۔ مجھے چند ہی لمحوں میں کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ میں نے گھبرا کر کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ممکن ہے کوئی گھڑا یا بالٹی موجود ہو۔ جس میں مجھے پانی مل جائے لیکن کمرے میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی۔ لڑکی بھی اس عرصے میں ہوش میں آچکی تھی اور بے حد خوف زدہ نظر آرہی تھی۔ دروازہ اب پہلے کی نسبت اور زور سے دھڑدھڑایا جارہا تھا جیسے اگر میں نے دروازہ نہ کھولا تو واقعی وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جائیں گے۔ میرے لئے اس وقت سب سے نازک بات یہ تھی کہ میں اپنی مدد کے لئے ہمزاد کو بھی طلب نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس وقت میں ناپاکی کی حالت میں تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرکے اپنے تصور کی قوت کو بروئے کار لانے کی کوشش کی تاکہ دروازے کے باہر موجود افراد کو دیکھ سکوں مگر میری یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ بہت زور سے چرچرایا اور اندر آرہا۔ کمرے میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کو میں پہچان گیا۔ یہ میرٹھ کا کلکٹر جارج تھا اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کے پیچھے دس پندرہ باوردی پولیس والے نظر آرہے تھے۔ جارج نے کمرے میں گھستے ہی میری طرف اشارہ کرکے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ایک پولیس انسپکٹر کو اشارہ کیا۔

"یہی ہے گرفتار کرلو اسے۔" پھر اس کی نظر ایک دم لڑکی پر پڑی۔ اس نے لڑکی سے سوال کیا۔ "کون ہو تم؟ اور یہاں کیسے آئیں؟"

لڑکی نے پولیس والوں کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں دلاری ہوں۔ میں اپنے گھر میں سوئی ہوئی تھی پر میری آنکھ کھلی تو میں یہاں تھی مجھے نہیں معلوم کہ یہ مجھے یہاں کیسے اٹھالایا۔"

"ٹھیک ہے۔" جارج نے انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا جو مجھے ہتھکڑیاں پہنا چکا تھا۔ "اسے بھی تھانے لے چلو۔"

اس پر لڑکی گھگھیائی "پر حجور میری کھتا؟"

لڑکی کی بات سن کر جارج نے اسے تسلی دی "تم سے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ چند ضروری باتیں پوچھ کر تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ کہاں رہتی ہو تم؟"

"جے گنج۔" لڑکی کا جواب تھا۔

سرائے میں ٹھہرنے والے دوسرے مسافر بھی اس ہنگامے سے جاگ گئے تھے۔ پولیس جب مجھے لے کر سرائے سے نکلی تو ہر طرف ہلکا ہلکا دھندلکا پھیل رہا تھا۔ صبح ہونے والی تھی۔ مجھے اور لڑکی کو کچھ پولیس والوں کے ہمراہ سرائے کے سامنے کھڑے ہوئے ایک تانگے میں بٹھا دیا گیا۔ جارج بھی اسی تانگے میں بیٹھا تھا بقیہ پولیس والے پیدل ہی ہمارے تانگے کے پیچھے آرہے تھے کچھ دور جاکر نیم دھندلکے میں مجھے ایک مسجد کے مینار نظر آئے۔ جلد ہی ہمارا تانگہ وہاں تک پہنچ گیا۔ مسجد کے بالکل سامنے چھوٹی اینٹوں سے بنی ہوئی ایک عمارت میں تانگہ داخل ہوا اور اس کے صحن میں جاکر رک گیا۔ جارج نے تانگے سے اترتے ہی انسپکٹر کو حکم دیا۔

"بند کر دو اسے حوالات میں اور لڑکی کو میرے پاس لاؤ۔ اور ہاں حوالات کے دروازے پر دو پولیس والے تعینات کردو جو بہت چاق و چوبند ہوں۔ یہ مجرم بے انتہا خطرناک ہے۔" یہ کہہ کر وہ سامنے بنے ہوئے ایک کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ایک پولیس والا لڑکی کو اپنے ساتھ لئے اس کے پیچھے پیچھے چل دیا اور بقیہ مجھے لے کر بائیں طرف بنی ہوئی حوالات کی کوٹھری کی طرف بڑھے۔ مجھے حوالات میں بند کرنے سے پہلے انسپکٹر نے ہتھکڑیاں کھول دی تھیں۔ مجھے حوالات کی تنگ اور اندھیری متعفن کوٹھری میں دھکیل کر حوالات کا آہنی دروازہ مقفل کر دیا گیا۔ انسپکٹر اپنے ساتھیوں میں سے دو کو حوالات کے باہر چھوڑ گیا تھا۔ ان دونوں کے پاس بندوق تھی۔ وہ دونوں حوالات کے دروازے پر پہرہ دینے لگے جیسے انہیں ڈر ہو کہ میں اتنے سخت پہرے کے باوجود بھی فرار ہو جاؤں گا۔

جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ میری بے احتیاطی رنگ لاچکی تھی اگر میں ہمزاد کے مشورے پر عمل کرکے صرف ایک رات اور صبر کرلیتا تو ممکن تھا کہ حالات یہ نہ ہوتے۔ میں حوالات کے فرش پر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ پولیس یہاں تک کیسے پہنچ گئی؟ کافی دیر غور خوص کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس میں بھی مہ پارہ کا ہی ہاتھ ہے۔ یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ جب اسے یہ اطلاع ملی ہوگی کہ میں پولیس کے ہاتھ نہیں لگا اور ایک ہنگامہ کھڑا کرکے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تو اس نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے یہ پتا لگا لیا ہوگا کہ میں کہاں چھپا ہوا ہوں۔ پھر اس نے نواب صاحب کے ذریعے یا خود پولیس کو اس سے مطلع کردیا ہوگا۔ میری نظر میں اس کی اس انتقامی کارروائی کا سبب یہ تھا کہ میں نے اسے دھوکے میں رکھ کر ہمزاد کے ذریعے اس کے عمل میں رکاوٹ ڈلوانے کی کوشش کی تھی اور پھر اس میں ناکام ہو کر

مہ پارہ کو بدنام کرنے کا آخری موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا تھا۔ حالانکہ اب میں اس کا شہر چھوڑ کر فرار ہو چکا تھا لیکن شاید وہ مجھے سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ غالبًا اسی لئے اس نے یہاں تک میرا پیچھا نہ چھوڑا تھا۔ یہ صورت حال ظاہر ہے میرے لئے بہت خطرناک تھی۔ مجھے بہ حیثیت شیخ کرامت پہچان لیا گیا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ مجھے سزا سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ میری فرد جرم بہت طویل تھی۔ انہی ہولناک خیالات کے حصار میں میرا ذہن چکرانے لگا۔ میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا میرے ذہن میں غنودگی سی طاری ہوتی گئی۔ نہ جانے میں کب تک اونگھتا رہا کہ حوالات کا آہنی دروازہ کھلا اور میں چونک پڑا۔ میرے سنبھلنے سے پہلے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

تھانے کے صحن میں ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی میرا غنودہ ذہن یہ سوچنے سے قاصر تھا کہ مجھے کہاں اور کیوں لے جایا جارہا ہے؟ مجھے حوالات سے نکال کر ایک بڑے سے پیڑ کے نیچے کھڑے ہوئے یکے میں چند پولیس والوں کے ہمراہ بٹھا دیا گیا۔ جن میں تھانے دار بھی تھا۔ یکہ تھانے سے نکل کر آبادی کی کچی پکی سڑکوں سے گزرتا ہوا ایک طرف چلا جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد یکہ آبادی سے باہر نکل گیا میرے ذہن میں پھر وہی سوال ابھرا کہ یہ لوگ مجھے کہاں لے جارہے ہیں؟ لیکن میں نے ان سے پوچھا نہیں۔ جب یکہ آبادی سے دور نکل آیا تو مجھے کچھ فاصلے پر ایک بڑی سی چہار دیواری والی طویل عمارت دکھائی دی جو آہستہ آہستہ قریب ہوتی جارہی تھی۔ غالبًا میری منزل وہی تھی اس لئے کہ یکے کا رخ اسی طرف تھا۔ آبادی سے باہر اس عمارت کا مطلب جلد ہی مجھے معلوم ہوگیا۔ جب پولیس والے مجھے لے کر اس کے بڑے سے پھاٹک نما دروازے تک پہنچے۔ مجھے حوالات سے جیل میں منتقل کردیا گیا تھا۔ ضروری کاغذات کی خانہ پری کے بعد مجھے اس چقندر نما بڑی مونچھوں والے نے گھورا جسے تمام لوگ جیلر صاحب! جیلر صاحب کہہ کر مخاطب کررہے تھے۔

"ہوں تو تم بڑے خطرناک مجرم ہو۔ مگر میرے پاس آکر اچھے اچھے پانی مانگ جاتے ہیں۔" اس کا لہجہ کافی توہین آمیز تھا۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو میں اس کے لہجے کا جواب دیتا۔ مگر اس وقت میرا خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔ پھر تھانیدار اور پولیس والے چلے گئے۔ میں جیلر کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔

"رحیمو!" جیلر دھاڑا۔ اس کی آواز کے ساتھ ہی ایک خوفناک چہرے والا بھاری بھرکم ڈنڈا بردار کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے آتے ہی جیلر پھر غرایا "اس کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ بہت بڑا بدمعاش ہے اسے لے جاکر اندر والی بیرک میں بند کردو۔"

اس کا حکم سن کر رحیمو نے میرا بازو پکڑا اور بولا "چل بے!" مجھے اس کا رویہ سخت ہتک آمیز محسوس ہوا۔ میں نے جیلر کی طرف دیکھ کر کہا "کیا آپ لوگ تمیز سے بات نہیں کرسکتے؟ آپ مجھے پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں۔"

یہ سن کر جیلر نے مجھے ایک موٹی سی گالی دی اور رحیمو سے بولا "سنتا ہے یہ حرامی مجھے یعنی خاں صاحب بندے علی کو تمیز سکھانے آیا ہے اسے ذرا بتا کہ تمیز کسے کہتے ہیں۔"

میں ابھی کچھ بھی سمجھ نہ پایا تھا کہ رحیمو کا الٹا ہاتھ گھوم گیا۔

"تڑاخ!" تھپڑ میرے منہ پر اتنی زور سے پڑا تھا کہ میرا سر چکرا گیا۔

"کیوں اب سمجھا۔" جیلر کی منحوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"اب چلے گا یا سر پھاڑ دوں۔" یہ رحیمو تھا۔

میں جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ ان دونوں کو کچا چبا جاؤں۔ مگر صرف چاہنے سے کیا ہوتا ہے میں بے دست و پا تھا۔ جیلر کے کمرے سے نکل کر رحیمو مجھے ایک طرف دھکے دیتا ہوا لے چلا۔ سامنے ہی ایک بڑی سی بیرک تھی جو اس وقت غالبًا خالی تھی کچھ لوگ ادھر ادھر آجا رہے تھے جن کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ مختلف کام کرتے نظر آرہے تھے۔ کوئی رسی بٹ رہا تھا، کوئی پانی بھر بھر کر سامنے کیاریوں میں ڈال رہا تھا، کوئی چارپائیاں بن رہا تھا۔ بائیں طرف کنواں تھا۔ جس میں کچھ قیدی ڈول ڈال کر پانی بھر رہے تھے۔ میں نے چلتے چلتے رحیمو سے نہایت نرم لہجے میں کہا "بھائی رحیمو! کیا تم مجھے نہانے کی اجازت دو گے؟ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

وہ میری بات سن کر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "واہ بیٹا اسے اپنے باپ کا گھر سمجھا ہے؟ ابے یہ جیل ہے جیل۔ سیدھا چلا چل ورنہ تو تو مجھے جانتا ہی ہے۔" میں اس کی بات سے مایوس ہو کر پھر تھکے تھکے قدموں سے اس کا ساتھ دینے لگا۔ وہ مجھے لے کر ایک طرف بنے ہوئے بڑے سے کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں مجھے جیل کے کپڑے دیئے گئے اور میرے کپڑے اتروا کر رکھ لئے گئے۔ پھر رحیمو ایک شخص سے مخاطب ہوا۔

"یہ بہوت کھترناک ہے فجلو بیٹا! چل اٹھا اپنا ہتھوڑا اور سنی۔" اس جملے کے معنی مجھ پر اس وقت کھلے جب میرے پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ اس کے بعد رحیمو مجھے اس کمرے سے لے کر پھر باہر نکلا۔ میرے لئے بیڑیاں پہن کر تیز چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اس کمبخت کی رفتار تیز تھی۔ مجھے آہستہ چلتے دیکھ کر بولا "لگاؤں لات کمر پر! نکھرا تو ایسا کر رہا ہے جیسے پہلی دفعہ جیور پہنا ہو۔"

میں قہراً جبراً بمشکل اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ چہار دیواری کے قریب بڑی بڑی بیرکوں سے کافی فاصلے پر ذرا ذرا فاصلے سے چار پانچ نہایت تنگ کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک میں مجھے ایک نیم وحشی سا شخص نظر آیا جس کی آنکھوں میں بلا کی بے بسی تھی۔ میں اسے دیکھ کر کانپ گیا اس کے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ یہیں ایک خالی کوٹھری کے سامنے اسٹول پر ایک پولیس والا بیٹھا تھا جو ہمیں قریب آتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور رحیمو سے بولا "یہ تو مجھے بالکل نیا لگے ہے۔ پر اسے سیدھے ادھر ہی کیوں لے آئے؟" یہ کہہ کر اس نے اپنی بجھتی ہوئی بیڑی کا کش لگایا اور رحیمو کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بہت کھترناک ہے جرا اس کی کھترناکی دور ہووے تو ادھر جنزل میں آوے۔ اچھا جیاستی بات نہ کر کھول اپنا ڈربا۔"

رحیمو کی بات سن کر پولیس والے نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا گچھا گھمایا اور قریبی کوٹھری کھول دی۔ جیسے ہی میں نے اندر قدم رکھا اس نے مجھے اندر دھکا دے کر ایک دم سلاخوں دار دروازہ باہر سے بند کر دیا اور میں اس تنگ کوٹھری میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ س لئے کہ اس میں اتنی بھی گنجائش مجھے نظر نہیں آ رہی تھی کہ بیٹھ سکوں۔ پھر اس کے ساتھ ہی مجھے بدبو کا احساس ہوا۔ کوٹھری کے اندر مچھروں کا ایک جم غفیر چھپا ہوا تھا جو میرے اندر داخل ہوتے ہی بھنبھنانے لگا جیسے اسے میری آمد گراں گزری ہو۔ میں نے سلاخوں سے باہر دیکھا تو رحیمو دور جاتا ہوا نظر آیا اور جس پولیس والے نے مجھے اندر دھکیلا تھا وہ بھی دکھائی نہ دیا۔ شاید وہ اپنا اسٹول دور کھسکا لے گیا تھا۔ جہاں میری نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ قید تنہائی! میرے ذہن نے سوچا۔ یہ تو بہت برا ہوا۔ ان ظالموں نے مجھے تو اس کا موقع بھی نہیں دیا کہ میں غسل بھی کر سکوں مجھے جیل میں داخل ہوتے ہوئے یہ امید بندھی تھی کہ میں یہاں غسل تو کم از کم کر ہی سکوں گا۔ مگر تھانیدار کمبخت نے اس خبیث جیلر کے کان میں نہ جانے کیا پھونکا تھا کہ اس نے مجھے چھوٹتے ہی قید تنہائی میں ڈلوا دیا تھا۔

جسمانی اور روحانی اذیت سے میرا برا حال تھا۔ ذہن بوجھل، جسم نڈھال، اس پر یہ قید و بند اور صعوبتیں۔ کیا میں یہیں اسی حال میں سسک سسک کر مر جاؤں گا؟ یقیناً یہ ایک ہولناک موت ہوگی۔ میں یہ سوچ کر لرز گیا۔ کاش ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ مجھے اتنا موقع مل جائے کہ میں غسل کر سکوں پھر میں ان تمام تکلیفوں سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ کھڑے کھڑے میرے پاؤں شل ہونے لگے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ پاؤں کی بیڑیوں کے باوجود میں کس طرح دونوں پاؤں پھیلا کر بیٹھنے میں کامیاب ہوا۔ ایک طرف میری کمر دیوار سے لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف سامنے والی دیوار کو میرے پاؤں چھو رہے تھے۔ لیکن بیڑیاں پڑے ہونے کے سبب پاؤں سمیٹ کر بیٹھنا میرے لئے ناممکن تھا۔ اس طرح بیٹھ کر مجھے کچھ سکون ملا۔ میرا تھکا ہوا ذہن بوجھل ہو گیا اور اسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی۔

اس کال کوٹھری میں پورا ایک ہفتہ میں نے انتہائی اذیتوں اور دکھوں میں گزارا۔ مجھے کھانے کے لئے بدمزہ، بدبودار شوربہ اور انتہائی خراب آٹے کی روٹی ملتی تھی جسے میرا معدہ بہ مشکل ہضم کر پاتا تھا۔ چائے بھی کالی اور جیسے ہفتوں کی پکی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

غالباً آٹھویں دن جب مجھے اس کوٹھری سے نکالا گیا تو میرے لئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل تھا۔ مجھے وہاں سے نکال کر ایک جنرل بیرک میں منتقل کر دیا گیا۔ اس دن میری حالت اس قابل نہیں تھی کہ دو قدم بھی چل سکوں مگر رحیمو کے ڈنڈے کے خوف نے جیسے میرے جسم میں بجلی دوڑا دی۔ مجھے توقع تھی کہ کم از کم آج مجھ سے کوئی کام نہیں لیا جائے گا۔ میں بیرک کے فرش پر پورے ایک ہفتے کے بعد سیدھا لیٹ گیا۔ میری کمر تختہ ہو رہی تھی۔ میں پورے سات دن نہ لیٹ سکا تھا۔ جیسے ہی میں بیرک کے فرش پر لیٹا میری آنکھیں بند ہونے لگیں مگر اسی وقت کسی نے لات مار کر مجھے اٹھا دیا۔

"اٹھو شہزادے! یہاں تمہیں حرام کی توڑنے کے لئے نہیں رکھا گیا۔" یہ رحیمو نہیں تھا مگر اسی کی قبیل کا کوئی لگتا تھا اس کے ہاتھ میں بھی ڈنڈا تھا۔ وہ مجھے تقریباً گھسیٹتا ہوا بیرک سے باہر لایا اور کچھ قیدیوں کے ساتھ پانی بھرنے اور قریبی کیاریوں میں ڈالنے پر لگا دیا۔ یہ صبح چھ بجے کا وقت تھا۔ چھ بجے سے لے کر گیارہ بجے تک میں گرتا پڑتا پانی کے بھاری ڈول اٹھاتا رہا۔ پھر گیارہ بجے ہم سب کو کھانا دیا گیا۔ وہی بدمزہ برا کھانا۔ اس عرصے میں، میں نے کئی بار کوشش کی کہ پانی سے بھرا ہوا ڈول اپنے جسم پر ڈال لوں مگر اس میں کامیاب نہ ہوا اس لئے کہ وہ ڈنڈا بردار ہم

سب قیدیوں کے سر پر سوار تھا۔ اس دن بھی مجھے نہانے کا موقع نہیں ملا لیکن دوسرے دن صبح ہی جب میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ اٹھا تو بیرک کا دروازہ کھلتے ہی کنویں کی طرف لپکا۔ بیرک سے کنویں تک کا فاصلہ میں نے انتہائی بے تابی اور بے صبری سے طے کیا۔ پھر میں نے یہ ضرورت بھی محسوس نہ کی کہ قمیص ہی اتار دیتا میں نے پانی سے بھرا ہوا ڈول اپنے اوپر ڈال لیا۔ میرا سارا جسم پانی سے بھیگ گیا پھر دوسرا ڈول بھی میں نے اپنے اوپر اوندھا لیا۔ میری یہ حرکت دیکھ کر ایک دوسرا قیدی بھنا گیا۔

"ابے دوسروں کو بھی نہانے دے گا کہ سب پانی اپنے اوپر ہی اوندھا لے گا۔"

مگر میں اس کی بات سنی ان سنی کر گیا۔ میرے لئے یہ لمحے انتہائی اہم اور پر مسرت تھے جیسے میں نے پانی کے ساتھ ہی اپنے سارے مصائب بہا دیئے ہوں۔ دوسرے ہی لمحے میں ہمزاد کو طلب کر چکا تھا۔ اس کے آتے ہی میں بولا "تم میری حالت دیکھ رہے ہو، میں تم سے بچھڑ کر کن حالوں کو پہنچ گیا۔ مجھے ایک ایک ظالم سے بدلا لینا ہے اب تم اس وقت تک میرے ساتھ رہو گے جب تک میں تمہیں جانے کی اجازت نہ دوں۔"

میری بات سن کر ہمزاد نے سر تسلیم خم کیا اور خاموشی سے سر جھکائے میرے حکم کا منتظر رہا۔ مجھے اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوا کہ یقیناً اسے بھی میری حالت دیکھ کر دکھ ہوا ہے۔

مجھے کسی ان دیکھے وجود سے باتیں کرتے دیکھ کر ایک قیدی نے ہنس کر دوسرے کو کہنی ماری اور بولا "اندر والی بیرک میں رہ کر اس کی یہ حالت ہو گئی ہے ہوا سے باتیں کرنے لگا ہے۔"

اسی وقت مجھے ڈنڈا بردار چوکیدار آتا دکھائی دیا۔ اس نے سب قیدیوں کو مخاطب کر کے کہا "ابے چلو بھی یا سارا دن یہیں کھراب کر دوگے، کام پر نہیں لگنا۔"

اس کی بات سن کر قیدی جلدی جلدی اپنی بیرکوں کی طرف چلے جہاں برآمدے میں چائے بٹ رہی تھی لیکن میں چوکیدار کی بات سے بے خبر جیلر اور رحیمو سے انتقام لینے کے بارے میں منصوبے بنا رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنی جگہ کھڑا دیکھ کر ڈنڈا اٹھایا۔

"کیوں بے کیا بہرہ ہے؟"

میرے اشارے پر ہمزاد نے اس کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر اس کے سر پر اس زور سے رسید کیا کہ وہ تیورا کر زمین پر گر گیا اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ ایک قیدی نے گزرتے ہوئے جو چوکیدار کو زخمی حالت میں پڑے دیکھا تو وہ سمجھا کہ یقیناً میں نے اس کا ڈنڈا چھین کر اس کے سر پر مارا ہے۔ چند ہی لمحوں میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ ہر طرف یہی چرچا تھا کہ نئے قیدی نے چوکیدار کا سر پھاڑ دیا۔

میں اب وہاں سے چل کر بیرک کے برآمدے میں آ گیا۔ جہاں دوسرے قیدی کھڑے چائے پی رہے تھے۔ زخمی چوکیدار بمشکل اٹھ کر جیلر کے کمرے کی طرف بھاگ لیا تھا۔ تمام قیدی میرے آس پاس جمع تھے اور ان میں سے کچھ کا خیال تھا کہ مجھے چوکیدار کا سر پھاڑنے کے جرم میں قید تنہائی میں ڈال دیا جائے گا۔ مجھے ان سب کے لہجے میں اپنے لئے احترام محسوس ہوا۔ وہ آپس میں میرے بارے میں طرح طرح کے تبصرے کر رہے تھے کسی کا خیال تھا کہ میں بہت بڑا ڈاکو ہوں، کوئی کہہ رہا تھا کہ شاید میں نے کئی قتل کئے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کی بات کی نہ تو تائید کی اور نہ تردید، نہ ہی ان کے کسی بے تکے سوال کا جواب دیا۔ میں ہمزاد کی طرف متوجہ ہو گیا جو کہہ رہا تھا۔

"اگر آپ حکم دیں تو میں ابھی آپ کو یہاں سے نکال لے چلوں۔"

"نہیں ابھی مجھے اس خبیث جیلر اور اس کے بے نتھے بیل رحیمو کو دیکھنا ہے۔" میں نے ہمزاد کی بات کا جواب دیا۔ قیدی میری طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ میں ان سے ذرا الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور اب پہلی مرتبہ مجھے اپنے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کا خیال آیا جو میرے چلنے میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں اور جن کی آہنی گرفت نے مجھے جسمانی اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ چند لمحے بعد ہی قیدیوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میری آہنی بیڑیاں خود بخود ٹوٹ کر میرے قدموں میں پڑی تھیں جنہیں ٹھوکر مار کر میں نے برآمدے سے نیچے گرا دیا۔ اسی وقت میری نظر جیلر، رحیمو اور تین چار ڈنڈے بردار چوکیداروں پر پڑی جو بیرک سے اب صرف چند قدم کے فاصلے پر رہ گئے تھے۔ جیلر کے چہرے سے انتہائی غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کا چقندر جیسا چہرہ کچھ اور سرخ ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے میں ہمزاد کو اشارہ کر چکا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے بیرک کے سامنے ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز تماشا شروع ہو چکا تھا۔ چوکیداروں کے ڈنڈے ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ ان میں سے ایک اوندھے منہ گرا۔ یہ رحیمو تھا اس کے گرتے ہی میں نے ہمزاد کو اشارا کیا کہ یہی ہے۔ ہمزاد نے میرے اشارے پر رحیمو کے تلووں پر ڈنڈے برسانا شروع کر دیئے جب دوسرے چوکیداروں نے یہ ناقابل یقین منظر دیکھا کہ ڈنڈا خود بخود فضا میں بلند ہو ہو کر رحیمو کی مرمت کر رہا ہے تو وہ جیلر کے روکنے کے

باوجود "بھوت بھوت" کہتے ہوئے بھاگ نکلے مگر جیلر اپنی جگہ کھڑا حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ دوسرے تمام قیدی بھی سہمے کھڑے تھے اچانک نہ جانے جیلر کو کیا سوجھی کہ وہ تیزی سے اپنا رول لہراتا ہوا میری طرف بڑھا لیکن مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہمزاد اس کے ہاتھ سے رول چھین چکا تھا اور خود جیلر کے رول نے اس کی پٹائی شروع کردی۔ جیلر بار بار رول پکڑنے کی کوشش کرتا مگر رول اس کے ہاتھ نہ آتا۔ کئی بار رول اس کی پیٹھ پر پڑا اور وہ تڑپ اٹھا۔ وہ بری طرح گالیاں بک رہا تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر اس عرصہ میں رحیمو بھی کھسک لیا تھا۔ اب ہمزاد کے لئے صرف جیلر بچا تھا جس کا پٹتے پٹتے برا حال ہوگیا تھا۔ اچانک اس کے حواس بھی جواب دے گئے وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر کچھ ہی دور چل کر اوندھے منہ گر گیا۔ گرنے سے اس کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ اس کے گرتے ہی ہمزاد نے میرے حکم پر اس کے تلووں کو نشانہ بنالیا۔ وہ تڑپتا رہا اور پٹتا رہا۔ آخر کار وہ بری طرح چیخنے لگا۔

"بچاؤ! بچاؤ!"

تمام قیدی دائرے کی صورت میں اس کے چاروں طرف حیرت زدہ کھڑے اسے پٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ کچھ سمجھ گئے تھے کہ اس معاملے کا تعلق میری ذات سے ہے اور معاملہ یقیناً پراسرار ہے اسی لئے وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ ان کا خوف تھا یا عقیدت' میں نہیں کہہ سکتا۔ جب پٹتے پٹتے جیلر لہولہان ہوگیا اور چلاتے چلاتے اس کی آواز بیٹھنے لگی تو میں نے ہمزاد کو رکنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ کر جیلر سے مخاطب ہوا۔

"کیوں کیسے مزاج ہیں خان! طبیعت درست ہوئی یا ابھی اور۔"

میں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر زمین پر پڑے ہوئے زخمی جیلر کا ہاتھ پکڑا۔ وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھا۔

"جاؤ! تمہارے لئے آج اتنا ہی سبق کافی ہے اپنی مرہم پٹی کراؤ۔" پھر میں قیدیوں کی طرف پلٹ کر بولا "آج کام کی چھٹی۔ کوئی کام نہیں کرے گا۔"

میرا یہ جملہ سن کر جیسے انہیں ہوش آگیا۔ ان میں سے تین چار تندرست و توانا قیدیوں نے مجھے اپنے کندھوں پر بٹھالیا اور خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ جیلر لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف سر جھکائے چلا جارہا تھا جیسے وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہوچکا ہو' جیسے وہ اس جیل کا جیلر نہ ہو۔ انہیں میرا نام نہیں معلوم تھا اس لئے "نیا ساتھی زندہ باد۔" کے نعرے لگا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے کندھوں پر بٹھائے بٹھائے ساری جیل کا چکر لگایا۔ جیل کی پولیس اور چوکیدار نہ جانے کہاں غائب ہوگئے تھے۔ جیل پر اب پوری طرح قیدیوں کا قبضہ تھا۔ ہمزاد اب بھی میرے ہمراہ تھا اچانک اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "جیلر نے پولیس چیف کو مطلع کیا ہے کہ قیدیوں نے بغاوت کردی ہے وہاں سے پولیس کی ایک بھاری جمعیت جیل کی طرف روانہ کردی گئی ہے۔ اس لئے آپ قیدیوں کو پرامن رہنے کی تلقین کریں اور حالات کو مزید بگڑنے نہ دیں۔"

میں نے اس کی بات سن کر قیدیوں کو اس نئی اطلاع سے آگاہ کیا اور کہا "آپ لوگ قطعی نہ گھبرائیں میں ابھی خود جاکر جیلر سے بات کرتا ہوں لیکن آپ سب قطعی پرامن رہیں گے اور اس وقت تک پولیس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے جب تک میں نہ کہوں۔"

ان سب نے میری تائید کی اور میں وہاں سے سیدھا ہمزاد کے ہمراہ جیلر کے کمرے کی طرف روانہ ہوگیا۔ جیلر اب تک زخمی حالت میں اپنے کمرے میں تنہا ٹہل رہا تھا۔ میں نے اس کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے دیکھا کہ اس نے جیل کی تمام پولیس اور چوکیداروں کو جیل کے بڑے دروازے پر متعین کردیا ہے۔ میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ اچھل پڑا۔ جیسے اسے بچھو نے ڈنک ماردیا ہو میں نے اسے مخاطب کیا۔

"خان صاحب! مجھے معلوم ہے کہ آپ نے پولیس چیف سے مدد مانگی ہے اور پولیس کی ایک بھاری تعداد یہاں آنے والی ہے لیکن اگر انہوں نے قیدیوں کو چھیڑا یا کوئی نازیبا حرکت کی تو حالات کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ دوسری صورت آپ کے اور ہم سب کے لئے بہتر اور مصالحانہ ہے آپ اگر اس پر آمادہ ہوجائیں تو یہ سبھی کے لئے سودمند ہوگا۔ کان کھول کر سن لیجئے۔ قیدی آج کام نہیں کریں گے۔ نمبر دو یہ کہ وہ آپ کا اور آپ کے ہرکاروں کا بے جا ظلم و ستم اور غیر انسانی سلوک برداشت نہیں کریں گے۔ تیسری اور آخری بات یہ کہ وہ آپ کا یہ غلیظ اور بدمزہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ انہیں عمدہ اور اچھا کھانا فراہم کیا جانا چاہئے۔" میں کہتا رہا اور جیلر خاموشی سے میری بات سنتا رہا۔ "اگر آپ نے میری باتیں نہ مانیں تو نہ صرف آپ کے ساتھ کوئی رحم روا رکھا جائے گا بلکہ پولیس کو بھی اس بدسلوکی کا مزہ چکھا دیا جائے گا۔ آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ مجھے خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ پولیس والے خود بخود پٹنے لگیں گے ان کے ہتھیار خود انہیں کے خلاف استعمال ہوں گے۔ بولئے کیا کہتے ہیں آپ؟" میں نے سوالیہ نظروں سے جیلر کی طرف دیکھا۔

"کیا تمام قیدی حسب معمول کل سے کام کرنے لگیں

گے؟" جیلر کے سوال میں بے بسی تھی۔

"ہاں! مگر صرف اسی صورت میں جبکہ میرے تمام مطالبات تسلیم کرلئے جائیں۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھے تمہاری شرائط منظور ہیں۔" جیلر نے کہا "مگر کھانے کے بارے میں کوئی عملی قدم فوراً نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اس میں دو تین دن لگیں گے۔"

"ٹھیک ہے اس وقت تک قیدیوں کو کھانا سپلائی ہی نہ کیا جائے۔" میری بات سن کر جیلر چکرا گیا۔

"تو کیا سارے قیدی تین دن تک بھوکے رہیں گے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"نہیں انہیں بہترین کھانا فراہم کیا جائے گا جس کی ذمے داری مجھ پر ہے۔ آپ اس سلسلے میں فکر چھوڑ دیں۔" میں نے جواب دیا۔ جیلر حیرت سے میری صورت دیکھ رہا تھا۔ میں نے چلتے ہوئے کہا "تو پھر میں مطمئن رہوں؟"

"ہاں!" جیلر کے لہجے میں بے بسی تھی۔

ہمزاد کی بروقت اطلاع اور جیلر سے میری گفت و شنید سے ایک بڑا ہنگامہ ٹل گیا۔ جیلر نے پولیس کو واپس کردیا اس نے حکام سے کہا تھا کہ اس نے حالات پر قابو پالیا ہے۔ کچھ دیر بعد کھانے کا وقت ہوگیا۔ قیدی میرے اردگرد جمع تھے۔ جن میں سے کچھ میرے پاؤں دبا رہے تھے۔ میری حیثیت اب ان کے سربراہ کی سی تھی۔ میں نے جیلر سے ہونے والی تمام گفتگو سے قیدیوں کو آگاہ کردیا تھا۔ وہ سب بھی جیلر کی طرح اس بات پر حیران تھے کہ اب تین دن تک انہیں جیل سے کھانا سپلائی نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ان میں سے کسی کی اتنی ہمت نہیں ہورہی تھی کہ مجھ سے سوال کرتا کہ میں ان کے لئے کھانا کہاں سے اور کس طرح فراہم کروں گا؟ میں نے ہمزاد کو کھانا لانے کے لئے روانہ کردیا تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد ہی قیدیوں نے نہایت حیرت سے اس دیگ کو دیکھا جو فضا میں تیرتی ہوئی چلی آرہی تھی پھر وہ دیگ آہستہ سے بیرک کے فرش پر ٹک گئی اسی کے ساتھ گرم گرم تندوری روٹیاں تھیں۔ صرف میں ہی دیکھ سکتا تھا کہ ہمزاد نے دیگ زمین پر رکھی ہے۔ وہ سب پتھر بنے یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہے تھے۔ میرے حکم پر دو تین قیدی اٹھے اور جیل کے باورچی خانے سے برتن لے آئے۔ قیدیوں ہی میں سے ایک نے دیگ میں سے قورمہ نکالنا شروع کیا۔ کھانا سب سے پہلے میرے سامنے رکھا گیا۔ پھر کچھ دیر بعد ہی وہ سب یہ بھول گئے کہ یہ کھانا انہیں کتنے پراسرار طور پر ملا ہے۔ وہ قہقہے لگا رہے تھے اور آپس میں خوش فعلیوں میں مصروف تھے۔ اب انہوں نے حیرت زدہ ہونا چھوڑ دیا تھا وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کے درمیان خدا یا بھگوان نے کوئی صاحب کرامت یا رشی منی بھیج دیا ہے ان میں سے بیشتر کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر میرے ہاتھ پیر چومنے لگے۔ میں نے انہیں ایسا کرنے سے نہیں روکا۔ آج ایک طویل عرصے کے بعد میری انا کو تسکین ملی تھی۔ بدایوں سے نکلنے کے بعد آج پہلی مرتبہ مجھے یہ مسرت حاصل ہوئی تھی۔ میں نے خوش ہوکر ان سب کے لئے ہمزاد سے پھلوں کے ٹوکرے منگائے۔ وہ آموں کے دن تھے۔ ہمزاد قلمی آموں کے کئی ٹوکرے اٹھالایا۔ سب نے سیر ہوکر آم کھائے۔ وہ سب ہی بے انتہا خوش و خرم نظر آرہے تھے جیسے انہوں نے کبھی دکھ اٹھائے ہی نہ ہوں۔ ان کے قہقہوں میں زندگی تھی' اب ان کی باتوں میں رس تھا' ان کے چہرے شاداب تھے۔ وہ کھانے اور آموں سے پورا انصاف کرنے کے بعد لمبی تان کر سوگئے کیونکہ آج انہیں کام تو کرنا نہیں تھا۔ جیل میں دوپہر کا کھانا کھا کر شاید وہ پہلی مرتبہ سوئے تھے۔ میں بھی ان کے برابر ہی لیٹ کر غافل ہوگیا۔

آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ہمزاد میرے سرہانے اب تک کھڑا تھا اس نے مجھے بیدار دیکھ کر مخاطب کیا۔ آئندہ کے لئے میں نے ایک بات سوچی ہے اگر آپ اس سے متفق ہوں۔ میری یہ تجویز موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مناسب ہے۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا "ہاں بتاؤ! میں سن رہا ہوں۔ میں خود اس سلسلے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔"

"حالات ایسے ہیں کہ فی الحال میرٹھ واپس جانا قطعی ناممکن ہے۔ اس کا پہلا سبب تو مہ پارہ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ میرٹھ کی پولیس آپ کو پہچان چکی ہے۔ آپ اس کی نظر میں مجرم ہیں اس صورت حال میں اگر یہاں سے فرار ہوکر کسی دوسرے شہر میں رہائش اختیار کی جائے تو وہ بھی خطرے سے خالی نہیں۔ یہ بات مہ پارہ سے چھپی نہ رہ سکے گی کہ آپ جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔" ہمزاد نے میری طرف دیکھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو اور ایسی صورت میں جبکہ وہ مجھ سے ناراض ہے اور انتقام لینے کے درپے ہے تو وہ اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے یہ معلوم کرکے کہ میں کہاں چھپا ہوا ہوں پولیس کو مطلع کرسکتی ہے پھر ایک بھاگ دوڑ شروع ہوجائے گی۔" میں نے ہمزاد کی تائید کی۔ "لیکن اس کا حل کیا ہوسکتا ہے یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔" میں نے ہمزاد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہی حل تو میں نے تلاش کرلیا ہے اسی لئے تو اس سلسلے

میں آپ کی تائید چاہتا ہوں۔" ہمزاد نے جواب دیا اور پھر بولا "حل یہ ہے کہ آپ یہیں جیل میں رہیں اور......" میں نے ہمزاد کی بات کاٹ کر فوراً سوال کیا۔ "مگر کب تک؟"

"صرف اس وقت تک جب تک دوسرا ہمزاد پیدا نہ ہو جائے۔ دو ہمزاد مل کر مہ پارہ کو بخوبی زیر کر سکتے ہیں۔ جیل میں رہنے سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ مہ پارہ آپ کی طرف سے مطمئن رہے گی۔ دوسرے یہ کہ یہاں اب آپ کا ہی راج ہے۔ آپ نہایت سکون و اطمینان سے جب تک یہاں رہنا چاہیں رہیں۔ کیونکہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کا یہاں سے نکلنا کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ جب کہیں گے آپ کو جیل سے رہائی مل جائے گی۔ پولیس کو ابھی آپ کے خلاف شہادتیں جمع کرنے اور مقدمہ قائم کرنے میں کم از کم ایک دو ماہ لگیں گے پھر مقدمے کا فیصلہ اتنی جلد ہونا ممکن نہیں ہے۔" ہمزاد نے تفصیل سے تمام باتیں مجھے سمجھائیں۔

"مگر تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ ہمزاد کا عمل کون کرے گا۔ یہاں تو مجھے کوئی ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ ان جیسے لوگوں پر اعتماد کرنا بھی ایک مسئلہ ہے۔ پھر یہ کیا ضروری ہے کہ ہمزاد کو قابو میں کرنے کے بعد وہ ہمارا دوست ہی رہے گا۔" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"آپ شاید عبدالجبار کو بھول گئے۔" ہمزاد نے کہا۔

"مگر وہ تو میرٹھ میں ہے۔ اس کا یہاں جیل میں آنا میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"یہ بندوبست ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن تھا کہ میں اسے سیدھا یہیں اٹھا لاتا مگر اس صورت میں جیل کے حکام سے کیا کہا جائے گا۔ اس لئے میں نے یہ سوچا ہے کہ وہ کسی جرم میں ماخوذ ہو کر جیل پہنچ جائے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

میں ہمزاد سے باتیں کرتا ہوا جیل کی بڑی بیرکوں کے پیچھے چلا گیا تھا تاکہ دوسرے قیدی جو مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے، میری باتیں نہ سن لیں۔ وہ ہمزاد کو نہ تو دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کی باتیں سن سکتے تھے مگر میری گفتگو تو وہ سن ہی سکتے تھے۔ اس لئے میں نے یہ احتیاط برتی تھی۔ ہمزاد کی بات نے میرے ذہن میں ایک اور سوال کھڑا کر دیا جس کا اظہار میں نے اس سے بھی کر دیا۔ "تم کہتے ہو کہ عبدالجبار کو کسی جرم میں ماخوذ کرا دو گے لیکن شاید تم یہ بھول گئے کہ وہ میرٹھ میں ہے اس لئے اگر وہ پکڑا گیا تو اسے میرٹھ جیل ہی میں رکھا جائے گا۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

میں نے ہمزاد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں نے جب آپ کے سامنے اپنی تجویز رکھی تھی تو اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر لیا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی میں نے اس کا حل یہ سوچا تھا کہ عبدالجبار کو میں میرٹھ سے یہاں لے آؤں یعنی کول میں اور پھر اس کے ہاتھوں کوئی جرم سرزد کروا دوں اور جرم بھی کسی خطرناک نوعیت کا مثلاً کسی کا قتل وغیرہ تاکہ وہ ہر طرح ہمارے رحم و کرم پر ہو اور ہمزاد کو حاصل کرنے کے عمل پر تیار ہو جائے۔ اور آئندہ بھی ہمارے اس احسان سے سر نہ اٹھا سکے۔" ہمزاد نے بتایا۔

اب تمام بات میرے لئے صاف تھی۔ ہمزاد نے واقعی معاملے کے تمام پہلوؤں پر خوب غور کرنے کے بعد مجھ سے گفتگو کی تھی۔ اس کی یہ تجویز نہایت مناسب اور کارگر تھی۔ ایک طرف تو مہ پارہ میری طرف سے یہ سوچ کر مطمئن رہتی کہ میں جیل میں ہوں اور کچھ دن بعد مجھے سخت ترین سزا ہو جائے گی۔ دوسری طرف میں اس سے انتقام لینے کے لئے عبدالجبار سے ہمزاد کا عمل پورا کرا سکوں گا۔ اب جیل کی تمام صورت حال میرے حق میں تھی۔ جیلر نے میرے آگے ہتھیار ڈال ہی دیئے تھے۔

"تمہاری تجویز سے مجھے پورا پورا اتفاق ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم کل صبح ہی یہ کام انجام دے ڈالو۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔

دوسرے دن صبح ہمزاد جب تمام قیدیوں کے لئے بہترین ناشتہ فراہم کر چکا تو میں نے اسے میرٹھ کے لئے روانہ کر دیا۔ قیدی آج ناشتہ کرنے کے بعد میری ہدایت کے مطابق اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے تھے۔ اس عرصہ میں جیلر بھی مجھ سے ملنے میری بیرک میں آیا وہ قیدیوں کو کام کرتا دیکھ کر خوش تھا۔ اس نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اسے اپنے ہرکاروں کے ذریعے یہ پراسرار اطلاع مل چکی تھی کہ قیدیوں نے بہترین کھانا کھایا ہے اور ناشتہ بھی انہیں نہایت عمدہ ملا ہے، وہ یہ تمام باتیں سن کر حیرت زدہ تھا۔ کچھ دیر مجھ سے باتیں کرنے کے بعد اس نے بیرک میں ادھر ادھر نظر دوڑائی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کے اور میرے درمیان اور کوئی نہیں تو اس نے اچانک آگے بڑھ کر میرے ہاتھ چوم لئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ "اے درویش! میں تمہیں نہیں سمجھ پایا تھا مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔"

میں نے دیکھا کہ جیلر کی پلکیں بوجھل تھیں۔

"میں اس وقت تک آپ کے پیر نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ مجھے معاف نہ کر دیں۔" جیلر نے میرے پاؤں پکڑ لئے مگر میں اسی طرح بیٹھا رہا۔ میں نے اپنے پاؤں کھسکائے نہیں۔ جب وہ

میرے پاؤں پر جھکا تو میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ .... ا "خاں صاحب! ہم نے تمہیں معاف کیا۔ آج سے .... ے مرید، بس اب تو خوش ہو۔"

جیلر نے سر اٹھایا اور خوش ہو کر ایک مرتبہ .... ہاتھ چوم لئے اور پھر بولا "یا مرشد! میرا دل کہتا ہے کہ آپ بے گناہ پھانسے گئے ہیں۔ مجھ سے جو ہو سکا آپ کی خدمت کروں گا۔ دوسرے مجھے آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ آج سے یہاں تکلیف میں قیدیوں کے ساتھ نہیں سوئیں گے آپ کے لئے میں اپنے کمرے میں پلنگ ڈلوا دوں گا۔" جیلر کی بات سن کر میں نے تائید میں سر ہلایا۔ مجھے خود بھی یہاں سکون و آرام نہیں تھا۔

جیلر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا "مرشد! جہاں آپ نے مجھ پر اتنا کرم کیا ہے ایک عنایت اور چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ ہردیال شرما سے میری بالکل نہیں بنتی وہ بہت ذلیل اور متعصب ہے۔ وہ پرسوں جیل کے معائینے پر بھی آ رہا ہے۔ وہ انگریز حکام کا منہ چڑھا ہے اس لئے کچھ کام دھام نہیں کرتا اس کا سب کام مجھے کرنا پڑتا ہے حالانکہ اسے یہاں رہنا چاہئے مگر نہیں رہتا۔ ہفتے میں بس ایک دفعہ آتا ہے اور مجھے الٹی سیدھی سنا کر چلا جاتا ہے۔ ہو سکے تو اس کا یہاں سے کہیں اور تبادلہ کروا دیجئے یا اسے نوکری ہی سے نکلوا دیجئے۔ میں اس سے بہت تنگ ہوں۔" جیلر نے میری طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے پرسوں اسے آنے تو دو پھر دیکھا جائے گا۔" میں نے جیلر کی بات کا جواب دیا۔ "اچھا اب تم جاؤ ہم ذرا ذکر الٰہی کریں گے۔" میں نے اسے رخصت کرنے کے بعد آنکھیں بند کیں اور اپنے تصور کی قوت کو بروئے کار لایا۔ میں نے اس وقت ہمزاد کا تصور کیا تاکہ معلوم کر سکوں کہ کس حد تک اپنا کام نمٹا چکا ہے۔

میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگوں کی بھیڑ میں ہمزاد عبدالجبار کے ساتھ چلا جا رہا ہے۔ وہ جگہ مجھے کچہری کا احاطہ محسوس ہوئی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک فٹن کچہری کے احاطے میں داخل ہوئی اور ایک برآمدے کے سامنے ہی ایک بڑا ہال نظر آ رہا تھا غالباً یہ عدالت تھی۔ فٹن رکتے ہی ایک ضعیف سا انگریز اترا۔ اس کے اترتے ہی برآمدے میں مستعد کھڑے ہوئے اردلیوں اور سپاہیوں کے ہاتھ ایک دم ماتھے سے چپک گئے۔ میں نے دیکھا کہ عبدالجبار تیزی سے انگریز کی طرف لپکا۔ وہ مجھے بالکل کسی سحر زدہ کی طرح لگ رہا تھا جیسے کوئی شخص نیند میں چل رہا ہو۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اس وقت ہمزاد کی پراسرار قوتوں کے قبضے میں ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ عبدالجبار کا ہاتھ تیزی سے شیروانی کی جیب میں گیا اب اس کے ہاتھ میں خنجر لہرا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھ سکتا یا اس انگریز کا بچاؤ کر سکتا جو فٹن سے اتر کر کمرہ عدالت میں جا رہا تھا۔ عبدالجبار کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور اس نے پورا خنجر انگریز کے سینے میں اتار دیا۔ ایک دم کچہری میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ لوگ چیخ رہے تھے کہ کسی نے مجسٹریٹ تھامس کو قتل کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے عبدالجبار کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس زمانے میں کسی انگریز کا قتل انتہائی سنگین جرم ہوا کرتا تھا۔ حالانکہ قتل بذات خود ایک سنگین جرم ہے۔ مگر حکومت جبکہ انگریزوں کی تھی اس صورت میں تو کسی انگریز کا قتل بہت بڑی بات تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد اب وہاں سے چل دیا۔ عبدالجبار سپاہیوں کی گرفت میں آتے ہی ایک دم چونک پڑا جیسے وہ ابھی سوتے سوتے اٹھا ہو اس نے سپاہیوں کی گرفت سے نکلنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوا۔

میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں مجھے یقین تھا کہ آج شام تک یا کل صبح تک عبدالجبار کو جیل بھیج دیا جائے گا۔ میں اپنی جگہ سے کچھ سوچ کر اٹھا۔ اب میرا رخ جیلر کے کمرے کی سمت تھا۔ میں اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔" میں نے اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ارشاد ہو مرشد۔" اس نے نہایت عقیدت سے کہا "آج شام تک یا کل صبح ہمارا ایک مرید جیل آنے والا ہے۔ اس پر قتل کا الزام ہے اس نے مجسٹریٹ تھامس کو قتل کر دیا ہے۔"

میری بات سن کر جیلر اچھل پڑا۔ "مجسٹریٹ تھامس قتل کر دیا گیا مگر کب؟ میرے پاس ایسی کوئی اطلاع نہیں۔"

"اسے اب سے چند منٹ پہلے قتل کیا گیا ہے۔ تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم تک یہ اطلاع کس طرح پہنچی ہم اپنے مریدوں سے غافل نہیں رہتے ہم ان کی ایک ایک حرکت سے ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔"

"بے شک!" جیلر نے گردن ہلائی۔

"مگر ہم تمہیں صرف یہ اطلاع دینے نہیں آئے بلکہ تمہیں یہ بتانے آئے ہیں کہ وہ ہمارا بہت چہیتا مرید ہے یہاں اسے جیل میں ہر طرح آرام ملنا چاہئے۔ وہ ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنے والا شخص ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے کسی الگ جگہ کا انتظام کیا جائے کوئی الگ صاف ستھری کوٹھری اس کے لئے فراہم کی جائے تاکہ اسے یاد الٰہی میں کسی قسم کی دقت اور تکلیف نہ ہو کیا تم کسی الگ کوٹھری کا انتظام کر سکتے ہو؟" میں

نے جیلر کو تمام بات سمجھا کر سوال کیا۔

"کیوں نہیں یہ قطعی ممکن ہے۔ میں ابھی اس کا انتظام کئے دیتا ہوں۔" جیلر نے جواب دیا۔

یہ تمام بندوبست میں نے عبدالجبار کے لئے کرایا تھا تاکہ وہ ہمزاد کا عمل اطمینان کے ساتھ کر سکے۔

اگلے دن بہت خراب و خستہ حالت میں عبدالجبار کو جیل بھیجا گیا۔ اعلیٰ حکام کے سخت احکامات تھے کہ عبدالجبار کو سب سے الگ قید تنہائی میں رکھا جائے اور ہر ممکنہ تشدد کیا جائے۔ ہمزاد نے مجھے اس کی اطلاع فوراً دے دی۔ میں جیلر کے کمرے کی طرف لپکا تاکہ اسے بتا سکوں کہ یہی وہ میرا مرید ہے جس کے بارے میں' میں نے اسے بتایا تھا۔ حالانکہ میں اسے یہ بتا ہی چکا تھا کہ اس نے تھامس کا قتل کیا ہے۔ میں جیسے ہی جیلر کے کمرے میں داخل ہوا۔ عبدالجبار مجھے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"آپ.... آپ خورشید صاحب یہاں۔" عبدالجبار ہکلایا۔

جیلر متعجب تھا کہ عبدالجبار نے مجھے میرے نام سے نہیں پکارا تھا کیونکہ میرٹھ میں وہ مجھے بحیثیت خورشید احمد خاں شیروانی کے جانتا تھا پھر وہ آگے بڑھا اور میرے گلے سے لگ کر رونے لگا۔ میں نے اسے تسلی دی۔ پھر جیلر سے بولا۔

"مجھے معلوم ہے عبدالجبار کے لئے تمہیں سخت احکامات موصول ہوئے ہیں مگر ہوگا وہی جو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں۔"

"آپ کا جو حکم مرشد مگر...." جیلر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"بولو! کیا کہنا چاہتے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"وہ وہ ہردیال شرما سپرنٹنڈنٹ وہ یقیناً حکام کی خوشنودی کے لئے اس معاملے میں ٹانگ اڑائے گا۔" جیلر نے صاف گوئی سے کہا۔ "اگر اس نے حکام کو اس سے باخبر کر دیا کہ عبدالجبار کو قید تنہائی میں نہیں رکھا گیا ہے تو میری نوکری خطرے میں پڑ سکتی ہے ویسے مجھے آپ کے حکم کے آگے سب کچھ منظور ہے۔"

"ہردیال شرما کو تم میرے اوپر چھوڑ دو۔ میں اسے پلک جھپکتے ہی سیدھا کر دوں گا یا اگر کچھ گڑبڑ زیادہ ہوئی تو اسے اس قابل نہ چھوڑوں گا کہ وہ جیل کے معائینے پر آسکے۔" میں نے جیلر کو سمجھایا اور عبدالجبار کو اپنے ساتھ لے کر اندر چل دیا۔

کچھ دیر میں نہا دھو کر اس کے حواس ذرا درست ہوئے تو میں نے اسے اپنی پچھلی گفتگو یاد دلائی۔

"تمہیں یاد ہوگا عبدالجبار میں نے تم سے ہمزاد کے بارے میں کہا تھا اب تو یہ اور ضروری ہو گیا ہے کہ تم اپنے ہمزاد کو اپنے قبضے میں کرلو۔ ہاں میں اب تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ میرا اصل نام شیخ کرامت ہے اور میں یہاں جیل میں اپنی مرضی سے ہوں۔ میرے علم میں یہ تھا کہ تم عنقریب اس ابتلا میں گرفتار ہونے والے ہو اس لئے میں تم سے پہلے ہی تمہاری مدد کے لئے یہاں پہنچ گیا۔ تمہارے لئے یہ سارا انتظام کر دیا گیا ہے۔ تم ایک الگ کوٹھری میں آرام سے ہمزاد کا عمل پورا کرو گے اور میری ہدایات پر پوری طرح چلنے کی کوشش کرو گے۔"

پھر میں نے اسے اس کی کوٹھری دکھائی۔ ہمزاد ایک چراغ تیل اور اگربتیاں لے آیا تھا۔ پھر وقت ضائع کئے بغیر اسی رات میں عبدالجبار کو ہمزاد کے بارے میں ہدایات دے رہا تھا۔

"تمہاری کوٹھری میں مٹی کا چراغ اور سرسوں کا تیل موجود ہے اس کے علاوہ اگربتیاں اور ماچس بھی ہے پہلے تم تمام کمرے کو اگربتیوں کی خوشبو دو گے پھر چراغ روشن کر کے اپنی پشت سے اونچا رکھ دینا اور ہاں اندر سے کنڈی لگانا نہ بھولنا۔ اپنی قمیص کو لنگوٹ کی طرح جسم پر باندھ لینا۔ اس کے بعد چراغ کی طرف پشت کر کے پالتی مار کر زمین پر بیٹھ جانا اور دیوار پر اپنے سائے کو کامل ایک گھنٹے تک دیکھنا اور اپنی نظر کو سائے کی پیشانی پر رکھنا۔ جب نظر کو تکان معلوم ہو اور پلکیں گرنے لگیں تو فوراً نظر کو اوپر اٹھا لینا۔ اس وقت تمہیں دوران عمل روشنی کا محیط یعنی دائرہ سا نظر آئے گا۔ ابتدائی مشق میں سایہ کبھی ظاہر کبھی غائب نظر آئے گا اور اکثر تمہیں مختلف رنگ اور عجیب و غریب چیزیں بھی نظر آئیں گی مگر مستقل مزاجی سے بلا خوف و خطر اپنی مشق جاری رکھنا تم سمجھ رہے ہو میری بات؟" میں نے عبدالجبار کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

وہ بولا "مگر دوران عمل مجھے کیا پڑھنا ہے؟"

"اب میں تمہیں وہی بتانے والا ہوں۔" میں نے عبدالجبار کی بات کا جواب دیا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں اس کا ایک ایک لفظ غور سے سنو!" میں نے عبدالجبار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

جو کچھ کہ میں اب تمہیں بتانے والا ہوں اسے میرے ساتھ دہراؤ تاکہ تمہیں حفظ ہو جائے۔ پھر میں نے دو تین بار وہ وظیفہ جبار کو سنایا اور جبار میرے ساتھ دہراتا رہا۔

کیوں جبار! کیا تمہیں وظیفہ یاد ہو گیا۔

"جی ہاں۔" عبدالجبار نے جواب دیا۔

میں نے اسے بتایا کہ اپنے سائے پر نظر جمائے ہوئے اسے ہر رات عشا کی نماز کے بعد صبح تک یہ عمل ۳۱۲۵ مرتبہ پورے ۴۱ دن پڑھنا ہے' پھر ہمزاد نے مجھے ایک فلیتہ دیا اور میرے ہاتھ میں روئی تھما کر بولا کہ اس فیتے پر یہ روئی لپیٹ کر چراغ میں ڈالی جائے گی۔ اس نے بتایا کہ اس روئی کو پاکدامن روئی کہتے ہیں جو

اس عمل کے دوران بہت ضروری ہے' ہمزاد پہلے ہی یہ روئی لے آیا تھا' پاک دامن روئی سے مراد یہ ہے کہ کپاس کے جس کھیت سے روئی توڑ کر لائی جائے' اس سے پہلے اس کھیت سے کسی نے کپاس کے پھول نہ توڑے ہوں۔ پھر میں نے ہمزاد کا دیا ہوا فلیتہ پڑھا' اس پر اس قسم کی عبارت درج تھی۔ "جمعروت جمارات یاابلیس الاسماء و الارض والنادو السقرالی یوم القیمتہ احضرا حضرا حضریا ہمزاد بحرمت آریا گریا عدی نس جوگی الوحا الوحا الوحا۔"

میں نے فلیتہ اور روئی عبدالجبار کو دی جس نے میری ہدایت کے مطابق فیتے پر روئی لپیٹ کر اس کو چراغ میں ڈال دیا۔ کچھ ہی دیر بعد میں عبدالجبار کو تنہا چھوڑ کر چلا آیا' مجھے اب اس سے صبح ملنا تھا' میرے کہنے کے مطابق اس نے آج ہی رات سے عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ عبدالجبار اپنے عمل میں ضرور کامیاب ہوگا کیونکہ اس مرتبہ صورتحال مختلف تھی جب میں نے ہمزاد کو قابو میں کرنے کا عمل کیا تھا تو میں اکیلا تھا' میرا کوئی مددگار نہیں تھا' نہ کوئی دنیوی ہستی اور نہ کوئی نادیدہ پراسرار ہستی' اس لئے میں کئی مرتبہ اس عمل میں ناکام ہوا اس کے برخلاف عبدالجبار کو خود میری اور میرے ہمزاد کی پوری معاونت حاصل تھی' اس لئے یہ سوال ہی نہیں تھا کہ وہ کامیاب نہ ہو' خود ایک ہمزاد اس کا مددگار و معاون تھا' اس مسئلے سے نمٹنے کے بعد اب میرے سامنے ایک دوسرا مسئلہ تھا جس کے بارے میں خان صاحب بندے علی یعنی جیلر نے مجھے پہلے ہی متوجہ کر دیا تھا' ان کے کہنے کے مطابق سپرنٹنڈنٹ جیل ہردیال شرما کل صبح معائنہ پر آنے والا تھا' اور ان کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق خان صاحب سے اول تو اس سے بنتی نہ تھی دوسرے یہ کہ وہ سخت متعصب قسم کا ہندو تھا۔ اس کا کل کا جیل کا معائنہ بہرصورت مجھے ملتوی کرانا تھا۔ اور نہ صرف یہ مسئلہ کل کا تھا بلکہ میری نظر میں ضروری یہ تھا کہ جب تک عبدالجبار عمل کرنے میں مصروف رہے' ہردیال شرما جیل کا رخ ہی نہ کرے۔ میں اس وقت جیلر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں اس نے میرے لئے چارپائی اور بستر کا انتظام کر دیا تھا۔ میں جیسے ہی اس کے کمرے میں داخل ہوا وہ احتراماً اپنی چارپائی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تشریف لائیے حضور!" وہ اپنی چارپائی سے اٹھ کر مودب کھڑا ہو گیا تھا۔

"آرام کرو' آرام کرو۔" میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور برابر بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اسے مخاطب کیا۔ "تم نے مجھے بتایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ ہردیال شرما کل معائنہ پر آنے والا ہے۔"

"جی۔" اس نے جواب دیا۔

"وہ نہ صرف کل بلکہ کافی دن جیل کے معائینے پر نہ آسکے گا۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"حضور جو چاہیں' وہ ممکن ہے۔" خان صاحب نے کمال عقیدت سے ہاں میں ہاں ملائی۔

میں نے اسی وقت ہمزاد کو طلب کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سر جھکائے میرے سامنے کھڑا تھا۔ "سنو! پہلی بات تو یہ کہ تمہیں ہر طرح عبدالجبار کی خبرگیری رکھنی ہے۔ اس کے کھانے پینے کی تمام ذمے داریاں تمہارے سپرد ہیں اس کے علاوہ یہ کہ سپرنٹنڈنٹ ہردیال شرما کل جیل کے معائینے پر آنے والا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ کم از کم ڈیڑھ ماہ اس قابل نہ ہو کہ جیل کا رخ کر سکے' اس کے لئے تم جو مناسب سمجھو کرو اور مجھے آکر اطلاع دو کہ تم نے کیا کیا؟ اب تم جا سکتے ہو۔"

ہمزاد خاموشی سے سر جھکائے میری باتیں سنتا رہا۔ "میں آپ کا مقصد سمجھ گیا۔ میں اس سلسلے میں خود آپ سے گفتگو کا خواہشمند تھا۔ آپ کا یہ فیصلہ قطعی درست ہے' میں کچھ دیر بعد حاضر ہوتا ہوں۔" یہ کہہ کر ہمزاد غائب ہو گیا۔

خان صاحب حیرت سے مجھے تکتے رہے کہ میں کس نادیدہ وجود سے مخاطب ہوں؟ وہ ہمزاد کا جواب سننے کے اہل نہیں تھے مگر میں نے جو کچھ ہمزاد سے کہا تھا وہ انہوں نے ضرور سنا تھا' میں نے خان صاحب کو حیرت زدہ دیکھ کر کہا "ہم نے ہردیال شرما کا انتظام کر دیا' ابھی کچھ دیر بعد ہم تمہیں کوئی خوش خبری سنائیں گے۔"

"بے شک' بے شک حضور کی دسترس میں سب کچھ ہے۔" خان صاحب نے اپنی گردن ہلائی' وہ بے حد مرعوب دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے اپنی آنکھیں بند کر کے چشم تصور وا کی۔ میں نے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر پتلا دبلا شخص ایک صاف ستھرے نفیس کمرے میں بیٹھا شراب پینے میں مصروف ہے اور ہمزاد اس کے قریب کھڑا ہے' میں نے اندازہ لگایا کہ یہی شخص ہردیال شرما ہے' چند لمحوں میں اس نے اپنا گلاس خالی کیا اور اپنی چھوٹی چھوٹی الوؤں جیسی آنکھوں سے میز کو گھورنے لگا کیونکہ ایک لمحہ پہلے ہی ہمزاد نے اس کی شراب کی بوتل میز پر سے غائب کر دی تھی جس کا اسے احساس ہی نہ ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکلا' اب وہ تیزی سے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا' ابھی اس نے نیچے جانے کے لئے سیڑھی پر پہلا قدم ہی رکھا تھا کہ اس کا توازن بگڑ گیا۔ ہمزاد نے

اسے دھکا دے دیا تھا۔ اس نے سنبھلنا چاہا مگر زینے پر سے لڑھکتا چلا گیا۔ اس کی چیخ سن کر سارے گھر میں جیسے بھگدڑ مچ گئی۔ تمام ملازمین اور گھر والے اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اس نے اٹھنا چاہا اور پھر ایک دم چیخ کر زمین پر گر پڑا' اب میں نے دیکھا کہ ہمزاد وہاں سے غائب ہو گیا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ میرے سامنے تھا۔

"اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ چکی ہے اور دوسری زخمی ہے۔" ہمزاد نے کہا "اب وہ آپ کے حکم کے مطابق مہینے ڈیڑھ مہینے سے پہلے اس قابل نہ ہو سکے گا کہ بستر سے اٹھ سکے۔" میں نے ہمزاد کی بات سن کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔ ہمزاد کے جاتے ہی میں نے خان صاحب بندے علی کو یہ خوش خبری سنائی' انہوں نے فرط عقیدت سے جھک کر میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ انہیں میری بات پر کامل یقین تھا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح خان صاحب بندے علی نے مجھے بتایا کہ ہردیال شرما کی ٹانگ ٹوٹنے کی تصدیق ہو چکی ہے' اعلیٰ حکام نے اسے دو ماہ کی چھٹی دے دی ہے اور اس کے تمام اختیارات فوری طور پر خان صاحب بندے علی خان کو منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ میں یہ جان کر بہت خوش ہوا' کم از کم ایک مصیبت سے تو نجات ملی' اس کے بعد میں عبدالجبار کی خبر لینے اس کی کوٹھری کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے کوٹھری میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ ہمزاد موجود ہے اور وہ ابھی ابھی جبار کے لئے ناشتہ لے کر آیا ہے۔ عبدالجبار کی آنکھیں رات بھر جاگنے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"کہو رات کیسی گزری۔" میں نے عبدالجبار سے سوال کیا۔

"آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے ۳۱۲۵ مرتبہ وہ عمل دہرایا مگر اس دوران مجھے کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔" عبدالجبار نے کہا۔

"ابھی ابتدا ہے عمل کا یہ پہلا دن ہے' رفتہ رفتہ تم عجیب و غریب اور ناقابل یقین حالات سے دوچار ہو گے مگر میری نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا کہ عمل کے دوران چاہے تم کیسی ہی آوازیں سنو یا تمہیں چاہے جتنے بھیانک اور خوفناک منظر نظر آئیں تم عمل ترک نہیں کرو گے۔ تمہیں نہایت مستقل مزاجی اور صبر کے ساتھ اپنا عمل جاری رکھنا ہے۔" میں نے اپنے تجربات کی روشنی میں اسے بتایا اور وہ پوری توجہ اور انہماک سے میری باتیں سنتا رہا۔

اسی طرح سات دن گزر گئے لیکن آٹھویں دن صبح مجھے عبدالجبار کچھ گھبرایا گھبرایا سا اور پریشان دکھائی دیا' میں نے اس سے وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ اس نے اپنی ماں کو [illegible] تے بلکتے دیکھا ہے۔ اس نے دیکھا کہ کوئی شخص اس کی ماں : [illegible] گھونٹ رہا ہے اور وہ مدد کے لئے اسے پکار رہی ہے۔ جبار نے کہا کہ وہ اپنی ماں کی چیخ سن کر عمل چھوڑ کر اٹھنے ہی والا تھا کہ کسی پراسرار وجود نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر زبردستی اسے بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس نے میری سرگوشی سنی جو اس سے کہہ رہی تھی کہ یہ سب کچھ فریب نظر ہے۔

جبار سے یہ سن کر میں فوراً سمجھ گیا کہ اسے زبردستی بیٹھے رہنے پر مجبور کرنے والا ہمزاد تھا۔ اور اسی نے ا ن ہوشیار کر دیا تھا۔ ورنہ اس کا عمل ختم ہو جاتا اور پھر نئے سرے سے عمل شروع کرنا پڑتا' ظاہر ہے کہ میری اور ہمزاد کی آواز قطعی ایک تھی۔ چنانچہ جبار یہی سمجھا کہ وہ میں ہوں جو اسے تنبیہہ کر رہا ہوں پھر وہ محتاط ہو گیا' کچھ دیر بعد ہی وہ تمام منظر اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اس لئے کہ وہ عمل پڑھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی پریشانی کم کرنے کے لئے اور آئندہ مزید محتاط رہنے کی غرض سے اپنے اوپر گزرے ہوئے تمام واقعات سے اسے آگاہ کیا کہ کہیں وہ ہمت نہ ہار بیٹھے اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ وہ میرے تجربات و واقعات سن کر بہت ششدر ہوا' میں نے پوری جزئیات اور تفصیل کے ساتھ تمام باتیں اسے ا ن لئے سنائی تھیں کہ اگر اس طرح کے واقعات ا ے پیش آئیں جیسے مجھے پیش آ چکے تھے تو وہ نہ گھبرائے اور اپنا عمل جاری رکھے۔ دن بھر سونا اور رات بھر عمل کرنا اس کا معمول بن چکا تھا۔ وہ اس تمام عرصے میں سوائے میرے کسی اور سے نہیں ملا تھا۔ خان صاحب اکثر مجھ سے اس کے بارے میں دریافت کرتے رہتے کہ آیا وہ بخیریت اور اچھی طرح ہے یا نہیں؟ اسے کسی قسم کی تکلیف یا پریشانی تو نہیں ہے؟ خان صاحب حیران ضرور تھے کہ جب سے وہ آیا تھا بہت ہی کم اپنی کوٹھری سے نکلتے دیکھا گیا تھا' سوائے کبھی کبھار بیت الخلا جانے کے اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ جبار سے بھی کافی حد تک متاثر تھے کیونکہ میں نے انہیں بتایا تھا کہ وہ رات بھر یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے اور دن بھر سوتا ہے' ایسی صفات کا کوئی آدمی ان کی نظروں سے آج تک نہیں گزرا تھا۔

اب جبار کا عمل ختم ہونے میں صرف تین دن اور باقی رہ گئے تھے۔ اس عرصے میں واقعی وہ عجیب و غریب حالات سے دوچار ہوا تھا۔ اگر ہمزاد اس کی مدد نہ کر رہا ہوتا تو وہ نہ جانے اب تک کتنی بار عمل ترک کر چکا ہوتا اور شاید کبھی اپنے ہمزاد کو قابو میں نہ کر پاتا۔ پھر یہ کہ ہر روز صبح وہ مجھے اپنی سرگزشت سنا کر

اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کر لیتا اور میں اس کی ڈھارس بندھائے رہتا اور نئے سرے سے اس کی ہمت عود کر آتی۔ اب کسی قدر وہ اپنے ہمزاد کو دیکھنے کا اہل ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا ہمزاد اب آہستہ آہستہ واضح ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جسے پہلی مرتبہ دیکھ کر وہ کچھ خوفزدہ بھی ہوا تھا' جس کا اظہار اس نے مجھ سے بھی کیا تھا' مگر کچھ دیر مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد اس کے دل کا خوف ختم ہو گیا تھا۔ لیکن عمل مکمل ہونے سے ایک دن پہلے ایک ایسا ہولناک واقعہ ظہور میں آیا کہ میں بھی اک دم گھبرا گیا اس لئے کہ ہمزاد کو قابو میں کرنے کے دوران میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ ہوا یہ کہ جب صبح میں عبدالجبار کی کوٹھری میں داخل ہوا تو میں نے اسے فرش پر پڑے ہوئے پایا۔ کوٹھری کے فرش پر چاروں طرف گاڑھا گاڑھا خون پھیلا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے گھبرا کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اس کی نبض بھی بہت آہستہ چل رہی تھی اور ہمزاد غائب تھا۔ میرے خیال میں یہ ناممکن تھا کہ ہمزاد اس واقعے سے بے خبر رہا ہو پھر اس کی غیر حاضری کی وجہ! میں سوچنے لگا۔ لحہ بہ لحہ جبار کا رنگ پیلا پڑتا جا رہا تھا' یہ کچھ کرنے کا وقت تھا' دیکھتے رہنے کا نہیں۔ میں نے احتیاطاً ہمزاد کو تو طلب نہیں کیا کہ نہ معلوم وہ کس اہم مہم پر ہو لیکن آنکھیں بند کر کے اپنے تصور کی قوت کو بروئے کار لایا تاکہ معلوم کر سکوں کہ ہمزاد اس وقت کہاں ہے؟ ہمزاد فوراً میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ میں آنکھیں بند کئے اس کی حرکات و سکنات دیکھتا رہا۔ وہ اس وقت ایک عطار کی دکان میں داخل ہو رہا تھا جس کے باہر تالا پڑا ہوا تھا مگر میں نے دیکھا کہ ہمزاد بغیر تالا کھولے دکان کے کواڑوں میں تحلیل ہو گیا' پھر وہ مجھے دکان کے اندر نظر آیا۔

"یہ تم وہاں کیا کر رہے ہو؟ یہاں عبدالجبار کی حالت سخت خراب ہے۔"

"میرے علم میں ہے اور اسی لئے میں یہاں نظر آ رہا ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں مگر میں وقت کم ہونے کے سبب آپ سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا' مجھے ایک خاص دوا کی تلاش ہے' اسے لے کر ابھی چند لمحوں میں آتا ہوں پھر آپ سے تفصیلی بات ہو گی' بہتر یہی ہے کہ آپ میری واپسی کا انتظار کریں اور مجھے اپنا کام کرنے دیں' جبار کی زندگی ہم دونوں کے لئے اب بہت اہم ہو گئی ہے۔ اسے بہرحال زندہ رہنا ہو گا۔" میں نے محسوس کیا کہ ہمزاد کی آواز میں ایک خاص قسم کا عزم تھا' میں نے نزاکت وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ جبار کے منہ اور ناک سے اب تک خون جاری تھا۔ میں نے اس کی ناک کے پاس ہاتھ لے جا کر یہ دیکھا کہ آیا اس کی سانس اب بھی چل رہی ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ اس کے سینے کا زیروبم اب نہ ہونے کے برابر تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اب وہ بمشکل بہت آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا۔ اسی وقت ہمزاد کوٹھری میں داخل ہوا اور اس نے جلدی سے کوئی مشروب جبار کے ہونٹوں پر ٹپکایا پھر اس نے کوئی جڑی بوٹی اس کے ناک کے قریب کر دی' یہی عمل وہ بار بار دہراتا رہا' میں نے دیکھا کہ حیرت انگیز طور پر خون کا بہاؤ کم ہوتے ہوتے بالکل بند ہو گیا۔ اس میں کم از کم پانچ منٹ ضرور لگے تھے۔ پھر اس نے جبار کے چہرے کو ایک کپڑے سے صاف کیا اور اس کے جسم کو زمین سے اٹھا کر اپنے ہاتھوں پر لے لیا۔ جبار کے کپڑے خون میں لت پت تھے پھر ہمزاد کو کچھ خیال آیا اور اس نے دوبارہ اس کے جسم کو زمین پر ڈال کر چارپائی پر بچھا ہوا بستر لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور جبار کو اٹھا کر اس پر ڈال دیا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

"شکر ہے کہ یہ بچ گیا ورنہ ہماری ساری محنت رائیگاں ہو جاتی۔"

"کیا یہ اب خطرے کی حدود سے باہر نکل گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں کسی حد تک اگر اس پر دوبارہ حملہ نہ کیا گیا۔ اس لئے کہ اب اس میں دوسرا حملہ سہنے کی گنجائش نہیں ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

اس کی بات سن کر میں چونک پڑا۔ "حملہ' کیسا حملہ؟" میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

ہمزاد میرا سوال سن کر زیر لب مسکرایا اور بولا "کیا مہ پارہ کو آپ قطعی بھول گئے؟"

"مہ پارہ؟ تو کیا اس....." میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ایک دم مہ پارہ کے ذکر نے مجھے حواس باختہ کر دیا تھا۔ میرے ذہن میں دور تک اس کا خیال بھی نہیں تھا۔

"جی ہاں' اس حملے کا تعلق مہ پارہ سے ہے۔" میں ہمزاد کی بات سن کر چونک پڑا۔ "میری ذرا سی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنا کام کر گئی اگر آج بھی میں بروقت ہوشیار نہ ہو جاتا تو اس نے عبدالجبار کو ٹھکانے ہی لگا دیا ہوتا۔ وہ ہمارے پورے منصوبے سے واقف ہو چکی ہے اور یہ جان چکی ہے کہ یہ سب اسی سے ٹکر لینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ کسی طرح ہمیں اس کوشش میں ناکام کر دے۔ اب صرف ایک آخری رات باقی ہے۔ جبار کو ابھی کچھ دیر بعد ہوش آ جائے گا میں جانتا ہوں کہ وہ بے انتہا نقاہت اور کمزوری کا شکار ہو گا' لیکن اسے آج کی رات بہرحال عمل جاری رکھنا ہے اور وہ عمل جاری رکھے

گا۔" ہمزاد نے تفصیل کے ساتھ مجھے دوبارہ صورتحال سے آگاہ کیا۔

"لیکن اگر اس نے بقول تمہارے جبار پر دوسرا حملہ کر دیا تو؟" میں نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

"اس بات کا انحصار اس پر ہے کہ وہ اپنے حملے میں کامیاب ہوتی ہے یا ناکام۔ پہلا حملہ بے خبری میں کیا گیا تھا مگر اب صورت حال مختلف ہے اب میں پوری طرح اس کی طرف سے ہوشیار ہوں' اگر اس نے اب جبار کو کوئی نقصان پہچانے کی کوشش کی تو شاید کامیاب نہ ہو سکے۔" ہمزاد نے کہا۔

"ٹھیک ہے ان حالات میں تم جو مناسب سمجھو کرو' میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح عبدالجبار اپنا عمل مکمل کر لے تاکہ مہ پارہ سے ٹکرایا جا سکے اب تک میں اپنی ذلت و توہین کو نہیں بھول سکا ہوں' ایک بار صرف ایک بار میں اس مغرور سرکش لڑکی کا سر جھکا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"آپ کی اس خواہش کی تکمیل میں اب زیادہ وقت نہیں' وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب آپ اس سے اپنی ایک ایک شکست کا بدلہ لیں گے۔" ہمزاد نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ جبار کو صحیح سلامت دیکھ کر جھنجلا جائے گی اور ممکن ہے اس جھنجلاہٹ میں وہ آپ پر بھی کوئی وار کر دے اس لئے میری رائے ہے کہ آپ اگر کل تک کے لئے حفاظتی حصار میں رہیں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"اس کا مطلب تو قید در قید ہے۔" میں نے احتجاجاً کہا "کیا تمہارے خیال میں وہ ایسا کرے گی؟"

"سب کچھ ممکن ہے' جب وہ دیکھے گی کہ جبار میری وجہ سے محفوظ ہے اور وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تو وہ آپ کی طرف متوجہ ہو گی' اس لئے آپ کی حفاظت بھی ضروری ہے۔" ہمزاد نے مجھے سمجھایا "ورنہ اگر وہ رات کی طرح پھر بے خبری میں کوئی وار کر گئی تو اس مرتبہ پچھتانے کا موقع نہیں ملے گا۔ حالات بے انتہا نازک ہو چکے ہیں۔" ہمزاد نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔ آخر کار مجھے اس کی بات سے متفق ہونا ہی پڑا' میں جیلر کے کمرے میں آ گیا اور چارپائی پر دراز ہو کر بظاہر آرام کرنے لگا۔ ہمزاد نے چارپائی کے گرد حصار کھینچ دیا اور بولا "اب آپ کل صبح تک اس حصار سے باہر قدم نہیں رکھیں گے۔ میں آپ کے طلب کرنے پر فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔ لیکن اگر آپ مجھے نہ ہی بلائیں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ میں پورے طور پر عبدالجبار کی خبر گیری کر سکوں آپ سے زیادہ اسے میری ضرورت ہے کیونکہ مہ پارہ کی پوری توجہ فی الحال اس کی طرف ہے۔ مہ پارہ کی نادیدہ اور پراسرار قوتوں کے حملے سے اسے بچائے رکھنا اور اسے رات تک مختلف ادویات پلا کر اس قابل بنانا کہ وہ عمل کر سکے میری ذمے داری ہے۔"

"تم ایک ایسا ہی حفاظتی حصار عبدالجبار کے گرد کیوں نہیں کھینچ دیتے؟"

"جب تک وہ عمل کر رہا ہے میں اس کے گرد حصار نہیں کھینچ سکتا' وہاں پر میری موجودگی ہی ضروری ہے۔" ہمزاد یہ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ ہمزاد کو گئے ہوئے نہ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی۔ میں خیالوں میں کھویا ہوا آئندہ کے بارے میں منصوبے بناتا رہا نہ جانے کب تک میں یونہی خیالوں کی دنیا میں کھویا رہتا کہ خان صاحب بندے علی کی چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کمرے کے فرش پر چت پڑے ہیں اور ان کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھٹی ہوئی ہیں۔ میں نے چاہا کہ چارپائی سے اٹھ کر ان کے قریب پہنچوں مگر فوراً ہی ہمزاد کی بات یاد آ گئی کہ میں کل سے پہلے اس حصار سے باہر قدم نہ نکالوں میں اٹھ کر بیٹھ چکا تھا مگر حصار سے باہر نہیں گیا تھا۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے خان صاحب کو آواز دی۔ "خان صاحب! خان صاحب! کیا بات ہے کیا ہوا آپ کو؟"

میری آواز سن کر جیسے ان میں زندگی آ گئی۔ وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور میری طرف خوفزدہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے نہایت کھسیائے ہوئے لہجے میں بولے "مرشد کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟ غالباً آپ تخلئے میں تھے' میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں' میں دراصل بھولے سے آپ کو لیٹا دیکھ کر آپ کے قریب آ گیا تھا کہ کچھ دیر آپ کے پاؤں ہی داب دوں۔ مجھے معاف کر دیجئے مرشد۔"

خان صاحب کی بات سن کر میں معاملے کی تہہ کو پہنچ گیا' خان صاحب نادانستگی میں حصار کے اندر داخل ہو گئے ہوں گے ظاہر ہے کہ سوائے ہمزاد کے حصار میں کون داخل ہو سکتا تھا۔ خان صاحب کو یقیناً کسی پراسرار اور نادیدہ قوت نے حصار سے باہر اٹھا کر پھینک دیا ہو گا غالباً اسی لئے وہ معذرت طلب تھے۔

"ہاں اس وقت ہم تخلئے میں تھے اور کل تک تخلئے میں ہی رہیں گے۔ تم اس کمرے میں تو آ جا سکتے ہو ہم سے بات بھی کر سکتے ہو مگر ہمارے قریب آنے کی کوشش مت کرنا ورنہ تم جان ہی گئے ہو گے۔"

خان صاحب ایک بار پھر معافی مانگنے لگے۔

"اس میں تمہاری غلطی نہیں تم نے کسی بری نیت سے ہمارا

قرب نہیں چاہا تھا۔ ہم نے تمہیں معاف کیا۔ اب اٹھو اور اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔"

میری بات سن کر خاں صاحب کے ہوش کچھ بجا ہوئے اور وہ فرش سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئے اور دفتری کاغذات الٹنے پلٹنے لگے۔ میں نے دوبارہ لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ تمام دن میں اسی طرح حصار میں رہا۔ شام کے وقت اچانک میری نظر ہمزاد پر پڑی وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ اپنے چہرے سے کچھ گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا' میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے میں نے سوال جڑ دیا "کیا جبار کی حالت ٹھیک نہیں ہوئی؟"

"وہ قطعی ٹھیک ہے بلکہ اب تو کچھ دیر بعد وہ اس قابل ہو جائے گا کہ عمل شروع کر سکے۔" ہمزاد نے بتایا۔

"پھر؟ تمہارے چہرے سے فکر مندی کا اظہار کیوں ہو رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا سبب کچھ اور ہے۔" ہمزاد نے ٹھنڈی سانس لی پھر بولا "مہ پارہ خلاف توقع ایک اور چال چل گئی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ نہ تو جبار کو اب کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ آپ کو' تو اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔" ہمزاد نے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"آپ کے علم میں ہے کہ ابھی چند سال قبل انگریزوں کے خلاف مغلیہ حکومت کی حمایت میں اور بخت خاں کی سرکردگی میں ہندوستان کے باشندوں نے جنگ آزادی لڑی ہے جسے انگریزوں نے غدر کا نام دیا ہے۔ اس جنگ آزادی میں مسلمان پیش پیش رہے۔ آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے جلا وطن ہونے کے باوجود ابھی مسلمانوں کے دل میں شعلہ آزادی پوری طرح نہیں بجھا۔ سیکڑوں مسلمانوں کو انگریزوں نے کھلے عام پھانسی دی ہے۔ مگر اب بھی انگریزوں کے خلاف کچھ خفیہ زیر زمین تنظیمیں کام کر رہی ہیں جس سے انگریز بھی پوری طرح باخبر ہیں۔ حال ہی میں انگریزوں کے جاسوسوں نے ایسی ہی ایک خفیہ تنظیم کے کچھ افراد کو گرفتار کیا ہے' انگریز ان پر تشدد کر کے تنظیم کے بقیہ افراد کو بھی گرفتار کر کے سخت ترین سزائیں دینا چاہتے ہیں مگر اب تک ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے بقیہ ساتھیوں کا پتہ نہیں بتایا تھا' مگر آج ہی ان میں سے ایک نے اپنی زبان کھول دی اور شاید آپ کو یہ سن کر تعجب ہو کہ اس شخص نے تنظیم کے سربراہ کے طور پر آپ کا نام لیا ہے اور عبدالجبار کو آپ کا دست راست بتایا ہے اور یہ بھی کہ آج کل آپ دونوں کہاں قید ہیں اور......"

"یہ سب مہ پارہ کی پراسرار قوتوں کا نتیجہ ہے۔ اس نے اس شخص کو اپنے سحر میں لے کر آپ دونوں کے نام اس کی زبان سے ادا کروا دیئے اس طرح مہ پارہ کا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ حکام فوراً آپ دونوں کی طرف متوجہ ہوں اور آپ کو اس معمولی جیل سے فوراً ملٹری کی نگرانی میں لے لیا جائے۔ عبدالجبار نے تو خود ایک انگریز مجسٹریٹ کو قتل کیا ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں تو کسی قسم کا شک و شبہ ہی نہیں کیا گیا کہ وہ تنظیم کا رکن نہ ہو گا۔ ہاں آپ کے بارے میں عجیب حالات پڑھ کر وہ ضرور حیران ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے آپ کے ریکارڈ میں انگریز دشمنی کی کوئی مثال نہیں ملتی لیکن ان کے لئے یہی کافی ہے کہ خفیہ تنظیم کے ایک رکن نے آپ کا نام لیا ہے۔"

ہمزاد کی بات سن کر میں بھی فکر مند ہو گیا لیکن اس وقت تک بھی مجھے حالات کی نزاکت کا صحیح علم نہیں تھا اسی لئے میں نے ہمزاد سے کہا "جہاں ہمارے اتنے دشمن ہیں وہاں حکومت بھی سہی' ویسے پہلے بھی پولیس اور قانون کی نگاہ میں ہم کون سے سرخرو ہیں۔ جہاں اتنے الزامات اور جرم ہم سے منسوب ہیں یہ بھی سہی۔ ہمارا پروگرام یوں بھی اب کل کے بعد یہاں جیل میں رہنے کا نہیں ہے۔"

"حالات کس حد تک خراب ہو چکے ہیں اس کا اندازہ آپ کو غالباً پوری طرح نہیں ورنہ آپ ایسا نہ کہتے۔ ہمارے پاس کل صبح تک کا وقت بھی نہیں ہے۔ یہ واقعہ آج صبح کا ہے کہ خفیہ تنظیم کے اس رکن نے آپ کا نام لیا ہے۔ اس اہم بات کی اطلاع اعلیٰ انگریز حکام کو فوراً دے دی گئی اور انہوں نے فوری طور پر کچھ بڑے انگریز افسران کو ملٹری کی ایک بڑی تعداد کے ہمراہ کول کے لئے روانہ کر دیا ہے تاکہ آپ کو اور عبدالجبار کو اس جیل سے نکال کر وہ آج ہی رات دہلی لے جائیں۔ ان لوگوں کے یہاں پہنچنے میں اب صرف آدھا گھنٹہ باقی رہ گیا ہے۔ وقت بہت کم ہے اسی میں سب کچھ سوچنا اور کرنا ہے۔ ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ملٹری کے یہاں پہنچنے سے پہلے فرار ہو جائیں لیکن اس صورت میں بھی مہ پارہ ہی کی کامیابی ہے۔ اس لئے کہ اس طرح ہمزاد کا عمل پھر نئے سرے سے شروع کرانا پڑے گا۔ کیونکہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہمزاد کے عمل کے لئے جگہ اور وقت کی شرط بھی ہے۔ یہ عمل جس جگہ بیٹھ کر شروع کیا جائے روز وقت مقررہ پر بلاناغہ اسی جگہ کیا جائے۔

دوسری تشویشناک بات یہ ہے کہ جبار کے عمل کے دوران میرا اس کے پاس رہنا اشد ضروری ہے تاکہ مہ پارہ کے کسی اور نادیدہ حربے سے جبار کو بچایا جا سکے اگر میرا اس کے پاس رہنا ضروری نہ ہوتا تو بھی فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ ملٹری کو بھگتا

جا سکتا تھا۔" یہ کہہ کر ہمزاد سوچ میں گم ہوگیا اور میں بھی۔ اس وقت میں اور وہ کمرے میں تنہا تھے مہ پارہ کے اس حربے نے مجھے سخت الجھن و پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں بہت دیر تک معاملے کے ہر پہلو پر غور کرتا رہا۔ اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ حالات کا مقابلہ کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ آج ہمزاد کے عمل کی آخری رات ہے اگر کسی بھی سبب جبار عمل جاری نہ رکھ سکا تو تمام کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔

وقت بہت کم تھا مجھے جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا تھا اور آخر کار میں نے فیصلہ کر لیا "تم جبار کے پاس رہو عمل ہر قیمت پر جاری رہے گا۔ بقیہ حالات میں سنبھال لوں گا۔ بس تم ذرا خان صاحب بندے علی کو میرے پاس بھیجتے جاؤ۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔

"جو آپ کا حکم، میں کسی پراسرار نادیدہ قوت سے جبار کو زیر نہ ہونے دوں گا۔ یہ میری ذمے داری ہے۔ یقیناً آپ نے جو کچھ سوچا ہے وہ ٹھیک ہے میں جیلر کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔" یہ کہہ کر ہمزاد کمرے سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد ہی جیلر کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس اس لئے بلایا تھا کہ میں حصار سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا ممکن ہے کہ مہ پارہ اسی تاک میں ہو۔

"آپ نے یاد فرمایا مرشد!" خاں صاحب نے مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر مودبانہ کہا "میں ابھی ایک بیرک کے معائنے پر تھا کہ مجھے حضور کی سرگوشی سنائی دی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔" خان صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"تمہاری وفاداری کے امتحان کا وقت آن پہنچا ہے۔ تمہیں ہم سے کتنی محبت و عقیدت ہے اس کا اندازہ ابھی ہونے والا ہے۔" میں نے خاں صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حضور! اپنے بندے کو کوئی حکم تو دیں میں حضور پر سے اپنی جان بھی قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار ہوں۔" خاں صاحب نے بھاری اور مضبوط لہجے میں کہا۔

"تو سنو اب سے کچھ دیر بعد اعلیٰ انگریز حکام اور ملٹری کی بڑی تعداد یہاں پہنچنے والی ہے۔ وہ مجھے اور تمہارے پیر بھائی عبدالجبار کو یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں لیکن جبار اس وقت چلے میں بیٹھا ہے اس چلے کے لئے جگہ اور وقت کی پابندی بے حد ضروری ہے۔ اگر اس کے چلے میں رکاوٹ پڑ گئی تو ہمیں سخت صدمہ ہوگا۔ یہ اس کے چلے کی آخری رات ہے۔ کل صبح فجر کی اذان کے ساتھ اس کا چلہ پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہمیں کسی کی کوئی فکر نہیں۔ ہمیں ملٹری یا اعلیٰ افسران جہاں جی چاہے لے جائیں لیکن کل صبح سے پہلے ہم جیل سے کسی قیمت پر جانا نہیں چاہتے اور اس کی وجہ میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔ اس صورت میں اعلیٰ حکام تم پر دباؤ ڈالیں گے کہ ہمیں فوراً ملٹری کے حوالے کر دیا جائے غالباً تم میرا مطلب سمجھ چکے ہوگے۔" میں نے خان صاحب بندے علی کو پوری بات بتادی۔ "ایسی صورت میں ہماری عزت آبرو تمہارے ہاتھ میں ہے۔" میں نے خان صاحب کو سوچتے ہوئے دیکھ کر ایک اور تیر چلایا۔ اور یہ تیر نشانے پر بیٹھا۔

"میں نے آپ کو اپنا مرشد کہا ہے آپ کی عزت میری عزت ہے۔ آپ کی خوشنودی میری سعادت ہے۔ میں کسی بھی قیمت پر آپ دونوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جب تک آپ خود اپنی مرضی سے نہ جانا چاہیں۔" خاں صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ بھی سوچ لو کہ ممکن ہے وہ کوئی سخت قدم اٹھالیں اور وہ سخت قدم صرف تصادم ہو سکتا ہے۔" میں نے بات ذرا اور آگے بڑھائی مگر خان صاحب جوش میں تھے بولے "کچھ بھی ہو۔ ہوگا وہی جو مرشد چاہیں گے چاہے اس کے لئے مجھے بڑی سے بڑی طاقت سے ہی کیوں نہ ٹکرانا پڑے۔"

"تو پھر فوراً جیل میں موجود پولیس اور اپنے چوکیداروں کو مستعد رہنے کا حکم دے دو۔ یہ بھی کہ صبح سے پہلے جیل کا دروازہ بغیر تمہارے حکم کے کسی کے لئے بھی نہ کھولا جائے۔ وہ لوگ پہنچنے ہی والے ہیں وقت بہت کم ہے۔"

خان صاحب فوراً جیل کے بڑے دروازے کی طرف لپکے کچھ دیر بعد ہی وہ پھر ہانپتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ "آپ نے مجھے بروقت آگاہ کر دیا اگر میں چند لمحے پہلے نہ پہنچ جاتا تو جیل کے بڑے دروازے پر متعین سنتری اعلیٰ انگریز افسران اور ملٹری کو دیکھ کر ان کے لئے جیل کے دروازے کھول دیتے۔" خان صاحب نے بتایا "ان لوگوں کے ہمراہ کول کے اعلیٰ حکام بھی موجود ہیں۔"

"پھر کیا ہوا؟ کیا تمہاری ان سے کوئی بات ہوئی؟" میں نے دریافت کیا۔

"ہاں وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا اور عبدالجبار کا تعلق انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والی تنظیم سے ہے لہٰذا آپ دونوں کو ان کے حوالے اسی وقت کر دیا جائے۔ میں نے انہیں صاف جواب دے دیا کہ صبح سے پہلے یہ ناممکن ہے لیکن وہ ہر قیمت پر فوراً آپ دونوں کو چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی

ہے کہ اگر میں نے پندرہ منٹ کے اندر اندر دونوں مجرموں کو ان کے حوالے نہ کیا تو وہ مجھے برخواست کرنے کے علاوہ سخت ترین سزادیں گے۔ اور زبردستی دروازہ توڑ کر جیل میں داخل ہو جائیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اپنے مرشد سے کئے ہوئے عہد سے نہیں پھر سکتا وہ جو جی میں آئے کریں۔ میں نے جیل میں موجود پولیس کو اسلحہ خانے سے ضروری اسلحہ لے کر ملٹری کا مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا ہے جب تک میرے دم میں دم ہے وہ جیل کے اندر قدم نہیں رکھ سکیں گے۔ میں خود بھی اپنے سپاہیوں کے ہمراہ آخر دم تک ان کا مقابلہ کروں گا۔ میرے لئے دعا کیجئے مرشد کہ میں اپنا عہد نبھا سکوں۔" خان صاحب کی آواز بھرا گئی۔

"خدا تمہارا مددگار ہو۔ جاؤ۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی جیلر خان صاحب بندے علی کمرے سے نکل کر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی میں نے اپنی تصور کی قوت کو آزمایا۔ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا کہ صورت حال کیا ہے۔ میں نے جیل کے باہر کا تصور کیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے دیکھا کہ جیل کے باہر تقریباً سوڈیڑھ سو مسلح ملٹری والے موجود ہیں۔ جن کے آگے مختلف وردیوں میں پانچ چھ انگریز بے چینی سے ٹہل رہے ہیں، ان کے چہروں سے فکرمندی اور غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان میں سے ایک پھر جیل کے سلاخوں دار دروازے کے قریب آیا۔ غالباً یہ شخص ٹوٹی پھوٹی اردو بولنے کا اہل تھا۔ وہ اب خان صاحب کو انعام کا لالچ دے کر اپنا مطلب نکالنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ خان صاحب پر اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"میں آپ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھے آپ کا حکم ماننے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن صبح ہونے سے پہلے میں ایسا نہیں کرسکتا۔ میرے مرشد کا حکم ہے جن کے لئے میں اپنی نوکری تو کیا جان تک قربان کرنے پر تیار ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ ملٹری کو لے کر یہاں سے چلے جائیں۔ ورنہ تصادم کی صورت میں خواہ مخواہ خون خرابہ ہوگا۔ مجھے نہ تو آپ کی کوئی دھمکی اپنے ارادے سے روک سکتی ہے اور نہ کوئی لالچ۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" خان صاحب نے بغیر رعایت صاف صاف بات کی۔

خان صاحب کا جواب سن کر انگریز افسر کا پارہ ایک دم چڑھ گیا اور وہ تقریباً چیختے ہوئے بولا "ہم ٹم کو بھون کے رکھ دے گا.....!" انگریز افسر نے ایک موٹی سی گالی دی۔

"خاموش مردود کی اولاد۔" خان صاحب کی دھاڑ سنائی دی۔

انگریز افسر تیز تیز چلتا ہوا اپنے دوسرے ساتھیوں کے قریب پہنچا اور انہیں خان صاحب سے ہونے والی گفتگو سے باخبر کرنے لگا۔ اسی کے ساتھ ہی اس نے ملٹری کو پوزیشن لینے کا حکم دیا۔ ان پانچوں نے بھی اپنے اپنے ریوالور نکال لئے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پہلا دھماکا ہوا۔ یہ فائر کسی ملٹری والے کی بندوق کا تھا۔ پھر تو جیسے دھماکے پر دھماکے ہونے لگے۔ خان صاحب نے بھی جوابی فائرنگ شروع کرادی تھی اور خود ان کی بندوق بھی آگ اگلنے میں مصروف تھی۔ ملٹری والے جیل کے دروازے کے قریب پہنچنا چاہتے تھے لیکن مسلسل فائرنگ انہیں آگے بڑھنے سے روکے ہوئے تھی۔ ایک عجیب چیخ و پکار اور ہنگامہ آرائی شروع ہو چکی تھی۔ اب تک جیل والے ملٹری پر بھاری پڑ رہے تھے جس کا سبب یہ تھا کہ وہ کھلے میدان میں تھے اور جیل والوں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ آڑ لے کر فائرنگ کر رہے تھے ابھی تک صرف ملٹری والوں کو جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ جیل والوں میں سے بھی ایک آدھ زخمی ہوا تھا۔ ادھر قیدیوں نے شور مچا رکھا تھا۔ جو اپنی بیرکوں میں بند فائرنگ کی آواز سن رہے تھے۔ غالباً ان تک بھی کسی طرح یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ جیل کی پولیس اور ملٹری کے درمیان معرکہ گرم ہے اور اس کا سبب میں ہوں۔ وہ انگریزوں کے خلاف نعرے لگا لگا کر آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔

میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اب مجھے ہمزاد اور جبار کی فکر تھی کہ آیا جبار نے عمل شروع کیا یا نہیں؟ اس لئے کہ اب میرے خیال کے مطابق عمل شروع کرنے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر کے ہمزاد اور جبار کا تصور کیا۔ ہمزاد ایک دم چونک پڑا۔

"کہئے کوئی خاص بات؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جبار نے عمل شروع کیا یا نہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ وہ عمل کرنے میں مصروف ہے۔ عمل شروع کئے کتنی دیر ہو گئی؟"

"تقریباً آدھا گھنٹا ہو چکا ہے۔ مہ پارہ اس عرصے میں دو مرتبہ مداخلت کرنے کی کوشش کر چکی ہے۔ مگر دونوں بار میں نے اس کے حربے کو ناکام بنا دیا۔ لاتعداد سانپ، وہ اپنا کام کر جاتی مگر میری موجودگی نے اس کے ارادوں پر پانی پھیر دیا۔"

"ٹھیک ہے تم مستعد رہو۔" میں نے یہ کہہ کر آنکھیں کھول دیں، اچانک میں نے محسوس کیا کہ فائرنگ بند ہو گئی ہے، یہ بات میرے لئے تشویشناک تھی، میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ باہر کے حالات معلوم کروں کہ میری سماعت سے کسی کے کراہنے کی آواز ٹکرائی۔ ایک سپاہی خان صاحب کو سہارا دیئے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہا تھا، میں نے انہیں دیکھتے ہی سوال کیا "کیوں کیا

ہوا؟"

"کچھ نہیں مرشد! کوئی خاص بات نہیں۔ میری پنڈلی میں گولی لگی ہے۔ گولی پنڈلی کے آرپار ہوگئی ہے اس وجہ سے سہارا لے کر آیا ہوں۔" خان صاحب نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میں نے دیکھا کہ ان کی پنڈلی پر پٹی بندھی ہوئی تھی' لیکن میرے ذہن میں تو ایک اور سوال کلبلا رہا تھا۔

"یہ فائرنگ ایک دم کیوں بند ہوگئی؟" میں نے آخر کار پوچھ ہی لیا۔

سپاہی نے اس عرصے میں خان صاحب کو کمرے میں بچھی ہوئی دوسری چارپائی پر لٹا دیا تھا۔ "ان میں سے تین افسران کو تو میں نے خود گولی کھا کر گرتے دیکھا تھا جس میں سے ایک میری گولی کا نشانہ بنا تھا' بقیہ دو ابھی زندہ رہ گئے ہیں' مگر ان دونوں نے نہ جانے کیوں ایک دم فائرنگ روکنے اور آہستہ آہستہ ملٹری والوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ پھر وہ رفتہ رفتہ فائرنگ کرتے ہوئے جیل سے دور ہوتے گئے۔ انہیں اس معرکے میں خاصا جانی نقصان اٹھانا پڑا ہے مگر ہمارے پولیس والوں میں سے صرف چند زخمی ہوگئے اور وہ بھی معمولی' ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ بچے کچھے ملٹری والے اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو چکے ہیں' اسی لئے آپ کو اب فائرنگ کی آواز سنائی نہیں دے رہی۔" خان صاحب نے پورا واقعہ سنایا۔

ان کا ایک دم شکست تسلیم کرکے چلا جانا میری سمجھ میں نہیں آرہا' میرے خیال سے یقیناً اس میں کوئی چال ہے۔ وہ مزید کمک حاصل کرکے رات ہی میں دوبارہ حملہ کرنے کے لئے منصوبے بنا رہے ہوں گے۔ حکومت وقت کے حکم سے نافرمانی وہ بھی حکومت کے ایک ملازم کی۔ پھر اتنا خوفناک تصادم جس میں تین انگریز افسران ہلاک ہو چکے ہوں اور پولیس اور ملٹری کے درمیان سخت معرکہ آرائی ہوئی ہو' کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یقیناً اس ہولناک واقعے نے انگریز افسران کے ہوش اڑا دیئے ہوں گے۔ وہ اس طرح خاموشی سے ہرگز نہیں بیٹھ سکتے۔

سپاہی اب کمرے سے جا چکا تھا' میں نے انہی تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد خان صاحب کو مخاطب کیا "بقول آپ کے تین اعلیٰ افسران ہلاک ہو چکے ہیں ظاہر ہے یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں پھر ملٹری کے نہ جانے کتنے نوجوان مارے گئے ہیں' یہ باتیں ایسی نہیں کہ وہ خاموش ہو کر بیٹھ رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بار پھر منظم ہو کر اور بڑی تعداد میں جیل پر حملہ کریں گے۔ وہ یقیناً کول میں موجود تمام پولیس والوں کو جمع کرکے یہاں آنے والے ہوں گے۔ وہ اس آسانی سے پیچھا چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اب حالات پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک صورت اختیار کر چکے ہیں۔"

"آپ کا خیال مجھے درست معلوم ہوتا ہے مرشد! مگر یقین کیجئے جب تک بندے علی کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے وہ ان سے مقابلہ کرے گا۔ مجھے بھی کچھ اسی طرح کا خدشہ تھا اسی لئے میں نے جیل کی پولیس کو بدستور مستعد رہنے کا حکم دیا ہے۔ آپ مطمئن رہئے' صبح سے پہلے جیل میں کوئی شخص بھی قدم نہیں رکھ سکے گا۔ ہمارے پاس ابھی کافی تعداد میں اسلحہ موجود ہے۔" خاں صاحب نے میری بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"میرے ذہن پر غنودگی چھانے لگی تھی' میں کافی دیر سے حالات پر غور کر رہا تھا اور سوچتے سوچتے میرا ذہن کچھ تھک سا گیا تھا' میں نے آنکھیں بند کرلیں اور کچھ ہی دیر بعد میں بے خبر سوگیا۔ خاں صاحب بھی خراٹے لینے لگے تھے۔ پتہ نہیں میں کتنی دیر سویا مگر ایک دھماکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ یہ دھماکہ بہت خوفناک تھا اور بندوق کے دھماکے سے قطعی مختلف۔

اس وقت ایک سپاہی تقریباً بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے خاں صاحب کو جو اب خود بھی جاگ چکے تھے سہارا دے کر اٹھایا۔

سپاہی کہہ رہا تھا "وہ اب کے بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ ان کے ساتھ ایک توپ بھی ہے۔ جس کے گولے جیل کی دیوار پر لگ رہے ہیں۔ جیل کی چہار دیواری کی ایک طرف کی دیوار کچھ گر گئی ہے مگر ابھی تک ہم نے انہیں آگے نہیں بڑھنے دیا۔"

خاں صاحب سپاہی کی بات سن کر ایک دم اس کا سہارا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "چلو میں بھی چلتا ہوں۔"

اب میں نے مداخلت کی کیونکہ خاں صاحب زخمی تھے اور اس حالت میں ان کا لڑائی لڑنا میری نظر میں خطرناک تھا۔ "خاں صاحب میرا خیال ہے آپ آرام کیجئے آپ اس قابل نہیں کہ لڑائی میں شریک ہوں۔"

"مرشد! خدا کے لئے مجھے نہ روکئے' اول تو آپ سے کیا ہوا عہد مجھے نبھانا ہے' دوم یہ کہ میرے سپاہی اپنی جانوں پر کھیلیں اور میں یہاں پڑا رہوں' یہ میرے لئے باعث شرم ہے۔" خاں صاحب نے ملتجیانہ لہجے میں مجھ سے کہا۔

میں نے ان کے جذبے اور جوش کو دیکھتے ہوئے مناسب نہیں سمجھا کہ مزید ان سے کچھ کہوں میں نے انہیں جانے کی اجازت دے دی' اسی وقت جیل کے گھنٹے نے چار بجنے کا اعلان کیا۔ خاں صاحب سپاہی کا سہارا لئے اور اپنے ہاتھ میں بندوق تھامے کمرے سے نکل چکے تھے۔ بندوق کے مسلسل دھماکوں سے

فضا ایک بار پھر گونجنے لگی تھی۔ اب ان دھماکوں میں کچھ دیر بعد ایک بڑے دھماکے کا اضافہ ہو جاتا تھا۔

میرے اندازے کے مطابق جبار کا عمل ختم ہونے میں اب تقریباً ایک گھنٹا باقی رہ گیا تھا۔ میں نے اپنے تصور کی قوت کے ذریعے ایک بار پھر جبار کا نظارہ کیا۔ میں ہرچند ہمزاد کے سبب اس کی طرف سے اتنا متفکر نہیں تھا مگر پھر بھی حالات سے باخبر رہنا چاہتا تھا۔ جبار مجھے مصروف عمل نظر آیا حالانکہ مجھے اس کے چہرے سے بے انتہا نقاہت اور کمزوری کا پتہ لگ رہا تھا مگر اس کے باوجود وہ ہمت نہیں ہارا تھا۔ ہمزاد بھی مجھے مستعد نظر آیا' میں نے اسے مخاطب کیا "کیوں عمل میں کتنی دیر باقی ہے؟"

"بس اب پندرہ بیس منٹ میں ختم ہونے والا ہے' ہم کامیابی کی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں' جبار نے واقعی بڑی ہمت و جرات کا ثبوت دیا ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

اچانک کمرے میں قدموں کی آوازیں سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں وہ منظر میرے لئے اتنا ہی عجیب اور غیر متوقع تھا کہ میں یہ بھی بھول گیا کہ میں اس وقت حفاظتی حصار میں ہوں اور مجھے اس سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ تین چار سپاہی خان صاحب بندے علی کے لہولہان جسم کو اٹھائے ہوئے چارپائی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں بے اختیار ہو کر ان کی طرف بڑھا۔ میرے اس عمل میں صرف جذبات کو دخل تھا لیکن جیسے ہی میں نے ہمزاد کے قائم کئے ہوئے نادیدہ حصار سے باہر قدم رکھا میرے جسم کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ پورے جسم میں آگ سی لگ گئی۔ بے ساختہ میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ میں اپنے جسم پر قابو نہ رکھ سکا لیکن خیریت یہ ہوئی کہ میرا جسم واپس حصار کے اندر ہی گرا۔ کمرے میں موجودہ سپاہی جن کے چہروں پر پہلے ہی حزن و ملال کے سائے چھائے ہوئے تھے میری طرف خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگے۔ میرا جسم ابھی تک جھنجھنا رہا تھا میں آہستہ سے اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ دھماکوں کی لگاتار آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میرے حواس کچھ بجا ہوئے تو میں نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے سپاہیوں سے دریافت کیا۔ "خان صاحب کو کیا ہوا؟ کیا وہ بے ہوش ہوگئے ہیں؟"

ان میں سے ایک نے میری طرف دیکھا اس کی آنکھیں پرنم تھیں۔ "وہ ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "انہوں نے مرتے وقت آخری نصیحت یہ کی تھی کہ صبح سے پہلے کسی طرح ملٹری کو جیل میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔"

یہ خبر سن کر میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا "وہ مرد وفادار آخر مارا گیا۔ خدا اسے جنت نصیب کرے۔" میں زیر لب بڑبڑایا۔

سپاہی پھر اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوگئے تھے مگر میں محسوس کر رہا تھا کہ دھماکوں نے اب نسبتاً شدت اختیار کرلی ہے۔ میرے اندازے کے مطابق اب جبار کا عمل ختم ہونے میں صرف چند منٹ باقی تھے اور یہ چند منٹ بہت فیصلہ کن تھے۔ اچانک میرے کانوں سے سخت قسم کا شور ٹکرایا میں نے فوراً اپنے تصور کی قوت آزمائی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ اب پولیس اور ملٹری کے کچھ نوجوانوں کے درمیان دست بدست لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ غالباً ملٹری والے بھاری پڑ گئے تھے اور ان میں سے کچھ جیالے جیل کی دو جگہ سے ٹوٹی ہوئی بڑی دیوار تک پہنچ کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود پولیس کے سرفروشوں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ پھر ملٹری والوں کی طرف سے ایک زبردست یلغار ہوئی پے در پے توپ کے گولے داغے گئے۔ پولیس والے پسپا ہونے لگے اسی وقت بہت زور کا شور بلند ہوا اور ملٹری والوں کی ایک بڑی تعداد ٹوٹی ہوئی دیوار کے اندر سے جیل کے اندر داخل ہوگئی۔

دست بہ دست لڑائی جاری تھی مگر اب صورت پہلے سے مختلف تھی پہلے جیل کے اندر پولیس والے زیادہ تھے اور آنے والے کم مگر اب جیل کے اندر بھی ملٹری کے کافی نوجوان پہنچ چکے تھے اور وہ پولیس کے جوانوں پر بھاری پڑنے لگے تھے دوسری طرف فائرنگ بھی جاری تھی۔ ہر طرف چیخ و پکار او پولیس والوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ میری زندگی میں اتنی خوں آشام رات پہلے کبھی نہیں گزری تھی۔ میں مرنے والوں کے لئے اپنے اندر ایک عجیب سا دکھ محسوس کر رہا تھا۔ میں ایسے ہی خیالوں میں کھو گیا اور توجہ کی کمی کے سبب میرا سلسلہ تصور ٹوٹ گیا۔ اسی وقت میری سماعت سے ہمزاد کی آواز ٹکرائی۔ "آنکھیں کھولئے اور وہ خوشخبری سنئے جس کے لئے آپ کی سماعت ترس گئی تھی۔"

میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ہمزاد کے ہمراہ عبدالجبار موجود ہے مگر میں جانتا تھا کہ نہ تو وہ میرے ہمزاد کو دیکھنے کا اہل ہے اور نہ اس کی آواز سننے کا جب تک ہمزاد خود اسے اپنی آواز نہ سنانا چاہے۔

"جبار اپنے ہمزاد کو قابو میں کرنے میں کامیاب ہوگیا مبارک ہو آپ کو میرا خیال ہے کہ اب ہمیں فوراً یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے چلئے۔" ہمزاد نے مجھ سے کہا۔

لیکن اس کی بات سن کر میں ذرا ہچکچایا۔ "کیا میں اب حصار سے باہر آسکتا ہوں؟" پھر میں نے اب سے کچھ دیر پہلے کا واقعہ

مختصراً اسے سنایا۔

"اب مہ پارہ کی طرف سے فکر نہ کیجئے اسے اطلاع مل چکی ہوگی کہ جبار اپنے عمل میں کامیاب ہوچکا ہے۔ اب وہ مدافعت کی جنگ لڑنے پر مجبور ہے۔ اس میں اب ہم پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوسکتی۔"

ہمزاد کی بات سن کر مجھے تسلی ہوئی اور میں فوراً اپنے حصار سے باہر آگیا اس مرتبہ میں قطعی محفوظ تھا اس عرصے میں جبار خاموش رہا تھا۔ وہ غالباً سمجھ چکا تھا کہ میں اپنے ہمزاد سے مصروف گفتگو ہوں۔ دوسرے وہ اپنے چہرے سے خاصا تھکا ہوا اور نڈھال دکھائی دے رہا تھا جیسے کئی راتوں کا جاگا ہوا ہو۔ میں نے کمرے سے نکلتے ہوئے پہلی بار اسے مخاطب کیا "مبارک ہو جبار کہ تم آزمائش میں پورے اترے۔"

"یہ سب آپ کی عنایت ہے اگر قدم قدم پر مجھے آپ کی معاونت حاصل نہ ہوتی تو میں کبھی کامیاب نہ ہوپاتا۔" جبار نے غنودہ سے لہجے میں کہا۔

ہم جیل کی دائیں طرف والی بیرکوں سے گزرتے ہوئے ان کی پشت کی طرف نکل آئے یہ جیل کی دیوار کا پچھلا حصہ تھا۔ میں اور جبار کچھ دیر میں ہی جیل کی بڑی دیوار کے پاس کھڑے تھے۔ اسی وقت ہمزاد نے کہا "ہمارا اس وقت فضا میں اڑنا خطرناک ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دوریوں ہی پیدل سفر کیا جائے۔"

"مگر راستے کی اس دیوار کا کیا ہوگا؟" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"پے در پے دھماکے ہو رہے ہیں اگر ایسے میں اس دیوار کا کچھ حصہ ٹوٹ جائے تو اس کے ٹوٹنے کی آواز پر کوئی متوجہ نہیں ہوگا۔ میں ایسا اس لئے کر رہا ہوں کہ اب ہلکا ہلکا اجالا پھیلنے لگا ہے۔" ہمزاد نے بتایا۔

"ٹھیک ہے تم جو مناسب سمجھو کرو۔" میں نے جواب دیا اور میرے اتنا کہتے ہی ہمزاد اچانک جیل کی موٹی کچی دیوار میں تحلیل ہوگیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے اگر میں اور جبار جلدی سے پیچھے نہ ہٹ جاتے تو یقیناً دیوار کے نیچے دب چکے ہوتے۔ اچانک میرا ہاتھ پکڑ کر جبار نے مجھے پیچھے کھینچ لیا تھا غالباً اس کے ہمزاد نے اسے ہوشیار کر دیا تھا۔ دو ہمزاد ساتھ ہونے کا یہ پہلا فائدہ تھا۔ پھر میں اور جبار دونوں جلدی سے ٹوٹی ہوئی دیوار کے ملبے سے گزرتے ہوئے جیل سے باہر آگئے۔ اسی وقت ایک دم ہمزاد نے میرا ہاتھ پکڑا اور چیخا "دوڑیئے ہمیں دیکھ لیا گیا ہے۔"

میں نے ہمزاد کے اتنا کہتے ہی جبار کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف دوڑنے لگا بہت دور مجھے اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"جیل پر ملٹری والے قبضہ کرچکے ہیں۔ جس وقت آپ دونوں ٹوٹی ہوئی دیوار عبور کر رہے تھے۔ اسی وقت ملٹری آفیسر کی نظر آپ دونوں پر پڑ گئی۔ انہوں نے آپ دونوں پر فائر بھی کئے تھے مگر خوش قسمتی سے آپ اس وقت تک دیوار عبور کرچکے تھے۔ مسلسل دھماکوں میں آپ نے اس طرف توجہ نہیں دی۔" ہمزاد نے میرے ساتھ بھاگتے ہوئے کہا۔

میں بھاگتے بھاگتے ایک دم کچھ ٹھٹکا۔ میرے سامنے ریلوے لائن تھی اور سامنے سے ٹرین آرہی تھی۔ اس وقت ریلوے لائن عبور کرنا خطرناک تھا ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا اظہار ہمزاد سے کروں کہ اس نے مجھے اور جبار کو اٹھایا اور ایک دم ریل کے انجن کے سامنے سے دوسری طرف نکل گیا۔ ابھی میں کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ ایک مرتبہ ہم دونوں کے جسم آہستہ سے فضا میں بلند ہوئے اور دوسرے ہی لمحے ہم دونوں ریل کے ایک ڈبے میں تھے۔ غالباً ہمزاد نے احتیاطاً ایسے ڈبے کا انتخاب کیا تھا جو قطعی خالی تھا۔ جبار حیرت زدہ سا میری طرف دیکھ کر بولا "ہم کہاں جارہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ تم رات بھر کے جاگے ہوئے ہو آرام کرو۔ تمہارے لئے فی الحال اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ ہم اس وقت ملٹری سے بچ کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں جارہے ہیں۔" میں نے جبار کی بات کا جواب دیا۔

یہ ایک آرام دہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ تھا۔ اب تک میرے علم میں نہیں تھا کہ ٹرین کس طرف جارہی ہے۔ جبار اوپر کی ایک برتھ پر چڑھ گیا۔ میں پھر ہمزاد سے مخاطب ہوا۔ "پہلی بات تو مجھے یہ بتاؤ کہ اگر تمہیں ٹرین میں چڑھنا تھا تو تم نے یہ خطرہ کیوں مول لیا کہ تیز رفتار ٹرین کے سامنے سے ہم دونوں کو اٹھا کر ایک دم گزر گئے؟ دوسری بات یہ کہ یہ ٹرین کس طرف جارہی ہے؟"

"آپ کی پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ آپ دونوں کا تعاقب کیا جارہا تھا..... اگر دور سے بھی ملٹری والے آپ دونوں کو ٹرین میں سوار ہوتا دیکھ لیتے تو اگلے اسٹیشن پر ٹرین رکوادی جاتی۔ میں نے اسی لئے یہ خطرہ مول لیا تاکہ وہ سمجھیں کہ آپ دونوں ابھی تک کول ہی میں ہیں اور وہ آپ کو صرف یہیں تلاش کریں۔ غالباً اب آپ سمجھ گئے ہوں گے۔" ہمزاد نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

میں اس کی ذہانت کا قائل ہوگیا۔ "واقعی تم نے ذہین ہونے کا ثبوت دیا ہے میرے ذہن میں دور تک یہ بات نہیں

تھی۔"

"آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ ٹرین اکبر آباد کی طرف جارہی ہے۔ میری رائے ہے کہ ہم پہلے اکبر آباد پہنچ کر کچھ دن آرام کریں تاکہ اس عرصے میں جبار بھی جسمانی اور ذہنی طور پر قطعی صحت مند ہوجائے۔ پھر اس سے آپ کو مہ پارہ کے بارے میں بھی گفتگو کرنی ہے کہ وہ اس سلسلے میں آپ کے ساتھ بھرپور تعاون واشتراک کرے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے ہمزاد کی تائید کی۔

"میں ابھی آپ دونوں کے لئے اکبر آباد تک کے ٹکٹ لائے دیتا ہوں۔ تاکہ راستے میں کوئی پریشانی نہ ہو اور ہاں لباس بھی۔ اس لئے کہ یہ جیل کے کپڑے آپ کو مصیبت میں گرفتار کراسکتے ہیں۔" یہ کہہ کر ہمزاد روانہ ہوگیا۔

میں نے دیکھا کہ جبار سامنے والی برتھ پر کروٹیں بدل رہا ہے۔ میں نے اسے مخاطب کیا "کیوں کیا نیند نہیں آرہی؟"

"ہاں میں کوشش تو کر رہا ہوں کہ سوجاؤں مگر.... مگر" جبار کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں کیا بات ہے بولو!" میں نے پوچھا۔

وہ اپنی برتھ سے اتر کر میرے قریب آکر بیٹھ گیا اس کے چہرے پر تھکن کے علاوہ خوف کے بھی آثار تھے۔ پھر وہ مجھ سے بہت نزدیک آکر آہستہ سے بولا "وہ مجھے سونے نہیں دے رہا۔ میں بار بار کوشش کرتا ہوں کہ سوجاؤں مگر مجھے جگا دیا جاتا ہے۔"

"لیکن تمہیں کون جگا دیتا ہے۔ صاف صاف بتاؤ نا؟" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ..... وہ..... میرا..... میرا" جبار ہکلایا اور اپنے سامنے کسی کو مخاطب کرکے چیخا۔ "کیا چاہتے ہو؟" حالانکہ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے سامنے کوئی نہیں تھا۔ وہ پھر بولا "کام! کام! کام! ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھو ابھی تم سے مجھے کوئی کام نہیں جب کام ہوگا بلالوں گا۔" وہ پھر خاموش ہوگیا جیسے کچھ سن رہا ہو میں اس کی ان حرکات سے سمجھ گیا کہ وہ اپنے ہمزاد سے محو گفتگو ہے۔ "پھر تو کیا تم ہر وقت میرے ساتھ رہو گے؟" جبار کی آواز پھر سنائی دی۔ غالباً اس کے ہمزاد نے اس سے کچھ کہا تھا "اچھا تو پھر جاؤ اور ساری دنیا کا چکر لگا کر آؤ۔" جبار نے جھنجلا کر اپنے ہمزاد کی کسی بات کے جواب میں کہا۔ پھر وہ بڑبڑایا۔ "اس طرح کم از کم کچھ دیر تو میں آرام سے سوسکوں گا۔"

اسی وقت میرا ہمزاد لباس ہاتھ میں لٹکائے ڈبے میں داخل ہوا اور آتے ہی جلدی سے بولا "اب سے کچھ دیر بعد ایک اسٹیشن آنے والا ہے اس سے پہلے آپ دونوں یہ لباس پہن لیں۔ اس لئے کہ ممکن ہے کوئی اور شخص اس ڈبے میں سوار ہوجائے اور وہ آپ کو قیدیوں کے لباس میں دیکھ کر ریلوے اسٹیشن کو مطلع کردے یا کوئی ٹکٹ چیکر آجائے۔" ہمزاد نے لباس میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اس سے لباس لے کر ایک شیروانی قمیص اور پاجامہ تو جبار کی طرف بڑھایا اور دوسرا خود زیب تن کرنے لگا۔ جبار کے اور میرے جسم میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ جبار نے بھی میری تقلید کی۔ پھر جب ہم لباس پہن چکے تو ہمزاد نے مجھے بہت سے روپے دیئے جو میں نے شیروانی کی دونوں بڑی جیبوں میں بھر لئے۔ اسی کے ساتھ ہمزاد نے مجھے ٹکٹ بھی تھمادیئے۔ اور میں نے جیل کے کپڑے ہمزاد کو دے دیئے۔ وہ ہم دونوں کے کپڑے لے کر چلا گیا۔ غالباً انہیں ٹھکانے لگانے۔ ادھر وہ گیا ادھر ٹرین آہستہ آہستہ رکنے لگی۔ اب دن پوری طرح نکل آیا تھا مجھے یاد نہیں وہ کون سا اسٹیشن تھا۔ میں ٹرین سے نیچے اترا اپنے اور جبار کے لئے میں نے ناشتے کا انتظام کیا اور پھر ڈبے میں واپس آگیا۔ ناشتے کے دوران میں نے اس سے پوچھا کہ وہ مجھ سے کیا بات کہتے کہتے رک گیا تھا۔ اس سوال کے ساتھ ہی ایک دم اس کے چہرے پر مجھے خوف کی علامت محسوس ہوئی پھر وہ اپنے دائیں طرف دیکھ کر بولا "تم اتنی جلدی ساری دنیا کا چکر لگا آئے؟"

اس کے طرز کلام سے میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے ہمزاد سے مخاطب ہے۔ میں اس صورت حال سے کچھ الجھنے لگا میں نے اپنے ہمزاد کو طلب کیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جبار کو کیا پریشانی ہے۔" میں نے جبار کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور کہا "تم مجھے اس بارے میں بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے؟"

ہمزاد سے یہ گفتگو کرنے سے پہلے میں جبار کے پاس سے اٹھ کر ڈبے کے دروازے میں آکھڑا ہوا تھا تاکہ جبار میری گفتگو نہ سن سکے یوں بھی میں بہت آہستہ بات کر رہا تھا۔ میری بات سن کر ہمزاد چند لمحے کسی سوچ میں گم رہا پھر آپ ہی آپ بڑبڑایا۔ "یقیناً یہی بات ہے۔"

"جبار سے عمل کے آخری مراحل میں ایک سخت غلطی ہوگئی ہے۔ جس کا ازالہ ناممکن ہے۔" ہمزاد نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"حالانکہ آپ نے اسے تمام باتیں اچھی طرح ذہن نشین کرادی تھیں لیکن شاید ایک بات اس کے ذہن سے نکل گئی۔ اس وقت مجھے بھی کچھ کچھ احساس ہوا تھا کہ شرائط میں یقیناً کچھ گڑبڑ ہوئی ہے مگر حالات اس وقت اتنے ہنگامی تھے کہ مجھے اس

مسئلہ پر زیادہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اب آپ نے مجھے تمام باتیں بتائی ہیں تو میں فوراً بات کہ تہہ تک پہنچ گیا کہ میں اس وقت کیوں کھٹکا تھا۔ لیکن اگر اس وقت بھی مجھے یہ بات معلوم ہوجاتی تو میں کچھ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ ایسے وقت کسی دوسرے ہمزاد کی مداخلت دو ہمزادوں میں دشمنی کا سبب بن جاتی ہے جبکہ مجھے آئندہ اس سے مدد درکار تھی اور دوستی کی خواہش تھی۔"

ہمزاد کچھ دیر کے لئے رکا اور پھر کہنے لگا "جب جبار کا ہمزاد اس پر پوری طرح ظاہر ہوگیا تو اس نے جبار سے شرائط طے کیں لیکن عبدالجبار جو بات طے کرنا بھول گیا وہ یہ تھی کہ اس نے اپنے ہمزاد سے یہ طے نہیں کیا کہ وہ صرف اسی وقت اس کے پاس آئے گا جب اسے طلب کیا جائے گا نتیجہ یہ کہ وہ اب ہر وقت جبار کے ساتھ رہے گا اور ہر وقت اس سے پوچھتا رہے گا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے لئے کیا کام ہے وہ ہر وقت کوئی کام 'کوئی کام' کوئی کام کوئی کام کی رٹ لگائے رہے گا۔ اسی سبب جبار پریشان ہے۔" ہمزاد نے مجھے تمام بات بتادی۔

"بہر حال ہوا برا۔ لیکن بقول تمہارے اب ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اس صورت میں تو جبار سخت مشکل میں گرفتار ہوجائے گا ایک تو مہ پارہ کے حملے اور اخراج خون کے سبب ویسے بھی اسے کافی آرام و سکون کی ضرورت ہے دوسرے مسلسل عمل میں مصروف رہنے اور پوری طرح آرام نہ ملنے نیز عمل کے دوران عجیب و غریب واقعات سے دوچار ہونے کی وجہ سے وہ نڈھال اور تھکا ہوا ہے۔ اگر ان حالات میں اسے آرام نہ ملا تو اس کے اعصاب جواب دے جائیں گے۔ مجھے اور تمہیں کوئی نہ کوئی ایسی صورت ضرور نکالنی پڑے گی کہ اسے آرام اور نیند مل سکے۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔

"فی الحال تو میرے ذہن میں کوئی ایسی تجویز نہیں جو آپ کو بتا سکوں اور جس پر عمل کرکے جبار کو اس مصیبت سے نجات دلائی جاسکے جو یقیناً اس کی زندگی اجیرن کردے گی۔ بہر حال میں اس سلسلے میں سوچوں گا آپ بھی غور کیجئے۔" ہمزاد نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں بھی غور کروں گا۔ اب تو اکبر آباد پہنچ کر ہی کچھ سوچا جاسکتا ہے۔ یہ گاڑی وہاں کب تک پہنچے گی؟" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"شام کے قریب پہنچ جائے گی۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی پورا دن پڑا تھا۔ میں نے ہمزاد کو جانے کی اجازت دی اور دوبارہ ڈبے کے اندر آگیا اب تک میں دروازے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اندر آکر میں جبار کی طرف بڑھا۔ جو سر پکڑے بیٹھا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اس نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں بے بسی تھی۔

"جبار! میں تمہارے دکھ سے بے خبر نہیں ہوں۔ میرے عزیز! اگر تم نے میری باتوں کو پوری توجہ سے سنا ہوتا اگر میری ہدایات اچھی طرح ذہن نشین کی ہوتیں تو آج تم اپنے حال پر اتنے افسردہ اور کبیدہ خاطر نہ ہوتے۔ بہر حال اب جو کچھ ہوچکا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میں کوئی ایسی صورت ضرور نکال لوں گا کہ تم سکون و آرام پا سکو۔ مگر اس کے لئے وقت درکار ہے تاکہ میں اس مسئلے پر پوری طرح سوچ سکوں مجھے تم سے کچھ بھی نہیں پوچھنا کہ تم کس عذاب میں ہو۔ میں سب جانتا ہوں۔ تم نے پوچھا تھا کہ ہم کہاں جارہے ہیں تو سنو ہماری منزل اکبر آباد ہے۔ وہاں پہنچ کر ہم لوگ کچھ دن سکون و اطمینان سے بسر کریں گے تاکہ ملٹری اور پولیس ہماری طرف سے بے فکر ہوجائے۔ ورنہ اگر اسے پتہ چل گیا یا حکومت کی نظر میں ہم آگئے تو تمام معاملہ گڑبڑ ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ بھی مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں جو اکبر آباد پہنچ کر کروں گا۔" میں نے جبار کو تسلی دی تاکہ وہ حالات سے گھبرا کر کوئی غلط قدم نہ اٹھالے۔

"خدا خدا کرکے شام ہوئی اور گاڑی اکبر آباد کے اسٹیشن پر رکی میں خاموشی سے جبار کو لے کر اسٹیشن سے باہر آگیا اسٹیشن کی عمارت سے باہر آکر میں نے اس سے کہا "ہمیں یہاں اپنے نام بدل کر رہنا ہوگا۔ آج سے تمہارا نام رزاق اور میرا نام اسحاق ہے اور ہم دونوں بھائی بھائی ہیں سمجھ گئے؟"

جبار نے تائید میں گردن ہلائی۔ یہ احتیاط اس لئے ضروری تھی کہ بھولے سے بھی کسی کو ہم پر شک نہ ہو۔ جبار بھی غالباً میرا مطلب سمجھ گیا تھا اسی لئے اس نے تائید کی تھی۔ میں نے ہمزاد کو طلب کیا۔

"یہ شہر بھی میرے لئے قطعی نیا ہے کہاں چلنا ہے؟"

"فی الحال قلعے چلے چلئے۔ یہاں سے قریب بھی ہے اور وہاں سرائے بھی ہے۔ جس میں آج رات بسر کی جاسکتی ہے۔ کسی مکان کا انتظام کل صبح ہی ہوسکتا ہے۔ اب تو یوں بھی دن ڈھل چکا ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا اور میں نے ایک یکہ قلعہ کے لئے کرلیا۔ راستے میں ایک جگہ ہمارے یکے کو رکنا پڑا معلوم ہوا کہ کوئی بڑا انگریز افسر اپنی بیگم کے ہمراہ ادھر سے گزر رہا ہے۔ اس لئے کچھ دیر کے لئے راستہ بند کردیا گیا ہے۔ یکہ ایک طرف کھڑا ہوگیا کیونکہ قلعہ تک پہنچنے کے لئے یہی راستہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ سڑک کے کنارے اور لوگ بھی انگریز افسر اور اس کی بیوی

کی سواری دیکھنے کے منتظر تھے۔ میں بھی جبار کو لے کر اس بھیڑ میں شامل ہوگیا۔ لوگوں کی گفتگو سے پتہ چلا کہ یہ انگریز افسر آج کل دہلی سے یہاں معائنے پر آیا ہوا ہے۔ اور اس کا تعلق مرکز سے ہے۔ کچھ دیر بعد ہی ایک چار گھوڑوں کی کھلی بگھی میں افسر اور اس کی بیوی کو میں نے گزرتے دیکھا۔ میری نظر جیسے ہی اس نیلی آنکھوں والی نوجوان اور حسین انگریز لڑکی پر پڑی' دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

آج ایک طویل عرصے کے بعد مجھے اس انگریز لڑکی کی ایک ہی جھلک نے دیوانہ کردیا تھا۔ سواری کب کی گزر بھی چکی تھی لوگ چھٹ گئے تھے مگر میں اپنی جگہ کھڑا تھا۔ یہاں تک کہ عبدالجبار نے مجھے ٹوکا اور میں اس کے ہمراہ یکے میں بیٹھ کر دوبارہ سفر کرنے لگا راستے بھر اسی نیلی آنکھوں والی کا چہرہ میری آنکھوں میں گھومتا رہا۔ سرائے میں ایک کمرہ حاصل کرکے سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ ہمزاد کو طلب کرکے اس لڑکی کو لانے کی خواہش کا اظہار کردیا۔ لیکن ہمزاد نے مجھے صرف ایک رات اور صبر کرنے کے لئے کہا۔ اس مرتبہ میں نے اس کی بات مان لی کیونکہ کئی بار اس کی بات نہ مان کر میں نے سخت پریشانی اٹھائی تھی۔ اس رات جبار تو خیر مجبوراً نہ سوسکا کیونکہ اس کا ہمزاد اسے جگائے ہوئے تھا لیکن مجھے اس انگریز افسر کی بیوی کا خیال نہیں سونے دے رہا تھا جس کا نام تک مجھے نہیں معلوم تھا۔

کسی طرح صبح ہوئی اور میں جبار کے ہمراہ اپنے ہمزاد کے مشورے پر یکے میں بیٹھ کر تاج گنج کے لئے روانہ ہوا۔ اس زمانے میں مکان کرائے پر اٹھانے کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا۔ زیادہ تر لوگ صاحب جائیداد ہوتے تھے۔ غریب سے غریب آدمی کے پاس مکان ضرور ہوتا تھا کیونکہ یہ زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ صدیوں سے ایک جما جمایا معاشرہ تھا۔ ہمزاد نے تاج گنج میں جلد ہی ایک ایسا مکان ڈھونڈ نکالا جو برائے فروخت تھا۔ یہ مکان تاج محل سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ ہرچند کہ نسبتاً چھوٹا تھا مگر بہت خوبصورت مغلیہ طرز تعمیر پر بنا ہوا تھا۔ پیسوں کا مسئلہ ہی نہیں تھا۔ مالک مکان نے جو مانگا میں نے منظور کرلیا اسی وقت تمام لکھت پڑھت ہوئی اور سارا مسئلہ طے ہوگیا۔ ہمزاد نے منٹوں میں تمام مکان صاف کردیا۔ اب مسئلہ ساز و سامان اور آرائش کا تھا سو وہ بھی اس نے پلک جھپکتے تمام کردیا۔ مکان دلہن کی طرح سج گیا۔ کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اب سے چند منٹ پہلے جس مکان کی حالت گھورے کی سی تھی۔ اتنی جلدی کس طرح ایک عالیشان کوٹھی میں تبدیل ہوگیا۔ مگر ہمزاد کے لئے یہ ایک معمولی کرشمہ تھا۔ میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا اس لئے بستر پر لیٹتے ہی بے خبر ہوگیا۔ جبار بھی قریبی مسہری پر لیٹا ہوا بڑبڑا رہا تھا اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور حالت نیم پاگلوں کی سی تھی۔ ایک تو جسمانی کمزوری پھر اس پر بیداری وہ دو راتوں کا جاگا ہوا تھا مگر مجھے اس وقت تو بجائے اس کی حالت پر رحم آنے کے خود پر ترس آرہا تھا اس لئے سونے سے پہلے جبار کو ایک نظر دیکھ کر میں نے دانستہ اسے مخاطب نہیں کیا۔ دوپہر کے بعد میری آنکھ کھلی۔ ہاتھ منہ دھو کر میں نے ہمزاد کو طلب کرکے کھانا منگایا۔

جبار اب تک نہ سوسکا تھا۔ وہ مجھے اٹھتے دیکھ کر خود بھی اٹھ بیٹھا اور تھکی تھکی آواز میں بولا "کمر تختہ ہوگئی لیٹے لیٹے۔" پھر ہوا میں ہاتھ نچاتا ہوا بولا "سو بار کہہ چکا ہوں کوئی کام نہیں مگر تمہیں تو صرف ایک رٹ ہے کوئی کام کوئی کام۔"

میں سمجھ گیا کہ اس کا ہمزاد اسے پریشان کررہا ہے جب ہی وہ مجھ سے بات کرتے کرتے ایک دم اس سے مخاطب ہوگیا ہے میں نے اسے کھانے پر بلایا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھانا کھاتا رہا۔ پھر ایک دم چیخ کر بولا "بکے جا میں سن ہی نہیں رہا تیری بکواس۔"

مجھے جبار پر واقعی رحم آرہا تھا اگر کچھ دن اور اس کی یہی حالت رہی تو وہ یقیناً پاگل ہوجائے گا یا خودکشی کرلے گا۔

رات ہونا میرے لئے دوبھر ہو رہا تھا جوں جوں دن گزر رہا تھا میری بے تابی بڑھتی جارہی تھی۔ خیر کسی طرح وہ کڑا آزمائشی وقت بھی گزر گیا۔ اور وہ لمحہ آیا جب میں ہمزاد سے کہہ رہا تھا۔ "اس سفید پری کو اٹھالاؤ۔"

کافی دیر انتظار کے بعد ہمزاد اس فتنہ قیامت کو لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ میں نے جلدی سے دروازہ لگایا اور مسہری کی طرف بڑھا۔ اور پھر رات کب گزر گئی کچھ پتہ نہ چلا۔

علی الصبح جب میں سو کر اٹھا اور کمرہ کھول کر غسلخانے کی طرف جانے لگا تو میری سماعت سے جبار کی آواز ٹکرائی۔ "ابے کیوں میری جان کے درپے ہوا ہے سونے دے خدا کے لئے مجھے سونے دے۔"

معاً ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا اور میں بجائے غسل خانے کی طرف جانے کے اس کے کمرے کی طرف چل دیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا جبار کی آواز آئی کون ہے؟"

"میں ہوں دروازہ کھولو۔"

کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ اس کے باہر آتے ہی میں نے کہا "تم سونا چاہتے ہو نا؟"

"ہاں! ہاں میں سونا چاہتا ہوں لیکن وہ وہ منحوس مجھے سونے

نہیں دیتا۔" جبار نے پاگلوں کی طرح کہا۔

"گھبراؤ مت تمہیں نیند آجائے گی تم سو جاؤ گے جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"بتاؤ جلدی بتاؤ ورنہ وہ مجھے جگا جگا کر مار ڈالے گا۔" وہ پھر چیخا۔

"تمہاری نیند کی دوا میرے کمرے میں ہے۔ تمہیں یاد ہوگا تم نے اپنے ہمزاد سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ ناپاکی کی حالت میں تمہارے پاس نہیں آئے گا۔

جبار بے اختیار میرے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس نے میری بات کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا غالباً وہ میری بات اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ اور میں غسل خانے کی طرف بڑھتا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ یہ بات پہلے میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی تھی۔

میں جب غسل خانے سے نہا کر نکلا تو احتیاطاً کچھ دیر صحن ہی میں ٹہلتا رہا اس لئے کہ ممکن ہے کہ جبار ابھی تک میرے کمرے میں ہو مگر کافی دیر بعد بھی جب وہ کمرے سے نہ نکلا تو مجھے مجبوراً کمرے میں داخل ہونا پڑا۔ جبار نے دروازہ بھی لگانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اور وہ بے فکر میری مسہری پر سو رہا تھا۔ میں نے اپنے ہمزاد کو طلب کیا پہلے جبار کو ہمزاد کے ذریعے اس کے کمرے میں پہنچوایا پھر اس کو بھی روانہ کر دیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔

دوسرے دن دوپہر سے کچھ پہلے ہی میری آنکھ کھل گئی میں اٹھ کر جبار کے کمرے کی طرف گیا وہ ابھی تک بے سدھ سو رہا تھا میں نے اس کے جسم پر چادر ڈال دی۔ واقعی وہ انگریز لڑکی اس کے لئے نیند کی گولی ثابت ہوئی تھی۔ وہ کئی راتوں کا جاگا ہوا تھا اس لئے میں نے اسے نہیں جگایا میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا اور ہمزاد کو طلب کر کے آئندہ کے لئے منصوبہ بنانے لگا۔ ہمزاد نے میری رات والی حرکت کی مجھے بہت داد دی۔ پھر اس نے کہا "یہاں اکبر آباد میں بے مقصد وقت گنوانا میرے خیال سے لاحاصل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جبار کو جسمانی طور پر بحال ہونے میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ لگے گا۔ اس کے فوراً بعد ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ ابھی ہماری سب سے بڑی دشمن مہ پارہ نے اپنی شکست قبول نہیں کی ہے اور وہ کبھی بھی اور کہیں بھی ہمارے لئے مصیبت کھڑی کر سکتی ہے۔ ہمیں یہ ہفتہ گزرتے ہی فوراً میرٹھ کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے۔"

میں نے ہمزاد کی تائید کرتے ہوئے کہا "تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ اس عرصے میں جبار کو بھی اس پر آمادہ کرلوں گا کہ وہ مہ پارہ کے خلاف ہمارا ساتھ دے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ بخوشی اس بات پر آمادہ ہو جائے گا اور اب آرام اور نیند سے اس کی ذہنی حالت بھی معمول پر آجائے گی۔"

وہ پورا ہفتہ نہایت صبر و سکون سے گزرا۔ جبار جسمانی اور ذہنی طور پر اب پوری طرح صحت یاب ہو چکا تھا۔ ہمزاد اس عرصے میں پابندی سے اس کے لئے مختلف ادویات کا انتظام کرتا رہا تھا۔ دوا اور آرام سے اس کی کھوئی ہوئی صحت حیرت انگیز طور پر دوبارہ واپس آگئی تھی لیکن وہ اب تک ناپاکی کی حالت میں تھا۔ اسی لئے اس کا ہمزاد اس سے دور تھا۔

انگریز افسر کی شرابی بیوی جس کا نام ماریا تھا۔ اب وہ مجھ سے کسی حد تک مانوس ہو چکی تھی مگر وہ اردو قطعی نہیں جانتی تھی اور نہ میں انگریزی اس لئے صرف اشاروں کنایوں سے کام چلتا تھا اس کا نام مجھے ہمزاد سے معلوم ہوا تھا۔ اس کا شوہر آئندہ ہفتے دہلی جانے والا تھا۔ میں نے صرف ماریا پر اس لئے بھی اکتفا کیا تھا کہ کوئی نیا ہنگامہ میرے خلاف نہ کھڑا ہو جائے جو میں نہیں چاہتا تھا۔ ماریا بھی مجھ سے بے انتہا خوش تھی۔ وہ اپنی زبان میں نہ معلوم کیا کیا کہتی جس سے میں صرف اتنا سمجھ پاتا کہ وہ مجھ سے بے حد خوش ہے۔ اسی عرصے میں میں نے جبار کو پوری طرح تیار کر لیا تھا۔ بس وہ ذرا اپنے ہمزاد کی موجودگی سے خائف تھا۔ اس کے اس خوف کو میں نے یہ کہہ کر دور کر دیا کہ وہ جب یہ چاہے گا کہ اس کا ہمزاد اس کے پاس نہ آئے میں اس کے لئے ایسا بندوبست کر دوں گا۔ میری بات سے وہ مطمئن ہو گیا تھا اور اب پوری طرح مہ پارہ کے ساتھ معرکے میں میرا ہر حکم بجالانے کو تیار تھا۔

جس دن میں جبار کے ساتھ اکبر آباد سے میرٹھ روانہ ہونے والا تھا۔ میں اپنے تصور کی قوت کو کام میں لایا۔ میں نے مہ پارہ کا تصور کیا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی اس کا حسین و خوبصورت چہرہ میرے سامنے تھا میں نے اسے مخاطب کیا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم اس بات سے باخبر ہو چکی ہو گی کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور مجھے یہ بھی خبر ہے کہ تم میری آواز سننے کی بھی اہل ہو تو سنو کہ تمہاری تباہی تمہاری طرف آرہی ہے۔ ہم آرہے ہیں اور آنے سے پہلے تمہیں آگاہ کر رہے ہیں۔ اگر تم ہمیں روک سکتی ہو تو روک لو۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں کھول دیں اور میرا سلسلہ تصور منقطع ہو گیا۔ میں اس وقت اتنا جذباتی ہو گیا تھا کہ میں نے مہ پارہ کا جواب سننے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔

جبار اپنے کمرے میں تھا میں اسے بتا چکا تھا کہ ہمیں آج ہی

اکبر آباد چھوڑ دینا ہے۔ ابھی میرے سامنے کئی مسئلے درپیش تھے کچھ سوچ کر میں جبار کے کمرے کی طرف چلا تاکہ پہلا مرحلہ تو طے ہو۔

میں جیسے ہی اس کے کمرے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر ہنس پڑا کہ جبار نے کمرے کا تقریباً تمام ساز و سامان باندھ کر رکھ دیا ہے اور اب وہ ایک صندوق میں اپنے کپڑے اور ضروری استعمال کی اشیا سنبھال سنبھال کر رکھ رہا ہے۔ صندوق کے برابر ہی بستر بند رکھا ہوا تھا۔ جبار کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ میری ہنسی کی آواز سن کر اس نے گردن گھمائی اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"تم تو تیاریاں اس طرح کر رہے ہو جیسے ہم عام حالات میں ہوں۔" میں نے جبار کو مخاطب کیا "تمہیں غالباً اس بات کا ابھی پوری طرح احساس نہیں کہ ہم لوگ کتنے غیر معمولی واقعات سے دو چار ہیں اور مستقبل ہمارے لئے کتنی ہنگامہ خیزیاں لانے والا ہے۔"

میں اب کسی قدر سنجیدگی سے جبار کو موجودہ صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ میری بات سن کر اس کے ہاتھ رک گئے اور میں اس کے قریب قالین پر بیٹھ گیا۔

"یہ سارا سامان جو یہاں موجود ہے ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہم جب اور جہاں چاہیں گے یہ سامان منتقل ہو جائے گا یا اس سامان کو بھی چھوڑو اس سے دوگنا تگنا سامان ہم ہر وقت اور ہر جگہ مہیا کر سکتے ہیں۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ ہم کتنی بڑی دولت سے مالا مال ہیں۔ ہمزاد ہماری سب سے بڑی دولت ہے اس کی موجودگی میں ہمیں کسی شے کی کمی نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" جبار پہلی مرتبہ بولا اس کا جواب سن کر میں ایک دم اصل مقصد پر آگیا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اب تم غسل کر لو۔"

بظاہر یہ چھوٹا اور بے ضرر سا جملہ جبار کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ جیسے میں نے اسے نہانے کا نہیں آگ میں کودنے کا مشورہ دیا ہو۔

"نہیں۔" غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے نکلا۔ پھر اس نے سر جھکا لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے اپنے جذبات چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر وہ خود ہی بڑبڑایا۔

"میں ... میں ... یہ عذاب نہیں سہ سکتا۔ نہیں وہ پھر مجھ پر مسلط ہو جائے گا۔"

"جبار!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا "کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں؟ جبکہ میں تمہیں یقین دلا چکا ہوں کہ تم جب چاہو گے ایسا انتظام کر دیا جائے گا کہ تمہارا ہمزاد تمہارے پاس نہ آسکے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ...." جبار کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔ میں نے لوہا گرم دیکھ کر ایک ضرب اور لگائی۔

"تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ میں اور تم پولیس اور ملٹری دونوں کی نظر میں مجرم ہیں۔ بغیر ان پراسرار قوتوں کی مدد کے ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ پھر یہ کہ ایک پراسرار قوت ہماری دشمن ہے۔ میری مراد مہ پارہ سے ہے جس نے مجھے میرٹھ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جو عمل کے دوران تمہاری زندگی ختم کر دینا چاہتی تھی۔ وہ ہم دونوں کے خون کی پیاسی ہے۔ جب تک اسے شکست نہ دے دی جائے وہ ہماری زندگی اجیرن کئے رہے گی۔ اسے شکست دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی تمام پراسرار قوتوں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوں اگر صرف ایک ہمزاد اس کے لئے کافی ہوتا تو میں میدان چھوڑ کر کیوں بھاگتا۔"

کافی دیر سمجھانے بجھانے کے بعد میں نے جبار کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ غسل کر لے۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے غسل خانے کی طرف بڑھا اور جب کچھ دیر غسل خانے سے پانی گرنے کی آواز آنے لگی تو مجھے اطمینان ہوا۔ جتنی دیر جبار غسل کرتا رہا میں صحن میں بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ اب دن ڈھلنے کے قریب تھا لیکن میرے ذہن میں کوئی واضح منصوبہ نہیں تھا کہ یہاں سے کس وقت چلنا ہے؟ اور کس طرح؟ میں نے یہ تمام باتیں ہمزاد پر چھوڑ رکھی تھیں کہ اس سے گفتگو کرنے کے بعد جو طے ہوا گا اس پر عمل کیا جائے گا۔ مگر ہمزاد سے کوئی مشورہ کرنے سے قبل میں جبار کو غسل کرا لینا چاہتا تھا تاکہ اس موقع پر اس کا ہمزاد بھی موجود ہو اور دونوں ہمزادوں کی موجودگی میں بہتر سے بہتر صورت پیدا کی جاسکے جس میں ہمارے لئے زیادہ خطرہ بھی نہ ہو اور ہم بخیر و عافیت میرٹھ بھی پہنچ جائیں۔

"لیجئے وہ آگیا۔" جبار نے غسل خانے سے نکلتے ہی مجھے مخاطب کیا۔ "اب کہئے کیا کام بتاؤں میں اسے؟" اس کے لہجے میں خوف بھی تھا اور جھنجلاہٹ بھی۔ میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"تم کپڑے بدل کر فوراً میرے کمرے میں آجاؤ پھر بات ہوگی۔" یہ کہہ کر میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا اور بائیں جانب محراب نما دریچے میں رکھے ہوئے شمع دان کو روشن کر دیا۔ کیونکہ اب کمرے میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی میں نے فوراً ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"تمہارے علم میں آچکا ہو گا کہ میں نے جبار کو غسل دلوادیا ہے اور اب اس کا ہمزاد اس کے پاس ہے۔" ہمزاد نے میری بات سن کر اثبات میں گردن ہلائی۔ میں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "اب تم یہ بتاؤ کہ اگلا قدم کیا اٹھانا ہے؟ کیونکہ معاملہ انتہائی سنگین نوعیت کا ہے اس لئے بغیر تمہارے مشورے کے میں کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں علم ہو گا کہ میں نے اپنے میرٹھ پہنچنے سے متعلق مہ پارہ کو بھی مطلع کردیا ہے کہ ہم آرہے ہیں۔ میں نے بعد میں غور کیا تو مجھے خیال ہوا کہ میں نے شاید اسے ہوشیار کرکے اچھا نہیں کیا۔ اگر بے خبری میں اس پر حملہ کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ہمزاد نے کہا "آپ اسے ہوشیار نہ بھی کرتے تو وہ بہر حال اس سے لاعلم نہ رہتی کہ آپ میرٹھ پہنچ رہے ہیں۔ وہ بڑی عجیب اور پراسرا قوتوں کی عورت ہے یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ اسے زیر کرنے کے لئے مجھے اور جبار کے ہمزاد کو اپنی پوری قوتیں صرف کردینی پڑیں گی۔ اس کے لئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ آپ دونوں کے میرٹھ پہنچنے سے پہلے ہم دونوں ہمزاد میرٹھ ہو آئیں تاکہ اس کا صحیح اندازہ ہوسکے کہ مہ پارہ نے کیا حفاظتی انتظامات کئے ہیں اور انہیں کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے؟ دوسری اہم بات یہ دیکھنی ہے کہ ان حفاظتی انتظامات کو توڑ کر آپ دونوں کے وہاں داخل ہونے سے آپ کی زندگی کو تو کوئی خطرہ لاحق نہیں؟ ان حالات میں سبھی کچھ ممکن ہے۔ مہ پارہ اس موقع پر اپنا ہر ممکنہ حربہ استعمال کرے گی۔" ہمزاد میری توجہ دوسری طرف دیکھ کر خاموش ہوگیا۔

جبار کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ مجھ تک پہنچا تو میں نے اسے اپنے قریب ہی مسہری پر بٹھالیا۔ اس کے ہونٹ مضبوطی سے بھنچے ہوئے تھے جیسے اس نے کچھ نہ بولنے کی قسم کھالی ہو۔ میں سمجھ گیا کہ جبار کے ہمزاد نے اسے تنگ کرنا شروع کر دیا ہو گا۔ جبار اپنے ہمزاد کو دو چار بار جواب دے کر بھنا گیا ہو گا اور اب غصے کے سبب کچھ جواب نہ دینے کا فیصلہ کرکے قطعی خاموشی اور لاتعلقی اختیار کرلی ہوگی۔ میں نے ایک ہی نظر میں اس کے چہرے کی کیفیات سے تمام اندازہ لگالیا۔ اپنے ہمزاد سے میری گفتگو ابھی ادھوری تھی اس لئے میں نے جبار کی کیفیت کو دانستہ نظرانداز کرتے ہوئے ہمزاد کو دوبارہ مخاطب کیا۔

تم دونوں وہاں سے کب تک واپس آجاؤ گے؟"

"جتنی جلد ممکن ہوسکا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"یہاں سے میرٹھ کے لئے کب اور کس گاڑی سے چلنا ہے؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"ہمیں ریل گاڑی سے سفر نہیں کرنا ہے۔"

"وجہ؟"

"وجہ صاف ہے۔ آپ دونوں کا کھلے عام ریل گاڑی میں سفر کرنا خطرناک ہے۔ آپ کو اب قطعی طور پر مفرور مجرموں کی طرح رہنا ہو گا۔ اس وقت تک جب تک کہ مہ پارہ سے معاملہ نہ نمٹ جائے۔ وہ بیک وقت کئی کئی حربے استعمال کرسکتی ہے۔ جب وہ دیکھتی ہے کہ اس کی پراسرار قوتیں کمزور پڑ رہی ہیں تو وہ دوسرے راستے اختیار کرتی ہے جیسا کہ آپ کے تجربے میں ہے۔ اس لئے مناسب ترین اور محفوظ راستہ یہ ہے کہ میں اور جبار کا ہمزاد آپ دونوں کو رات کی تاریکی میں یہاں سے نکال لے جائیں۔ اور رات ہی میں میرٹھ پہنچ جائیں۔"

"تمہارا مشورہ قطعی درست ہے۔" میں نے ہمزاد کی بات سے اتفاق کیا اور پھر جبار سے مخاطب ہوا۔

"تم اپنے ہمزاد کو حکم دو کہ وہ میرے ہمزاد کے ہمراہ چلا جائے اور میرے ہمزاد کے ساتھ پوری معاونت کرے۔"

جبار تو جیسے تلا بیٹھا تھا کہ کسی طرح اس کا ہمزاد اس کی جان چھوڑے۔ اس نے فوراً میرے کہنے پر عمل کیا۔ اسی لمحے میں نے دیکھا کہ میرا ہمزاد غائب ہوگیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے ساتھ جبار کے ہمزاد کو بھی لے گیا ہے۔ لیکن پھر بھی میں نے جبار کی مزاج پرسی کے سبب اسے مخاطب کیا۔

"کیوں کیا تمہارا ہمزاد چلا گیا؟"

"ہاں۔" جبار نے مختصر سا جواب دیا۔ لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اس کے ادا کئے ہوئے لفظ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اس کے لہجے اور آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اب پرسکون ہے مگر چہرے کے تاثرات قطعی مختلف تھے جیسے وہ مجھ سے سخت برہم اور کبیدہ خاطر ہو۔

مجھے جبار کا یہ انداز قطعی پسند نہیں آیا اور میں مسہری سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ جبار اسی طرح مسہری پر بیٹھا رہا۔ ایک بار جب ٹہلتے ٹہلتے میری پشت اس کی طرف ہوئی تو اچانک میری چھٹی حس نے مجھے خطرے کا احساس دلایا اور میں ایک دم جبار کی طرف پلٹا۔ میں یہ دیکھ کر سکتے میں رہ گیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا خنجر تھا اور وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔ خطرہ سامنے دیکھ کر میرے تمام حواس بیدار ہوگئے۔ دوسرے ہی لمحے میں جبار پر چھلانگ لگا چکا تھا۔ میرے چھلانگ لگاتے ہی وہ چیخا اور مسہری سے نیچے لڑھک گیا۔ مگر میں نے اسے اپنی گرفت سے نکلنے نہ دیا۔ میں اس کے خنجر والے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ شاید جبار اس اچانک حملے کا

متوقع نہیں تھا۔ میں یہ دیکھ کر مطمئن تھا کہ اب جبار کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر کسی طرف جاپڑا ہے جبار جسمانی طور پر مجھ سے بہت زیادہ کمزور تو نہیں تھا مگر گزشتہ دنوں کی مسلسل ریاضت اور مہ پارہ کے حملے نے اس کے کس بل نکال دیئے تھے۔ اب میں اور وہ دونوں نہتے تھے یہ دیکھ کر میری ہمت بڑھی اور میں نے جبار کو ایک مرتبہ پوری قوت سے رگید دیا۔ وہ یہ حملہ برداشت نہ کرسکا اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور اسی کے ساتھ اس کا ہاتھ بھی چل گیا۔ اس کے بھرپور گھونسے نے میرا جبڑا ہلا دیا تھا۔ میں اچھل کر دوسری طرف جاپڑا۔ دوبدو کسی سے لڑنے کا میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا مجھے طیش اور غصے میں اس وقت یہ بھی خیال نہ آیا کہ اپنی مدد کے لئے ہمزاد کو پکاروں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں جسمانی طور پر خود کو جبار سے بہتر تصور کر رہا تھا۔ میں طیش میں بھرا ہوا اٹھا اور جبار پر ٹوٹ پڑا جو اب خود بھی سنبھل چکا تھا۔ ہم دونوں آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ جبار اتنا سہل نہیں تھا جتنا میں نے سمجھا تھا۔ ہرچند کہ وہ اس مرتبہ بھی میرے نیچے تھا۔ اچانک میری نظر سامنے پڑے ہوئے خنجر پر پڑی۔ مگر شاید مجھے دیر ہوچکی تھی۔ ابھی میں نے خنجر پر ہاتھ ڈالنے کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ جبار نے ہاتھ بڑھا کر خنجر جھپٹ لیا۔ اب میری پوری کوشش یہ تھی کہ وہ سیدھا نہ ہوپائے کیونکہ یہ میرے لئے خطرناک تھا مگر میں اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا۔ جبار کا جسم ایک بار میرے نیچے زور سے تڑپا پھر مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح وہ میرے سینے پر سوار ہوگیا۔ اس کا خنجر والا ہاتھ بلند ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ میرے سینے میں خنجر اتار دے میں نے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔ وہ اپنا پورا زور صرف کر رہا تھا کہ کسی طرح خنجر میرے سینے میں اتر جائے۔ مجھے موت اپنی آنکھوں کے سامنے ناچتی ہوئی نظر آئی۔ جبار کے چہرے پر ایسی ہی سفاکی اور درندگی تھی۔ خنجر اب میری گردن سے بمشکل ایک انچ بلند تھا۔ لمحے بھر کے لئے میرے دل میں خوف کی ایک لہر سی آئی اور چاہا کہ ہمزاد کو طلب کرلوں لیکن میری انا نے یہ گوارا نہ کیا۔ پھر نہ جانے مجھ میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی کہ میں نے خنجر کی پرواہ کئے بغیر اس کا خنجر والا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا۔ اور اسی لمحے اپنا سارا جسم سمیٹ کر ایک طرف ہوگیا۔ حالانکہ میرا یہ عمل انتہائی خطرناک تھا۔ اگر اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوجاتی تو ممکن تھا کہ جبار میرے زور لگانے کے باوجود مجھے اتنی مہلت نہ دیتا کہ میں ایک طرف ہٹ سکوں۔ پھر تو جیسے میرے اوپر خون سوار ہوگیا۔ مجھے اب نہ اپنی جان کی پرواہ تھی نہ دل میں ذرہ برابر خوف۔ میں اس کے نیچے سے نکل کر کھڑا ہوگیا۔ وہ بھی میرے مقابل کھڑا تھا۔ مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خنجر پھر غائب ہوچکا تھا۔ جبار خالی ہاتھ تھا۔ میں اس سے بھڑ گیا اور اسے رگیدتا ہوا دیوار تک لے گیا اس دوران میرا گھٹنا اپنا کام کرگیا۔ جبار چیخ کر ڈھیر ہوگیا۔ گھٹنا اس کے کسی غلط جگہ لگا تھا۔ جبار فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساکت ہوگیا۔ میں ہانپتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا۔ یہ سنہری موقع تھا کہ اگر وہ صرف بے ہوش ہوا ہے۔ تو میں اسے جہنم رسید کردوں۔ میرے ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھے۔ مجھ پر عجیب دیوانگی طاری تھی۔ اس کی سانس تیز تیز چل رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ صرف بے ہوش ہوا تھا۔ میری انگلیاں اس کی گردن میں پیوست ہوگئیں۔ ابھی میں نے سوچا ہی تھا کہ اس کا گلا گھونٹ دوں کہ اچانک مجھے اپنے ہاتھوں پر دباؤ محسوس ہوا اور میرے ہاتھ جبار کی گردن سے علیحدہ ہوگئے۔

"اگر ہمیں پہنچنے میں چند لمحوں کی بھی دیر ہوجاتی تو وہ اپنا کام کرگئی تھی۔" میرے سامنے ہمزاد کھڑا تھا۔

میں اب اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حیران حیران سا ہمزاد کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہمزاد نے میرے ہاتھ چھوڑ دیئے تھے۔

"جبار نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی" میں کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا "مگر.... مگر.... تم تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہو۔ تم نے مجھے الجھادیا ہے" میری سانس اب بھی پھولی ہوئی تھی۔ ہمزاد نے میری بات کو نظرانداز کرکے کسی نادیدہ وجود کو مخاطب کیا۔

"جبار کو اٹھا کر مسہری پر ڈال دو اور جلد سے جلد ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔"

میرا ہمزاد جبار کے ہمزاد کو دیکھنے کا اہل تھا لیکن میں نہیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یقیناً میرا ہمزاد جبار کے ہمزاد سے مخاطب ہے۔ اسی لمحے جبار کا بے ہوش جسم فضا میں بلند ہوا اور آہستہ سے مسہری پر آرہا۔ میں ابھی تک سخت الجھن میں تھا کہ یہ سارا معمہ کیا ہے۔ ہمزاد نے آج تک ایسا نہیں کیا تھا کہ میرے کسی دشمن کو معاف کردیا ہو۔ جبار کے چہرے پر اب پانی کے چھینٹے پڑ رہے تھے مگر وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ اس کا نچلا ہونٹ بھی پھٹ گیا تھا جس سے اب بھی خون رس رہا تھا۔

"میرے اندازے کے مطابق جبار کو کچھ دیر بعد ہوش آجانا چاہئے" ہمزاد نے کہا "غلطی دراصل مجھ ہی سے ہوگئی کہ یہاں سے روانہ ہوتے وقت آپ کو محتاط رہنے کے لئے نہ کہہ سکا لیکن مجھے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ وہ اس حد تک بڑھ جائے گی۔"

"تم صاف صاف بتاؤ کیا معاملہ ہے؟ میری الجھن بڑھتی

جارہی ہے" میں نے ہمزاد سے کہا۔

"پہلے میرا خیال تھا کہ یہ علم ہو جانے کے بعد کہ اب اس کے مقابلے پر ایک ہمزاد نہیں بلکہ دو ہمزاد ہیں۔ وہ اپنی حفاظت کے بارے میں فکرمند ہوگی اور کوئی حملہ نہیں کرے گی مگر میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ یہاں میری غیر موجودگی میں جو کچھ ہوا میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ نہ اس وقت بے خبر تھا جب یہاں یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن اس وقت اس نے ہمیں خود ایک مصیبت میں پھانس رکھا تھا۔ اگر ہم دو نہ ہوتے تو وہ کسی طرح مجھے نکل کر نہ جانے دیتی۔ دراصل ہوا یہ کہ ہم جیسے ہی یہاں سے روانہ ہوئے۔ اسے یہ موقع ہاتھ آ گیا۔ میں جو کچھ کہنے والا ہوں اس کی تصدیق جبار کے بیان سے بھی ہو جائے گی۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس نے آپ دونوں کو تنہا دیکھ کر یہ منصوبہ بنایا کہ کیوں نہ آپ دونوں کو آپس میں لڑوا کر کسی ایک کو ٹھکانے لگوا دے۔ اس کے لئے اس نے اپنی پراسرار قوتیں آزمائیں اور آپ کو فریب نظر میں مبتلا کر دیا۔ پھر جو کچھ ہوا اس فریب نظر کا کرشمہ تھا۔ جبار نے آپ پر ہرگز حملہ نہیں کیا تھا۔ آپ دونوں آپس میں بھڑ گئے۔ یہی مہ پارہ کا مقصد تھا۔ پھر اپنی پراسرار قوتوں ہی کے ذریعے اس نے آپ کو طیش میں مبتلا کر دیا۔ آپ پر جنونی کیفیت سی طاری ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ بے ہوش جبار کا گلا گھونٹنے تک پر آمادہ ہو گئے۔ ہر چند کہ یہ آپ کی فطرت اور مزاج کے خلاف ہے۔ عام حالات میں آپ کبھی یہ پسند نہ کرتے کہ ایک بے ہوش اور بے بس آدمی پر ہاتھ اٹھائیں۔ مہ پارہ نے نہ صرف آپ کو بلکہ جبار کو بھی فریب نظر میں مبتلا کر دیا۔ وہ یہ سمجھا کہ آپ خواہ مخواہ اس کی جان کے دشمن ہو گئے ہیں اور آپ خنجر لے کر اس پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ آپ دونوں غلط فہمی میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ اس کمرے میں کہیں وہ خنجر نہیں دکھا سکتے" ہمزاد خاموش ہو گیا۔ ہمزاد کی بات پر یقین کرتے ہوئے بھی غیر ارادی طور پر کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا مگر خنجر کا دور دور پتا نہیں تھا۔

میں اب اپنے کئے پر سخت نادم ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ مہ پارہ پر بھی خون کھول رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ ہمزاد نے کہا تھا کہ اسے بھی مہ پارہ نے کسی مصیبت میں پھانس دیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اس سے دریافت کیا۔

"تم پر کیا گزری۔ وہ تو بتاؤ۔"

"ہم جیسے ہی میرٹھ کی حدود میں داخل ہوئے قید کر لئے گئے" ہمزاد نے بتانا شروع کیا۔

"قید؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! وہ قید ہی تھی۔ بالکل اچانک ہی ہم دونوں نے خود کو دودھیا حصار میں مقید دیکھا۔ وہ متحرک دودھیا حصار شاید ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں ہم پر حملہ آور ہوا اور جب تک ہم سنبھلتے، گھر چکے تھے۔ ہمیں اپنے وجود جلتے اور جھلستے محسوس ہوئے۔ وہ دودھیا حصار ہمیں ایک سمت کھینچے لئے جا رہا تھا۔ ہمارے علم میں تھا کہ اگر اس صورت حال پر قابو نہ پایا گیا، یہ دودھیا حصار اسی طرح ہمیں بے بس کئے کھینچتا رہا اور ہمیں اسی حالت میں مہ پارہ تک لے جانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے ہمیں قید کر دے گی جس سے رہائی ناممکن ہے۔ ہمیں صورت حال کی نزاکت کا پورا احساس تھا اور اب ہم بڑی حد تک اپنے حواس بھی مجتمع کر چکے تھے۔ غالباً اسی وقت اس نے یہاں آپ کو اور جبار کو فریب نظر میں مبتلا کر دیا۔ اس نے دوہری چال چلی کہ اگر ایک ناکام ہو جائے تو اس کی دوسری چال کارگر ہو سکے۔ ہم اس وقت خود مصیبت میں گرفتار تھے۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ اپنی پوری قوت صرف کر کے متحرک حصار کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ مگر اب اس سے باہر نکلنے کے لئے ہمیں کچھ کرنا تھا جس کے لئے ایک خطرہ مول لینا ضروری تھا وہ یہ کہ کوئی ایک صرف چند لمحے تنہا اس حصار کو برداشت کر لے۔ ظاہر ہے یہ قربانی مجھے ہی دینی پڑی۔ جبار کے ہمزاد کو میں نے حصار سے باہر دھکیل دیا۔ اس نے حصار سے نکلتے ہی اپنے گرد ایک دوسرا حفاظتی حصار کھینچا اور دودھیا حصار کی طرف لپکا جسے تنہا روکے رکھنا میرے بس میں نہیں تھا۔ پھر جبار کے ہمزاد نے مجھے اس موت کے شکنجے سے باہر کھینچ لیا۔ اور میں نے بھی اس سے نکلتے ہی فوراً حفاظتی حصار کا سہارا لیا۔ اب ہم دونوں محفوظ تھے۔ لیکن اس عرصے میں یہاں بات بہت آگے بڑھ چکی تھی یعنی آپ جبار کی جان لینے کے درپے ہو گئے تھے۔ ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ ادھر لپکے کہ کہیں آپ جبار کو ختم نہ کر دیں۔ اس لئے کہ جبار کے ختم ہوتے ہی اس کا ہمزاد آزاد ہو جاتا۔ پھر اس سے کام لینے کا مجھے کوئی حق نہیں رہتا" ہمزاد پوری بات بتا کر خاموش ہو گیا۔

ہمزاد کی گفتگو سن کر میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ ابھی ہم نے صرف میرٹھ جانے کا قصد کیا تھا، روانہ نہیں ہوئے تھے۔ اس پر اتنا سخت معرکہ ہوا تھا۔

"میرٹھ پہنچ کر تو شاید مہ پارہ ہمیں ایک لمحے بھی سکون نہیں لینے دے گی" میں خیالوں میں کھو گیا۔ میرے خیال کو ہمزاد نے بھی پڑھ لیا، وہ کہہ رہا تھا۔

"آپ فکرمند ہونے میں حق بجانب ہیں لیکن کوئی ایسی

تشویش ناک بات نہیں کہ ہم اپنا ارادہ ملتوی کر دیں۔ بس ہمیں بے انتہا محتاط اور بیدار ذہن رہنے سے ضرورت ہے۔"

اسی وقت جبار نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ پھر چند لمحوں بعد ہی وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا مجھ پر نظر پڑتے ہی جیسے اسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔ وہ ایک دم اچھل کر بیٹھ گیا لیکن میں پرسکون رہا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا مسہری کے قریب جا کر رک گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس سارے ہنگامے کے باوجود میرے لئے اس کے دل میں کچھ نہ کچھ احترام ضرور باقی ہے ورنہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو اب تک اس پر حملہ کر چکا ہوتا۔ پھر ہنگامہ آرائی کی ابتدا بھی میں نے ہی کی تھی۔ وہ اس سارے ہنگامے کے پس منظر سے لاعلم تھا جس سے ہمزاد نے مجھے آگاہ کیا تھا اس لئے پہلے تو ضروری یہ تھا کہ میں اسے ساری بات بتا دوں اور پھر اپنی غلطی کی اس سے معافی مانگ لوں۔ میرے دل میں اس وقت اس کے لئے رحم کے جذبات امنڈ رہے تھے۔ میں مسہری پر بیٹھ گیا اور نہایت نرم لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"جو کچھ ہوا اس میں تمہارا قصور ہے نہ میرا۔ لیٹ جاؤ، تم زخمی ہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے میرے بھائی۔"

میرے ان الفاظ کا اس پر اچھا ردعمل ہوا اور وہ لیٹ گیا پھر میں نے اسے تمام واقعات سے آگاہ کر دیا اور آخر میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر رقت بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے معاف کر دو جبار! معاف کر دو۔ میں نے واقعی تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی مگر جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں، جو اسباب میں نے ابھی تمہیں بتائے ان کی روشنی میں ہم دونوں میں سے کوئی قصوروار نہیں ٹھہرتا۔"

پھر جبار نے ایک اور ہی کہانی سنائی۔ اس نے بتایا کہ اسے محسوس ہوا کہ میں اچانک ٹہلتے ٹہلتے جیسے ہی مڑا تو میرے ہاتھ میں خنجر تھا۔ ابھی جبار کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور خنجر اس کے سینے میں پیوست کرنا چاہا۔ پھر جبار اپنی جان کی حفاظت کے لئے مجھ سے نبرد آزما ہو گیا۔

مسلسل ایک گھنٹے کی نگہداشت کے بعد جبار اس قابل ہو سکا کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ جب میں اور جبار میرٹھ جانے کے لئے اپنے ہمزادوں کے ہمراہ باہر نکلے۔

چاروں طرف سائیں سائیں کرتی ہوئی تیز ہوا تھی۔ اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ ہم فضا میں تیرتے ہوئے تاج محل کے قریب سے گزرے اور جمنا پار کر گئے۔ پھر لحہ بہ لحہ ہماری رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی چند ہی لمحوں میں ہم اکبر آباد کو بہت پیچھے چھوڑ چکے تھے۔ جبار کے لئے یہ پہلا تجربہ تھا پھر وہ زخمی حالت میں بھی تھا اس لئے احتیاطاً میرے ہمزاد کے مشورے پر جبار کے ہمزاد نے اسے وقتی طور پر بے ہوش کر دیا تھا، اور اس کے بے ہوش جسم کو لے کر میرے ساتھ ساتھ محو پرواز تھا مجھے میرا ہمزاد سنبھالے ہوئے تھا۔ میں نے دانستہ بے ہوش ہونا نہیں چاہا تھا شاید اسی سبب ان دونوں کی رفتار اسی حد تک تھی جس حد تک میرے لئے قابل برداشت ہو۔ لیکن اس کے باوجود مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ یوں سمجھ لو جیسے جدید عہد کا کوئی تیز رفتار طیارہ پرواز کر رہا ہو جس کا تصور بھی اس زمانے میں محال تھا۔

مجھے اب یاد نہیں کہ میرٹھ پہنچنے تک کتنا وقت لگا لیکن اتنا احساس ضرور ہے کہ وہ عرصہ بہت تھوڑا تھا۔ میرٹھ سے کچھ پہلے ہی جبار کو ہوش میں لے آیا گیا تھا۔ چلنے سے پہلے ہمزاد نے مشورہ دیا تھا کہ سب سے پہلے میرٹھ پہنچ کر کہیں پناہ لی جائے کیونکہ ابھی وہ پورے طور پر یہ معلوم نہیں کر سکا تھا کہ مہ پارہ نے کیا کیا حفاظتی انتظامات کئے ہیں جب تک ان کے بارے میں پوری طرح علم نہ ہو اس پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں جبار نے بتایا تھا کہ خیر نگر دروازے میں اس کا ایک جواری دوست ہے جو تنہا رہتا ہے وہاں چھپا جا سکتا ہے۔ کیونکہ پولیس کی نظروں سے بچنا بھی بے حد ضروری تھا۔ مجھے تعجب صرف اس بات پر تھا کہ راستے میں مہ پارہ نے ہم پر کوئی حملہ کیوں نہیں کیا؟ اس کا سبب یہ تھا کہ میں مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے قطعی لاعلم تھا۔

ہم نہایت حفاظت اور سکون کے ساتھ میرٹھ شہر میں داخل ہو کر خیر نگر دروازے تک پہنچ گئے اور ہمیں کسی قسم کا حادثہ پیش نہیں آیا۔ جبار کے اشارے پر دونوں ہمزاد ایک مکان کی چھت پر اتر گئے۔ وہاں سے اس مکان کے بڑے صحن میں۔ صحن میں ایک طرف پیڑ کے نیچے چارپائی بچھی تھی۔ میری آنکھیں اندھیرے میں بہت دیر رہنے کے سبب کچھ کچھ دیکھنے کی اہل ہو گئی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ چارپائی پر کوئی نوجوان محو خواب ہے۔ جبار دبے قدموں اس کی طرف بڑھا اور اس نوجوان کی چارپائی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے سرگوشی کی۔

اس نوجوان نے ایک مرتبہ تو کسمسا کر کروٹ بدل لی مگر جب جبار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھنجوڑا تو وہ ایک دم بیدار ہو گیا اور اسی وقت میں نے دیکھا کہ میرے ہمزاد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ رات کے وقت اچانک اس طرح دو افراد کو دیکھ کر ڈر گیا تھا اور اگر ہمزاد اس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھتا تو یقیناً اس کی چیخ

نکل جاتی۔

"ہوش میں آؤ قیصر۔ یہ میں ہوں تمہارا یار جبار۔"

"مگر... مگر.... اس وقت .... تم کس طرح .... آگئے؟"

نوجوان ہکلایا۔ ہمزاد اس سے پہلے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا چکا تھا "میں تو دروازہ بند کر کے سویا تھا" نوجوان نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فی الحال یہ بحث چھوڑو اور ہمارے سونے کا انتظام کرو بقیہ باتیں صبح ہوں گی" جبار نے کہا۔

نوجوان بمشکل اپنی چارپائی سے اٹھا اور سامنے دالان سے گزر کر اس نے کمرہ کھول دیا جس میں دھیمی لو سے لالٹین جل رہی تھی۔ نوجوان نے کمرے میں گھس کر لالٹین کی لو اونچی کی تو میں نے دیکھا کہ کمرہ خاصا وسیع و عریض ہے لیکن چارپائی کوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ نوجوان نے پہلے ایک چوکی پر رکھے ہوئے کپڑے ہٹائے اور پھر اسی چوکی پر سے دو گدے اور گھسیٹ کر زمین پر بچھاتے ہوئے بولا "برا نہ ماننا تم تو جانتے ہی ہو دوست کہ ایک جواری کے گھر میں اس سے زیادہ اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ آج رات اسی طرح گزارہ کرو کل جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"مگر ایک بات آپ سن لیں۔ آپ جبار کے دوست ہیں تو میرے بھی دوست ہوئے۔ کسی کو کانوں کان یہ خبر نہیں ہونی چاہئے کہ جبار یا اور کوئی شخص آپ کے گھر مہمان ہے۔ یہ آپ کے حق میں بھی بہتر ہے اور ہمارے لئے بھی" میں نے پہلی مرتبہ نوجوان کو مخاطب کیا۔

نوجوان کے چہرے پر میری بات سن کر ایک لمحے کے لئے الجھن کے آثار پیدا ہوئے اور پھر نیند کی جھونک میں بہتر ہے کہتا ہوا وہ کمرے سے نکل کر صحن میں بچھی ہوئی اپنی چارپائی کی طرف چل دیا۔

"اندر سے دروازہ لگالو جبار اور لالٹین کی لو کچھ مدھم کردو"

مگر جبار میری بات کا جواب دینے کے بجائے ہوا میں ہاتھ نچاتا ہوا اپنے مخصوص انداز میں بائیں جانب دیکھ کر بولا۔

"تو نے موقع ملتے ہی پھر میری جان کھانا شروع کردی ابھی ذرا سکون کا سانس تو لینے دے۔ ذرا مجھے چین سے لیٹ تو جانے دے۔ دیکھ نہیں رہا ہے بھائی کرامت نے میری کیا حالت بنادی ہے۔"

میں جبار کی بات سن کر دل ہی دل میں شرمندہ بھی ہوا اور خوش بھی۔ خوش اس لئے کہ جبار کے لہجے میں شگفتگی تھی۔ اب وہ اپنے ہمزاد سے اتنا گھبرایا ہوا نہیں تھا۔ جبار نے کمرے کا دروازہ اندر سے لگایا اور میرے برابر آکر لیٹ گیا۔ لیٹنے سے پہلے اس نے پاس رکھی ہوئی لالٹین کی لو بھی مدھم کردی تھی۔ میرا ہمزاد بھی ابھی تک موجود تھا۔

"ہوں! تو اب کیا ارادے ہیں؟" میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا اور ہمزاد میری بات کا جواب بھی نہ دے پایا تھا کہ میں نے ایک عجیب قسم کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتا ہمزاد نے مجھے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور تقریباً چیختے ہوئے بولا۔

"بھاگئے! اس کمرے سے نکل چلئے اس کی دیواریں گرنے والی ہیں۔"

ہمزاد کے اتنا کہتے ہی میرے جسم میں جیسے بجلی بھر گئی۔ میں ہمزاد کے ساتھ کمرے کے دروازے کی طرف بھاگا۔ میرے پیچھے پیچھے جبار تھا جسے شاید اس کے ہمزاد نے باخبر کردیا تھا۔ ہم دروازہ کھول کر باہر دالان میں نکلے ہی ہوں گے کہ بہت زور کا دھماکا ہوا جیسے کہیں توپ چلی ہو۔ اگر ہم اس وقت دالان سے نکل کر صحن میں چھلانگ نہ لگادیتے تو دالان کی گرنے والی چھت کے نیچے آجاتے۔ صحن میں سویا ہوا نوجوان بھی "کیا ہوا! کیا ہوا؟" چیختا ہوا اٹھا۔ مگر اتنی دیر میں ہمزاد مجھے لے کر گھر کے پچھلے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ ہمزاد بھاگتے بھاگتے کہتا جا رہا تھا "یہاں سے فوراً نکل چلئے ورنہ پھنس جائیں گے۔ پورے محلے میں جاگ ہوگئی ہے۔"

میں دروازہ کھول کر تیزی سے گلی میں نکل گیا۔ جبار اب بھی میرے پیچھے پیچھے تھا۔ آس پاس کے لوگ مکانوں سے نکل پڑے تھے اور ایک دوسرے سے اس دھماکے کا سبب دریافت کر رہے تھے۔ وہ سب اسی قدر مبہوت اور پریشان تھے کہ ان میں سے کسی نے ہماری طرف کوئی توجہ نہ دی اور ہم گلیوں گلیوں کافی دور نکل گئے۔ اب صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے اور ہم ابھی تک بے ٹھکانہ تھے۔ اس مرتبہ بھی جبار ہی کی تجویز پر عمل کیا گیا۔ اس کا مشورہ تھا کہ اسی محلے کے آخر میں اس کا وہ مکان ہے جو اپنا مکان بیچنے کے بعد اس نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ اس مکان میں اس کی ضعیف ماں کا قیام تھا۔ قریبی پناہ گاہ یہی تھی لہٰذا وقتی طور پر ہی سہی وہاں جاکر چھپا جاسکتا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی جبار ایک نیم شکستہ سے مکان پر دستک دے رہا تھا۔

دروازہ ایک ضعیف خاتون نے کھولا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی لالٹین اونچی کی۔ جبار پر نظر پڑتے ہی وہ ایک دم آگے بڑھی اور جبار کو سینے سے لگا کر رونے لگی۔

"تو مجھے کس پر چھوڑ گیا تھا میرے لال! تو نے یہ بھی نہ سوچا

کہ تو ہی میرے بڑھاپے کا آخری سہارا ہے" وہ ضعیف خاتون روتی جا رہی تھی اور بار بار جبار کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر فریاد بھی کرتی جا رہی تھی۔ دکھ بھری ماتا کا یہ نظارہ دیکھ کر میری آنکھیں بھی بھیگ گئیں لیکن اس وقت ہمزاد نے مجھے مکان میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

"اب تو میں تیرے پاس آگیا ہوں ماں۔ اب کہیں نہیں جاؤں گا۔ کہیں نہیں" جبار کی آواز بھرا گئی۔

"ابھی ابھی کہیں توپ چلی ہے بیٹا! میں جانوں چھاؤنی والے ایک بار پھر انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ چل جلدی سے اندر گھر میں آجا۔ کیا پتہ کیسا وقت ہے" بڑھیا نے یہ کہہ کر جلدی سے کنڈی چڑھالی۔

میں مکان کے اندر پہنچ ہی چکا تھا۔ بڑھیا اپنے بیٹے میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اس نے میری طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی تھی۔

"یہ میرے دوست ہیں۔ بالکل بڑے بھائی کی طرح۔ انہوں نے میری بہت مدد کی ہے" جبار نے میری موجودگی محسوس کرتے ہوئے اپنی ماں سے کہا۔

بڑھیا نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی لالٹین پھر زمین پر رکھ دی اور اس کا ہاتھ فوراً اپنے سر پر گیا۔ اس نے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا تھا۔ میں اس بڑھاپے میں اس کی شرم و حیا اور تہذیب و شائستگی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نے اسے سلام کیا جس کے جواب میں اس نے مجھے دعائیں دیں اور بردباری سے اندر صحن کی طرف چل دی۔ مکان زیادہ بڑا نہیں تھا صرف دو کمرے اور چھوٹی سی انگنائی تھی۔ ایک کمرے میں جبار کی ماں چلی گئی اور اسی کے سامنے بنے ہوئے دوسرے کمرے میں جبار میرے اور اپنے سونے کا انتظام کرنے کے لئے بڑھا۔ لیکن میں نے اپنے ہمزاد کے کہنے پر اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ ہمزاد کا مشورہ تھا کہ ہمیں کھلے آنگن میں اور دیواروں سے ہٹ کر سونا چاہئے۔ چارپائیوں کا مسئلہ بھی تھا۔ بلکہ یہاں تو گدے بھی میسر نہیں تھے صرف دو دریاں آنگن میں بچھائی گئیں۔ اب صبح کا ہلکا ہلکا اجالا بھی ہر طرف پھیلنے لگا تھا۔

"میرٹھ آنے کے بعد مہ پارہ کا یہ پہلا وار تھا" ہمزاد کی بات سن کر میں چونک پڑا۔

"تو کیا اس مکان کی دیواریں گرنے میں مہ پارہ کا ہاتھ تھا؟" میں نے پوچھا۔

"قطعی" ہمزاد نے جواب دیا "مگر ہم دونوں ہمزادوں کی موجودگی نے اس کا منصوبہ ناکام بنادیا۔ رفتہ رفتہ اس کے حملوں میں شدت آتی جا رہی ہے۔ اور میرا تو خیال ہے کہ وہ یہاں بھی زیادہ دیر سکون سے نہیں بیٹھنے دے گی۔"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ جب تم آج رات پہلی بار میرٹھ میں داخل ہوئے تھے تو اس نے اپنے دودھیا حصار کے ذریعے تم پر حملہ کیا تھا۔ وہ اب ایسا کیوں نہیں کر رہی؟"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ہم دونوں اسی حفاظتی حصار میں ہیں۔ یہ حصار بھی اس کے حصار کی طرح متحرک ہے۔ اس کے اندر رہتے ہوئے وہ ہم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور ہم وہ نادیدہ حصار آپ دونوں کے گرد بھی قائم کرچکے ہیں ورنہ اب تک آپ دونوں اتنے سکون اور اطمینان سے نہ ہوتے۔ اب اپنے ایک حربے کو ناکام ہوتے دیکھ کر وہ دوسرے حربے استعمال کر رہی ہے۔ اب اس نے مادی اشیاء کا سہارا لینا شروع کردیا ہے۔ مثلاً ابھی کچھ دیر پہلے کا واقعہ۔ اس نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے اس مکان کی دیواروں کو نقصان پہنچایا تاکہ وہ آپ دونوں پر گر جائیں اور دونوں کی زندگیاں ختم ہوجائیں۔"

"تم نے اس سے پہلے اس حصار سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کے لئے دو ہمزادوں کی موجودگی اور ان دونوں میں باہمی اشتراک و تعاون ضروری ہے جو ظاہر ہے اس سے پہلے میسر نہیں تھا" ہمزاد نے جواب دیا۔

"مجھے سخت نیند آ رہی ہے اور یہ کم بخت مجھے سونے نہیں دے رہا ہے۔ اب بتائیے میں کیا کروں؟" اس مرتبہ جبار نے مجھے مخاطب کیا جو مجھ سے پہلے دری پر لیٹ چکا تھا۔

"پیارے فی الحال صبر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ صبح ہونے والی ہے اور پھر ہم کتنے غیر معمولی حالات سے دوچار ہیں تمہیں شاید تمہارے ہمزاد نے بتایا ہو کہ اس وقت تم ایک حفاظتی حصار میں ہو ورنہ اب تک نہ جانے کیا کیا قیامتیں بیت چکی ہوتیں۔"

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ جب میں کہوں گا آپ اس سے میری جان چھڑادیں گے" جبار نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی رٹ لگائی۔

"اس وقت وہ بھی ناممکن ہے۔ ایسا کوئی بھی قدم نہ صرف غیر محتاط ہوگا بلکہ ممکن ہے جان کے لالے پڑ جائیں۔ تمہارا اشارہ میں سمجھ رہا ہوں مگر اس کے لئے حفاظتی حصار سے باہر آنا پڑے گا جس کا مطلب خطرہ ہی خطرہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک

ہمزاد کو تنہا دیکھ کر مہ پارہ ہم پر بھاری پڑسکتی ہے" میں نے سمجھایا۔"تو پھر میں دوبارہ نہالوں گا" جبار نے بھولپن سے کہا۔

"نہیں" اس بار میرے لہجے میں ذرا سختی تھی "اس بات کی ضمانت کون دے گا کہ اس وقت تک تم زندہ بچے رہوگے؟" جبار کو خاموش دیکھ کر میں نے کہا "بولو۔جواب دو۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"کہہ تو آپ ٹھیک ہی رہے ہیں مگر اس وقت مجھے بہت زور کی نیند آرہی ہے۔"

اسی وقت میں نے دیکھا کہ ہمزاد کے چہرے پر فکر کے سائے منڈلانے لگے۔پھر وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

"یقیناً یہی ہوسکتا ہے۔"

"کیا ہوا؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"آپ کو چاروں طرف سے گھیرا جارہا ہے۔پورے خیر نگر دروازے کو ملٹری نے خاموشی کے ساتھ اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور وہ رفتہ رفتہ اپنا حلقہ تنگ کرتے جارہے ہیں اور اب یہاں تک پہنچنے میں انہیں صرف کچھ دیر باقی ہے اور ہمیں اس سے پہلے یہ علاقہ چھوڑ دینا ہے۔اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ آپ دونوں کو بے ہوش کرکے ہم دونوں لے جائیں کیونکہ آپ ہماری رفتار کے سبب اپنے حواس برقرار نہ رکھ سکیں گے۔ ہمیں آپ کو لے کر خاصی بلندی تک جانا پڑے گا تاکہ انہیں کوئی شک نہ ہو۔"

"مگر تم ہمیں لے کہاں جاؤگے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ بعد میں سوچا جائے گا۔فی الحال تو یہاں سے بھاگنا بہت ضروری ہے۔"

جبار بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔اسے بھی اس کا ہمزاد خطرے سے مطلع کرچکا تھا۔

"تم اپنی ماں سے کہہ آؤ کہ اگر ملٹری والے یہاں تک پہنچ جائیں اور ان سے پوچھ گچھ کریں تو وہ یہ ہرگز نہ بتائیں کہ تم یا اور کوئی یہاں آیا تھا۔"

میری بات سن کر جبار تقریباً دوڑتا ہوا سامنے والے کمرے میں گھس گیا اور فوراً ہی الٹے پاؤں واپس آگیا۔اس کی ماں بے چاری گھبرا کر کمرے کے دروازے میں ہکا بکا کھڑی ہوئی تھی اور اس وقت اسے اپنے دوپٹے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔میں اور جبار اپنے اپنے ہمزادوں کے کہنے کے مطابق دریوں پر سیدھے لیٹ گئے۔ہمزاد نے جیسے ہی میری کنپٹیوں پر اپنے ہاتھ رکھے' میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔اب میں اور جبار اپنے اپنے ہمزادوں کے رحم وکرم پر تھے۔مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے چاروں طرف گہرا اندھیرا دیکھا۔کچھ دیر تو میں ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا لیکن چند ہی لمحوں میں مجھے سب کچھ یاد آگیا۔مگر میں سوچنے لگا کہ اس وقت تو دن نکل چکا تھا جب مجھے بے ہوش کیا گیا تھا۔میں نے اپنے نیچے نرم اور گدگدا بستر محسوس کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب آپ ہوش میں آچکے ہیں" مجھے اندھیرے میں ہمزاد کی سرگوشی سنائی دی۔

"ہاں!" میں نے زور سے کہا۔

"ذرا آہستہ بولئے ہم خطرے کے بہت قریب ہیں" ہمزاد نے کہا۔

"مگر ہم ہیں کہاں؟"

"آپ اپنی بیگم پل والی حویلی میں ہیں۔"

"کیا؟" بیگم پل کا نام سن کر میں اچھل پڑا۔اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے دشمنوں کے گھر میں تھا۔یہاں سے تین چار مکان چھوڑ کر سامنے والی حویلی مہ پارہ کی تھی اور بائیں طرف آٹھ دس مکانوں کے بعد میرٹھ کے نواب صاحب کی محل نما حویلی۔اب میری سمجھ میں آیا کہ ہمزاد نے یہ کیوں کہا تھا کہ ہم خطرے کے بہت قریب ہیں۔آخر ہمزاد کو یہ کیا سوجھی کہ ہمیں یہاں اٹھا لایا۔میں نے ہمزاد سے حقیقت حال دریافت کی کہ ہمارے بے ہوش ہونے کے بعد کیا کیا واقعات رونما ہوئے۔ہمزاد بتانے لگا۔

"ہم دونوں آپ کو اور جبار کو خیر نگر دروازے سے بحفاظت نکال لے جانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ہمارے علم میں تھا کہ مہ پارہ اب اپنی پراسرار قوتوں کو ہمارے سامنے مفلوج ہوتے ہوئے محسوس کرکے دوسرے حربے آزما رہی ہے۔ہم آپ کو وہاں سے نکال کر آپ کی قیصر گنج والی حویلی میں لے گئے جو آپ نے جبار سے خریدی تھی اور جس کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ملٹری نے خیر نگر دروازے کے ایک ایک مکان کی تلاشی لی۔وہ جبار کے گھر بھی پہنچے۔کسی بھی شخص کو اپنے گھر سے نکلنے کی اس وقت تک اجازت نہیں دی گئی تھی جب تک ملٹری نے اپنی کارروائی مکمل نہ کرلی۔اس تمام ہنگامے میں انہیں دوپہر کے ڈھائی بج گئے اور وہ ناکام ونامراد واپس ہوئے۔"

"لیکن ملٹری کو اس بات کی اطلاع کس نے دی کہ ہم خیر نگر دروازے میں ہیں" میں بیچ میں بول پڑا۔

"آپ کے پرانے ہمدرد قبلہ نواب صاحب نے۔دراصل مہ پارہ نے اپنے والد طبیب خاص ارشاد احمد خاں کو اس بات

سے آگاہ کیا کہ ہم لوگ کہاں روپوش ہیں اور طبیب خاص اسی وقت نواب صاحب کے پاس دوڑ لئے۔نواب صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اس کی اطلاع بغیر وقت ضائع کئے اعلیٰ حکام کو دی۔میرٹھ کے اعلیٰ حکام تک یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ آپ کول کی جیل سے فرار ہوچکے ہیں اور یہ کہ آپ انگریزوں کے خلاف کسی خفیہ تنظیم کے سربراہ بھی ہیں۔وہ پہلے ہی سے آپ کی بو سونگھتے پھر رہے تھے جیسے ہی نواب صاحب نے انہیں بتایا کہ ان کو اپنے خفیہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آپ خیر نگر دروازے میں ہیں' انہوں نے سارے علاقے کو گھیر لیا۔"

"ہوں۔تو یہ تھی اصل وجہ۔طبیب خاص ارشاد احمد خاں اپنی بیٹی مہ پارہ کی پراسرار قوتوں کے بارے میں پہلے ہی سے باخبر ہیں۔اس لئے انہوں نے بغیر کسی تامل کے اس کی بات کا یقین کرلیا" میں نے کہا۔"لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ تم ہمیں قیصر گنج والی حویلی میں لے آئے تھے وہاں سے یہاں کس طرح آگئے؟"

"میں نے ابھی آپ کو صرف دوپہر ڈھائی بجے تک کے واقعات بتائے ہیں۔جب پولیس اور ملٹری خیر نگر دروازے سے مایوس ہوکر لوٹی تو اعلیٰ حکام نے ایک بار پھر قبلہ نواب صاحب سے رجوع کیا اور نواب صاحب پر زور دیا کہ وہ ذرائع بتائے جائیں جن سے نواب صاحب کو معلوم ہوا کہ شیخ کرامت اور جبار خیر نگر دروازے میں ہیں۔نواب صاحب نے کسی طرح ان سے اپنی جان چھڑالی۔وہ یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ انہیں اپنے طبیب خاص سے معلوم ہوا تھا۔نواب صاحب کو اپنا بھرم بھی قائم رکھنا تھا۔ لیکن اعلیٰ حکام کے جانے کے بعد نواب صاحب نے طبیب خاص کو آڑے ہاتھوں لیا جن کی وجہ سے انہیں اتنی ذلت اٹھانی پڑی تھی۔طبیب خاص فوراً اپنے گھر روانہ ہوگئے اور مہ پارہ سے استفسار کیا کہ اس نے انہیں ایک بے بنیاد بات بتاکر نواب صاحب کی نظر میں ذلیل کرایا۔مہ پارہ نے طبیب خاص کو تمام بات بتادی اور کہا کہ اب وہ لوگ خیر نگر دروازے سے فرار ہوکر قیصر گنج میں چھپے ہوئے ہیں۔مہ پارہ نے طبیب خاص کو یہ بھی بتادیا کہ آپ لوگوں کے پاس بھی کچھ پراسرار قوتیں ہیں جن کے سبب آپ ملٹری سے بچ کر نکل گئے۔ورنہ آپ لوگ اس کی اطلاع کے مطابق ملٹری کے خیر نگر دروازے پہنچنے تک وہیں موجود تھے۔طبیب خاص کے دل میں پھر کھلبلی مچی اور انہوں نے جاکر تمام بات نواب صاحب کو بتادی۔نواب صاحب بھلا یہ کس طرح برداشت کرسکتے تھے کہ آپ جیسا دشمن میرٹھ میں موجود ہو۔انہوں نے ایک بار پھر اعلیٰ حکام کو کھڑکھڑایا۔نواب صاحب کی کافی یقین دہانی کے ایک بار پھر ملٹری حرکت میں آگئی۔ہم خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے تاکہ بالکل عین وقت پر آپ دونوں کو لے کر غائب ہوں۔اب شام ہوچکی تھی۔جب ہم نے دیکھا کہ ملٹری کا حلقہ تنگ ہوتے ہوتے حویلی تک پہنچ چکا ہے تو ہم وہاں سے غائب ہوکر اس حویلی میں منتقل ہوگئے۔اس عرصے میں ہم نے یہ انتظام بھی کرلیا کہ پوری حویلی پر ایک حفاظتی حصار کھینچ دیا تاکہ مہ پارہ کا یہ حربہ بھی کارگر نہ ہوسکے کہ وہ پوری حویلی ہی ڈھادے۔رات گئے تک قیصر گنج کے ایک ایک مکان کو کھنگالا گیا۔کچھ مشتبہ افراد کو گرفتار بھی کرلیا گیا تھا تاکہ ان سے پوچھ گچھ کی جاسکے۔مگر سب کچھ بیسود ثابت ہوا۔نواب صاحب اس ناکامی سے اتنے پریشان ہوئے کہ انہوں نے ملٹری کی ناکامی کے بعد اعلیٰ افسران سے اپنی طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کرکے ملنے ہی سے انکار کردیا۔یہاں تک کہ انہوں نے طبیب خاص ارشاد احمد خاں تک سے ملنا پسند نہیں کیا۔نواب صاحب' طبیب خاص سے سخت خفا ہیں جن کی وجہ سے انہیں ذلت کا منہ دیکھنا پڑا۔اب صورت حال یہ ہے کہ ملٹری کے افسران اور میرٹھ کے دوسرے حکام نواب صاحب کی طرف سے بددل ہیں کہ انہوں نے ایک تو ملٹری کو اپنے ذرائع کے متعلق کچھ نہیں بتایا دوسرے ملٹری کو بری طرح ناکام ہونا پڑا۔اب مہ پارہ کا یہ حربہ بھی ایک طرح سے ناکام ہوگیا ہے۔پے درپے ناکامیوں نے مہ پارہ کو بھی بوکھلا دیا ہے اور وہ سخت پریشان ہے۔کتنی عجیب بات ہے کہ اس کے علم میں ہے کہ دشمن کہاں چھپے ہوئے ہیں اور وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ اس نے تیسری بار بڑی منت سماجت کرکے اپنے باپ طبیب خاص کو اس پر آمادہ کرلیا تھا کہ وہ ایک مرتبہ اور نواب صاحب کو اس بات سے مطلع کردیں کہ آپ کہاں چھپے ہوئے ہیں تاکہ ملٹری رات کے وقت اس علاقے کو گھیر کر آپ کو گرفتار کرلے۔مگر جیسا کہ میں بتاچکا ہوں نواب صاحب نے طبیب خاص سے ملنا ہی پسند نہیں کیا اور وہ مایوس لوٹ آئے۔اب کم از کم صبح تک ہم یہاں مہ پارہ کے ہر حربے سے محفوظ ہیں" ہمزاد نے آج دن بھر کی پوری تفصیل سنادی۔

"جبار کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ برابر والے کمرے میں موجود ہے اور اسے بھی اب ہوش آچکا ہے" ہمزاد نے بتایا۔

اس کے بعد کچھ دیر تک کمرے میں خاموشی رہی پھر ہمزاد کی آواز سنائی دی۔

"اب تک مہ پارہ ہم پر وار کرتی رہی ہے۔مگر میں سمجھتا ہوں کہ اب ہماری باری ہے اور آج کی رات اس کے لئے بہت

مناسب ہے۔ اگر اسے اس بات کا موقع دیا گیا کہ وہ سنبھل جائے یا کوئی اور صورت نکالے تو ہمارے لئے خطرناک ہوگا۔ اس وقت وہ اپنی ناکامیوں کا دکھ بھلانے کے لئے ایک نوجوان کے ساتھ رنگ رلیاں منارہی ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو ممکن ہے بہت دن پچھتانا پڑے۔"

"تو پھر کیوں نہ آج ہی رات اس سے دو دو ہاتھ ہو جائیں بقول تمہارے ہم دونوں کے گرد حفاظتی حصار قائم ہے جس پر اس کا کوئی بھی حربہ کارگر نہیں ہوگا۔ تو پھر دیر کیا ہے؟" میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا "کیا جبار کو بھی ساتھ لے جانے کی ضرورت ہے؟"

"نہیں۔ صرف اس کا ہمزاد ہمارے ساتھ جائے گا۔ وہ یہیں رہے گا" ہمزاد نے جواب دیا "آپ جبار سے اس کے ہمزاد کو یہ حکم دلوادیں کہ اس کا ہمزاد اس معرکے میں میری معاونت کرے، جلدی کیجئے آدھی رات یونہی گزر چکی ہے۔"

میں اس حویلی کے ایک ایک کمرے سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے اندھیرا ہونے کے باوجود اندازے سے اپنے کمرے سے نکلا اور برابر والے کمرے میں داخل ہو کر آہستہ سے جبار کو آواز دی۔ وہ جاگ رہا تھا۔ میری آواز سن کر وہ میرے ہمراہ حویلی کے صحن میں نکل آیا۔ میں نے اسے پوری بات سمجھائی اور اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر نہ جانے مجھے کیا سوجھی کہ میں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور مہ پارہ کا تصور کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ میرے سامنے تھی، اس کے کمرے میں شمع دان روشن تھا۔

ہمزاد قریب ہی کھڑا تھا۔

"آپ چلنے کے لئے تیار ہیں" اس نے پوچھا۔

"بالکل" میں نے جواب دیا "آج سارے اگلے پچھلے قرض چکادئے جائیں گے۔"

اس فقرے کے ساتھ ہی میں نے اپنے جسم کو فضا میں اٹھتے ہوئے محسوس کیا۔ چند ہی لمحوں بعد میں مہ پارہ کی حویلی کے اندر بالکل اس کمرے کے سامنے کھڑا تھا جس میں مہ پارہ تھی۔ کمرہ اندر سے بند تھا۔ دوسرے ہی لمحے ہمزاد بند کمرے کے کواڑوں میں تحلیل ہو چکا تھا۔ کمرے کا دروازہ ایک شور کے ساتھ کھلا اور میں دھڑکتے ہوئے دل سے کمرے میں داخل ہو گیا۔

مہ پارہ مجھ پر نظر پڑتے ہی ایک دم مسہری سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اچانک میری اور اس کی نظریں ملیں اور میں نے کہا۔

"میں آگیا ہوں مہ پارہ! میں آگیا ہوں۔"

"تو پھر یقین کرلو کہ تمہاری موت ہی تم کو یہاں گھسیٹ لائی ہے۔"

مہ پارہ کا فقرہ پورا نہیں ہو پایا تھا کہ اچانک کمرہ نہایت تیز قسم کی روشنی سے بھر گیا جیسے رات کے وقت سورج نکل آیا ہو۔ میں نے گھبرا کر اپنی دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

پھر میری سماعت سے ایک عجیب فریاد کرتی ہوئی آواز ٹکرائی "میتا! امیتا!" الفاظ تو میرے لئے ناقابل فہم اور عجیب ضرور تھے مگر وہ آواز اجنبی نہیں تھی جس نے یہ الفاظ ادا کئے تھے۔

"میتا!" مہ پارہ کی آواز نے ایک مرتبہ پھر فریاد کی۔ اس آواز میں ایک عجیب سا بلاوا تھا۔ ابھی اس آواز کی گونج ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ کمرہ ایک دم تاریکی میں ڈوب گیا۔ میں اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر کچھ سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ہر طرف خوفناک پھنکاریں گونجنے لگیں جیسے بیک وقت سیکڑوں سانپوں نے یلغار کردی ہو۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرے قریب سے متعدد سانپ سرسراتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ ہی میرے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے کمرے اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں صرف اپنے آس پاس وحشت انگیز پھنکاریں سن رہا تھا۔

مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت میرے اوسان خطا ہو گئے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں نہ جانے اس کیفیت میں کب تک مبتلا رہتا کہ ایک تیز اور ہولناک چیخ نے میرے حواس کو جھنجوڑ کے رکھ دیا۔ غالباً یہ چیخ اس نوجوان کی تھی جسے کچھ دیر پہلے میں مہ پارہ کی خواب گاہ میں دیکھ چکا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس چیخ سے پہلے میں نے واضح طور پر ایک خوفناک پھنکار سنی تھی جسے سن کر میں لرز اٹھا تھا۔ یہ چیخ ابھی معدوم نہ ہوئی تھی کہ زور سے کسی دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی۔ گہرا اندھیرا ہلکے دھندلکے میں تبدیل ہو گیا۔ کمرے کا پچھلا دروازہ کھلا تھا۔ ایک سایہ تیزی سے باہر نکلا۔ اسی سائے کے پیچھے میں نے اپنے ہمزاد کو لپکتے ہوئے دیکھا۔ یقیناً وہ سایہ مہ پارہ کا تھا۔ عین اسی وقت مجھے اپنی پشت پر روشنی کا احساس ہوا میں فوراً مڑا۔ میں کھلے دروازے کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔

میں نے دیکھا کہ کوئی شخص لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ہاتھ میں لالٹین تھامے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ روشنی اسی لالٹین کی تھی جو لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جارہی تھی۔ میں اس شخص کو پہچان گیا۔ ڈھیلے ڈھالے لباس اور لانبی داڑھی والا وہ شخص طبیب خاص ارشاد احمد خاں ہی ہو سکتا تھا جو غالباً چیخ سن کر جاگ اٹھا تھا، اچانک میرے دائیں ہاتھ کو جھٹکا لگا۔ کوئی مجھے کمرے کے

پچھلے دروازے کی طرف کھینچے لئے جارہا تھا۔

"ذرا جلدی قدم اٹھائیے" یہ آواز ہمزاد کی تھی۔

کمرے سے نکلتے ہی میں نے اپنے جسم کو ہلکا محسوس کیا۔ اب میرا جسم اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد میں نے خود کو ایک کھلی چھت پر پایا۔ یہ چھت بھی اسی حویلی کے ایک بڑے کمرے کی تھی لیکن اس پر منڈیریں نہیں تھیں۔ میں نے چاہا کہ ہمزاد سے کچھ دریافت کروں۔ مگر میرے بولنے سے پہلے ہی اس نے سرگوشی کی۔

"جبار کا ہمزاد مہ پارہ کے تعاقب میں ہے اور جلد از جلد اس تک پہنچنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ اسے جل دے کر نکل جائے گی۔ آپ اس وقت تک یہیں رہیں جب تک میں واپس نہ آجاؤں۔"

ہمزاد میرے کچھ کہنے سے پہلے غائب ہو چکا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں نے سوچا کہ کھلی چھت پر رات کے وقت اس طرح کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہیں مجھے لیٹ جانا چاہئے۔ دوسرے ہی لمحے میں اپنے اس خیال پر عمل کر چکا تھا۔ میں چھت پر دم سادھے لیٹا ہوا نیچے حویلی سے آتی ہوئی مختلف آوازوں کا شور سن رہا تھا۔ یہ آوازیں کسی فرد واحد کی نہیں ہو سکتی تھیں۔ یقیناً حویلی میں اور لوگ بھی تھے۔ یہ لوگ کون تھے؟ میں اس سے لاعلم تھا۔

میرا ذہن ابھی کچھ دیر پہلے گزرے ہوئے واقعات میں الجھا ہوا تھا۔ یہ تو میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ مہ پارہ نے اپنی مدد کے لئے پراسرار قوتوں کو پکارا تھا جو بروقت اس کی مدد کرنے کو پہنچ گئی تھیں۔ وہ مجھ پر حملہ آور اس لئے نہ ہو سکی تھیں کہ میں حفاظتی حصار میں تھا۔ ورنہ میرا حشر بھی اس اجنبی نوجوان سے مختلف نہ ہوتا جو ان پراسرار قوتوں کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ میں اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ اجنبی نوجوان کون تھا۔ میں نے تو صرف اتنا دیکھا تھا کہ جب میں کمرے میں پہلی بار داخل ہوا تو وہ مہ پارہ کے قریب موجود تھا۔ اس اجنبی نوجوان کو مہ پارہ کے قرب کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔

میں ان ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ مجھے چھت پر کسی اور وجود کا احساس ہوا۔ میں ایک دم چونک کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے چاروں طرف اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی مگر مجھے کچھ بھی نظر نہ آسکا۔ میں نے دوبارہ لیٹ جانے کا ارادہ کیا تھا کہ مجھے چھت پر ایک طرف نیم روشن سا ہیولا نظر آیا۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ وہ مہ پارہ تھی۔ اس کے جسم سے جیسے روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔ میں اٹھ کر مبہوت سا اس کی طرف بڑھا۔

وہ میری آتش شوق کو تیز سے تیز تر کرنا چاہتی تھی اس کے انگ انگ سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ مجھے اب خود پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا اور میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اور..... اور..... یکلخت میرے منہ سے ایک طویل چیخ نکل گئی۔ میں نے لاکھ چاہا کہ اپنے جسم کے توازن کو بگڑنے نہ دوں مگر میں تیزی سے نیچے گر رہا تھا۔ دراصل اچانک ہی مہ پارہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مگر اسی لمحے میرے جسم کا توازن بگڑ گیا۔ میرا ایک پاؤں خلا میں تھا اور دوسرا چھت کے کنارے پر لیکن میں خود کو سنبھال نہ پایا اور چھت سے نیچے گرنے لگا۔ اسی وقت میری طویل چیخ دور دور تک رات کے سناٹے کو چیر گئی تھی۔ چھت اس قدر اونچی نہیں تھی جس سے گر کر میں کسی اندوہناک حادثے کا شکار ہوتا لیکن میرے حواس معطل ہو گئے تھے اور آنے والے مصائب کا دروازہ میرے لئے کھل گیا تھا۔ مگر یہ سب اتنا غیر متوقع اور اچانک ہوا تھا کہ مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔ میں صرف اتنا کر سکا کہ سر کے بل نہ گروں۔ اس کے عوض مجھے اپنی ایک ٹانگ سے ہاتھ دھونے پڑے۔ میں چھت سے نیچے گلی میں گرا تھا اور میرے جسم کا سارا وزن صرف بائیں ٹانگ پر پڑا تھا۔ درد کی ایک شدید لہر جیسے میرے پورے وجود کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔ میرے منہ سے چیخ نکلی اور ذہن پر غفلت سی چھا گئی۔ نہ جانے کتنی دیر میں اسی حالت میں پڑا رہا۔ جب میرے حواس کچھ بحال ہوئے تو میں نے اٹھنا چاہا مگر پھر گر پڑا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میری ٹانگ ٹوٹ چکی تھی۔ میں نے آس پاس کی حویلیوں کی کھڑکیاں اور دروازے کھلتے دیکھے۔ گلی میں نکڑ پر لگی ہوئی لالٹین کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی جیسے ہی میری نظر اٹھی میری روح کانپ گئی۔ کچھ پولیس والے بھاگتے ہوئے گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ ممکن ہے کوئی اور موقع ہوتا تو میں اتنا حواس باختہ نہ ہوتا لیکن اس وقت ایک تو میرا ہمزاد میرے پاس نہیں تھا کیونکہ وہ مہ پارہ سے برسرپیکار تھا۔ دوسرے یہ کہ میں سخت زخمی حالت میں تھا ٹانگ کے علاوہ میری کہنیاں وغیرہ بھی زخمی تھیں جن سے خون بہہ رہا تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ حیرت انگیز طور پر درد کی شدت کے باوجود میں اٹھتا چلا گیا مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی نادیدہ وجود مجھے سہارا دیئے ہوئے ہو۔ پھر اپنے ہمزاد پر نظر پڑتے ہی میری جان میں جان آگئی۔ مجھے اپنا وجود ہلکا محسوس ہوا۔ میں جیسے تیرتا ہوا وہ گلی عبور کر کے دوسری گلی

میں داخل ہوگیا۔ میرے پیچھے بھاگتے ہوئے قدموں اور مختلف آوازوں کا شور تھا جو لمحہ بہ لمحہ دور ہوتا جارہا تھا۔ میرے دونوں پاؤں زمین سے تقریباً ایک فٹ بلند تھے اور ہمزاد میرے جسم کا سارا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ اب بھی میرے بائیں پاؤں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر میں کسی طرح ضبط کئے ہوئے تھا۔ کچھ ہی دیر بعد میں مہ پارہ کی حویلی سے کافی دور نکل گیا۔ مختلف گلیوں اور راستوں سے گزرتا ہوا ہمزاد مجھے نہ جانے کہاں لئے جارہا تھا؟ رات کے وقت مجھے راستوں کا صحیح اندازہ نہیں ہوپارہا تھا اور زخمی ہونے کے سبب میرے اوسان بھی پوری طرح بجا نہیں تھے۔

ہمزاد کی رفتار کچھ سست ہوئی تو میں نے دریافت کیا "یہ ہم کدھر نکل آئے؟"

"فی الحال کوئی سوال نہ کیجئے۔ یہاں سے بہت قریب پولیس موجود ہے۔ ہم کسی محفوظ مقام تک پہنچ جائیں تو بات ہوگی" ہمزاد نے سرگوشی کی۔ میں نے اس کی بات سن کر چپ سادھ لی کیونکہ میں اس وقت مکمل طور پر اس کے رحم وکرم پر تھا۔

ہمزاد ایک سڑک عبور کرکے پھر گلیوں کے ایک سلسلے میں گھس پڑا۔ وہ دانستہ ایسے راستوں سے اجتناب کررہا تھا جہاں گشتی پولیس یا کسی چوکیدار کے ملنے کا امکان ہو۔ فی الحال میں یہ بھی نہیں سمجھ پارہا تھا کہ وہ فضا میں بلند ہونے کو کیوں ترجیح نہیں دے رہا تھا۔ اس طرح گلیوں گلیوں چھپتے ہوئے کسی جگہ پہنچنے کا کیا مقصد تھا اور یہ کہ وہ کہاں پہنچنا چاہتا تھا؟ میرے بولنے پر بھی اس نے پابندی عائد کردی تھی اس لئے اب میں اس سے بھی کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔

وہ مجھے لے کر اب ایک ایسے علاقے سے گزر رہا تھا جو میرے لئے جانا پہچانا تھا مگر مجھے اس علاقے کا نام یاد نہیں آرہا تھا۔ وہ راستے وہ گلیاں میری دیکھی بھالی تھیں۔ ہمزاد ایک جگہ کسی حویلی کی پشت پر پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اس کے ساتھ مجھے اپنا جسم بلند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ چند ہی لمحوں بعد میں اس حویلی کے ایک نرم اور آرام دہ بستر پر تھا۔ ہر طرف اندھیرا تھا اس لئے مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے صرف اتنا احساس تھا کہ میں ایک آرام دہ بستر پر دراز ہوچکا ہوں اور اس احساس کے ساتھ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں نے کچھ دیر تک ڈوبتے ذہن سے لڑنے کی کوشش کی لیکن چند ہی لمحوں میں مکمل طور پر بے ہوش ہوگیا۔

ہوش میں آنے کے بعد بھی میں نے ہر طرف ہلکا ہلکا اندھیرا ہی پھیلا ہوا دیکھا۔ میں نے بے خیالی میں کروٹ بدلنا چاہی اور میرے منہ سے ایک طویل کراہ نکل گئی۔ بائیں پاؤں کے زخم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"ہمزاد!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"میں آپ ہی کے پاس ہوں۔ اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں" مجھے ہمزاد کی آواز سنائی دی "مجھے معلوم ہے کہ آپ حقیقت حال جاننے کے لئے بے چین ہیں لیکن مجھے آپ کے پاؤں کی فکر ہے۔ ہرچند کہ وقتی طور پر میں نے ضروری مرہم پٹی کردی ہے لیکن یہی کافی نہیں کیونکہ آپ کے پاؤں کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹی ہے اور......"

"کیا؟" میں یہ جان کر گھبرا گیا کہ میں اپاہج ہوچکا ہوں۔ یہ صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔

"جی ہاں! میں صحیح کہہ رہا ہوں حقیقت یہی ہے اور میں آپ کو کسی دھوکے میں بھی رکھنا نہیں چاہتا۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو ٹانگ سے محروم ہونا پڑے" یہ کہہ کر ہمزاد کچھ دیر کے لئے رکا۔

یہ سن کر جیسے میری جان نکل گئی۔ یہ واقعہ اب سے تقریباً پون صدی پہلے کا ہے۔ بلکہ شاید اس سے بھی پہلے کا۔ اس زمانے میں اتنی طبی سہولتیں نہیں تھیں جتنی آج ہیں۔

"مگر یہ ممکن ہے کہ آپ عارضی طور پر اس درد و تکلیف سے نجات پاجائیں" ہمزاد کہہ رہا تھا "اور اس کے لئے آپ کا ہوش میں آنا ضروری ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ بغیر میرے چلنے پھرنے سے معذور رہوں گے۔"

"خیر بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا فی الحال تو یہ تکلیف میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اس کا فوراً کچھ علاج کرو" میں نے بے تابی سے کہا۔

ہمزاد نے میرے زخمی پاؤں پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر میں ایک عجیب ہی تجربے سے دوچار ہوا۔ میں ہمزاد کے ہاتھ کا لمس اپنے پاؤں پر محسوس کررہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ میرے پورے پاؤں پر ہاتھ پھیر رہا تھا اور اس کے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ساتھ میری تکلیف کم ہوتی جارہی تھی جیسے کوئی نادیدہ قوت سارا درد کھینچے لے رہی ہو۔ چند ہی لمحوں بعد میں سکون کا سانس لے رہا تھا لیکن یہ وقفہ عارضی تھا۔ میں جسمانی تکلیف سے تو نجات پاچکا تھا مگر جب ہمزاد نے مجھے کچھ دیر پہلے پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بتائی تو غصے سے میرا خون کھول گیا۔

ہمزاد نے مجھے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ مہ پارہ کے مقابلے میں ایک بار پھر شکست کا منہ دیکھ چکا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ جیسے ہی مہ پارہ کی حویلی میں پہنچا تو وہ ہشیار ہوگئی تھی۔ نہ صرف اس وقت اس نے اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کیا تھا بلکہ میرے حویلی سے چلتے ہی پہلا حملہ اس نے جبار پر کیا تھا۔ کیونکہ اسے یہ بات

معلوم تھی کہ جبار حویلی میں تنہا ہے۔ لیکن حویلی کے چاروں طرف حفاظتی حصار کھنچا ہونے کے سبب جبار کا حویلی سے باہر آنا ضروری تھا۔ اس لئے مہ پارہ نے اسے اس فریب میں مبتلا کردیا کہ میں حویلی کے باہر سے اسے آواز دے رہا ہوں۔ جبار جیسے ہی حویلی سے باہر نکلا وہ غیر محفوظ ہوچکا تھا۔ نتیجہ یہ کہ اب وہ پوری طرح مہ پارہ کے قابو میں تھا۔ وہ اس کے ذریعے جو چاہے کرا سکتی تھی۔ جبار مہ پارہ کے سحر میں گرفتار ہوکر بیگم پل کے پولیس تھانے جا پہنچا جو نواب صاحب قبلہ کی محل نما حویلی کے قریب تھا۔

جبار ادھر خود کو قانون کے حوالے کررہا تھا کہ میں دونوں ہمزادوں کے ساتھ مہ پارہ تک پہنچ گیا۔ دونوں ہمزاد اپنی پوری توجہ مہ پارہ پر مرکوز رکھنے کے باوجود ان واقعات سے بھی باخبر تھے جو جبار کو پیش آئے تھے۔ جبار کا گرفتار ہونا ان کی نظر میں کوئی تشویشناک بات نہیں تھی۔ وہ اسے کبھی بھی پولیس کی قید سے آزاد کرا سکتے تھے۔

دو ہمزادوں کی موجودگی میں مہ پارہ نے اپنا آخری حربہ استعمال کیا۔ کیونکہ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے مدد کے لئے اپنی ماں ساحرہ کی پراسرار قوتوں کو پکارا، جنہوں نے بروقت اس کی مدد کی۔ جس کی وجہ سے دونوں ہمزاد بجائے حملہ آور ہونے کے دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور ہوگئے۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر مہ پارہ نے فرار کی راہ اختیار کرنا چاہی مگر دونوں ہمزادوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ حویلی سے نکل کر بھی وہ اس کے تعاقب میں رہے تو مہ پارہ نے یہ چال چلی کہ مجھے کسی مصیبت میں پھنسا دے تاکہ کم از کم ایک ہمزاد مجھے اس مشکل سے نجات دلانے کے لئے اس کا تعاقب کرنا چھوڑ دے اور اس طرح اسے بھاگنے کا موقع مل جائے۔ اپنی اس شیطنیت پر عمل کرنے کے لئے اس نے اجنبی نوجوان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ اجنبی نوجوان خوف سے سہما ہوا کچھ نہ سمجھتے ہوئے مہ پارہ کی مسہری پر سمٹا سمٹایا بیٹھا تھا کہ اسے ایک سانپ نے ڈس لیا۔ مہ پارہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ نوجوان چیخ پڑے اور ہوا بھی یہی۔ اس طرح طبیب خاص ارشاد احمد خاں جاگ اٹھے اور مہ پارہ کے کمرے کی طرف لپکے۔ یہی چیخ سن کر آس پاس کی حویلیوں میں رہنے والے بھی طبیب خاص کی حویلی کی طرف دوڑے کیونکہ چیخ وہیں سے آئی تھی۔ دراصل مہ پارہ چاہتی بھی یہی تھی کہ نوجوان کی چیخ سن کر لوگ وہاں پہنچیں اور مجھے پکڑ لیں۔ میرے لئے یہ صورت حال خطرناک تھی۔ مجبوراً میرے ہمزاد کو مجھ تک پہنچنا پڑا تاکہ وہ مجھے اس خطرے سے بچاسکے۔ صرف جبار کا ہمزاد مہ پارہ کو قابو میں کرنے کا اہل نہیں تھا۔ اس لئے تنہا اس کا مقابلہ نہ کرسکا۔ مہ پارہ نے اسے آزار میں مبتلا کردیا اور اگر میرا ہمزاد مجھے چھت پر چھوڑ کر فوراً اس کی مدد کو نہ پہنچتا تو مہ پارہ اس کا کام تمام کرچکی ہوتی۔ ادھر میرا ہمزاد جبار کے ہمزاد کو مصیبت سے بچانے میں لگا ادھر مہ پارہ نے موقع پاکر مجھے فریب نظر میں مبتلا کردیا۔ جب میں چھت سے نیچے گرنے لگا تو وہ فرار ہونے لگی۔ دونوں ہمزاد پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے اور کسی بھی قیمت پر اسے فرار ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے چاہا تھا کہ مہ پارہ کو قابو میں کرکے اس کی تمام قوتیں سلب کرلیں۔ مگر قسمت قدم قدم پر مہ پارہ کا ساتھ دے رہی تھی۔ دوسری طرف جبار پولیس کو سب کچھ بتاچکا تھا اور پولیس میری تلاش میں طبیب خاص کی حویلی کو چاروں طرف سے گھیر کر مجھے گرفتار کرنے کا منصوبہ بناچکی تھی۔ جس وقت میں چھت سے گرا تھا، پولیس اسی غرض سے اس گلی میں داخل ہورہی تھی کہ تمام راستے مسدود کردے۔

ادھر مجھ پر یہ مصیبتیں گزر رہی تھیں۔ ادھر ہمزاد مہ پارہ سے الجھا ہوا تھا۔ اس الجھاؤ میں وہ مجھے کچھ دیر کے لئے فراموش کر بیٹھا تھا پھر اچانک ہی جب اسے میرا خیال آیا تو یہ وہ وقت تھا جب میری گرفتاری کے لمحات بالکل قریب آچکے تھے۔ اب میرا ہمزاد میرے سلسلے میں مزید کوئی مصیبت مول لینے کو تیار نہیں تھا۔ وہ مہ پارہ کا تعاقب چھوڑ کر فوراً میری مدد کے لئے پہنچا اور اس عرصے میں مہ پارہ کو فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ اب مہ پارہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ دو ہمزادوں کی موجودگی میں اس کے لئے اس شہر میں رہنا خطرناک ہے۔ اس لئے اس نے میرٹھ سے فرار ہوجانے ہی میں اپنی بہتری سمجھی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ہمزاد مجھے پولیس سے بچاکر قیصر گنج والی حویلی میں لے آیا تھا۔ جس کے دروازے پر اب بھی پولیس موجود تھی۔ پولیس مطمئن تھی کہ حویلی میں کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے سامنے نہ کوئی حویلی میں داخل ہوا تھا، نہ نکلا تھا۔ کیونکہ ہمزاد مجھے حویلی میں پچھلی طرف سے لایا تھا۔ اس کی نظر میں فی الحال سب سے محفوظ جگہ یہی تھی۔ اس طرح کم از کم پولیس کو دھوکے میں ضرور رکھا جاسکتا تھا۔

جبار اب پولیس کی نگرانی سے ملٹری کی نگرانی میں پہنچ چکا تھا جو صبح اسے دہلی لے جانی والی تھی۔ اس وقت صبح کے ساڑھے چار بجے کا عمل تھا۔ جبار کو اب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ملٹری کی حفاظت میں دہلی روانہ ہوجانا تھا۔ مہ پارہ سے مقابلے کے دوران جبار کے ہمزاد کی قوتیں وقتی طور پر مفلوج ہوچکی تھیں اس لئے فی

الاتفاق اس سے کوئی کام لیا جانا ناممکن تھا۔

مہ پارہ کے بارے میں اب تک صرف یہی بات یقین سے کہی جا سکتی تھی کہ وہ یہ شہر چھوڑ کر جا چکی ہے۔ کہاں؟ یہ معلوم نہیں کیا جا سکا تھا کیونکہ میرا ہمزاد مجھے اس حالت میں تنہا چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ دراصل اس بات کا امکان بھی موجود تھا کہ مہ پارہ ہمیں کمزور پڑتا دیکھ کر پھر لوٹ آئے۔ اس صورت میں میری زندگی کے لئے کوئی بھی خطرہ درپیش ہو سکتا تھا۔

میں نے ہمزاد سے تمام حالات سننے کے بعد کچھ دیر ان پر غور کیا اور آخر کار ایک نتیجہ پر پہنچا کہ فی الحال وقتی طور پر ہمیں مہ پارہ کے خیال کو ترک کر کے جبار کی فکر کرنی چاہئے۔ اس کے بعد مہ پارہ سے نمٹا جا سکتا ہے۔ اس عرصے میں جبار کا ہمزاد بھی قابل عمل ہو سکتا تھا یہی سب کچھ سوچنے کے بعد میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"تمام حالات پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں فوراً جبار کی رہائی کے سلسلے میں کوئی عملی قدم اٹھانا چاہئے۔ اس سے پہلے کہ ملٹری اسے لے کر دہلی روانہ ہو جائے اور بات آگے بڑھے، ہم اسے یہیں کیوں نہ چھڑا لیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"آپ نے ٹھیک سوچا ہے" ہمزاد نے میری تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "لیکن صبح سے پہلے یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"اس لئے کہ اس وقت جبار سخت پہرے میں ہے۔ اسے ملٹری ہیڈ کوارٹر میں رکھا گیا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ملٹری کی نظر سے میرا وجود چھپ جائے۔ لیکن جبار کو ان کی نظروں سے کس طرح چھپایا جا سکتا ہے۔ وہ اس کی ذرا سی حرکت پر اسے گولی مار دیں گے۔ پھر وہ جہاں قید ہے اس جگہ تک تجیسوں مقامات پر چیک پوسٹ ہیں۔ کسی نہ کسی کی نظر اس پر پڑنا لازمی ہے۔ اس صورت میں اسے چھڑا لیا جانا تو ممکن ہے لیکن اس کی زندگی خطرے میں پڑنے کا بھی امکان ہے اس لئے یہ خطرہ ہی مول کیوں لیا جائے؟" ہمزاد نے کہا۔

"پھر؟" میں نے سوال کیا "تمہارے سامنے اور کیا صورت ہے؟"

"میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ جب ملٹری اسے ہیڈ کوارٹر سے نکال کر دہلی کی طرف روانہ ہو تو شہر سے نکلتے ہی جبار کو چھڑا لیا جائے۔ اسی لئے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ جبار کو رہا کرانے کے لئے صبح تک انتظار کرنا ضروری ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ جو تمہاری نظر میں مناسب اور محفوظ طریقہ ہو اس پر عمل کرو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مقصد تو صرف جبار کے رہا ہونے سے ہے" میں نے کہا "اس کام سے فارغ ہونے کے بعد مہ پارہ کے بارے میں سوچا جائے گا۔ بہرحال اسے کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں ہے" یہ کہہ کر میں پھر خیالوں میں کھو گیا۔ اسی وقت میرے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی کہ اپنے تصور کی قوت کو بروئے کار لا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ مہ پارہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ میں نے ہمزاد کو بغیر بتائے فوراً اس پر عمل کیا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے مہ پارہ کا تصور کیا۔

"فضول ہے" ہمزاد کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "کیا آپ مہ پارہ کے وہ الفاظ بھول گئے کہ وہ اگر چاہے تو آپ کی اس قوت کو بھی اپنی حد تک مفلوج کر سکتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" میں نے کہا "لیکن کیا اس نے مجھ سے میری یہ قوت چھین لی ہے؟"

"جی نہیں میں نے عرض کیا نا کہ صرف اپنی حد تک وہ اس پر قادر ہے کہ آپ خواہش کے باوجود اسے اپنی چشم تصور کے ذریعے نہ دیکھ سکیں" ہمزاد نے جواب دیا۔ یہ سن کر میرا دل کچھ بجھ سا گیا۔ مہ پارہ نے مجھے عجیب بے بسی اور روحانی اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں اس قدر پراسرار اور عجیب قوتوں کا مالک ہو کر بھی اب تک اس کا کچھ نہ بگاڑ پایا تھا۔ یہی سوچ سوچ کر میرا خون کھولتا رہا اور اسی الجھن اور پریشانی میں صبح ہو گئی۔

"اب میں جا رہا ہوں۔ آپ پوری طرح چوکنے اور ہوشیار رہئے گا۔ ویسے بظاہر کوئی خطرہ نہیں۔ یہاں آپ فی الحال ہر طرح محفوظ ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق اب ملٹری والے جبار کو لے کر ہیڈ کوارٹر سے روانہ ہو چکے ہوں گے" ہمزاد نے مجھ سے اجازت چاہی۔

ہمزاد کے جاتے ہی میں نے فوراً آنکھیں بند کیں اور جبار کا تصور کیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا مرجھایا ہوا چہرہ میرے سامنے تھا۔ ایک ہی رات میں وہ کچھ کا کچھ ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ چکا تھا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں اور شاید وہ رات بھر سو بھی نہ سکا تھا کیونکہ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ میں نے اپنی چشم تصور کا دائرہ اور وسیع کیا۔ اب میں تمام صورت حال کا اپنی آنکھوں سے جائزہ لے رہا تھا۔ جبار کو ملٹری کی ایک بند گاڑی بٹھایا گیا تھا۔ جس میں اس کے ساتھ ملٹری کے دو جوان بھی بیٹھے تھے۔ بند گاڑی میں بٹھائے جانے کے باوجود اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور اس کے دونوں طرف ایک ہی سیٹ پر ملٹری کے جوان بیٹھے تھے۔ بند گاڑی کے پچھلے دروازے پر باہر سے تالا ڈال دیا گیا تھا۔ گاڑی کے اگلے حصے میں

ڈرائیور کے علاوہ ملٹری کے دو بڑے افسر بیٹھے تھے جن میں سے ایک صورت شکل سے انگریز دکھائی دیتا تھا۔ اس بند گاڑی کے آگے اور پیچھے ملٹری کے دو دو ٹرک تھے۔ جن میں ملٹری کے مسلح جوان مستعد بیٹھے تھے اور یہ قافلہ اب میرٹھ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچ چکا تھا۔ حکومت کی نظر میں جبار کوئی معمولی مجرم نہیں تھا۔ اول تو اس پر ایک انگریز مجسٹریٹ کے قتل کا الزام تھا۔ دوئم حکومت کی نظر میں اس کا تعلق ان خفیہ تنظیموں سے تھا جو انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنے کے لئے سرگرم کار تھیں۔ پہلا الزام، الزام نہیں حقیقت تھا۔ لیکن دوسرا الزام واقعی الزام ہی تھا۔ یہ تمام شرارت مہ پارہ کی تھی۔

میرٹھ شہر اب پیچھے رہ گیا تھا کھیتوں اور باغات کے سلسلے شروع ہو چکے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد ملٹری کی گاڑیوں کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ میں کسی ہنگامے کا منتظر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد سب سے پچھلے ملٹری ٹرک پر سوار ہو گیا، وہ اب ٹرک کے اگلے حصے میں تھا۔ جہاں ڈرائیور کے علاوہ ایک ملٹری افسر بھی بیٹھا تھا۔ ہمزاد نے نہ جانے کیا کیا کہ دوسرے ہی لمحے یہ ٹرک گھر گھر کر کے رک گیا۔ ڈرائیور نے کئی بار کوشش کی کہ ٹرک کا انجن بیدار ہو جائے مگر وہ ناکام رہا۔ وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے کود پڑا۔ پھر اس نے انجن کا بونٹ اٹھایا اور جھک گیا۔ ملٹری کی بقیہ گاڑیاں بدستور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھیں اور یہ ٹرک بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اب ہمزاد ٹرک کے انجن کے پاس گیا اور اس نے کچھ حرکت کی۔ ٹرک کے انجن پر جھکا ہوا ڈرائیور ایک لمحے چونکا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ لیکن اب ہمزاد وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی میں نے اسے بند گاڑی کے پیچھے جاتے ہوئے تنہا ٹرک کے اگلے حصے میں دیکھا پھر چند ہی لمحوں میں اس ٹرک کا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے کا ہو چکا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ملٹری کے دو ٹرک بیکار ہو چکے تھے۔ اب سب سے پیچھے بند گاڑی جا رہی تھی اور اس کے آگے ملٹری کے بقیہ دو ٹرک۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد اب تیزی سے بند گاڑی کی طرف لپکا۔ اس نے نہ جانے کس طرح بغیر کوئی آواز پیدا کئے دروازے سے لٹکے ہوئے بھاری تالے کو توڑ دیا۔ اس کے بعد وہ برقی سرعت سے بند گاڑی کے اگلے حصے میں پہنچ گیا اور پھر اتنی تیزی سے سب کچھ ہوا کہ میں بھی دنگ رہ گیا۔ گاڑی کا اسٹیئرنگ ہمزاد کے ہاتھ میں تھا۔ اور اب گاڑی اس کے ہاتھ کے اشارے پر ناچ رہی تھی۔ ڈرائیور کے چہرے پر مجھے الجھن اور پریشانی کے آثار دکھائی دیئے اس کے چہرے پر پسینے کے قطرات ابھر آئے تھے گاڑی جیسے ہی ایک موڑ کاٹ کر آگے بڑھی، اسٹیئرنگ وھیل تیزی سے گھوما اور بند گاڑی ایک دم سڑک سے اتر کر بائیں جانب کے باغ میں گھستی چلی گئی۔ انگریز افسر نے بغیر وقت ضائع کئے اپنے ہولسٹر سے ریوالور کھینچ کر ڈرائیور کی کنپٹی پر رکھ دیا اور اسے رکنے کا حکم دیا۔ لیکن ہمزاد اس وقت تک گاڑی کے پچھلے حصے میں ملٹری کے دونوں نوجوانوں کو بے ہوش کر کے جبار کی ہتھکڑیاں کھولنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ جب تک کوئی کچھ سمجھ پاتا وہ جبار کو ساتھ لے کر گاڑی سے کود چکا تھا۔ انگریز افسر بھی کافی مستعد تھا وہ بھی ساتھ ہی ساتھ گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر کودا اور ہمزاد کے ہمراہ بھاگتے ہوئے جبار پر فائر جھونک مارا۔ لیکن اس سے پہلے ہی ہمزاد جبار کو دھکا دے کر ایک درخت کی آڑ میں کر چکا تھا۔ گولی درخت کے تنے میں پیوست ہو گئی۔ اب ڈرائیور اور دوسرے ملٹری افسر نے بھی فائرنگ شروع کر دی تھی۔ لیکن اب سب کچھ لاحاصل تھا۔ ہمزاد جبار کو لے کر اس عرصے میں اس باغ سے بہت دور پہنچ چکا تھا۔ میں اب مطمئن تھا اس لئے آنکھیں کھول دیں اور میرا سلسلہ تصور منقطع ہو گیا۔

کچھ دیر بعد ہی میں نے جبار کو اپنے پاس دیکھا وہ سخت بدحواس اور گھبرایا ہوا تھا۔ اس کے اوسان کچھ بحال ہوئے تو میں نے اسے بھی تمام حالات سے باخبر کر دیا۔

جبار کا اس طرح ملٹری کے قبضے سے فرار ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ میرٹھ سے دہلی تک تمام انگریز افسران پوری طرح مستعد اور چاق و چوبند ہو گئے۔ اس واقعے کی تحقیقات کے لئے فوراً ایک کمیشن مقرر کر دیا گیا۔ جو ڈرائیور بند گاڑی چلا رہا تھا اسے حراست میں لے لیا گیا۔ حالانکہ اگر قصور تھا تو سب کا تھا اس انگریز افسر کو بھی اصولاً معطل ہونا چاہئے تھا جو بند گاڑی کے ساتھ تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ حکومت بہرحال انگریزوں ہی کی تھی۔ سارا عتاب اور غصہ ہندوستانی افسروں کو سہنا پڑا۔ جبار کو خطرناک ترین مجرموں کی فہرست میں لکھ لیا گیا کہ وہ انگریزوں کے خلاف کسی خفیہ تنظیم سے ملا ہوا ہے۔ جبار کی اور میری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جانے لگے۔ حکومت ہر حال میں ہم دونوں کو گرفتار دیکھنا چاہتی تھی لیکن ہم میرٹھ ہی کی ایک حویلی میں موجود تھے اور دلچسپ بات یہ کہ اس حویلی کے چاروں طرف پولیس کا سخت پہرہ تھا۔

ہمیں اب صرف اس بات کا انتظار تھا کہ جبار کا ہمزاد ٹھیک ہو جائے۔ اس سے پہلے ہم یہ جگہ نہیں چھوڑ سکتے تھے اور نہ ہی میرا ہمزاد ہمیں چھوڑ کر مہ پارہ کی تلاش میں جا سکتا تھا۔ اس انتظار کی بے لطفی اور بے کیفی کو دور کرنے کے لئے دوسرے دن

میرا ذہن ماضی میں بھٹک گیا اور پھر ایک ایک کرکے میرے زخم ہرے ہوتے گئے۔ مجھے نواب صاحب یاد آئے ان کا منظور نظر اور راحت جاں راحت یاد آیا جو مہ پارہ اور نواب صاحب دونوں ہی کا آلہ کار تھا۔ نواب صاحب کی حسین اور نوخیز صاحب زادی نرگس یاد آئی جس کے سبب میں کئی مرتبہ سخت پریشانیوں میں مبتلا ہوچکا تھا اور میری جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ مجھے شانتی یاد آئی۔ شانتی کا خیال آتے ہی مجھے اس کی فکر لاحق ہوگئی' نہ معلوم اب وہ کس حالت میں اور کہاں ہوگی؟ ہمزاد اس شہر کی حد تک سب کچھ کرسکتا تھا اور اس کے ذریعے شانتی کے بارے میں معلوم کرایا جاسکتا تھا۔ میں نے ہمزاد سے فوراً اپنی اس خواہش کا اظہار کردیا اور وہ میرے حکم پر تمام معلومات اکٹھی کرنے کے لئے دوسرے دن صبح حویلی سے روانہ ہوگیا۔

شانتی کے بارے میں میری آخری معلومات یہ تھیں کہ وہ نواب صاحب کی حویلی میں قید ہے۔ مہ پارہ نے اس کمرے کے گرد دودھیا حصار کھینچ دیا ہے جس میں شانتی کو رکھا گیا ہے تاکہ میں اسے نہ اٹھوا سکوں۔ اس حرکت سے مہ پارہ کا مقصد صرف مجھے تکلیف پہنچانا تھا۔ اس کے علم میں تھا کہ میں شانتی کو بے حد پسند کرتا ہوں اسی لئے اس نے مجھ سے انتقام لینے کے لئے شانتی کو نواب صاحب اور راحت کے سپرد کردیا تھا تاکہ میں روحانی اذیت میں مبتلا رہوں اور سوائے تلملانے کے کچھ نہ کرسکوں۔ پھر حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا تھا کہ مجھے میرٹھ چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا۔ مگر اب صورت حال میرے حق میں تھی۔ اس وقت مہ پارہ نے مجھے میرٹھ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کردیا تھا اور اب میں نے اسے اس حال پر پہنچادیا تھا کہ سوائے فرار کے اس کے پاس کوئی اور صورت نہیں رہی تھی۔

ہمزاد کچھ ہی دیر میں تمام معلومات فراہم کرکے لوٹ آیا۔ ہمزاد نے مجھے جو کچھ بتایا اس نے مجھے مزید الجھن میں گرفتار کردیا۔ اور اب میرے لئے ضروری تھا کہ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے کوئی سبیل سوچوں۔ شانتی کے بارے میں سن کر مجھے دکھ ہوا تھا۔ ہمزاد کی اطلاعات کے مطابق واقعات اس طرح پیش آئے تھے کہ میرے میرٹھ چھوڑنے کے بعد مہ پارہ نے نواب صاحب کی حویلی سے دودھیا حصار اٹھالیا تھا۔ کیونکہ وہ مطمئن تھی کہ اب میں میرٹھ میں نہیں ہوں۔ راحت اور نواب صاحب کچھ دنوں شانتی سے کھیلتے رہے اور پھر جب ان کا دل بھر گیا تو انہوں نے اسے حویلی سے نکال دیا۔ وہاں سے نکل کر شانتی بے سہارا ہوگئی۔ اس حالت میں دیلی بازار میں بھی کسی طوائف نے اسے سہارا نہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حالت ابتر سے ابتر ہوتی گئی۔ پھر وہ وہیں دیلی بازار کی ایک گلی میں پڑرہی۔ حالات نے اسے طوائف سے بھکارن بنادیا۔ اس کے جسم پر چیتھڑے جھولنے لگے۔ اس کا خداداد حسن ماند پڑتا گیا۔ میرے ایک سوال کے جواب میں ہمزاد نے کہا۔

راحت کے بارے میں مزید معلوم ہوا کہ وہ قبلہ نواب صاحب ہی کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور کسی دور کے رشتے سے نواب صاحب کا عزیز ہے۔ یہ جاننے کی ضرورت ہمزاد کو اس لئے پیش آئی کہ نواب صاحب اپنی بیٹی نرگس سے اس کی شادی کرنے والے تھے۔ تعجب خیز بات یہ تھی کہ راحت کے بارے میں نواب صاحب یہ بھی جانتے تھے کہ وہ کس قدر عیاش اور آوارہ ہے لیکن اس کی بھی ایک وجہ تھی اور وہ وجہ میرے لئے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ ہمزاد نے بتایا کہ نرگس تقریباً تین مہینے کے حمل سے اور اس بات سے نواب صاحب آگاہ ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ وہ راحت کے ساتھ نرگس کی شادی کرکے انہیں کسی دوسرے شہر بھیج دیں۔ تاکہ ان کی عزت و آبرو برقرار رہے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ نواب صاحب کی لڑکی نے حرامی بچے کو جنم دیا ہے۔

میں نے ہمزاد سے دریافت کیا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ نرگس کا حمل ضائع کرادیا جائے۔ اس نے مجھے بتایا کہ نواب صاحب نے ایسی کوشش بھی کی تھی مگر پہلی بات تو یہ کہ بہت بعد میں یہ بات ان کے علم میں آئی۔ دوئم یہ کہ اس طرح نرگس کی جان کو خطرہ بھی لاحق ہوسکتا تھا۔ اسی لئے انہوں نے بہتری اسی میں سمجھی کہ اس کی شادی راحت کے ساتھ کردیں۔ جبکہ راحت بھی نواب صاحب کی اس بات سے متفق تھا۔ اس کے علم میں بھی تمام باتیں تھیں۔ مگر وہ اتنا بے ضمیر واقع ہوا تھا کہ نواب صاحب کی خوشنودی کی خاطر سب کچھ کرگزرنے پر تیار تھا یہاں تک کہ ایک حاملہ لڑکی سے شادی بھی اسے گوارہ تھی۔

اس زمانے میں تین ماہ کا حمل ضائع کرادینا آسان بات نہیں تھی۔ لیکن ہمزاد نے مجھے مشورہ دیا کہ ایسا اب بھی ممکن ہے۔ ہمزاد کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں بشرطیکہ میں اس پر تیار ہوجاؤں۔ میں نے کافی غور و خوص کے بعد ہمزاد سے کہا۔

"نواب صاحب کا منصوبہ یہ ہے کہ شانتی اس طرح دربدر بھٹک کر جان دے دے اور ان کی بیٹی عیش و آرام اور عزت کی زندگی گزارے۔ راحت بھی عیش میں رہے جس نے شانتی کی زندگی کو جہنم بنادیا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں! کسی قیمت پر نہیں۔" میں نے جوش میں آتے ہوئے کہا۔

"آپ جوش میں آکر بلند آواز میں بولنے لگے ہیں یہ نہ

بھولیئے کہ اس حویلی کے چاروں طرف پولیس موجود ہے۔" ہمزاد نے مجھے ٹوکا "اگر انہیں کسی طرح کا شک و شبہ ہوگیا تو مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔"

ہمزاد کی بات سن کر مجھے بھی خطرے کا احساس ہوا۔ اس مرتبہ میں نے نسبتاً دھیمی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"میں اب دوسری غلطی جانتے بوجھتے نہیں کرسکتا۔ میں تمہاری بات سے قطعی متفق ہوں کہ نرگس کا حمل ضائع کردیا جائے۔ دوسری بات یہ بہت ضروری ہے کہ نرگس اور راحت کی شادی نہ ہونے پائے کیونکہ یہ سراسر ظلم ہے۔ ایسے حالات پیدا کرو کہ یہ شادی فوراً رک جائے' راحت اگر شادی کرے گا تو صرف شانتی سے' کسی اور سے نہیں" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میری نظر میں یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ شادی میں ابھی ایک ہفتہ ہے۔ ہمارے پاس بہت وقت ہے جبکہ اس کام کے لئے صرف ایک دن بھی کافی ہے" ہمزاد نے کہا۔

"تو پھر وہ دن' آج کا دن ہی کیوں نہ ہو۔"

"بہتر ہے جو آپ کا حکم' میں ابھی روانہ ہوا جاتا ہوں" ہمزاد یہ کہہ کر غائب ہوگیا۔

ہمزاد یہ سب کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرے گا اس سلسلے میں نہ تو میں نے ہی ہمزاد سے کچھ پوچھا تھا اور نہ اس نے بتایا تھا۔

اسی وقت مجھے جبار کی آواز سنائی دی جو برابر والی مسہری پر نیم دراز تھا۔

"کیا نیند نہیں آرہی ہے؟"

"میرا ذہن چند معاملات میں الجھا ہوا ہے" میں نے جواب دیا اور اسے کچھ دیر پہلے دیکھے ہوئے واقعات بتانے لگا۔ جبار پر اب میرا اعتماد دن بہ دن بڑھتا جارہا تھا جب سے اس کے علم میں یہ آیا تھا کہ میری بائیں ٹانگ دو جگہ سے ٹوٹ چکی ہے وہ ہر وقت میری دلجوئی کی کوشش کیا کرتا تھا۔ وہ ہر طرح میرا خیال رکھتا کہ کہیں مجھے اپنے اپاہج ہونے کا احساس نہ ہو۔ وہ سہارا دے کر مجھے غسل خانے لاتا لے جاتا۔ ہرچند کہ ہمزاد نے میرے لئے بیساکھیاں فراہم کردی تھیں مگر احتیاطاً میں انہیں استعمال نہیں کرتا تھا کہ کہیں ان کی کھٹ کھٹ کی آواز حویلی کے اطراف متعین پولیس کو ہماری طرف متوجہ نہ کردے۔

ہمزاد اب تک نہیں لوٹا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اپنا پہلا منصوبہ پورا کرنے کے بعد اب اپنے دوسرے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے میں لگا ہوا ہوگا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کرکے ہمزاد کا تصور کیا۔ اس مرتبہ مجھے وہ دیلی بازار کی ایک گلی میں نظر آیا۔ اسی کے ساتھ میری نظر راحت پر اور پھر اس چہرے پر پڑی جسے میں پہلی نظر میں پہچان نہ پایا۔ وہ پھول سا چہرہ کمہلا گیا تھا۔ وقت کی گرد نے شانتی کے چہرے کی ساری کشش چھین لی تھی۔ میں حیران حیران سا یہ منظر دیکھتا رہا۔ یہ منظر واقعی عجیب تھا۔ راحت کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے اور وہ ایک پھٹی ہوئی بوری پر شانتی کے قریب بیٹھا ہوا اس سے معافی مانگ رہا تھا۔

"تمہیں میرا بننے کے لئے صرف اپنے مذہب کی قربانی دینی ہوگی۔" راحت نے رقت بھرے لہجے میں کہا۔

"میرا کوئی مجب (مذہب) ہی کب ہے بابو! تو جو کہے گا کروں گی' شانتی بھی سسکتی ہوئی بولی۔

میں سمجھ گیا کہ اس وقت راحت پر ہمزاد مسلط ہے وہ اپنی مرضی سے نہ کچھ سوچ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے۔ کتنا عجیب ہے یہ سب کچھ' میں سوچنے لگا اور توجہ کی کمی کے سبب میرے تصور کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں نے دوبارہ اسے قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ہمزاد اس وقت تک راحت کا پیچھا نہیں چھوڑے گا جب تک شانتی کے ساتھ اس کا نکاح نہ پڑھوادے۔ بعد میں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں تھی کیونکہ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ہمزاد میں یہ صفت بھی موجود ہے کہ وہ کسی کے بھی دل میں کسی کے خلاف نفرت یا محبت پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یقیناً وہ راحت کے دل میں شانتی کی محبت پیدا کردے گا تاکہ وہ ہمزاد کے سحر سے آزاد ہونے کے بعد اسے ٹھکرا نہ دے۔

یہ سب دیکھ کر میرے دل کو ایک عجیب اطمینان اور سکون حاصل ہوا تھا۔ ایک ایسا سکون جو مجھے اس سے پہلے کبھی میسر نہ آیا تھا۔ میں کافی دیر تک اسی کیفیت میں آنکھیں بند کئے لیٹا رہا۔ اعصاب کا تناؤ اب بہت حد تک کم ہوچکا تھا۔ جیسے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

دوپہر کے بعد ہمزاد واپس آگیا ساتھ ہی ہم دونوں کے لئے کھانا لانا بھی نہیں بھولا تھا۔ مگر کھانے پر نظر پڑتے ہی میں چونک اٹھا۔

"اتنا سارا کھانا؟ آج یہ تم خلاف معمول اس قدر کھانا کیوں لے آئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جتنا کھایا جائے کھالیجئے باقی چھوڑ دیجئے گا۔ دراصل راستے میں آتے آتے مجھے ان کمبخت پولیس والوں پر تاؤ آگیا جو حویلی کے آس پاس دھرنا دے کر بیٹھ گئے ہیں۔ میں نے سوچا آج ان

کیونکہ بس کو بھوکا مارا جائے۔ وہ کھانا کھانے بیٹھنے ہی والے تھے کہ میں نے ان کے کھانے پر ہاتھ صاف کر دیا۔"

ہمزاد کی بات سن کر میں اور جبار ہنسنے لگے اور اسی طرح اگلا دن بھی ایسی ہی خوش فعلیوں میں گزرا۔ اگلے دن ہمزاد نے مجھے بتایا کہ نواب صاحب قبلہ سخت پریشان ہیں۔ انہیں راحت سے ایسی امید نہیں تھی۔ دوسری طرف راحت کے گھر والے اس کی حرکت پر سخت برگشتہ ہیں مگر مجبور ہیں کیونکہ راحت اب باقاعدہ شانتی سے نکاح کر چکا ہے۔ انہوں نے اب شانتی کا نام بدل کر شکیلہ رکھ دیا ہے۔ میں یہ سب سن کر بہت خوش ہوا۔ اب جبار کا ہمزاد بھی تقریباً ٹھیک ہو چکا تھا۔ اس لئے میں اپنے ہمزاد کو مہ پارہ کی تلاش میں روانہ کر سکتا تھا۔ اب مسئلہ صرف یہ تھا کہ جبار کا ہمزاد ٹھیک ہونے کے بعد دوبارہ اسے نہ سونے دے گا۔ یہ بات پہلے ہی میں سوچ چکا تھا اس لئے اس وقت بھی میں نے جبار کو سلایا ہوا تھا۔ ممکن تھا کہ آئندہ رات یا اس کے بعد آنے والی رات کو اسے جاگتے رہنا پڑے۔ میرے اور ہمزاد کے اندازے کے مطابق کل صبح تک جبار کا ہمزاد پوری طرح قابل عمل ہو سکتا تھا۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی میرا ہمزاد اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ جلد از جلد لوٹنے کی کوشش کرے گا اور یہی ہوا بھی۔ وہ دوپہر سے کچھ دیر پہلے ہی واپس آ گیا۔ میں نے اس کے چہرے سے اندازہ لگایا کہ وہ کامیاب لوٹا ہے۔

"بہت طویل سفر کرنا پڑا۔" ہمزاد نے کہا "مگر میں آخر کار اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔" میں سانس روکے ہمزاد کی بات سنتا رہا۔ وہ پھر بولا "مہ پارہ کلکتہ جا پہنچی ہے۔ اب کہئے کیا ارادے ہیں؟" وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کرنا کیا ہے بس اب چلنے کی تیاری کرو۔ وہ دنیا کے کسی کونے میں چھپ جائے مگر میں اسے کسی قیمت پر معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اسے بہر حال شیخ کرامت کے آگے سر جھکانا پڑے گا۔" میں جوش میں آ گیا۔

اسی رات میرٹھ سے چلنے کا پروگرام بنا لیا گیا۔ طے پایا تھا کہ اندھیرا پھیلتے ہی یہاں سے کلکتے کے لئے روانہ ہوا جائے۔ ہمزاد کا مشورہ یہ تھا کہ میرٹھ سے کم از کم غازی آباد تک دونوں ہمزاد مجھے اور جبار کو بغیر کسی سواری کے لے جائیں۔ اس کے بعد بقیہ سفر ٹرین سے کیا جائے۔ غازی آباد دہلی کے بعد پڑنے والا ایک ویران سا اسٹیشن تھا۔ جہاں ٹرین مشکل سے دو منٹ ٹھہر کر کلکتے کے لئے روانہ ہو جاتی تھی۔ ہمزاد نے یہ مشورہ اس لئے دیا تھا کہ میں زخمی حالت میں تھا اور میرے لئے زیادہ طویل سفر بغیر کسی سواری کے نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ حالانکہ یہ بھی ممکن تھا کہ اسی رات ہمزاد مجھے اور جبار کو کلکتے پہنچا دیتا۔ لیکن میں نے اس کے مشورے کو اہمیت دی کیونکہ کئی موقعوں پر میں نے اس کی بات نہ مان کر نقصان اٹھایا تھا۔

اسی شام ایک اور حادثہ پیش آیا۔ میں جبار کا سہارا لئے غسل خانے سے نکل رہا تھا کہ ایک خنجر لہراتا ہوا آیا اور سامنے والے دروازے میں پیوست ہو گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ خنجر یقیناً سامنے والی حویلی کی چھت سے پھینکا گیا تھا۔ اس وقت میرا ہمزاد رات کا کھانا لینے گیا ہوا تھا۔ جبار کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ مجھے لے کر جلدی سے صحن عبور کر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اسی کمرے کے دروازے کی اوپری چوکھٹ میں وہ خنجر پیوست تھا۔ میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا کہ اس خنجر کے ساتھ کوئی کاغذ بھی تھا۔

میں نے مسہری پر لیٹتے ہی جبار سے کہا کہ وہ خنجر چوکھٹ سے کھینچ لائے۔ وہ ڈرا ڈرا سا کمرے سے باہر نکلا۔ اب اس کے ہاتھ خنجر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی۔ خیر کسی طرح وہ خنجر اور اس کے دستے پر لپٹا ہوا کاغذ لے کر میرے پاس آ گیا۔ میں نے بے تابی سے خنجر سے لپٹا ہوا کاغذ کھولا اور پڑھنے لگا۔ اس میں لکھا تھا۔

شیخ کرامت!

ہم واقف ہیں کہ تم پولیس اور ملٹری سے بچ کر یہاں چھپے ہوئے ہو۔ اگر ہم چاہتے تو پولیس یا ملٹری کو تمہارے اور جبار کے بارے میں مطلع کر سکتے تھے مگر ہم نے دانستہ ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اس بات سے بھی آگاہ ہیں کہ تم لوگوں کے پاس یقیناً کچھ مافوق الفطرت قوتیں ہیں۔ تم لوگ یقیناً پھر پولیس یا ملٹری کو دھوکا دے کر صاف نکل جاتے۔ جس کا مظاہرہ ہم لوگ خود ایک مرتبہ دیکھ چکے ہیں۔ اس وقت جب جبار نے خود کو ملٹری کی قید سے آزاد کرایا تھا۔ ہم بخوبی جانتے ہیں اور اس سلسلے میں پوری تحقیقات کر چکے ہیں کہ تم دونوں کا تعلق کسی بھی ایسی خفیہ تحریک یا تنظیم سے نہیں جو انگریزوں کے خلاف پوشیدہ طور پر کام کر رہی ہے۔ فی الوقت ہم اپنے ان ذرائع کا اظہار نہیں کرنا چاہتے جن کے ذریعے ہمیں یہ پتا چلا کہ تم دونوں کہاں چھپے ہوئے ہو۔ ہم یہ بھی بتا دیں کہ ہم نے یہ خنجر سامنے والی حویلی کی چھت سے تمہاری حویلی میں پھینکا ہے۔ لیکن اگر تم حویلی والوں سے کسی بھی طرح اس کے بارے میں استفسار کرو گے تو وہ کچھ بھی نہ بتا سکیں گے۔ وہ خود اس واقعے سے بے خبر ہیں اور

ان کا ہماری تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔ ویسے بھی تم اس صورت حال میں نہیں کہ ان سے پوچھ گچھ کر سکو۔ لیکن ہم نے صرف تمہاری اطلاع کے لئے یہ تحریر کیا ہے۔ ہم تمہارے دشمن نہیں دوست ہیں۔ اس کا کھلا ثبوت یہی ہے کہ تم اس وقت بھی حویلی میں موجود ہو۔ ہم اپنے بارے میں مختصراً اتنا لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہمارا تعلق ایک ایسی ملک گیر خفیہ تنظیم سے ہے جو انگریزوں کے ناپاک وجود کو اس سرزمین سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے اب تک لاتعداد قربانیاں دی ہیں اور آئندہ بھی اس کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ہم تم لوگوں سے بھی دوستی اور بھرپور تعاون کے خواہش مند ہیں۔ اگر تم ہمارے اس نیک اور عظیم مقصد سے متفق ہو اور ہر طرح ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہو تو کل شام اسی وقت یہ خنجر اسی چوکھٹ میں پیوست کر دینا جہاں سے آج اسے نکالا ہے۔ اس کے بعد ہم تم سے رابطہ پیدا کر لیں گے۔

(ایک محب وطن)

میں نے پورا خط پڑھ لیا۔ اس خط نے مجھے متاثر کیا تھا۔ میں نے خط جبار کی طرف بڑھا دیا۔ جب وہ خط پڑھ چکا تو میں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ مجھے اس پر ایسے تاثرات نظر نہ آئے جن سے یہ اظہار ہوتا کہ وہ بھی میری طرح اس تحریر سے متاثر ہوا ہے۔ اس کا ردعمل یہ تھا جیسے اس کی نظر میں یہ کوئی خاص بات نہ ہو۔ میں نے اس سے پہلے کبھی اس نہج پر سوچا ہی نہیں تھا۔ جبار نے خط مجھے واپس کر دیا اور اسی عرصے میں ہمزاد کھانا لے کر آ گیا۔ میں نے اسے بھی وہ خط دکھایا۔ جب وہ خط دیکھ چکا تو میں نے اس سے کہا۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے کہ میں ان لوگوں کے خیالات سے پوری طرح متفق ہوں مگر مسئلہ صرف کل شام کا ہے۔ جبکہ ہمیں آج ہی رات ہر قیمت پر یہاں سے کلکتے کے لئے روانہ ہو جانا ہے۔"

"اگر آپ واقعی ان لوگوں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں تو ان سے رابطہ پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس کے لئے میں جو موجود ہوں۔ لیکن فی الحال دوسرا مسئلہ درپیش ہے ہمیں پہلے کلکتے پہنچ کر مہ پارہ سے نمٹنا ہے اس کے بعد ہی کچھ سوچا جا سکتا ہے" ہمزاد نے کہا۔

ہمزاد نے میری مشکل حل کر دی تھی۔ میں نے اس کی بات سے اتفاق کیا لیکن میں یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے مجھے خط لکھا ہے۔ ان کے علم میں کم از کم یہ بات آ جائے کہ میں ان سے پوری طرح متفق ہوں۔ اس کے بعد مہ پارہ سے نمٹ کر ہمزاد کے ذریعے میں جب چاہوں گا ان سے رابطہ قائم کر لوں گا۔ اسی لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ خط کی ہدایت کے مطابق خنجر دروازے کی اوپری چوکھٹ میں پیوست کرنے کے بعد یہ حویلی چھوڑ دی جائے گی۔ اور یہ کام میں نے اس وقت کے لئے اٹھا رکھا جب رات کے وقت ہمیں یہاں سے چلنا تھا۔

ابھی میرے سامنے کئی مسئلے تھے۔ مہ پارہ سے نمٹنے کے بعد سب سے پہلے مجھے اپنی ٹانگ کے علاج کی فکر تھی جسے وقتی طور پر ہمزاد نے ایسا کر دیا تھا کہ اب مجھے وہ برابر تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ البتہ میں اسے استعمال کرنے سے قاصر تھا۔

تقریباً نصف شب کے بعد ہم حویلی سے روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل میری ہدایات پر جبار نے وہ خنجر دروازے کی چوکھٹ میں پیوست کر دیا تھا اور احتیاطاً اس خط کو جلا دیا تھا جو اس خنجر کے ساتھ ہمیں موصول ہوا تھا۔ تاکہ آئندہ کسی موقع پر یہ خط پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ جب ہم روانہ ہوئے تو پورے شہر پر سناٹا طاری تھا۔ کبھی کبھار کسی چوکیدار کی صدا ضرور سنائی دے جاتی تھی یا کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سکوت شب کو مجروح کر دیتی تھیں۔ کیونکہ سفر طویل تھا اور ہمیں دہلی سے بھی آگے غازی آباد پہنچنا تھا اس لئے احتیاط کے پیش نظر ہمزاد نے مجھے اور جبار کو بے ہوش کر دیا۔

میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ٹرین میں پایا۔ میرے برابر والی برتھ پر جبار موجود تھا اور اب تک غالباً بے ہوش تھا۔ اس کا ہمزاد اس پر جھکا ہوا شاید اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ اس کا جسم خود بخود کئی دفعہ ہلا تھا۔ چند ہی لمحے بعد ہی اس نے بھی آنکھیں کھول دیں اور غالباً اسے بھی میری طرح اپنے ٹرین میں ہونے پر حیرت ہوئی تھی اس کے چہرے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ میری نظر اپنے ہمزاد پر پڑی۔ میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وہ بولا۔

"غازی آباد پہنچتے پہنچتے دراصل اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ ہم آپ دونوں کو ہوش میں لاتے پھر گاڑی میں سوار کراتے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو گاڑی آخری سیٹی دے کر چل پڑی تھی۔ جب گاڑی کچھ اور آگے نکل گئی اور ویران علاقہ شروع ہو گیا تو ہم نے فرسٹ کلاس کے اس ڈبے میں آپ کو پہنچا دیا۔ آپ دونوں کے ٹکٹ، کپڑے اور ضروری سامان ان دونوں سوٹ کیسوں میں موجود ہے جو اوپر رکھے ہیں۔ ہم نے آپ دونوں کو اسی وقت بیدار کیا ہے جب ہم مکمل انتظام کر چکے ہیں۔ اب فکر کی کوئی بات نہیں۔"

چار دن کے طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد ہم سحر فسوں کے سرزمین بنگال کی حدود میں داخل ہوئے۔ وہ بنگال

جس کے بارے میں، میں نے بچپن سے عجیب وغریب کہانیاں سنی تھیں۔ جس کے قدیم باشندوں کے بارے میں ناقابل فہم اور پراسرار داستانیں مشہور تھیں۔ جن پر میں نے کبھی یقین نہیں کیا۔ مگر بعد میں پیش آنے والے واقعات نے مجھ پر ان کی صداقت روشن کردی۔ میں اس سرزمین پر نہایت پراسرار اور عجیب حالات سے دوچار ہوا جن کا تذکرہ میری سرگزشت میں آگے چل کر آئے گا۔ ان چار دنوں میں جبار کا جاگ جاگ کر برا حال ہوچکا تھا۔ اس کے ہمزاد نے حسب عادت اسے ایک لمحے کو آنکھ نہ جھپکنے دی تھی۔

جب گاڑی ہاوڑہ اسٹیشن پر رکی تو میری جان میں جان آئی۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں جبار نیند کی جھونک میں کوئی غلط حرکت نہ کردے۔ میں بیساکھیوں کے سہارے ٹرین سے اترا۔ میں اپنی زندگی میں پہلی بار کلکتہ آیا تھا اور غالباً جبار بھی۔ لیکن ہمزاد مجھے راستے ہی میں سب کچھ بتاچکا تھا کہ ہمیں کہاں ٹھہرنا ہے اور کیا کرنا ہے؟ اب ہم ایک طرح سے خطرے کی حدود میں داخل ہوچکے تھے۔ ہمیں یہاں قدم قدم پر محتاط رہنا تھا۔ ہمارا اٹھایا ہوا کوئی بھی غلط قدم ہمیں بھیانک نتائج سے دوچار کرسکتا تھا کیونکہ ہمارے علم میں تھا کہ اگر مہ پارہ نے کسی بھی طرح یہاں کی پولیس کو ہمارے پیچھے لگادیا تو ہمارے لئے مصیبتیں کھڑی ہوجائیں گی۔ اس لئے پروگرام ایسا بنایا گیا تھا کہ مہ پارہ کو سنبھلنے کا موقع نہ ملے اور نہ ہی وہ یہاں سے کہیں اور فرار ہونے میں کامیاب ہوسکے۔ ہمارے پروگرام میں صرف ایک بات مانع تھی وہ یہ کہ ہمیں بہرحال ایک پورا دن کلکتہ میں خاموشی کے ساتھ گزارنا تھا اور رات کے وقت اس پر حملہ کرنا تھا۔ اگر کسی طرح اس نے یہ پتا چلالیا کہ ہم یہاں تک پہنچ چکے ہیں یا اسے ہمارا خیال آگیا تو معاملہ بگڑ سکتا ہے۔ ہمزاد اس پر بے خبری میں حملہ کرنا چاہتا تھا مگر شاید تقدیر ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ ہم ٹرین سے اتر کر سارے دن لوئر چیت پور روڈ کے ایک مسافر خانے میں آرام کرتے رہے۔ رات کے وقت ہمزاد نے بتایا کہ ابھی تک مہ پارہ ہم لوگوں کے طرف سے لاعلم ہے۔ حالانکہ اس کی پھوپھی یعنی طبیب خاص ارشاد احمد خاں کی چھوٹی بہن عرفانہ کا فلیٹ بھی لوئر چیت پور روڈ ہی پر تھا جہاں مہ پارہ ٹھہری ہوئی تھی۔

رات ہوتے ہی دونوں ہمزاد ہمیں خاموشی سے مسافر خانے سے نکال لے گئے۔ اس مرتبہ میں نے احتیاطاً جبار کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی ہم ایک فلیٹ کی گیلری میں تھے۔ میرے پاس اس وقت بھی بیساکھیاں موجود تھیں اور جبار بھی پوری طرح میری خبر گیری کررہا تھا کہ کہیں میں کسی چیز سے الجھ کر گر نہ پڑوں مگر ایسا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہی تھی کہ مہ پارہ تنہا ہمیں ایک کمرے میں مل گئی جس کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہی ملے کمرے میں شمع دان روشن تھا۔ آج زندگی میں پہلا موقع تھا کہ میں نے مہ پارہ کو خوابیدہ حالت میں دیکھا ورنہ ہر بار وہ مجھے جاگتی ہوئی ملی تھی۔ شاید یہی اس کی بد نصیبی تھی۔ دونوں ہمزاد کمرے میں داخل ہوچکے تھے پھر اچانک ہی مجھے ایسا لگا کہ بجلیاں سے کوند گئی ہوں۔ لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔ کافی دیر کمرے میں یہ تماشا جاری رہا اور ہم دونوں سہمے ہوئے کھڑے رہے۔ پھر انہی بجلیوں کا ایک جال سا مہ پارہ کی مسہری پر محیط ہوگیا۔ ایسا ہوتے ہی وہ ایک دم سوتے سوتے اچھل پڑی اور کھوئی کھوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس نے ایک بار اٹھنا چاہا مگر روشنیوں کے جال سے ٹکرا کر پھر بستر پر گر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"شیخ تم نے .... تم نے یہ بہت برا کیا .... بہت ...." آواز کچھ زیادہ بھرانے کے سبب اس کا فقرہ ادھورا ہی رہ گیا۔

میں فتح و کامرانی کے نشے میں چور اس مغرور اور سرکش مہ پارہ کی شکست کا نظارہ دیکھ رہا تھا جس نے میری زندگی اجیرن کردی تھی۔ یہ خیال آتے ہی جیسے میرے سارے زخم ہرے ہوگئے۔

"تم کہتی ہو میں نے برا کیا۔ تم وہ دن بھول گئیں جب تم نے کہا تھا کہ شیخ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ اس کے بعد تم نے مجھے پے درپے دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کرکے میرٹھ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کردیا تھا اور اس وقت سے اس دن تک جب تم نے مجھے آخری بار اپنے فریب میں مبتلا کیا۔ کیا کیا قیامتیں مجھ پر گزر گئیں مگر میں نے تم سے کبھی گلا نہیں کیا کہ تم نے میرے ساتھ برا کیا۔"

میری بات سن کر مہ پارہ کا جھکا ہوا سر اٹھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں عجیب سے بے بسی تھی۔ پھر وہ بولی اس بار اس کی آواز میں بھراہٹ نہیں تھی۔

"تم نے مجھ پر بے خبری میں حملہ کیا۔ میں جانتی ہوں کہ اگر روشنیوں کا یہ جال صبح تک مجھ پر محیط رہا تو میری ساری قوتیں سلب ہوجائیں گی۔" پھر اس کی آواز میں ایک دم سختی آگئی "مگر میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی کیونکہ میں نے بھی کبھی تم پر رحم نہیں کیا۔ یہ میرا اپنا ہی قصور ہے۔ اگر آج بھی میں اپنی عبادت میں مصروف ہوتی تو تم کبھی مجھ پر قابو نہ پاسکتے۔ میری عبادت کا مطلب غالباً تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔"

"تمہاری عبادتوں اور ریاضتوں سے میں بخوبی واقف ہوں

مجھے یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری رگ رگ پہچانتا ہوں اور اسی کا نتیجا ہے کہ آج میں نے تمہاری سرکشی پر قابو پالیا" میرے لہجے میں طنز تھا جسے مہ پارہ نے بھی بخوبی محسوس کیا۔

"تو پھر جاؤ جشن مناؤ کہ تم نے مہ پارہ کو شکست دے دی۔ امیدا کی بیٹی تم سے ہار گئی ...... ہار گئی" یہ کہتے کہتے وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اسی وقت ہمزاد نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ اب ہمیں کل صبح تک انتظار کرنا تھا۔ اس صبح کا انتظار جب مہ پارہ کی تمام حیرت انگیز قوتیں مفلوج ہوجاتیں اور میرا ہمزاد اس کے وجود سے پراسرار بجلیوں کے جال کو ہٹالیتا۔ پھر اس صبح کے بعد مجھے آنے والی رات کا بھی انتظار کرنا تھا، اس رات کا جس کے دامن میں میری تشنہ آرزوئیں سیراب ہوتیں۔ میں بیساکھیوں کے سہارے بہت آہستہ آہستہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جبار اب تک مبہوت سا مہ پارہ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس وقت مہ پارہ کی اور اس کی نظریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ میرے ہمزاد نے اس کا شانہ ہلایا اور وہ جیسے کسی خواب سے چونک اٹھا۔ وہ کمرے سے نکلتے نکلتے بھی پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا جارہا تھا۔ اس نے مہ پارہ کو پہلی بار دیکھا تھا اور پہلی بار دیکھ کر تقریباً میری بھی یہی حالت ہوئی تھی جو اس وقت جبار کی تھی۔ مہ پارہ واقعی اتنی حسین تھی کہ آدمی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ دونوں ہمزاد ہمیں پھر مسافر خانے میں لے آئے وہ تمام رات میں نے مہ پارہ کے حسین تصور میں گزار دی۔ رہ رہ کر اس کا سراپا میری آنکھوں میں گھومتا رہا۔ وہ ایک ایک منظر مجھے یاد آیا جب جب میں نے اس کے قیامت خیز حسن کو اس عالم میں دیکھا تھا جس کے بعد کوئی عالم نہیں ہوتا۔ جہاں حجابات کے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں، جہاں صرف بے خودی اور سرشاری رہ جاتی ہے۔ کسی ایسے ہی حسن مکمل کو دیکھ کر آدمی سوچنے لگتا ہے کہ جس فن کار نے یہ حسن تخلیق کیا ہے، اس نے صدیوں اسے سوچا ہوگا۔ میں اس رات آنے والے رومان انگیز خیالات میں محو تھا اور اسی میں صبح ہوگئی۔

صبح ہوتے ہی ہمزاد نے کولوٹولہ اسٹریٹ میں ایک فلیٹ کا انتظام کردیا اور ہم منہ مانگی پگڑی دے کر مسافر خانے سے اس فلیٹ میں منتقل ہوگئے۔ وہ پورا دن میں نے کس طرح گزارا یہ میرا ہی جی جانتا ہے۔ میری کیفیت ایک ایسے شخص کی سی تھی جو دریا کے کنارے پیاسا کھڑا ہو اور اسے یہ اجازت نہ ہو کہ وہ اپنی تشنہ لبی دور کرسکے۔ ہجر کے طویل اور تھکا دینے والے لمحات کے بعد اب وہ رات آنے والی تھی جو میری امنگوں اور آرزوؤں میں کچھ نئے رنگوں کا اضافہ کردے گی۔ جو میرے زخم کا مرہم بنے گی۔ ساری کلفتیں اور مصیبتیں، سارے رنج وملال جیسے اس آنے والی رات نے ذہن سے محو کردئے تھے۔ میں نے ان لمحات کی کیفیت شاید پوری طرح بیان نہیں کی۔ اگر میں اپنے محسوسات کو لفظوں میں منتقل کرسکتا۔ اگر میں اپنے جذبوں کو پیرہن عطا کرنے پر قادر ہوتا تو شاید لفظوں کے معنی بدلنے پڑتے۔ مجھے اپنی کیفیت بیان کرنے کے لئے لفظ تلاش کرنے پڑتے اور شاید .... شاید پھر بھی لفظ میرا ساتھ نہ دے پاتے۔ مجھے اب صرف اتنا یاد رہ گیا ہے کہ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی کا اتنی شدت سے انتظار نہیں کیا۔ جتنا میں نے اس رات کا انتظار کیا۔ وہ رات جو مہ پارہ کو شکست سے ہمکنار کرے گی۔

میں سفر ہی کے دوران میں ہمزاد سے یہ بھی دریافت کرچکا تھا کہ جب مہ پارہ کی قوتیں سلب ہوجائیں گی تو کیا وہ پھر بھی اتنی ہی حسین ودلکش رہے گی۔ ہمزاد نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا حسن صرف اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک وہ مدت پوری نہیں ہوجاتی جس کے لئے اس نے عمل کیا ہے۔ یہ میرے علم میں تھا کہ ابھی اس مدت کے پورا ہونے میں تقریباً سات آٹھ مہینے تھے۔ جس وقت اس نے اپنا عمل شروع کیا تھا میں میرٹھ ہی میں موجود تھا اور میں نے ہمزاد سے اس پر کئی بار حملے بھی کرائے تھے مگر میں اس کے عمل میں رکاوٹ نہ ڈال سکا تھا۔

رات ہوتے ہی میں نے ہمزاد کو طلب کیا اور بے تابی سے بولا۔

"اسے لے آؤ! اس قرار جاں کو لے آؤ۔ میں اب بغیر اس کے ایک لمحے بھی نہیں رہ سکتا۔"

"میری موجودگی میں تم ایسا نہیں کرسکتے۔ اس پر میرا حق ہے کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں کل رات ہی اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں" یہ آواز جبار کی تھی جس کے وجود کو میں نے فراموش ہی کردیا تھا۔

"جبار! ہوش میں آؤ، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم شیخ کرامت سے ہمکلام ہو؟" میں چیخا۔

"ہاں مجھے علم ہے مگر تمہارا اور میرا معاملہ مختلف ہے تم صرف ایک بوالہوس ہو اور میں اس سے عشق کرتا ہوں۔ تم مجھ پر ظلم نہیں کرسکتے۔"

"بکواس مت کرو ورنہ ....." میں اتنی زور سے چیخا کہ مجھے کھانسی آگئی۔

"ورنہ کیا؟ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جو قوت تمہارے

پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے" جبار نے طیش میں آ کے کہا۔
"کیا تمہیں اپنے الفاظ کے معنی معلوم ہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟..... تم..... تم..... شیخ کرامت سے ٹکرانے کی کوشش کر رہے ہو" میں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔
"میں نے جو کچھ کہا ہے میں بخوبی اس کے معنی جانتا ہوں۔ میں ہرگز ہرگز مہ پارہ کو تمہاری بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا" جبار نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"احسان فراموش!" میں آخری مرتبہ پوری قوت سے چیخا اور پھر ایک دم اپنے ہمزاد سے مخاطب ہوگیا تاکہ اسے جبار کی دھجیاں اڑا دینے کا حکم دوں۔
لیکن اس سے پہلے کہ میں ہمزاد کو کوئی ایسا حکم دے سکتا مجھے اس کی سرد آواز سنائی دی جس نے میرے تن بدن میں آگ لگادی۔
"جبار صحیح کہتا ہے اسے واقعی مہ پارہ .... سے عشق ہے۔ آپ کو اس کے حق میں دست بردار ہو جانا چاہئے۔"
"میں نے اس سلسلے میں تم سے کوئی مشورہ طلب نہیں کیا" میں نے انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا "میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس احسان فراموش کی دھجیاں بکھیر دو۔"
"آپ غلطی پر ہیں" مجھے ہمزاد کی آواز میں حکم عدولی کا عنصر نظر آیا۔
یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہمزاد بھی سرکشی پر آمادہ نظر آرہا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی میرے کسی حکم کو ماننے سے اجتناب نہیں کیا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میری بے بسی پر جبار مسکرا رہا تھا۔ میرے لئے اب مزید برداشت کرنا مشکل تھا۔ میں ہمزاد پر برس پڑا۔
"میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ غلط اور صحیح کا فیصلہ کرو۔"
"مگر میں مجبور ہوں" ہمزاد نے جواب دیا۔
"تمہیں کس نے مجبور کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"میری صداقت نے" ہمزاد بولا۔
"بکو مت!" مجھے اب ہمزاد پر بھی شدت سے غصہ آگیا تھا۔
اسی وقت مجھے جبار کی آواز سنائی دی وہ مجھ سے مخاطب تھا۔
"میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میرے اور تمہارے راستے اب مختلف ہو چکے ہیں۔ میں اسی وقت یہ جگہ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم مہ پارہ کو اپنی ہوس کی آگ میں نہ جلا پاؤ گے۔ وہ میری ہے اور میری رہے گی کیونکہ تمہارے مقابلے پر میرا جذبہ صادق ہے۔"
"میں پتھر سا بنا اس کی باتیں سنتا رہا۔ سوٹ کیس اٹھا کر فلیٹ سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا جیسے یہ سب کچھ حقیقت نہ ہو کوئی نہایت تکلیف دہ خواب ہو۔ میں نے خود کو اتنا بے بس اور لاچار کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔
جبار چلا گیا تو میں ایک دم چیخ پڑا۔
"اب تم دفع ہو جاؤ۔"
ہمزاد جواب تک میرے سامنے مودب کھڑا تھا۔ میرا یہ فقرہ سنتے ہی غائب ہوگیا۔
میری دنیا اندھیر ہو چکی تھی۔ ہمزاد ہی میرے لئے سب کچھ تھا اور آج اس نے پہلی مرتبہ میرا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ میرے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کیا ہو سکتی تھی' اچانک منزل میرے قریب آکر بہت دور ہو گئی تھی۔ اتنی دور جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ سب کچھ بس اچانک اور دیکھتے ہی دیکھتے ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی روح جھلستی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ بار بار میری آنکھوں میں مہ پارہ کا چہرہ گھومتا اور تلملا کر رہ جاتا۔
میں کافی دیر تک کمرے میں بے چینی سے ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تھا میرے اعصاب ٹوٹنے لگے تھے۔ آخر میں تھک کر بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ نہ جانے کب تک میں اندر ہی اندر سلگتا رہا۔ اپنی مجبوری اور بے بسی پر نہ جانے کب تک میں بلکتا رہا اور نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔
کسی نے میرا بازو پکڑ کر ہلایا تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری نظر ہمزاد پر پڑی اور میں نے اس کی طرف سے منہ پھیر کر انتہائی غصے اور نفرت سے کہا۔
"میں نے تو تمہیں نہیں بلایا۔ پھر تم کیوں آئے ہو۔ چلے جاؤ یہاں سے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"
"میں آپ کے حکم پر ایسا بھی کر سکتا ہوں مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ مجھے جبار کے بارے میں آپ کا حکم مطلوب ہے۔" ہمزاد نے کہا۔
"مجھے اب نہ کسی جبار سے دلچسپی ہے اور نہ اس کے بارے میں کسی بات سے" میں نے جواب دیا۔
"کیا آپ اس کی احسان فراموشی بھول گئے؟"
"نہیں مجھے سب کچھ یاد ہے۔ اس کی احسان فراموشی بھی اور تمہاری حکم عدولی بھی" میرے لہجے کی چبھن کو ہمزاد نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ لیکن میں اس کی پروا کئے بغیر کہتا گیا "کیا اب بھی تمہارے پاس کوئی ایسا نشتر باقی ہے جو تم نے میری روح میں نہ چبھویا ہو۔ بولو جواب دو۔ سر جھکائے کیوں کھڑے ہو۔ کیا اب بھی میری بے عزتی میں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے جسے تم پورا کرنے آئے ہو؟"
"میں سخت نادم ہوں مگر مصلحت وقت کا تقاضہ وہی تھا جو میں نے کیا" ہمزاد نے جواب دیا۔
"تو میری بے عزتی میں مصلحت تھی" میرا پارہ چڑھنے لگا۔
"آپ ایک مرتبہ پوری بات سن لیں۔ پھر اس کے بعد آپ کو اختیار ہو گا کہ جو چاہے فیصلہ کریں۔" میں ہمزاد کی بات سن کر خاموش رہا۔ میں نے اس کی بات سننے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی لیکن یہ جاننے کے لئے ضرور بے تاب تھا کہ وہ کیا مصلحت تھی جس نے ہمزاد کو میرا حکم ماننے سے روکا۔ ہمزاد نے میرے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ میں اس کی بات سننے کا منتظر ہوں اس کے بعد وہ مجھے حالات سے آگاہ کرنے لگا۔
آپ کو غالبًا یاد ہو گا۔ جس رات ہم نے مہ پارہ پر حملہ کیا اور اس پر قابو پا لیا تھا تو وہاں سے لوٹتے وقت جبار اور مہ پارہ کی نظریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اور جبار مبہوت سا کھڑا ہوا تھا۔ پھر جب میں نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ جیسے کسی خواب سے چونک اٹھا تھا۔ وہ کمرے سے نکلتے نکلتے بھی پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ سب کچھ بے معنی نہیں تھا۔ مہ پارہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ اب وہ آپ سے مکمل طور پر شکست کھا چکی ہے لیکن اس نے بازی ہارتے ہارتے پھر ایک چال چل دی۔ اسے اگر کوئی ضد تھی تو صرف یہ کہ وہ آپ کے سامنے نہ جھکے۔ اسے علم تھا کہ اس پر دو ہمزادوں کی مدد سے قابو پایا گیا ہے۔ اس کی قوتوں کو تو خیر اب مسلوب ہونے سے نہیں بچایا جا سکتا تھا۔ مگر یہ ضرور ممکن تھا کہ وہ جبار کو اپنے دام حسن میں گرفتار کر کے آپ سے سرکشی پر آمادہ کر دے۔ جبار اس کے حسن سے اس حد تک متاثر ہوا کہ وہ آپ سے ٹکرانے تک پر آمادہ ہو گیا اور یہی مہ پارہ کا مقصد تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اگر میں اس وقت آپ کا حکم مان لیتا اور جبار کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تو کیا صورت حال پیش آتی۔ لیکن میں اس بات سے ضرور آگاہ تھا کہ ایسی صورت میں جبار اپنے ہمزاد کی مدد ضرور حاصل کرتا اور پھر کیا ہوتا یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ مہ پارہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔ ہو سکتا تھا کہ میں اور جبار کا ہمزاد دونوں آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جاتے اور نہ صرف جبار اپنے ہمزاد سے محروم ہو جاتا بلکہ آپ بھی میری غیر موجودگی میں بے دست و پا رہ جاتے اور یہ نتائج بڑے بھیانک ہوتے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اگر دو ہمزاد ایک جگہ موجود ہوں تو ایک دوسرے کی گفتگو سننے کے اہل ہو سکتے ہیں۔ جبار کے ہمزاد کی موجودگی میں' میں آپ کو ان تمام تفصیلات سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا اور ایسی صورت میں تو ہرگز نہیں جبکہ جبار سرکشی پر آمادہ تھا۔ میں نے بہت کم عرصے میں تمام حالات پر غور کیا اور فیصلہ کر لیا کہ اس وقت جبار سے ٹکرانا کسی بھی صورت میں ہمارے حق میں نہیں ہے۔ میں واقف تھا کہ آپ میری حکم عدولی پر سخت برہم ہوں گے لیکن میں آپ کی وقتی برہمی کو برداشت کرنے پر مجبور تھا۔ جبار کے ہمزاد نے جب اسے یہ بتایا کہ میں نے آپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے تو وہ مطمئن ہو گیا پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے یہاں نہیں رہنا چاہئے اور وہ اپنے ہمزاد کے ساتھ یہاں سے چلا گیا۔ میرا مقصد دراصل یہی تھا کہ جبار پر یہ ظاہر کر دوں کہ میں پیچھے ہٹ گیا ہوں تاکہ وہ آگے بڑھے اور اس کے آگے بڑھنے کا مطلب سوائے اس کی تباہی کے اور کچھ نہیں تھا۔ اتنے دن آپ کے ساتھ رہ کر جبار کو احساس ہو چکا تھا کہ وہ کتنی بڑی پراسرار قوت کا مالک ہے اور وہ اس سے کیا کیا کام لے سکتا ہے۔ یہاں سے نکل کر جبار نے اپنے ہمزاد کو حکم دیا کہ اسے کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیا جائے۔ اس کے ہمزاد نے اسے پارک سرکس کے علاقے میں ایک غیر آباد مکان میں پہنچا دیا۔ آپ شاید یہ بھی نہیں بھولے ہوں گے کہ جبار کئی راتوں کا جاگا ہوا تھا اسے نیند کی سخت ضرورت تھی۔ مگر ظاہر ہے اس کا ہمزاد اسے کیوں سونے دیتا۔ اس کے سونے کے لئے ضروری تھا کہ اس کا ہمزاد اس کے پاس موجود نہ ہو اور اس کی صرف ایک ہی صورت تھی۔ میری توقع کے مطابق جبار نے اپنے ہمزاد کو حکم دیا کہ وہ مہ پارہ کو اٹھا لائے۔ میں واقف تھا کہ وہ اس صورت حال میں سوائے مہ پارہ کے کسی اور کی خواہش نہیں کرے گا کیونکہ مہ پارہ ہی اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ مہ پارہ اس کے پاس پہنچی تو اس نے جبار کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ ایسا کرنا اس کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے لیکن مہ پارہ کی تمام پراسرار قوتیں سلب ہو چکی تھیں۔ اب وہ قطعی ایک معمولی اور لاچار لڑکی تھی جو اپنی مدافعت میں کچھ بھی نہیں کر پاتی۔ جبار کو روکنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس کی دانست میں یہ سب کچھ جبار کے حق میں بہتر نہیں تھا۔ اس طرح جبار پر بے خبری میں آپ کی طرف سے حملہ کیا جانا بھی ممکن تھا اور جبار کی شکست کا یہ مطلب ہوتا کہ اس کی آخری چال بھی ناکام ہو جاتی۔ لیکن جبار اس وقت کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھا اسے تو مہ پارہ کی قربت نے پاگل بنا دیا تھا اس میں کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔
مہ پارہ نے موقع محل کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے بڑی منتوں سماجتوں اور عشق کے واسطے دے کر جبار کو بمشکل اس

بات آمادہ کرلیا کہ فی الحال وہ اپنے ارادے سے باز آجائے اس نے جبار کو یقین دلایا تھا کہ مہ پارہ اب صرف اسی کی ہے اور وہ اس سے شادی کرنے کے بعد اپنی بقیہ زندگی اس کے قدموں میں گزار دینا چاہتی ہے۔ یہ کہہ کر مہ پارہ کوئی بہانہ کرکے اس کے پہلو سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ جبار کافی دیر اس کا منتظر رہنے کے بعد اٹھا اور برابر والے کمرے میں مہ پارہ کو جاکر دیکھا جہاں وہ اپنا لباس درست کرنے گئی تھی۔ لیکن کمرہ خالی تھا۔ جبار نے پورا مکان کھنگال ڈالا مگر مہ پارہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔

مہ پارہ نے جبار سے جو کچھ کہا تھا اس میں قطعی حقیقت نہیں تھی۔ اسے جبار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ تو بس اسے آپ کے خلاف استعمال کرنا چاہتی تھی لیکن حالات نے اس وقت مہ پارہ کو اتنا بوکھلا دیا تھا کہ اس نے صبح ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر وہ صبح تک جبار کے ساتھ رہی تو جبار کسی طرح بھی اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے گا۔ جبکہ مہ پارہ قطعی یہ نہیں چاہتی تھی کہ جبار اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے۔ مہ پارہ مکان سے نکل کر پیدل ہی ایک طرف روانہ ہوگئی۔ اس وقت کسی سواری کے ملنے کا بھی امکان نہیں تھا۔ مہ پارہ انتہائی دل برداشتہ تھی وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی چلی جارہی تھی کہ گشت پر نکلنے والے پولیس کے ایک دستے نے اسے حراست میں لے لیا وہ اسے کوئی آوارہ وبدکردار لڑکی سمجھے تھے۔ مہ پارہ اب پارکس سرکس تھانے کی حوالات میں قید ہے اور جبار بے خبر پڑا سو رہا ہے۔ اس کا ہمزاد اس کے پاس نہیں اسے اس حالت میں ختم بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور کسی بڑی مصیبت میں پھنسایا جاسکتا ہے اب آپ کا جو حکم ہو اس پر عمل کیا جائے کیونکہ ابھی صبح ہونے میں تین گھنٹے باقی ہیں اور یہ تین گھنٹے ہمارے لئے بڑے اہم ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب تمام حالات جاننے کے بعد آپ کی خفگی دور ہوچکی ہوگی" ہمزاد نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے میری طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا۔ ہمزاد نے مجھے جو کچھ بتایا تھا اس سے میں بہت متاثر ہوا۔ وقتی طور پر مجھے اس کی طرف سے جو بدگمانی ہوگئی تھی۔ وہ میرے دل سے نکل گئی تھی۔

"اس میں کوئی کلام نہیں کہ تمہارے عمل سے مجھے جو روحانی اذیت پہنچی وہ اپنی جگہ ہے۔ لیکن تم نے مجھے جن حالات سے آگاہ کیا ہے انہیں دیکھتے ہوئے میں تمہارا ہر قصور معاف کرتا ہوں لیکن میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے کچھ جاننا بھی چاہتا ہوں اس کا تعلق جبار کے ہمزاد سے ہے۔ جبار کو میں اس آسانی سے نہیں مرنے دوں گا۔ اس نے میری فتح کو شکست میں بدلنے کی کوشش کی تھی جس کی اسے سزا بھگتنی پڑے گی اور بہت سخت سزا۔ میں مہ پارہ کے لئے جن عذابوں سے گزرا ہوں اور میں نے جو جو مصیبتیں جھیلی ہیں ان سے تم بخوبی واقف ہو۔ جبار کو اگر اس وقت ہمیشہ کی نیند سلا دیا جائے تو بات ہی کیا ہوئی۔ میں اسے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ میں جبار کے ہمزاد کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو پراسرار قوتیں تمہیں حاصل ہیں وہی اس کے ہمزاد کے پاس بھی ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" میں نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر ہمزاد سے سوال کیا۔

"کسی حد تک آپ کی بات درست ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر چند باتوں پر آپ کی توجہ نہیں وہ اس ضمن میں بنیادی باتیں ہیں۔ کسی بھی ہمزاد کی پراسرار قوتوں کا تعلق اسے قابو میں کرنے والے کی قوت ارادی ہے۔ جو شخص جتنی مضبوط قوت ارادی کا مالک ہوگا۔ اس کا ہمزاد بھی اس قدر زیادہ قوی ہوگا۔ ایک فرق تو میرے اور اس کے درمیان یہی ہے۔ جبار کیونکہ خود مضبوط قوت ارادی کا مالک نہیں ہے۔ اسی لئے اس کا ہمزاد بھی قوت میں اتنا نہیں جتنا آپ کا یہ خادم۔ دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ عامل اور اس کے ہمزاد میں ذہنی یگانگت واشتراک بہت ضروری ہے جو میرے اور آپ کے درمیان تو موجود ہے مگر جبار اور اس کے ہمزاد کے درمیان نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس کا ہمزاد خود اپنی طرف سے نہ تو اسے کوئی مشورہ دیتا ہے اور نہ ہی آنے والے خطرات سے واقف ہونے کے باوجود ان سے جبار کو مطلع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسے سونے تک نہیں دیتا۔ اس کا سبب آپ جانتے ہی ہیں کہ جبار کے عمل میں کچھ خامی رہ گئی تھی۔ جبار اسے جو حکم دے گا وہ صرف اس پر عمل کرنے کا پابند ہے خواہ اس کے نتائج جبار کے حق میں ہوں یا نہ ہوں۔ غالباً اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ مجھ میں اور جبار کے ہمزاد میں کیا فرق ہے؟" ہمزاد نے مجھے پوری تفصیل سے آگاہ کردیا۔

وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا اور اب مجھے تمام حالات کو جاننے کے بعد جبار اور مہ پارہ کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ میں آنکھیں بند کرکے سوچنے لگا۔ مہ پارہ تک پہنچنے کے لئے جبار کو راستے سے ہٹانا ضروری تھا۔ سوچتے سوچتے میرا ذہن ماضی کے ایک واقعے کی طرف چلا گیا۔ جب میں ناپاکی کی حالت میں پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور مجھے جیل کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ پھر مجھے جیل کے مصائب اور تکلیفیں یاد آئیں۔ پولیس جبار کی تلاش میں تھی وہ اس کی نظر میں ایک خطرناک مجرم تھا اگر وہ کسی طرح پولیس کے ہاتھ لگ جائے تو اس کے لئے سوائے پھانسی کے

اور کوئی سزا نہیں ہوسکتی۔ یہی نہیں بلکہ اسے سزائے موت پانے سے پہلے طرح طرح کی اذیتوں سے گزرنا پڑے گا کیونکہ وہ ایک انگریز کا قاتل بھی ہے۔ اس پر انگریزوں کے خلاف کام کرنے والی خفیہ تنظیموں میں شامل ہونے کا الزام بھی ہے۔ یقیناً وہ ان خفیہ تنظیموں کے بارے میں جاننے کے لئے اسے انتہائی اذیتیں دیں گے۔ چاہے وہ اذیتیں برداشت کرتے کرتے مر ہی کیوں نہ جائے۔ جن کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تو بتائے گا کیا۔ جب وہ نہیں بتائے گا تو اس کی اذیتیں اور بڑھا دی جائیں گی۔"

"وقت کم رہ گیا ہے" ہمزاد کی آواز نے میرے خیالوں کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا ہوں وہ یہ کہ جبار پولیس کو آپ کی یہاں موجودگی کے بارے میں مطلع کرسکتا ہے اور اس فلیٹ کا پتا بھی بتا سکتا ہے۔"

"تمہارا کہنا درست ہے لیکن کیا ہم اسی وقت کہیں اور منتقل نہیں ہوسکتے؟"

"مشکل ضرور ہے، ناممکن نہیں" ہمزاد نے جواب دیا پھر کچھ سوچ کر بولا "خطرہ تو بہرحال ہے مگر یہ رات آپ کو ذکریا اسٹریٹ کی ناخدا مسجد میں گزارنی پڑے گی۔ صبح ہوتے ہی میں کسی دوسرے فلیٹ کا انتظام کردوں گا۔"

"ٹھیک ہے تم مجھے وہاں پہنچا دو۔ صبح جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ خطرات تو قدم قدم پر ہیں۔ آخر ان سے کب تک بچا جاسکتا ہے؟"

"اور مہ پارہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟" ہمزاد نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ دو تین گھنٹے حوالات میں گزارنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا اور عین ممکن ہے کہ صبح ہوتے ہی اس کے عزیز اس کی ضمانت کرالیں۔ فی الحال تو تم مجھے ناخدا مسجد پہنچا کر روانہ ہوجاؤ۔ میں ہر قیمت پر صبح ہونے سے پہلے اسے گرفتار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد میں نے جلدی جلدی اپنا کچھ ضروری سامان اور کپڑے وغیرہ سمیٹ کر اٹیچی میں ٹھونسے اور ہمزاد کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ میرے علم میں نہیں تھا کہ میرے فلیٹ کے بالکل متوازی جو سڑک ہے وہی ذکریا اسٹریٹ ہے اور اس میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ کو ناخدا مسجد ہے جس کا بڑا دروازہ اس وقت اندر سے بند تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مسجد کا دروازہ بند ہونا ہمزاد کے لئے کیا معنی رکھتا تھا۔ اس نے چند ہی لمحوں میں نہایت احتیاط اور خاموشی کے ساتھ مجھے مسجد کے دالان میں پہنچا دیا۔ وہاں میری ہی طرح اور چند مسافر بھی محو خواب تھے جنہیں شاید کسی مسافر خانے میں جگہ نہیں مل پائی تھی۔ میں بھی بغیر کوئی آواز پیدا کئے اٹیچی اور اپنی بیساکھیاں سرہانے رکھ کر ایک شخص سے ذرا فاصلے پر دراز ہوگیا۔ میں نے جبار کو اذیت میں مبتلا کرنے اور اس سے انتقام لینے کے لئے یہ تمام مصیبت اٹھائی تھی ورنہ ایک صورت یہ بھی تھی کہ اسے سوتے میں ختم کردیا جاتا۔ ہمزاد اب جا چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد ہی جبار پولیس کی قید میں ہوگا۔ ہمزاد پر اب میرا اعتماد دن بدن بڑھتا جارہا تھا۔

میں نے چاہا کہ کروٹ بدل کر کچھ دیر کے لئے سو رہوں۔ مگر ذہن میں اتنے خیالات کا ہجوم تھا کہ کوشش کے باوجود نیند نہ آئی۔ پھر یوں ہی آنکھیں بند کئے کئے مجھے ایک مشغلہ سوجھا۔ میں اب اپنے تصور کی قوت بروئے کار لا چکا تھا اس وقت میں جبار کے بارے میں کچھ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ اس کا کیا حشر بنا۔ میں آنکھیں بند کئے واضح طور پر دیکھ رہا تھا کہ جبار نیم برہنہ حالت میں ایک سمٹی سمٹائی چادر پر پڑا تھا۔ چادر زمین پر بچھی ہوئی تھی۔ کمرے میں موم بتی کا ہلکا اجالا پھیلا ہوا تھا جو اب بجھنے کے قریب تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پولیس اب تک اسے گرفتار نہیں کرسکی ہے۔ میں نے اپنے دائرہ تصور کو اور وسیع کیا۔ اب میں اس مکان کے باہر بھی سب کچھ دیکھنے کا اہل تھا۔ ابھی مجھے ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ میں نے اس مکان کے چاروں طرف گلیوں میں کچھ متحرک سائے دیکھے جو رفتہ رفتہ اپنا گھیرا تنگ کرتے جارہے تھے۔ یقیناً پولیس جبار کو گرفتار کرنے کے لئے نہایت احتیاط سے کام لے رہی تھی اور انہوں نے اپنی جیپیں اس مکان سے کچھ دور ہی پر چھوڑ دی تھیں تاکہ ان کے شور سے مجرم ہوشیار نہ ہوجائے۔ میں فی الحال اس بات سے واقف نہیں تھا کہ ہمزاد نے کس طرح پولیس کو مطلع کیا مگر میں اپنے احکامات کی تعمیل ہوتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے بہت خاموشی سے پولیس آس پاس کے مکانوں میں بھی داخل ہوگئی۔ ان مکانوں میں رہنے والے سخت خوفزدہ نظر آرہے تھے۔ لیکن انہیں کوئی بھی سوال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ ان میں خود بھی اتنی ہمت نظر نہیں آرہی تھی کہ وہ پولیس کی اس کارروائی کے خلاف کوئی احتجاج کرسکتے۔ پولیس کے ہمراہ انہیں چند بڑے انگریز افسران بھی نظر آرہے تھے جن کی سرخ سرخ آنکھوں سے نیند جھانک رہی تھی۔ ان کے چہروں پر ناگواری کے اثرات تھے جیسے وہ ناوقت کی اس سرگرمی سے سخت غصے میں ہوں۔

جبار کی گرفتاری کے لئے حکام کوئی بھی غیر محتاط قدم اٹھانے کو تیار نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے جبار پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کے فرار کی تمام راہیں مسدود کردی تھیں۔ وہ اپنی نظر میں انتہائی خطرناک مجرم کو گرفتار کرنے جا رہے تھے جو ایک مرتبہ ملٹری کی سخت نگرانی کے باوجود فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا اور جس کے فرار پر سخت کہرام مچا تھا۔

ہر طرف بندوقوں کی نالیں، رائفلیں اور ریوالور نظر آرہے تھے۔ انگریز افسر نے احکامات جاری کئے تھے کہ جس حد تک ممکن ہو مجرم کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے اور انتہائی صورت میں جبکہ کوئی اور چارہ نہ ہو اور مجرم کے اچانک فرار ہوجانے کا خطرہ درپیش ہو تو اس پر فائر کیا جائے۔ یہ احکامات اس نے سرگوشی کے انداز میں دئے تھے۔ وہ کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے دو افسروں کو کچھ اشارہ کیا پھر اس کے حکم پر اس مکان کے باہر ایک بڑی سیڑھی لگادی گئی۔ جن افسران کو اس نے اشارہ کیا تھا وہ جلدی سے آگے بڑھے اور اس سیڑھی پر چڑھنے لگے ان دونوں کے ہاتھ میں ریوالور تھے۔

چند لمحوں بعد ہی پولیس کی ایک بڑی تعداد اندر داخل ہوچکی تھی۔ پولیس بہت جلد اس کمرے تک پہنچ گئی جس میں موم بتی کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ ٹارچوں کی روشنی تیزی سے ہر طرف پڑرہی تھی۔ غالباً انہیں خدشہ تھا کہ کہیں مجرم کے ساتھ اس کے دوسرے ساتھی بھی نہ ہوں۔ جب وہ مطمئن ہوگئے تو ہر طرف سے اس کمرے کو گھیر لیا گیا اس کے دروازے اور کھڑکیوں سے اب بندوقیں اور رائفلوں کی نالیں جھانک رہی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود اب تک کسی میں اتنی ہمت نہیں ہورہی تھی کہ کمرے میں داخل ہوکر بے خبر سوتے ہوئے جبار پر ہاتھ ڈال سکے۔ انگریز افسران کے چہروں پر اب بھی خوف کی پرچھائیاں تھیں۔ وہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی جبار سے خوف زدہ تھے کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ انگریزوں کے خلاف کام کرنے والی خفیہ تنظیموں کے سربراہ کا دست راست ہے۔ ظاہر ہے وہ کوئی معمولی یا غیر اہم آدمی نہیں رہا ہوگا۔ انگریز افسران ریوالور تانے دروازے میں کھڑے تھے۔ ان میں خود تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ جبار تک پہنچ پاتے انہوں نے چند دوسرے ہندوستانی افسروں کو آگے بڑھ کر جبار کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔

جبار اب تک حالات سے بے خبر اسی طرح محو خواب تھا۔ اب تین چار ہندوستانی افسر بہت آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہے تھے اور میں یہ منظر دیکھ کر انگریز افسروں کی بزدلی پر کھول رہا تھا جو پولیس کی اتنی بڑی تعداد ساتھ ہونے کے باوجود خوف زدہ نظر آرہے تھے۔

پھر وہ منظر میرے لئے انتہائی پرمسرت تھا۔ جب میں نے جبار کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑتے دیکھیں اور اسے ایک دم گھبرا کر اٹھتے دیکھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہر طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ سمجھ نہ پارہا ہو کہ یہ ایک دم کیا ہوگیا۔

میں نے اس سے زیادہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور آنکھیں کھول دیں۔ میرے آس پاس سونے والوں کے خراٹے گونج رہے تھے۔ ابھی صبح ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ جلد سے جلد صبح ہو تاکہ میں یہاں سے کسی محفوظ مقام پر منتقل ہوجاؤں۔ جبار کی گرفتاری کے بعد میرا اس طرح کھلے عام پھرنا خطرناک ہوسکتا تھا۔ یقیناً جبار پولیس کو میرے بارے میں بھی بتادے گا اور اگر اس نے خود ایسا نہ بھی کیا تو پولیس اس پر تشدد کرکے میرے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرے گی اور جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ میں بھی کلکتہ میں ہوں تو پھر تیزی سے میری تلاش شروع ہوجائے گی۔ اسی وقت میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا کہ کہیں جبار کو اس کی مہلت نہ مل جائے کہ وہ غسل کرلے اس صورت میں اس کا پولیس کی گرفت سے نکل جانا عین ممکن تھا۔ اس کے خیال کے پیش نظر میں چاہتا تھا کہ ہمزاد کو اس طرف سے بھی محتاط کردوں۔ لیکن یہاں مسجد میں دوسرے افراد کی موجودگی کے سبب ہمزاد سے ہمکلام ہونا کسی خطرے کا پیش خیمہ بھی ہوسکتا تھا۔ مجھے صبح کا انتظار تھا اور صبح ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ لحہ لحہ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ میں نے اپنے ذہن کو انتظار کی کلفت سے نکالنے کے لئے ایک مرتبہ پھر اپنے تصور کی قوت کا سہارا لیا۔

اس مرتبہ میری چشم تصور اس چہرے کی تلاش میں تھی جس کے لئے میں نے کتنی ہی راتیں اور کتنے ہی دن تڑپ تڑپ کر گزارے تھے۔ آخر وہ چہرہ میرے سامنے آہی گیا۔ یہ چہرہ مہ پارہ کا تھا۔ اس چہرے کو دیکھتے ہی مجھے دھچکا سا لگا اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے اور چہرے پر شدید روحانی اذیت کے آثار تھے۔ چند ہی لمحوں میں میری سمجھ میں سب کچھ آگیا اور جو کچھ میں سمجھا اس نے میرا خون کھولا دیا۔ وہ حوالات تو نہیں تھی مگر پارک سرکس تھانے ہی کا ایک کمرہ تھا اس کمرے کے باہر تھانہ انچارج کی تختی لگی ہوئی تھی۔

مہ پارہ کو پولیس نے جس حالت میں گرفتار کیا تھا اس سے انہوں نے یہی اندازہ لگایا ہوگا کہ وہ کوئی آوارہ لڑکی ہے۔ پھر ظاہر ہے ایک آوارہ اور حسین لڑکی کے ساتھ جو کچھ کیا جانا چاہئے تھا وہی ہورہا تھا۔ مہ پارہ کا یہ حشر ہوگا اس کے بارے میں کبھی میں

نے سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ مہ پارہ کی انتہائی ذلت تھی۔

مسجد کا بڑا دروازہ اب کھل چکا تھا۔ میرے آس پاس سونے والے ایک ایک کرکے بیدار ہونے لگے تھے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور بیساکھیاں سنبھالتا ہوا تیزی سے مسجد کے دروازے سے نکل کر کھلی سڑک پر آگیا۔ سڑک ابھی دور تک سنسان پڑی تھی۔ میں تیز تیز چلتا ہوا جلدی سے ایک چوڑی سی گلی میں داخل ہوگیا۔ مجھے ہمزاد کو طلب کرنے کے لئے کسی ایسی ہی جگہ کی تلاش تھی جہاں سے فوراً کسی کے گزرنے کا خدشہ نہ ہو۔ ہمزاد کے پہنچتے ہی میں نے بغیر اس کی کوئی بات سنے بے تابی سے کہا۔

"اسی وقت فوراً پارک سرکس تھانے پہنچو اور مہ پارہ کو ان درندوں کے چنگل سے آزاد کراکے اس کی پھوپی کے فلیٹ میں پہنچادو اور اس کے بعد جتنی جلد ممکن ہو مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔"

ہمزاد میرا حکم سن کر فوراً روانہ ہوگیا اور میں اس گلی سے نکل کر پھر وقت گزاری کے لئے کھلی سڑک پر نکل آیا۔ اب اکا دکا نمازی مسجد کی طرف لپکتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ وہ انتہائی مختصر عرصہ کس طرح گزر گیا بس مجھے اتنا خیال ہے کہ اس وقت میں بے حد پریشان اور بے چین تھا۔ نہ معلوم ان درندوں نے مہ پارہ کا کیا حال کیا ہو؟ اس خیال نے مجھے سخت مضطرب کررکھا تھا۔

چلتے چلتے اچانک میں نے اپنے ساتھ ہمزاد کو دیکھا۔

"تم لوٹ آئے؟" میں نے سرگوشی کی۔

"جی ہاں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"کیا ہوا؟"

"میں نے مہ پارہ کو اس کی پھوپی کے فلیٹ میں پہنچا دیا ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"رہائش کے بارے میں کیا سوچا" میں نے فوراً دوسرا سوال کیا۔

"اسی سڑک پر دائیں طرف مڑ کر چند قدم کے فاصلے پر مسافر خانہ ہے۔ آپ کچھ دیر وہاں قیام کیجئے۔ میں کسی قریبی جگہ مکان تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ یہیں ذکریا اسٹریٹ میں کوئی فلیٹ مل جائے مگر یہ سب معلوم کرنے کے لئے تھوڑا سا وقت چاہئے۔"

"ٹھیک ہے میں مسافر خانے میں چلتا ہوں تم جلد سے جلد کوئی مناسب جگہ ڈھونڈ کر آجاؤ۔" میں نے بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی راہ گیر مجھے اس طرح اکیلے جاتے بڑبڑاتے ہوئے سنے۔ کیونکہ بظاہر میں اکیلا ہی چل رہا تھا۔ ہمزاد مجھ سے پھر رخصت ہوگیا۔

میں کچھ ہی دیر مسافر خانے میں بیٹھ پایا تھا کہ ہمزاد لوٹ آیا۔ اس نے واقعی تیزی سے کام کیا تھا۔

"میں نے حسب توقع ایک فلیٹ یہیں ذکریا اسٹریٹ میں تلاش کرلیا ہے۔ ہرچند کہ اس کی پگڑی بہت ہے مگر نہایت آرام دہ اور محفوظ ہے۔ آپ فوراً یہاں سے اٹھئے اور میرے ساتھ چلئے۔ وہ فلیٹ ایک حکیم صاحب کی ملکیت ہے۔ ان سے آپ ہی کو سودا کرنا پڑے گا۔"

میں نے ہمزاد کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ میرے آس پاس دوسرے مسافر بھی بیٹھے تھے۔ میں خاموشی سے اپنی بیساکھیاں ٹیکتا ہوا اٹھا اور مسافر خانے سے نکل آیا۔

حکیم صاحب سے معاملہ نبٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کیونکہ میں نے ان کی منہ مانگی پگڑی دے دی تھی اور وہ بھی نقد۔ میں نے اسی وقت ان سے فلیٹ کی چابی لی اور روانہ ہوگیا۔ فلیٹ حکیم صاحب کی رہائش گاہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں جلد ہی وہاں تک پہنچ گیا۔

سر چھپانے کی جگہ کا انتظام ہونے کے بعد اب میں کسی قدر پرسکون تھا۔ ہمزاد نے میرے پرانے فلیٹ کا سارا سامان منٹوں میں اس فلیٹ میں منتقل کردیا۔ صبح صبح کا وقت تھا اس لئے تمام کام چپ چپاتے ہوگیا ورنہ سب کچھ پوری طرح دن نکلنے کے بعد ذرا مشکل ہوجاتا۔ کیونکہ اگر لوگوں کی نظر اوپر اٹھ جاتی اور وہ یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے کہ خود بخود مسہری، قالین اور دوسرا سامان فضا میں اڑتا ہوا کسی طرف چلا جارہا ہے تو ان کے اوسان خطا ہوجاتے اور سارے شہر میں اس واقعے کا چرچا ہوجاتا جو ظاہر ہے کہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔

اطمینان کا سانس لینے کے بعد اب مجھے جبار کے بارے میں جاننے کی فکر ہوئی۔ میں ہمزاد سے دریافت کرنا چاہتا تھا کہ اس نے کس طرح پولیس کو جبار کے پیچھے لگا دیا؟ کچھ دیر بعد میں اطمینان سے مسہری پر نیم دراز ہمزاد کی گفتگو سن رہا تھا وہ مجھے اپنی کارگزاریوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"میں نے ایک مسلمان پولیس افسر کو بیدار کردیا اور پھر جیسے ہی وہ بیدار ہوا روشندان سے ایک پتھر کمرے میں آکر گرا جس کے ساتھ ایک پرچہ لپٹا ہوا تھا۔ پولیس افسر جلدی سے اٹھا اور وہ پرچہ اٹھالیا جو اس پتھر کے ساتھ کمرے میں گرا تھا۔ اس پرچے میں اس نے جبار کے متعلق ساری تفصیل پڑھی۔ وہ پرچہ ایک گمنام شخص کی طرف سے اسے لکھا گیا تھا جو اس کا ہمدرد تھا اور

اس کی ترقی دیکھنا چاہتا تھا۔ اس پرچہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ پرچہ لکھنے والے کو انگریز حکومت کے ساتھ گہری ہمدردی ہے اور وہ انگریز کے دشمنوں کا صفایا چاہتا ہے اس پولیس افسر کے لئے اپنے افسران کی خوشنودی حاصل کرنے کا یہ سنہری موقع تھا۔ اس نے بغیر وقت ضائع کئے اپنے انگریز افسران اور اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کیا اور پھر وہ سب کچھ ہو گیا جو آپ چاہتے تھے۔"

ہمزاد کے خاموش ہوتے ہی مجھے وہ بات یاد آئی جو میں اس ہنگامے میں بھول گیا تھا۔ حالانکہ پہلے میں ہمزاد کا منتظر تھا کہ میں سے اس سلسلے میں محتاط کردوں گا لیکن مہ پارہ کے واقعے نے میری ساری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

"ایک بات بہت ضروری ہے۔" میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا "تمہیں اس سلسلے میں محتاط رہنا ہے۔ تم جبار کے لئے کوئی ایسا موقع نہیں آنے دوگے کہ وہ غسل کرے۔ تم جانتے ہی ہو کہ اس صورت میں وہ اپنے ہمزاد کو طلب کر سکتا ہے۔ اور پھر معاملات ہمارے ہاتھ سے نکلنے کا خطرہ ہے۔"

"میں اس سلسلے میں آپ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی محتاط تھا۔ میں جبار کی طرف سے پوری طرح باخبر ہوں۔ اب تک اسے کوئی ایسا موقع نہیں ملا ہے اور آئندہ بھی میں کوشش کروں گا کہ اسے کوئی ایسا موقع فراہم نہ ہو۔ فی الحال تو اس پر تشدد کیا جا رہا ہے کہ وہ انگریزوں کے خلاف کام کرنے والی خفیہ تنظیموں کے بارے میں اور اس کے لئے کام کرنے والے لوگوں سے متعلق پولیس کے سامنے سب کچھ قبول دے۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ اس سلسلے میں کیا بتا سکتا ہے۔ دہلی کی حکومت کو بھی اس کی گرفتاری سے مطلع کر دیا گیا ہے۔ اور غالباً آج ہی اسے پولیس کی تحویل سے ملٹری کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔" ہمزاد نے بتایا۔

"اس نے اب تک میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں اب تک تو اس نے کچھ نہیں بتایا لیکن کہا نہیں جا سکتا کہ وہ کب تشدد سے تنگ آکر تمام حالات سے پولیس یا ملٹری کو آگاہ کر دے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

رات میں پوری نیند نہ لے سکا تھا اور اس وقت مجھے نیند کا کچھ غلبہ محسوس ہونے لگا تھا اس لئے میں نے بقیہ باتوں کو شام پر اٹھا رکھا اور ہمزاد کو رخصت کرکے سونے کے لئے لیٹ گیا۔ ناشتہ میں مسافر خانے ہی میں کر چکا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ہی میں گہری اور پرسکون نیند سو گیا۔

شام کے قریب میں سو کر اٹھا تو مجھے کچھ بھوک محسوس ہوئی۔ میں نے ہمزاد کو طلب کرکے کھانا منگایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا جسے ابھی تک میں نے جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔

"آج کی رات میری زندگی کی یادگار رات ہوگی۔" میں نے ہمزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر خلاف معمول مجھے اس کے چہرے پر فکر مندی کے آثار نظر آئے۔ میں نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"شاید تم میری بات سن کر الجھ گئے ہو۔ میری مراد مہ پارہ سے ہے۔"

"مجھے یہی تو دکھ ہے کہ اب وہ رات کبھی نہیں آئے گی۔" ہمزاد نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"تم جب کوئی بات کہا کرو تو تفصیل سے کہا کرو۔ تمہاری باتیں اکثر مجھے الجھا دیتی ہیں۔" میں نے ذرا درشت لہجے میں کہا۔ "آخر تمہاری اس بات کا کیا مقصد ہے؟"

"ہاں وہ رات اب کبھی نہیں آئے گی۔ کیونکہ مہ پارہ آج صبح خودکشی کر چکی ہے۔"

"کیا؟" میں چیخ پڑا۔ "کہیں کہیں میری سماعت مجھے دھوکا تو نہیں دے رہی.... نہیں.... تم نے یہ نہیں کہا۔ مجھے یقیناً دھوکا ہوا ہے تم نے تم نے کچھ اور کہا ہے۔ اور کچھ کہا ہے تم نے۔"

"میں نے جو کچھ کہا ہے اور آپ نے جو کچھ سنا ہے وہ حقیقت ہے۔ اس حقیقت کو نہیں بدلا جا سکتا۔ آج صبح جب میں اسے چھوڑ کر آپ کے پاس آگیا تھا اس کے فوراً بعد اس نے خودکشی کر لی تھی۔" ہمزاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھے اس طرح تڑپتا ہوا چھوڑ کر نہیں مر سکتی.... تم نے.... تم نے اسے ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں۔ بتاؤ جواب دو۔ تم نے اس کی طرف سے مجھے بے خبر کیوں رکھا۔" اور اس کے بعد میری آواز بھرا گئی۔

"میں اس وقت آپ کی خدمت میں تھا۔ جب میرے علم میں یہ اندوہناک بات آئی۔ وہ اپنی جان سے گزر چکی تھی۔ آپ اس وقت تک سو چکے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ منحوس خبر آپ کو بیدار کرکے سناؤں۔ اور ایسی صورت میں جبکہ ہم مہ پارہ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔"

"وہ ایک خوددار اور سرکش لڑکی تھی.... وہ بہت عظیم تھی۔ بہت.... میں.... میں شیخ کرامت اس سے ہار گیا۔ مہ پارہ نے مجھے شکست دے دی۔ وہ جیت گئی۔ جیت گئی۔" مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ "اس نے ایک دن بھی بے عزتی کی زندگی برداشت نہیں کی۔ وہ معمولی لڑکی بن کر زندہ نہیں رہنا

چاہتی تھی۔ وہ اپنی مرضی اور پسند کی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ اس نے حکم دینا سیکھا تھا حکم سننا نہیں۔ وہ مظلوم بن کر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ ظالم تھی۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ وہ مجھے اس طرح بلکتا اور بین کرتا ہوا چھوڑ گئی۔ اس نے اپنی مرضی کی زندگی گزاری اور اپنی مرضی ہی کی موت پسند کی۔" میں نہ جانے جذبات میں کیا کیا کہتا رہا اور نہ جانے کتنی دیر اپنے حواس میں نہ آیا۔ ہمزاد خاموشی سے سر جھکائے میرے رونے اور تڑپنے کو دیکھتا رہا۔

پھر جب ذرا میری حالت کچھ بہتر ہوئی تو میں نے ہمزاد سے دریافت کیا۔

"کیا اسے دفنا دیا گیا؟"

"جی ہاں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"میں آخری بار اس کی صورت بھی نہ دیکھ پاؤں گا۔ کتنا بدنصیب ہوں میں۔" میری آنکھیں بھر آئیں۔

اس کے بعد ہمزاد نے مجھے بتایا کہ مہ پارہ نے گلے میں پھندا ڈال کر اس کمرے میں خودکشی کر لی تھی جہاں میں نے اسے آخری بار دیکھا تھا۔ مہ پارہ کی موت نے میرے دل پر وہ چرکا لگایا تھا جس کا اندمال مشکل تھا۔ اس صدمے نے مجھے بے حال کر دیا تھا۔

مہ پارہ کی موت نے عورت کے بارے میں میرے انداز فکر کو ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ میں اب اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ مرد چاہے جتنا طاقتور ہو لیکن عورت کی مرضی و منشا کے خلاف کسی بھی طرح اسے جھکنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

مہ پارہ کے اندوہناک واقعے کے بعد کچھ دن تک جیسے میری زندگی ایک جگہ ٹھہر سی گئی۔ میں دن رات فلیٹ میں پڑا رہتا۔ زندگی سے جیسے میری دلچسپی ختم سی ہو گئی تھی۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ ابھی ہنگامے میری تلاش میں تھے۔ مہ پارہ کی موت کو ابھی تین چار دن ہی گزرے تھے کہ ایک صبح ہمزاد نے مجھے آکر اطلاع دی کہ جبار نے ملٹری کے تشدد کے سامنے سب کچھ سچ سچ قبول دیا اور گزشتہ رات ہی ملٹری نے میرے کولوٹولا والے فلیٹ پر چھاپا مارا ہے اور اب وہ تمام شہر میں مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

"انہیں جبار کی باتوں پر ابھی پوری طرح یقین نہیں آیا ہے۔ دراصل اس نے یہ ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ اس کا تعلق انگریزوں کے خلاف کسی خفیہ تنظیم سے ہے۔ لیکن انہیں آپ کی تلاش ضرور ہے اس دوران کچھ اعلیٰ حکام دہلی سے کلکتہ پہنچ چکے ہیں۔ جو پہلے اس کیس کی تحقیق پر مامور رہ چکے ہیں۔ انہوں نے بھی جبار سے پوچھ گچھ شروع کر دی ہے۔ مگر جبار کی پراسرار باتیں سن کر انہیں اس پر اعتماد نہیں رہا ہے۔ وہ کسی ہمزاد کے وجود کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔" ہمزاد نے مجھے آگاہ کیا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے اور میرے بارے میں جو کچھ اسے علم تھا سب ملٹری کو بتا دیا؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں! جن حالات میں آپ کی اور اس کی ملاقات ہوئی اور پھر جو کچھ ہوا اس نے ایک ایک بات سے ملٹری کے حکام کو آگاہ کر دیا ہے۔ ہرچند کے حکام کو اس کی باتوں پر یقین نہیں ہے کیونکہ ان کے سامنے خفیہ تنظیم کے اس رکن کا بیان بھی ہے جس نے مہ پارہ کے زیر اثر مرنے سے پہلے تمام تنظیموں کا سربراہ آپ کو بتایا تھا۔ پھر جبار کا آپ کے ساتھ جیل میں رہنا۔ وہاں سے فرار اس کے بعد اس کا پکڑا جانا اور رہا ہونا۔ یہ تمام باتیں ہی اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ اس کا تعلق آپ سے ہے۔ پھر اس نے ایک انگریز کو بھی قتل کیا تھا۔ اس واقعے کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا تھا۔" ہمزاد نے مجھے تمام صورت حال بتا دی۔

اس واقعے کو مشکل سے ابھی دو دن ہی گزرے ہوں گے کہ ایک صبح مجھے خفیہ تنظیم کی طرف سے پیغام ملا۔ پیغام اس مرتبہ بھی ایک خنجر ہی کے ذریعے پھینکا گیا تھا۔ پیغام میں لکھا تھا۔

شیخ کرامت

ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ تمہارے دل میں وطن کی محبت زندہ ہے اور تم انگریزوں کے خلاف ہماری مدد کرنے پر آمادہ ہو مگر تم میرٹھ سے ایسے غائب ہوئے کہ کافی دن تک تمہارا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ پھر ہم نے اپنے ذرائع سے معلوم کیا کہ تم کلکتہ پہنچ گئے ہو اور اب اس بات کی تصدیق بھی ہو چکی ہے۔ ہمارے علم میں یہ بھی آچکا ہے کہ تمہارا ساتھی ملٹری کی قید میں ہے اور اس نے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس سے تمہارے اور اس کے اختلاف کا پتہ چلتا ہے بہر حال ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں اور ہم تمہارے ذاتی معاملات میں نہیں الجھنا چاہتے اور نہ ہی ہمارا مقصد تمہیں کوئی نقصان پہنچانا ہے۔ بہت جلد ہمارا ایک نمائندہ کسی بھی رات تم سے رابطہ قائم کرلے گا۔ اگر اس عرصے میں تمہارا ارادہ بدل چکا ہو تو ہمیں تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی تم ہمارے بھیجے ہوئے آدمی سے صاف صاف اپنے دل کی بات کہہ سکتے ہو۔ اس صورت میں بھی تم ہمیں اپنا دشمن نہیں پاؤ گے۔ ہمارے آدمی کی شناخت یہ ہے کہ اس کے سر پر سبز عمامہ ہوگا۔

ایک محب وطن

پیغام پڑھ کر بہت دیر تک میں خیالوں میں کھویا رہا مجھے وہ لوگ بڑے عجیب لگے جو ایک عظیم مقصد کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر چکے تھے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار خود کو کمتر محسوس کیا۔ میں یقیناً ان سے بہت چھوٹا تھا۔ آخر میری زندگی کا مقصد ہی کیا تھا؟ میں اب تک صرف اپنے لئے زندہ رہا تھا۔ میں نے اپنے عیش و آرام کے لئے سب کچھ کیا تھا۔ کافی دیر سوچ بچار کے بعد میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں یقیناً ان لوگوں کا ساتھ دوں گا۔ لیکن اسی دن مجھے ہمزاد نے ایک ایسی اطلاع دی جس نے میرے ہوش و حواس ٹھکانے لگا دیئے۔ ان حالات میں جبکہ میں ہر قیمت پر خفیہ تنظیموں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا یہ اطلاع میرے لئے انتہائی اندوہناک اور کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ تھی۔ ملٹری کے حکام نے جبار کو غسل کرنے کا موقع فراہم کر دیا اور وہ اپنے ہمزاد کو طلب کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

"مگر یہ ہوا کس طرح؟" میں نے بیتابی سے پوچھا۔

"جب ملٹری کے حکام نے اس پر تشدد کے تمام حربے آزما لئے اور پوری طرح انہیں یقین ہو گیا کہ جبار اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا جو وہ بتا چکا ہے تو انہوں نے جبار کی صداقت کو پرکھنے کے لئے اسے سر سے پاؤں تک پانی میں بھگو دیا۔ حکام نے کہا کہ اگر جبار سچ کہتا ہے تو وہ اب اپنے ہمزاد کو طلب کرے۔ پھر تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کیا ہوا ہو گا۔ مجھے اس کا موقع ہی نہیں ملا کہ میں کچھ کر سکتا۔ بس اچانک ہی ملٹری کے ایک افسر نے کچھ سوچا اور اس پر بالٹی بھر کے پانی ڈال دیا۔ جبار یوں بھی تشدد سہتے سہتے لب دم ہو چکا تھا اور خطرہ یہ تھا کہ کہیں وہ مر ہی نہ جائے۔" ہمزاد نے مجھے بتایا۔

"جی نہیں اب اسے اس کی ضرورت نہیں۔ انگریز حکام نے ایک اور چال چلی ہے۔ وہ جبار کی پراسرار قوتوں سے بہت متاثر ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جبار کی پراسرار قوتوں کو انگریزوں کے خلاف کام کرنے والی خفیہ تنظیموں کے مقابل استعمال کریں۔ جبار ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"تو گویا وہ انگریزوں سے مل گیا۔ وہ غدار وطن خود اپنے ہم وطنوں کی زندگیوں سے کھیلے گا۔ لیکن میرے ہوتے ہوئے وہ اپنے اس ناپاک مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔" یہ کہتے کہتے غصے سے میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔

پھر جب کچھ دیر بعد میرا غصہ ٹھنڈا ہوا تو میں نے حالات پر مزید غور کیا اور اس غور و فکر نے مجھے کچھ اور الجھا دیا۔ ہمزاد ابھی تک میرے پاس موجود تھا۔ میں نے اپنے ایک خدشے کا اظہار اس سے بھی کر دیا۔

"اس صورت حال میں تو جبار اپنے ہمزاد کے ذریعے میرے بارے میں بھی تمام اطلاعات ملٹری کے حکام کو فراہم کر سکتا ہے؟"

"ہاں یہ ممکن تھا مگر اس صورت میں جبکہ خود آپ کے قبضہ میں آپ کا ہمزاد نہ ہوتا۔ جب تک میں آپ کے ہمراہ ہوں یا آپ میرے ساتھ ہیں کوئی بھی دوسرا ایسا شخص جس کے قبضے میں اس کا ہمزاد ہو آپ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کر سکتا۔ یعنی جس وقت میں آپ کے پاس ہوں گا جبار آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہ کر سکے گا کہ آپ کہاں اور کس حال میں ہیں۔ بالکل اسی طرح آپ جبار کے بارے میں کچھ معلوم نہ کرا سکیں گے۔ جب تک اس کا ہمزاد اس کے قریب موجود ہے۔" ہمزاد نے مجھے سمجھایا۔

"یعنی اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب تمہیں ہر وقت میرے ساتھ رہنا پڑے گا۔" میں نے کہا۔

"نقصان بھی کیا ہے۔" ہمزاد نے خوش دلی سے کہا۔

"لیکن اگر کوئی ایسا موقع آ گیا کہ مجھے تمہیں کہیں بھیجنا پڑا تو کیا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ضروری تو نہیں ہے کہ جبار کا ہمزاد ہر وقت صرف آپ ہی کو ڈھونڈنے میں لگا رہے اور جیسے ہی میں آپ سے الگ ہوؤں وہ آپ کو ڈھونڈ نکالے۔ وہ تو آپ کو' جبار کے حکم دینے کے بعد ایک مرتبہ ڈھونڈ کر اور ناکام ہو جانے کے بعد جا کر اسے بتا دے گا کہ آپ کا کوئی پتہ نہیں اور وہ آپ کو ڈھونڈنے سے قاصر ہے۔ یہ تو آپ کے علم ہی میں ہے کہ جبار اور اس کے ہمزاد کے درمیان اشتراک کی کمی ہے۔ جبار کا ہمزاد ہر وقت آپ کو ڈھونڈنے کی مصیبت کیوں مول لے گا۔ ویسے احتیاطاً آج کے بعد میں زیادہ تر آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کی کوشش کروں گا۔ سوائے اس وقت کے جب کہ کسی اشد ضروری کام سے آپ مجھے کہیں بھیجیں۔" ہمزاد نے مجھے مطمئن کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے ایک بات اور یاد آ گئی۔ جسے اب تک میں بھولا ہوا تھا۔ اور وہ بات غالباً ہمزاد کے مدنظر بھی نہیں آئی تھی۔

"تم نے ابھی کہا تھا کہ جبار میرے بارے میں تمہارے ہوتے ہوئے اپنے ہمزاد کی مدد سے نہ کچھ معلوم کر سکتا ہے اور نہ ہی میں اس کے بارے میں تمہارے ذریعے کچھ معلوم کرا سکتا ہوں کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے' اور کیا کر رہا ہے؟ تو کیا اب میں اپنے تصور کی قوت کو بھی کام میں لا کر اس کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتا۔ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی باتیں نہیں سن

سکتا؟"

"ہاں یہ ممکن ہے آپ اپنی اس قوت کو بروئے کار لا سکیں کیونکہ جبار کے پاس یہ قوت نہیں ہے۔ میرے ذہن میں بھی یہ بات تھی لیکن اس میں صرف ایک خطرہ ہے۔" ہمزاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ یہ کہ اس صورت میں جبار کا ہمزاد جو ہر وقت اس پر مسلط رہتا ہی ہے اس بات سے باخبر ہو جائے گا کہ جبار کو کوئی پراسرار قوت دیکھ رہی ہے اور وہ قوت اس کی نظر میں سوائے آپ کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ وہ جبار کو آپ کے بارے میں بتا کر ہوشیار ضرور کر سکتا ہے۔"

"لیکن تم ابھی کہہ چکے ہو کہ جبار اور اس کے ہمزاد کے درمیان اشتراک و یگانگت کی کمی ہے۔ اس صورت میں اس کے ہمزاد کو کیا پڑی ہے کہ خوامخواہ اسے اس بات سے آگاہ کرے کہ میں اسے اپنی پراسرار قوت کے ذریعے دیکھ رہا ہوں؟" میں نے اعتراض کیا۔

"آپ کا کہنا درست ہے مگر اس امکان کو پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔" ہمزاد نے کہا "اور پھر اس طرح صرف آپ اسے دیکھ اور سن سکتے ہیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

"لیکن اس طرح میں اس کے منصوبوں اور حرکات و سکنات پر تو نظر رکھ سکتا ہوں۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔"

پھر اسی دن دوپہر کے بعد ہمزاد نے مجھے بتایا کہ جبار نے ملٹری کے حکام کے ایما پر اپنے ہمزاد کے ذریعے مجھے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا۔

شام ہوتے ہوتے میں نے ہمزاد سے ایک اور بری خبر سنی۔ اس نے مجھے بتایا کہ خفیہ تنظیم کے کئی اہم افراد گرفتار کئے جا چکے ہیں اور یہ سب کچھ جبار کے ہمزاد کی مدد سے کیا گیا ہے۔ جبار اب پوری طرح انگریزوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔

اب کچھ میرے کرنے کی باری تھی۔ میں ہر قیمت پر ان لوگوں کی رہائی چاہتا تھا۔ یہ تمام معلومات ہمزاد نے میرے قریب رہتے ہوئے اپنی پراسرار قوتوں کو بروئے کار لا کر فراہم کیں تھیں۔ وہ میرے ساتھ رہنے کے باوجود حالات سے پوری طرح خود بھی باخبر رہنا چاہتا تھا اور مجھے بھی باخبر رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں اسے بتا چکا تھا کہ میرا ارادہ خفیہ تنظیم کے لوگوں کی مدد کرنے کا ہے۔ اب ہمزاد کی ذمہ داریاں پہلے سے کچھ اور بڑھ گئی تھیں اسی لئے اس نے مجھے بروقت حالات سے مطلع کر دیا تھا۔ حالانکہ ابھی خفیہ تنظیم کا کوئی نمائندہ مجھ سے نہیں مل پایا تھا مگر میں اپنے طور پر ایک فیصلہ کر چکا تھا اور اب اس پر میں نے عمل بھی شروع کر دیا تھا۔

یہ صورت حال بہت نازک تھی کہ خفیہ تنظیم کے افراد حکام کی نظر میں آتے جا رہے تھے۔ نہ صرف نظر میں آتے جا رہے تھے بلکہ ان میں سے کچھ کو گرفتار بھی کیا جا چکا تھا۔ فی الحال ان کے لئے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں ملٹری کے سخت پہرے کے باوجود وہاں سے فرار کرا دوں جہاں انہیں قید رکھا گیا ہے کیونکہ اس طرح ان کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ یہی سب کچھ سوچ کر میں نے ہمزاد کو حکم دیا۔

"حالات پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ میری سمجھ میں فی الحال صرف یہی آیا کہ جو لوگ گرفتار ہو چکے ہیں انہیں کسی طرح بچا لیا جائے ورنہ ان کی زندگیاں خطرے میں پڑنے کا احتمال ہے۔ انگریز درندے انہیں کسی بھی حال میں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور جس قدر جلد ممکن ہو ان تمام لوگوں کو وہاں سے فرار کرا دو۔"

ہمزاد کے جانے کے بعد میں کافی دیر تک بگڑے ہوئے حالات پر غور کرتا رہا۔ ہمزاد کی غیر موجودگی میں مجھے ایک خدشہ یہ بھی تھا کہ کہیں اس وقت دوبارہ جبار اپنے ہمزاد کو میری تلاش پر نہ لگا دے۔ اس طرح میری یہ پناہ گاہ بھی غیر محفوظ ہو سکتی تھی۔ اسی لئے میں ہمزاد کے لوٹنے تک سخت مضطرب رہا۔ اس دوران کئی بار میرا دل چاہا کہ میں اپنے تصور کی قوت کو بروئے کار لا کر جبار کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ احتیاط کے پیش نظر میں اپنے اس ارادے سے باز رہا۔ لیکن میں نے اپنی چشم تصور سے تنظیم کے افراد کی رہائی کا پورا منظر دیکھا۔ ہمزاد کے روانہ ہونے کے کچھ دیر بعد ہی میں اپنے تصور کی قوت کو بروئے کار لا چکا تھا۔

میں نے ہمزاد کو ایک انگریز کی طرف جھپٹتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر تھا اور وہ اپنے ہنٹر کو سامنے دو ستونوں کے درمیان جکڑے ہوئے ایک بے بس نوجوان کو مارنے کے لئے بلند کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ انگریز کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا اب وہ اپنا ہاتھ نیچے گرانے سے قاصر تھا۔ پھر اس کے ہاتھ سے ہنٹر چھوٹ کر دور جا گرا۔ تنگ و تاریک سے کمرے کا منظر بہت بھیانک تھا۔ سامنے والی دیوار پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے سات نوجوان لٹکے ہوئے تھے۔ ان کے دونوں ہاتھوں کو رسی سے جکڑ کر انہیں دیوار میں لگے ہوئے بڑے بڑے آہنی ہکوں سے لٹکا دیا گیا تھا اور ان کے پیر بھی رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ ان

کے جسموں پر جگہ جگہ سے کھال ادھڑ گئی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ کمرے میں اس وقت صرف دو انگریز افسر اور ایک ہندوستانی نظر آرہا تھا۔ ہندوستانی کے ماتھے کا ٹیکہ اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ وہ ہندو ہے۔ تینوں کے ہاتھوں میں چمڑے کے ہنٹر تھے۔ وہ تینوں شاید انہیں مارتے مارتے تھک چکے تھے۔ یہ کام شاید وہ اپنے ماتحتوں سے بھی لے سکتے تھے مگر کوئی اہم اور خاص بات معلوم کرنے کے چکر میں وہ خود ان مظلوموں کے لئے عذاب بنے ہوئے تھے۔

جیسے ہی انگریز افسر کے ہاتھ سے ہنٹر چھوٹ کر دور گرا' ہندوستانی اسے اٹھانے کے لئے لپکا لیکن جب وہ ہنٹر اٹھانے جھکا تو چیخ مار کر اوندھے منہ جا گرا۔ اس کی پشت پر پڑنے والی ہمزاد کی نادیدہ لات اتنی ہی بھرپور تھی۔ دوسرا انگریز افسر بھی اب ہمزاد سے محفوظ نہیں رہا تھا۔ اس کا ہنٹر بھی ایک جھٹکے کے ساتھ اس کے ہاتھ سے نکلا اور پہلے افسر کے منہ پر پڑا۔ تینوں کو ہمزاد نے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ اس کمرے سے کچھ دور ذرا فاصلے پر موجود دوسرے افسران نے غالباً اس طرف اس لئے کوئی توجہ نہیں دی کہ وہ بہت دیر سے کمرے سے آنے والی چیخ و پکار سن رہے تھے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ یہ شور قیدیوں کی آہ و بکا کا ہے۔ پھر ان کے وہاں نہ پہنچنے کی دوسری وجہ بعد میں مجھے ہمزاد سے یہ معلوم ہوئی تھی کہ افسران کا حکم تھا کہ جب تک انہیں کمرے میں طلب نہ کیا جائے وہ وہاں داخل نہ ہوں۔ یہ اذیت خانہ ملٹری ہیڈ کوارٹر کی پشت کی دیوار کے ساتھ بنا ہوا تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے ہمزاد نے ان تمام جوانوں کو آزاد کر دیا۔ وہ سب ہی نوجوان یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ خود بخود اس کمرے کی پشت کی دیوار میں ایک بڑا سا خلا پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس خلا میں اتنی گنجائش پیدا ہو گئی کہ وہ اس سے گزر کر باہر نکل سکتے تھے۔ دونوں انگریز افسران اور ایک ہندو افسر کو جو تقریباً نیم بے ہوش تھے انہوں نے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا۔ کمرے سے نکل کر چہار دیواری پر چڑھنا ان کے لئے کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا وہ ایک ایک کر کے اس پر چڑھ کے دوسری طرف کودتے رہے۔ ملٹری کے دوسرے افراد اور ان کے درمیان کمرہ حائل تھا اس لئے کسی نے انہیں فرار ہوتے نہیں دیکھا اور اب یوں بھی ہر طرف اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

میں نے اب آنکھیں کھول دیں مجھے محسوس ہوا جیسے میری روح کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو۔ چند ہی لمحوں بعد ہمزاد میرے پاس موجود تھا۔ میں اس کی کارکردگی سے بہت خوش تھا۔ مجھے اس دن نہ معلوم کیوں ایک عجیب سی مسرت کا احساس ہوا جس سے پہلے میں نا آشنا تھا۔

وقتی طور پر ہی سہی میرے دل کو سکون مل گیا تھا۔

یہ اسی رات کا واقعہ ہے کہ مسلسل آہستہ آہستہ دستک سے میری آنکھ کھل گئی۔

ہمزاد میرے پاس ہی مودب کھڑا تھا۔ میں نے اس سے صرف اتنا دریافت کیا "کیا کوئی خطرہ ہے؟"

"جی نہیں" ہمزاد نے مختصر سا جواب دیا۔

ہمزاد کے جواب کے بعد میں نے دروازہ کھولنے کے لئے حکم دے دیا۔ کمرے کا دروازہ کھلتے ہی آنے والا بہت محتاط انداز میں داخل ہوا۔ اس نے اپنا آدھا چہرہ کپڑے سے چھپایا ہوا تھا جس کی وجہ سے صرف اس کی روشن اور چمکیلی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ میری نظر اچانک اس کے سر کی طرف اٹھی اور میں اسے پہچان گیا۔ آنے والا اب میرے لئے اجنبی نہیں رہا تھا۔

****

میں سمجھ چکا تھا کہ آنے والے کا تعلق اسی خفیہ تنظیم سے ہے جس کا خط مجھے کچھ دن قبل ملا تھا۔ نو وارد کے سر پر سبز عمامہ تھا۔ جس کی نشاندہی اس خط میں کر دی گئی تھی جو اس تنظیم کی طرف سے مجھے لکھا گیا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی ہمزاد نے دروازے کی کنڈی لگا دی اور کنڈی لگانے سے جو آواز پیدا ہوئی اس نے اجنبی کو چونکا دیا۔ اس نے ایک دم پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے حیرت کے سائے تیرتے نظر آئے اور پھر دوسرے ہی لمحے تیزی سے اس کا ہاتھ اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں تیز چمکیلا خنجر تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اسے یقیناً کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اور اس کا سبب یہ تھا کہ ہمزاد کا وجود اس کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ وہ بڑے چوکنا انداز میں اپنی بڑی بڑی روشن آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ بات کہیں مزید بگڑ نہ جائے اسے مخاطب کیا۔

"اجنبی! یہاں تمہیں کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ تم اس وقت شیخ کرامت کے روبرو ہو۔ یہاں اس وقت میرے علاوہ اور کوئی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں یہاں آنے سے پہلے میرے بارے میں بہت کچھ بتا دیا گیا ہو گا۔ دروازے کے خود بخود بند ہو جانے پر حیران ہونے یا کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں یہ میری پراسرار قوتوں کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے۔ تمہارے مزید اطمینان کے لئے میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں ہر حال میں تم لوگوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے اپنے جملوں کا رد عمل جاننے کے لئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

چند لمحے اجنبی نے کچھ سوچا اور پھر اپنا خنجر لباس میں کہیں چھپا لیا۔ غالباً اس نے میرے لہجے کی صداقت کو محسوس کر لیا تھا۔ میں نے اپنی مسہری کے قریب رکھی ہوئی ایک آرام کرسی کی طرف اشارہ کر کے اجنبی سے وہاں بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ نپے تلے قدم رکھتا ہوا آگے بڑھا اور آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ ابھی تک اس نے نہ تو مجھے مخاطب کیا تھا اور نہ ہی میری کسی بات کا جواب دیا تھا۔ مجھے اس کے رویئے سے کچھ الجھن بھی محسوس ہو رہی تھی مگر میں نے اس کا اظہار نہیں کیا اور منتظر رہا کہ وہ خود ہی کچھ بولے۔ لیکن کچھ بولنے سے پہلے اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ ایک لمحے کے لئے مجھے محسوس ہوا کہ ایک بجلی سی کوند گئی وہ میرے لئے ایک ذہنی جھٹکا ہی تھا۔ میں نے کئی دفعہ پلکیں جھپکائیں کہ شاید میری بصارت مجھے دھوکا دے رہی ہو۔ میرے لئے یہ ایک قطعی غیر متوقع بات تھی بڑی بڑی روشن آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ وہ چہرہ اتنا ہی حسین تھا کہ کچھ دیر کے لئے میں اس کے خدوخال میں کھو سا گیا۔ اجلی رنگت' کالی' چمکیلی' نشیلی سی آنکھیں' ہونٹ گلاب کی سی پنکھڑیاں' رخساروں کی سفیدی میں ہلکی ہلکی سرخی گھلی ہوئی اور چوڑی پیشانی پر سبز عمامہ اس طرح بندھا ہوا تھا جیسے دلہن کے سر پر سہرا سجا ہوا ہو۔ بڑی بڑی آنکھوں پر لانبی سیاہ پلکیں' ستواں ناک اور بال عمامے میں چھپے ہوئے تھے جن کا میں صرف تصور ہی کر سکتا تھا۔ سیبوں کی سی رنگت رکھنے والے دائیں رخسار پر خفیف سا گڑھا جیسے نرم سبک روپانی میں بھنور پڑ جائے۔ گلابی ہونٹوں سے جھانکتی ہوئی سفید دانتوں کی قطار' ابرو جیسے دو کمانیں کھنچی ہوئی ہوں۔ میں اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اور ذہن میں عورت کے حسن پر لکھے جانے والے فارسی اور اردو کے نہ جانے کتنے شعر گونج گئے۔ آج بھی وہ چہرہ یاد آجاتا ہے تو یادوں میں چراغ سے جلنے لگتے ہیں۔ میں نہ جانے کب تک اسی محویت میں گم رہتا کہ میری سماعت میں گھنٹیاں سی بج اٹھیں اس آواز کی جھنکار' لوچ اور ٹھنڈک میں نے اپنی روح میں اترتی ہوئی محسوس کی۔

"شیخ! تمہیں مبارک ہو کہ تم نے سچائی کے حق میں فیصلہ دیا۔ ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اب تم اکیلے نہیں رہے تمہارے ساتھ سرفروشوں اور جاں بازوں کا وہ قافلہ ہے جو وفا کرنا اور وفا نبھانا جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی ہمیں مایوس نہیں کرو گے۔"

"وفا کرنا اور وفا نبھانا۔ کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟" میں جیسے خواب کے سے عالم میں بولا۔

"ہاں یہ ابھی صرف الفاظ ہیں مگر جب یہ الفاظ تمہارا تجربہ بنیں گے تو تمہیں خود بخود ان کی صداقت پر یقین آجائے گا۔"

میری نظریں اس چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ اس چہرے پر ایک عجیب سی معصومیت اور تقدس تھا۔ ایسا تقدس میں نے اس سے پہلے کسی عورت کے چہرے پر نہیں دیکھا تھا۔ ایک ایسا تقدس جس میں پاکیزگی اور طہارت تھی جس کے روبرو عام سطحی اور سفلی جذبات نہ جانے کہاں کھو جاتے ہیں۔ حسن اور تقدس کے اس امتزاج کے سامنے کوئی منہ زور جذبہ سر نہیں ابھارتا۔ میں نے اس لمحے اپنے اندر گھٹیا اور سفلی جذبات کو گہری نیند سوتے ہوئے محسوس کیا۔ یہ تجربہ میرے لئے قطعی نیا تھا۔ رعب حسن اور خود فراموشی کے احساس سے میری پلکیں جھک گئیں۔ وہ کون تھی؟ اس کا نام کیا تھا؟ مجاہدوں کی خفیہ تنظیم سے اس کا کیا تعلق تھا؟ وہ ان میں کس طرح اور کیوں شامل ہوئی؟ مجھے کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ مگر اس وقت مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں اسے برسوں سے جانتا ہوں' وہ میرے لئے اجنبی نہیں ہے۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں اس کے لئے اپنائیت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جیسے وہ میری اپنی ہو' جیسے اس کے سارے دکھ سکھ میں جانتا ہوں۔ جیسے میں اس کے دکھوں میں شریک ہوں اور .... اور جیسے میں اس کے عشق میں مبتلا ہوں۔ بالکل روایتی عاشقوں کی طرح جو اپنے محبوب کی اک اک ادا پر اپنی جان نثار کر دیتے ہیں۔ عشق کی پاکیزگی جن کے دلوں سے ہوس کو مٹا دیتی ہے۔ جس کی زندگی کا مقصد صرف عشق اور عشق ہوتا ہے جو سراپا تسلیم و رضا ہوتے ہیں جن کے دل صبر و استقامت کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ جو صرف عشق کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں' مٹنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ فنا ہو جانے کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ میری محویت پھر ٹوٹ گئی۔ وہ مجھ سے ہم کلام تھی۔

"میں تمہیں صرف یہ اطلاع دینے آئی ہوں کہ کل اسی وقت پھر آؤں گی۔ تمہیں کل میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"کہاں؟" میں نے کھوئے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ تمہیں کل ہی معلوم ہو سکے گا۔" اس نے جواب دیا۔

اور پھر وہ بہار کا جھونکا اس طرح گزر گیا کہ میں دیر تک اس کی خوشبو کی آہٹیں اپنے در دل پر محسوس کرتا رہا۔ جب میں اس خوشبو کے حصار سے باہر نکلا تو ہمزاد مجھے حیرت سے تک رہا تھا۔ اس سے میری کیفیت پوشیدہ نہیں تھی۔ میں چند ہی لمحوں میں جیسے بالکل بدل کر رہ گیا تھا۔ میں اپنے خیالوں کی انجمن کو اس کے تصور سے آباد رکھنا چاہتا تھا اس لئے میں نے ہمزاد سے کسی بھی قسم کی گفتگو مناسب نہ سمجھی۔ مجھے اپنی روح میں ایک عجیب سی بے نام نشاط کا احساس ہو رہا تھا اور اس نشاط و بے خودی کی

کیفیت سے میں باہر نہیں آنا چاہتا تھا۔ میں نے ہمزاد سے صرف اتنا کہا کہ اب میں سونا چاہتا ہوں اور پھر میں آنکھیں بند کر کے اس کے تصور میں کھو گیا۔ جس کے نام تک سے نا آشنا تھا۔

صبح جب میں اپنی پلکوں پر حسین خوابوں کا خوشگوار بوجھ لئے اٹھا تو میں نے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ میرا گناہ گار ماضی گزرنے والی رات کے لمبے سایوں میں کہیں روپوش ہو گیا تھا جیسے میرے اندر کسی نئے انسان نے جنم لے لیا ہو۔ وہ انسان جس کا تصور حسن بدل چکا تھا، جس کا تصور خیر و شر کے نئے معنی کی تلاش میں تھا۔ اس انسان کو اپنی تلاش تھی اور شاید اس تلاش میں وہ اجنبی چہرہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ جب خیالوں کی دھند چھٹی تو مجھے ہمزاد کا چہرہ نظر آیا۔ آنے والے لمحوں کے سوال ایک ایک کر کے میرے ذہن میں گونجنے لگے۔ سوالوں کے گرداب سے ایک سوال بار بار ابھرتا۔ وہ کون تھی؟

"ناہید۔" ہمزاد نے کہا اور مجھے جیسے میرے سارے سوالوں کا جواب مل گیا۔ ہمزاد میرا ذہن پڑھ چکا تھا اور ذہن میں ابھرنے والے سوالوں سے پوری طرح باخبر تھا۔ اسے مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ میرا ہر عالم اور ہر کیفیت جانتا تھا۔ میں اس وقت ناہید کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے لئے بے تاب تھا۔ ہمزاد نے مجھے اس اجنبی لڑکی کا نام ناہید بتایا تھا جس نے میری زندگی بدل دی تھی۔ ایک ہی نظر میں جس نے مجھے اپنا دیوانہ بنا لیا تھا۔ اور اب ہمزاد مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

"ناہید ایک مظلوم لڑکی ہے۔ ان خونی مناظر کو وہ آج تک نہیں بھول سکی جب سرعام لوگوں کو پھانسیاں دی گئیں، جب باعصمت، اور غیرت مند پردہ نشین عورتوں نے اپنی عزت و آبرو محفوظ رکھنے کے لئے کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں۔ انہیں چھلانگ لگانے والیوں میں ناہید کی ماں اور بڑی بہن بھی تھی۔ ناہید کے دو جوان بھائی اور ضعیف باپ انگریزوں کی وحشت و بربریت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ ان تینوں کو گولی مار دی گئی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے وطن سے محبت کی تھی۔ وہ اپنے وطن کو انگریزوں کے وجود سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے ناہید سے اس کی محبت کرنے والی ماں، شفقت کرنے والا باپ، اس کی عزیز بہن اور اس پر جان چھڑکنے والے جوان بھائیوں کو چھین لیا۔ ناہید کا تعلق یوپی کے ایک باعزت خاندان سے ہے جو ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے کلکتے میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ اس سارے ہنگامے میں ناہید اس لئے زندہ رہ گئی کہ سفاک اور ظالم سپاہیوں نے اسے مردہ سمجھ لیا تھا جبکہ وہ اپنے جوان بھائی کی لاش دیکھ کر صرف بے ہوش ہوئی تھی۔ آگ اور خون کا یہ سیلاب جب تھما تو ناہید اس بھری دنیا میں تنہا تھی۔ مگر ناہید ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جن کی غیرت و حمیت پر مایوسیوں اور اداسیوں کی راکھ جم جاتی ہے۔ جن کے جذبوں کی گرمی کو وقت اور حالات کی سرد و بے مہر ہوائیں ٹھنڈا کر دیتی ہیں اور جو حالات سے صلح کر لیتی ہیں۔ وہ ان سب سے مختلف تھی۔ جب وہ پہلی مرتبہ مجاہدین کی خفیہ تنظیم کے ایک رکن سے ملی اور اس سے تنظیم میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تو سننے والا دنگ رہ گیا۔ پہلے اسے سمجھایا گیا، اسے بتایا گیا کہ یہ کام لڑکیوں اور عورتوں کا نہیں۔ یہ بڑے جان جوکھوں کا کام ہے جس میں بڑے بڑے جی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ لیکن ناہید کی ہمت و جرات اور اس کے جذبات کی شدت نے تنظیم کے افراد کو مجبور کر دیا کہ وہ اسے تنظیم میں شامل کر لیں۔ اس نے اس عرصے میں تنظیم کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ بڑے بڑے مردوں کے بس کا روگ نہیں۔ ناہید اس شہر کے اہم ارکان میں سے ایک ہے۔ اسی لئے آپ سے ملنے اسے بھیجا گیا تھا۔"

ہمزاد سے ناہید کی المناک داستان سن کر میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس کی ہمت و جرات کے بارے میں جان کر میرا سر خود بخود عقیدت سے جھک گیا۔ اس کے عزم و حوصلے کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنا وجود بہت کمتر محسوس ہونے لگا تھا۔

وہ سارا دن ناہید کے انتظار میں گزر گیا۔ جوں جوں شام کے سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے خیالوں کی خوشبو سے میرا سارا وجود مہک رہا تھا۔ میں نے ہمزاد سے یہ پوچھنے کی کوشش بھی نہ کی کہ ناہید مجھے کہاں لے جانے والی ہے۔ حالانکہ میں اگر اس سے دریافت کرتا تو وہ مجھے سب کچھ بتا دیتا۔ لمحے پھیلتے گئے مگر اب ان کا پھیلاؤ مجھے گراں گزرنے لگا تھا۔ میں بار بار بے چین ہو کر لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھتا۔ ذرا سی آہٹ پر میرے کان کھڑے ہو جاتے۔ بند دریچوں سے گزرتی ہوئی ہوا کی سرسراہٹیں بھی مجھے چونکا جاتیں۔ لالٹین کی مدھم اور ملگجی روشنی دیوار پر آڑی ترچھی لکیریں بناتے ہوئے یک بیک ناہید کے جسم میں تبدیل ہو جاتی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ آج رات نہ آئے؟ کیا اسے اپنا وعدہ یاد ہوگا؟ کیا وہ آئے گی؟ مجھے وسوسوں نے گھیر لیا اور انہیں وسوسوں کی شدت نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے تصور کی قوت بروئے کار لاؤں۔ میری آنکھیں اسے دیکھنے کے لئے بے تاب تھیں اسی لئے میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب میں اس کا تصور باندھ رہا تھا لیکن جیسے ہی وہ چہرہ میری چشم تصور کے سامنے آیا میں چونک پڑا۔ یہ وہ

معصوم چہرہ تو نہیں تھا جسے کل رات میں نے دیکھا تھا۔ مجھے ناہید کے چہرے پر بلا کی سفاکی نظر آئی۔ اس کی آنکھوں کا نشیلا پن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ ان میں بجائے نشیلے پن کے گہری سرخی تھی جیسے تپتا ہوا گرم لوہا۔ میں نے اپنے تصور کا دائرہ وسیع کیا اور اسی وقت ناہید نے جھپٹ کر اونگھتے ہوئے سپاہی کے سینے میں خنجر اتار دیا۔ اس کا دوسرا ہاتھ سپاہی کے منہ پر تھا۔ سپاہی کی آخری چیخ اس کے گلے ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔ جب تک وہ تڑپ کر ٹھنڈا نہ ہو گیا ناہید اس کے پاس سے نہ ہٹی۔ ناہید نے سپاہی کا جسم دروازے سے گھسیٹ کر ایک طرف کیا اور اپنے لباس سے کوئی چیز نکال کر دروازے پر جھک گئی لیکن کافی دیر جدوجہد کرنے کے باوجود دروازہ نہ کھلا۔ وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ اور کچھ دیر آہٹ لینے کے بعد اس کوٹھی کی پشت کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت وہ کسی بڑی کوٹھی کے احاطے میں تھی۔ میری چشم تصور اس کے ساتھ ساتھ حرکت کرتی رہی۔ میں ناہید کی حرکات و سکنات پر حیرت زدہ تھا۔ میں قطعی لاعلم تھا کہ وہ اتنی رات گئے وہاں کیا کرنے گئی ہے اور یہ کوٹھی کس کی ہے؟ کوٹھی کے پچھلے حصے میں کچھ فاصلے پر اصل عمارت سے کچھ دور چند کوارٹرز بنے ہوئے تھے جن میں قطعی تاریکی اور خاموشی تھی۔ میں نے ناہید کو چوکنا انداز میں وہاں سے گزرتے دیکھا۔ پھر میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ ناہید بندروں کی سی پھرتی سے ایک دیوار پر چڑھ گئی اور پھر آہستہ سے دیوار کی دوسری طرف کود گئی۔ اب وہ عمارت کے بڑے صحن میں تھی۔ صحن سے دبے پاؤں گزر کر وہ راہداری میں پہنچی اور ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ دروازہ غالباً اندر سے بند تھا۔ وہ دروازے سے گزر کر قریبی کھڑکی کے پاس رکی۔ جیسے ہی اس نے کھڑکی پر ہاتھ رکھا کھڑکی اندر کی طرف کھلتی چلی گئی۔ کمرے کے آتشدان پر شمع دان روشن تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کمرہ یقیناً کسی صاحب ثروت کا ہے۔ کمرے کی آرائش و زیبائش بھی اس بات کی غماز تھی کہ یہاں رہنے والا شخص بڑے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر میں نے ناہید کو سامنے بچھی ہوئی مسہری کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا جس پر دو جسم پڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک عورت تھی اور ایک مرد۔ مرد کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں چونکا وہ چہرہ مجھے آشنا لگا اور چند ہی لمحوں میں مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ عورت اور مرد دونوں انگریز تھے۔ اس شخص کو میں نے اس دن دیکھا تھا جب جبار کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔ یہ شخص یقیناً کوئی بڑا انگریز افسر تھا۔ اس لئے کہ جبار کی گرفتاری میں یہی شخص پیش پیش تھا اور مختلف لوگوں کو احکامات صادر کر رہا تھا۔ مسہری کے قریب ہی ایک چھوٹی سی میز پر شراب کی بوتل رکھی ہوئی تھی اور دو گلاس لڑھکے ہوئے تھے۔ بوتل میں ابھی کچھ شراب باقی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دونوں جو غالباً میاں بیوی ہی تھے شراب پیتے پیتے ہی سوئے تھے۔

ناہید مسہری کے سرہانے جا کر رک گئی وہ مرد کے چہرے کا بغور جائزہ لے رہی تھی جیسے کچھ اندازہ کر رہی ہو یا اسے شناخت کر رہی ہو۔ پھر اچانک اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ خنجر کے پھل نے چمک سی پیدا کی اور دوسرے ہی لمحے وہ خنجر اس مرد کے سینے میں پیوست ہو چکا تھا۔ ایک چیخ کمرے میں گونجی اور وہ تڑپ کر اٹھا، اٹھنے کی کوشش میں وہ دوسرے ہی لمحے نیچے قالین پر گرا۔ اس کا تیزی سے ابلتا ہوا خون قالین کی سرخی میں اضافہ کرنے لگا۔

چیخ کی آواز سن کر انگریز افسر کی بیوی جاگ گئی تھی۔ وہ بوکھلا کر اٹھی اور اپنے شوہر کو یوں خون میں تڑپتا ہوا دیکھ کر اس کے منہ سے بھی ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ چیخ کے ساتھ ہی اس کا جسم بستر پر گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ غالباً دہشت سے اس کے ہوش و حواس زائل ہو چکے تھے۔

ناہید کا خوبصورت چہرہ اس وقت سفاک تاثرات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور وہ اپنے خون آلود خنجر کو بستر کے تکئے سے صاف کر رہی تھی۔

خنجر کا گھاؤ انگریز افسر کے عین دل پر لگا تھا اس لئے وہ زیادہ دیر تڑپے بغیر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گیا۔

ناہید مڑی وہ اس کمرے میں جس کھڑکی کے راستے داخل ہوئی تھی اسی سے گزر کر ایک بار پھر راہداری میں آ گئی۔ اب وہ پوری کوٹھی میں چکراتی پھر رہی تھی۔ کوئی کمرہ یا جگہ ایسی نہیں تھی جہاں گھس کر اس نے دیواروں کو ٹھوکا بجایا نہ ہو۔ کمروں کے فرش پر بچھے ہوئے قالین بھی اس نے اٹھا اٹھا کر دیکھے تھے۔ نہ معلوم اسے کس چیز کی تلاش تھی۔ وہ شاید کوٹھی کا آخری کمرہ تھا جس کی ایک میز سے ٹکرا کر وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اس نے ایک کمرے سے لالٹین بھی اٹھا کر جلا لی تھی۔ جس کی مدھم سی روشنی اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔ ناہید کے جسم کے دباؤ سے میز جیسے ہی ایک طرف کھسکی ایک تیز کھٹکا سا سنائی دیا۔ ناہید چوکنا سی ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مگر اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ پھر اس نے اس کمرے کے قالین الٹنا شروع کر دیئے اور جیسے ہی اس نے دیوار کے قریب بچھے ہوئے قالین کا کونا پلٹا اس کے چہرے پر خوشی کی پرچھائیاں سی ناچنے لگیں۔ اسے جس شے کی تلاش تھی غالباً وہ اسے مل چکی تھی۔ فرش پر ایک چوکور خلا نمودار ہو چکی تھی اور

اس خلا سے ہلکی ہلکی روشنی ابھر رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ یقیناً وہ کسی تہہ خانے کے راستے کی تلاش میں تھی جو اسے مل گیا ہے۔ ناہید نے لالٹین اٹھا کر خلا کا جائزہ لیا۔ وہاں نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ناہید خلا میں اتر گئی۔ زینہ عبور کرتے ہی اس کی نظر سامنے والی دیوار پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی پلکیں بوجھل ہوگئیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور چہرے کی کھوئی ہوئی معصومیت پھر لوٹ آئی تھی۔ سامنے والی پتھریلی دیوار پر ایک لائن سے پندرہ نوجوان لٹکے ہوئے تھے جن کے ہاتھوں کو رسیوں سے باندھ کر دیوار میں لگے ہوئے ہکوں میں لٹکا دیا گیا تھا۔ ان کے ادھڑے ہوئے جسموں سے پتہ چلتا تھا کہ ان پر انتہائی تشدد کیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ کی نظریں ناہید پر پڑیں اور پھر مجھے ہر طرف سے "ملکہ' ملکہ" کی سرگوشیاں سنائی دیں۔ ان نوجوانوں نے ناہید کو ملکہ کہہ کر مخاطب کیا تھا جو میرے لئے حیرت کی بات تھی۔ کیونکہ ہمزاد نے مجھے اس کا نام ناہید بتایا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ان سب کو قید و بند سے آزاد کرا چکی تھی۔ مگر ان پندرہ میں سے دو ایسے بھی تھے جو ہمیشہ کے لئے ہر قید سے آزاد ہو چکے تھے اور اب ان کی آزاد روحوں کو کوئی قید نہیں کر سکتا تھا۔ ناہید ان دونوں کی لاشوں کے قریب دوزانو بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر مرنے والوں کے جسم پر گر رہے تھے۔

"تم دونوں ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "مگر میں نے تم دونوں کا انتقام لے لیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئی۔

"آج کے بعد بلکھیاں والا ٹھکانہ مشکوک ہوگیا ہے۔ تم سب یہاں سے مٹیا برج جاؤ گے۔ وہ جگہ ابھی محفوظ ہے۔ مجھے ابھی ایک کام اور کرنا ہے۔ کچھ دیر بعد میں بھی وہیں پہنچ جاؤں گی۔ ان دونوں کو وہیں دفن کر دینا۔ یہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ ممکن ہے مجھے لوٹتے ہوئے دیر ہو جائے۔" ناہید کے لہجے کی نرمی پھر لوٹ آئی تھی اور اب اس کی آواز میں بھراہٹ بھی نہیں تھی۔

ناہید کے ساتھیوں نے اپنے دونوں مردہ ساتھیوں کی لاشیں اٹھائیں اور ناہید کے ساتھ نہایت خاموشی کے ساتھ اس کوٹھی سے نکل گئے۔

میں نے اب اپنی آنکھیں کھول دیں کیونکہ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ ناہید اب میرے ہی پاس آنے والی ہوگی۔ وہ کام یقیناً مجھ سے ملنا ہی ہوگا جس کے بارے میں اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا اور ان کے ہمراہ نہیں گئی تھی۔ اس صورت حال نے مجھے فکر مند کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مجاہدین کی گرفتاریاں اب بھی جاری تھیں اور ظاہر ہے کہ ان گرفتاریوں کے پیچھے جبار کا ہاتھ تھا۔ اسی نے اعلیٰ حکام کو مجاہدین کے ٹھکانے سے آگاہ کیا ہوگا۔ اس نے اپنے ہمزاد کے ذریعے مجاہدین کے بارے میں معلومات اکٹھا کر کے انگریزوں تک پہنچائی ہوں گی۔ میں چاہتا تو جبار کو اسی وقت ختم کرا دیتا جب ہمزاد نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ناپاکی کی حالت میں پڑا ہے۔ اس وقت اس پر حملہ کیا جانا ممکن تھا اور وہ اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن میں اپنے مزاج سے مجبور تھا۔ میری سرشت ہی کچھ ایسی تھی کہ مجھے دشمن کو تڑپا تڑپا کر مارنے میں لطف آتا تھا۔ کبھی کبھی میرا یہی مزاج میرے لئے نقصان دہ ہو جاتا تھا مگر میں اپنے مزاج اور عادت کے سامنے مجبور تھا۔

جن مجاہدین کو آج ناہید نے آزاد کرایا تھا انہیں کب گرفتار کیا گیا تھا؟ میں اس سے بے خبر تھا۔ یہی جاننے کے لئے میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔ جو میرے قریب ہی مودب کھڑا تھا۔

"غالباً میں جو کچھ جاننا چاہتا ہوں تم اس سے بے خبر نہیں ہوگے؟" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں مجھے بخوبی علم ہے کہ آپ مجاہدین کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ آج دن ہی میں انہیں جبار کی نشاندہی پر گرفتار کیا گیا تھا اور....."

"مگر تم نے مجھے دن میں اس واقعے سے کیوں مطلع نہیں کیا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آج آپ بہت دن بعد خوش نظر آئے تھے اور کیف و سرشاری کی جس کیفیت سے گزر رہے تھے میں اسے توڑنا نہیں چاہتا تھا۔"

"کیا تمہیں علم نہیں کہ مجاہدین کو اس کی کتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی؟" میرے لہجے میں تلخی تھی۔

"جی ہاں! مجھے ان دو شہیدوں کا افسوس ہے جنہوں نے انتہائی تشدد کے سبب جان دے دی۔"

"جب کہ انہیں بروقت امداد سے بچایا بھی جا سکتا تھا۔" میرے لہجے کی تلخی بڑھ گئی۔ "تم نے میری خوشی پر دو انسانوں کو بھینٹ چڑھا دیا مجھے ایسی خوشی نہیں چاہئے۔"

میری آنکھیں مستقبل میں جھانکنے کی اہل ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ دکھوں اور آزمائشوں کا ایک طویل دور شروع ہونے والا ہے۔ میں آپ کا وفادار خادم ہوں آپ مجھے جو حکم دیں گے میں بسرو چشم اسے بجالانے کا پابند ہوں۔ لیکن میرا فرض یہ بھی ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے آپ کو آگاہ

کرتا رہوں۔ آپ نے اپنی آئندہ زندگی کے لئے جو راہ منتخب کی ہے وہ بہت کٹھن' دشوار اور جان لیوا ہے۔ جب کہ آپ میرے ہوتے ہوئے ایک مثالی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ آپ کے نزدیک کبھی کوئی دکھ نہیں آسکتا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ دکھوں سے بھری ہوئی زندگی کو خود گلے لگانے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔" ہمزاد ایک ہی سانس میں بہت کچھ کہہ گیا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں میرے فیصلے سے اختلاف ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے اختلاف کا کوئی حق نہیں مگر جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں اس سے آپ کو آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"مجھے یہ دکھ قبول ہیں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ میں اپنی زندگی کا مقصد پا چکا ہوں اور اب اسے کھونا نہیں چاہتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ غالباً یہی سب کچھ سوچ کر تم نے مجھے مجاہدین کی گرفتاری سے مطلع نہیں کیا کہ میں کہیں مزید دلچسپی نہ لینے لگوں' بہرحال جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا لیکن اب سے تم مجھے ہر حال میں ہر بات سے آگاہ رکھو گے۔ یہ میرا حکم ہے۔ میں جو فیصلہ کر چکا ہوں اس سے پیچھے ہٹنے پر کسی بھی صورت میں تیار نہیں خواہ مستقبل میرے لئے اپنے دامن میں دکھ اور آزمائشیں لائے یا سکھ۔"

کچھ دیر خاموش رہ کر میں نے ہمزاد سے اس انگریز افسر کے بارے میں معلوم کیا جسے ناہید نے ٹھکانے لگا دیا تھا۔

"وہ اس شہر کا کمشنر تھا۔ اسی کے ایما پر مجاہدین کو بجائے پولیس یا ملٹری کی کسٹڈی میں رکھنے کے خود اس کی کوٹھی کے تہہ خانے میں رکھا گیا تھا۔ جہاں اس کی موجودگی میں مجاہدین کے ساتھ انتہائی وحشت و بربریت کا سلوک کیا گیا اور اسی کے نتیجے میں دو مجاہد اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ کمشنر نے انہیں بطور خاص اپنی کوٹھی کے تہ خانے میں اس لئے رکھا تھا کہ اس کے علم میں آچکا تھا کہ اس سے پہلے جن مجاہدین کو ملٹری کسٹڈی میں رکھا گیا تھا وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔" ہمزاد نے مجھے تفصیل سے بتایا۔

اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی اور میں نے فوراً ہمزاد کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت مجھ سے ملنے ناہید کے علاوہ اور کون آسکتا تھا۔ دروازہ کھلا تو میرے خیال کی تصدیق بھی ہوگئی۔ وہ آج بھی کل والے حلئے میں تھی۔ اس کے اندر آتے ہی ہمزاد نے کنڈی لگا دی۔ آج اس نے اطمینان اور سکون سے خود بخود دروازے کو بند ہوتے اور کنڈی لگتے دیکھا۔ مگر آج اس کی آنکھوں میں حیرت نہیں تھی۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے چہرے سے نقاب ہٹا دی۔ اور میرے برابر رکھی ہوئی آرام کرسی پر بالکل کل ہی کی طرح بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کے چہرے پر اطمینان اور سکون کو دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل وہ کسی کو قتل کر کے آئی ہے۔

"مجھے غالباً پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ میں اس کے لئے تم سے معذرت طلب ہوں شیخ۔" ناہید کی نرم اور ٹھنڈی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"یقیناً تم کسی اس سے زیادہ اہم کام میں مصروف ہوگی۔" میں نے یہ جملہ کہہ کر اس کا رد عمل اس کے چہرے پر تلاش کیا لیکن مجھے مایوسی ہوئی۔ ناہید کو اپنے اعصاب پر پورا قابو تھا۔

"ہاں کچھ یوں ہی سمجھ لو۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو کیا تم میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو۔" اس نے کہا۔

"میں تمہارا ہی منتظر تھا۔" میں نے جواب دیا "لیکن چلیں گے کس طرح اور کہاں؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔" وہ پرسکون لہجے میں بولی "میں جانتی ہوں کہ تم اپنے ایک پیر سے بھی معذور ہو اسی لئے میں نے ایسا انتظام کیا ہے کہ تمہیں زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ تمہیں بس یہاں سے اٹھ کر نیچے گلی تک چلنا پڑے گا۔ اس کے بعد تمہیں اپنی بیساکھیاں استعمال کرنے کی ضرورت صرف اسی وقت پڑے گی جب ہم اپنی منزل پر پہنچ چکے ہوں گے۔"

مجھے خواہ مخواہ مذاق سوجھا اور میں نے کہا "تمہارا یہ خیال درست نہیں کہ میں بیساکھیوں کے سہارے کے بغیر چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ میں تمہارے ساتھ بغیر بے ساکھیوں کے چلوں گا یہ الگ بات ہے کہ اپنے پاؤں پر نہ چلوں۔"

میری بات سن کر وہ کچھ الجھ سی گئی۔ میرے جملے کی معونیت اس پر اس وقت تک نہیں کھل سکتی تھی جب تک واقعی وہ یہ نہ دیکھ لیتی کہ میں نے بے ساکھیاں بھی استعمال نہیں کیں اور اپنے پیروں کو بھی اس کے ساتھ چلنے کے لئے کام میں نہیں لایا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھی نہیں شیخ۔ جہاں تک مجھے علم ہے تمہارا ایک پیر بے کار ہے جس کا ثبوت یہ بیساکھیاں بھی ہیں جو تمہاری مسہری کی پٹی سے لگی رکھی ہیں۔"

"تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہو جب تک دیکھنے والا اپنی آنکھوں ہی سے نہیں دیکھ لیتا یقین ہی نہیں کرتا۔ تو پھر میں چلوں۔" اسی کے ساتھ میں نے ہمزاد کو ہاتھ کا اشارہ کیا۔ وہ غالباً میرا مطلب پوری طرح سمجھ گیا۔ اس نے مجھے مسہری سے ایک پاؤں نیچے رکھتے ہی اٹھا لیا۔ اب میرے دونوں پاؤں کمرے کے

فرش سے تقریباً چھ انچ اونچے خلا میں معلق تھے اور میں تیرتا ہوا سا کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے ہمزاد کو رکنے کا اشارہ کیا۔ کیوں کہ میں نے محسوس کیا تھا کہ میرے پیچھے ناہید نہیں آرہی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ تصویر حیرت بنی ہوئی مجھے گھورے جارہی تھی اور اس کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کے سائے منڈلا رہے تھے۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بڑا غیر یقینی تھا۔

"تم نے دیکھا کہ میں نے چلنے کے لئے نہ تو بیساکھیاں استعمال کیں اور نہ اپنے پیر۔ اب تو تم میری بات کا مقصد سمجھ گئیں؟"

"مگر.... مگر یہ کس طرح ممکن ہے؟ تم.... تم.... کیا سحر جانتے ہو؟..... آخر تم ہو کیا....."

"رفتہ رفتہ سب جان جاؤ گی۔ آؤ اب چلیں۔ مجھے واپس بھی آنا ہے۔"

ناہید کھوئی کھوئی اور پریشان سی میرے ساتھ زینے اترتی رہی۔ بار بار اس کی نظریں میرے پیروں کی طرف جاتی تھیں۔ زینے سے اتر کر میں نے دیکھا کہ ایک شخص رکشا لئے کھڑا ہے۔ اس رکشے میں بیٹھنے کا یہ میرا پہلا تجربہ نہیں تھا۔ جب میں کلکتہ پہنچا تھا تو اس وقت بھی ایک ایسے ہی رکشے میں بیٹھا تھا۔ اور مجھے یاد ہے کہ اس وقت بھی مجھے دکھ ہوا تھا اور اس دکھ کی وجہ یہی سواری تھی۔ یہ رکشا ہاتھ سے کھینچنے والا تھا۔ سواری رکشا میں بیٹھ جاتی تھی اور ایک شخص تقریباً بھاگتا ہوا رکشے کے آگے کی طرف نکلے ہوئے دونوں ڈنڈے پکڑ کر کھینچتا تھا۔ بالکل ایسا احساس ہوتا تھا کہ رکشے میں بجائے کسی آدمی کے کوئی جانور جتا ہوا ہے۔ بہر حال میں رکشے میں ناہید کے ساتھ بیٹھ گیا۔ رکشے والے نے زمین پر رکھے ہوئے رکشے کے دو طرفہ ڈنڈوں کے اگلے سرے اٹھائے اور چل دیا۔

اس کا قرب میرے لئے کسی نشے سے کم نہیں تھا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد دانستہ مکمل خاموشی اختیار کرلی تھی کہ کہیں وہ میرے لہجے کی تھرتھراہٹ سے جذبات کی شدت کا اندازہ نہ کرلے جو میں فی الحال نہیں چاہتا تھا۔

پیچ در پیچ گلیوں سے رکشا گزرتا رہا۔ اور نہ جانے کتنی دیر سفر جاری رہا کیوں کہ میں اپنے خیالوں میں اس قدر محو تھا کہ مجھے وقت کا کوئی احساس ہی نہیں ہوا۔ میں چونکا اس وقت جب رکشا ایک نیم تاریک سی گلی میں ایک بوسیدہ سی عمارت کے سامنے جاکر رک گیا۔ پہلے ناہید رکشا سے اتری۔ اس کے بعد میں نے ہمزاد کو اشارہ کیا۔ اب ناہید کے سامنے پھر وہی حیران کن منظر تھا۔

ناہید مجھے لے کر اس کھنڈر نما عمارت میں داخل ہوگئی۔ جس کی ایک دیوار گری ہوئی تھی اور اس کے پھاٹک نما دروازے کا ایک پٹ بھی غائب تھا۔ اندھیرا ہونے کے سبب اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جیسے ہی اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا میرے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ اس گداز ہاتھ کا لوچ مجھے بے خود کردینے کے لئے کافی تھا۔ میں خواب کے سے عالم میں اس کے ساتھ بڑھتا رہا کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک ستون کے پاس رکی۔ اس کا سایہ مجھے جھک کر کچھ ٹٹولتا ہوا محسوس ہوا۔ میری سماعت سے ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز ٹکرائی۔ ناہید نے میرا ہاتھ پھر تھام لیا۔ میں نے دیکھا کہ اب وہ ستون کھسک کر کچھ آگے بڑھ گیا تھا اور جہاں وہ پہلے تھا اس جگہ خلا نظر آرہا تھا جس میں دھندلی دھندلی سی روشنی تھی۔ وہ مجھے لے کر اس خلا میں اتر گئی جہاں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی اس نے آخری سیڑھی پر قدم رکھا میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے دائیں طرف کی دیوار میں لگی ہوئی کوئی زنجیر کھینچی۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ پھر سنائی دی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ستون پھر اپنی جگہ پر آگیا ہوگا اور تہہ خانے میں اترنے کا راستہ اب بند ہوچکا ہوگا۔ ایک چھوٹے سے دالان سے گزر کر ہم ایک بڑے کمرے میں آگئے۔ یہاں پہنچ کر میں نے تقریباً ۲۵۔۳۰ افراد کو دیکھا۔ جن میں سے کئی کو میں پہچان گیا۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہیں میں نے ہمزاد کے ذریعے رہا کرایا تھا اور وہ بھی تھے جنہیں کچھ دیر پہلے آج ہی رات ناہید نے کمشنر کے تہہ خانے سے آزادی دلائی تھی۔

میں نے ان سب کے چہروں پر دکھوں کے سائے منڈلاتے محسوس کئے۔ غالباً انہیں اپنے دوستوں سے بچھڑنے کا ملال تھا۔ ہمارے وہاں پہنچتے ہی ان میں سے کسی نے ناہید کو مخاطب کیا۔

"ملکہ! ہم نے تمہارے کہنے کے مطابق ان دونوں کو غسل دے کر نہیں دفن کردیا ہے۔"

میں ملکہ کا لفظ سن کر پھر الجھا۔ اس سے پہلے میں ایک مرتبہ اور بھی آج ہی کی رات یہ لفظ سن چکا تھا اور مجھے اس وقت بھی الجھن ہوئی تھی۔ جس لڑکی کا نام ہمزاد نے ناہید بتایا تھا اسے یہ لوگ ملکہ کہہ کر مخاطب کررہے تھے آخر کیوں؟

"جہاں ہمیں بچھڑنے والوں کا دکھ ہے وہیں آج ہمارے لئے ایک نوید بھی ہے۔ آج ہمارے ساتھیوں میں ایک نئے خدمت گار کا اضافہ ہوا ہے۔ عہد نامے پر دستخط ہونے کے بعد اس شخص کا نام بھی رکھ دیا جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے کسی کو مخاطب کیا۔

"امین اللہ کیا تم نے عہد نامہ تیار کرلیا ہے؟"

"ہاں ملکہ میں ابھی لاتا ہوں۔" اس شخص نے جواب دیا جسے امین اللہ کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔

امین اللہ اس بڑے کمرے کے دوسرے دروازے سے نکل کر چلا گیا۔ میں سب کچھ خاموشی سے دیکھ اور سن رہا تھا حالانکہ بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ مثلاً خدمت گار سے ناہید کا کیا مطلب تھا اور میرا نام رکھ دیا جائے گا سے اس کی کیا مراد تھی؟

اس بڑے ہال نما کمرے کے فرش پر بڑی بڑی دریاں بچھی ہوئی تھیں جن پر ان لوگوں نے بستر لگائے ہوئے تھے۔ انہیں میں سے ایک بستر پر میں اور ناہید بیٹھے تھے۔ بستر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے بچھے ہوئے تھے۔ کمرے میں کئی شمع دان روشن تھے۔ کمرے میں موجود تمام افراد اپنے اپنے بستروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے تھے جیسے کسی سوگوار تقریب میں شریک ہوں۔ وہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے بات نہیں کررہے تھے۔

کچھ دیر بعد ہی امین اللہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کوئی کاغذ تھا اور دوسرے ہاتھ میں جزدان میں لپٹا ہوا قرآن پاک۔ امین اللہ ہمارے پاس آکر بیٹھ گیا تو ناہید نے مجھے مخاطب کیا۔

"شیخزا! تم کہہ چکے ہو کہ تم ہر حال میں ہمارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو۔ اگر تم اپنے ارادے پر قائم ہو تو کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر تم اس عہد نامے کی عبارت کو بہ آواز بلند پڑھو۔"

اس دوران امین اللہ نے ایک کاغذ میری طرف بڑھادیا اور اپنے ہاتھوں میں قرآن شریف تھام کر میرے سامنے کردیا۔ میں نے اس کے کہنے پر اپنا دایاں ہاتھ قرآن پر رکھا اور کاغذ پر لکھی ہوئی عبارت بہ آواز بلند پڑھنے لگا۔

"میں خدا اور رسولؐ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ اپنی آخری سانس اور اپنے خون کے آخری قطرے تک دشمنان دین سے برسرپیکار رہوں گا۔ اپنے امیر کا ہر حکم بجا لاؤں گا۔ اور ہر حال میں تنظیم کا وفادار رہوں گا اگر خدانخواستہ میں گرفتار ہوگیا تو اپنے ساتھیوں اور تنظیم کے بارے میں ایک حرف بھی زبان پر نہ لاؤں گا چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ میں قسم کھاتا ہوں اس مختار کل کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں آخری دم تک اپنے وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد جاری رکھوں گا اور میں عہد کرتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر ہر حال میں عمل کروں گا۔"

عہد نامے کی عبارت ختم ہوچکی تھی۔ اس دوران میں نے اپنی روح میں ایک عجیب قسم کی تبدیلی اور گداز سا محسوس کیا۔ میں نے جو کچھ زبان سے ادا کیا تھا اس کا ایک ایک لفظ مجھے اپنی روح کی آواز محسوس ہورہا تھا۔ مجھ پر ایک بے خودی کی سی کیفیت طاری تھی اور اسی کیفیت میں، میں نے اپنی طرف ایک خنجر بڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ ناہید تھی جس نے میری طرف خنجر بڑھایا تھا۔ میں اسے حیرت سے دیکھنے لگا کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے اور اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ دریافت کرتا اس نے کہا۔

"اس عہد نامے کی سرخروئی کے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے خون سے اس پر دستخط کرو۔"

ان الفاظ میں نہ جانے کیا سحر تھا کہ میں نے بغیر سوچے سمجھے اس کے ہاتھ سے خنجر لیا اور اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں خنجر کی نوک اتار دی۔ انگلی سے تازہ تازہ خون ابلنے لگا۔ اسی دوران امین اللہ نے میری طرف سرکنڈے کا ایک قلم بڑھادیا میں نے انگلی سے بہتے ہوئے خون میں اس قلم کی نوک بھگوئی اور پھر عہد نامے پر میرے دستخط ہوگئے۔

ابھی دستخط کرکے میں نے عہد نامہ ناہید کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ کمرے میں ایک نورانی صورت والا شخص داخل ہوا۔ جیسے ہی اس کی آمد کا احساس لوگوں کو ہوا۔ سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس شخص کے چہرے پر ایک عجیب سا نور تھا اور جسم پر ڈھیلا ڈھالا لبادہ ہاتھ میں تسبیح تھی جس کے دانے گردش کررہے تھے۔ گھنی داڑھی بڑی بڑی آنکھیں اور دراز زلفیں اس کی بھاری بھرکم شخصیت کا خاصہ تھیں۔ اس شخص کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ اس نے کمرے کا سرسری سا جائزہ لیا اور ہاتھ کے اشارے سے سب لوگوں کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ ناہید اور امین اللہ جس بستر پر بیٹھے تھے وہیں وہ شخص بھی سلیقے سے آکر بیٹھ گیا پھر اس نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں مبارک ہو نوجوان کہ تم نے نیکی اور سچائی کی راہ منتخب کی۔ سوائے میرے بقیہ تمام لوگ تمہاری شخصیت سے ناواقف ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ ہماری تنظیم میں تمہاری شمولیت ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اب ہمارے ہاتھ اور بھی مضبوط ہوگئے ہیں۔" پھر وہ شخص بقیہ لوگوں کو مخاطب کرکے بولا "میں تنظیم کے امیر کی حیثیت سے تم سب کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ آج ہمارے درمیان جو شخص موجود ہے وہ چند ایسی ناقابل فہم پراسرار قوتوں سے مالا مال ہے جو ہماری تنظیم کے لئے

مستقبل میں نہایت سودمند ثابت ہوں گی۔ ہرچند کہ یہ نووارد نوجوان تمہاری طرح ابھی آزمائشوں اور امتحانوں سے نہیں گزرا لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئے گی اور تم اسے اپنا وفادار اور معاون پاؤ گے۔" یہ کہہ کر وہ شخص خاموش ہوگیا اور اس کے خاموش ہوتے ہی ناہید بولی۔

"اے امیر! آپ بڑی نیک ساعتوں میں تشریف لائے اس اجنبی نوجوان کے لئے جو اب ہمارے لئے اجنبی نہیں رہا یہ بات یقیناً باعث سعادت ہوگی کہ آپ بہ نفس نفیس اس کا نام تجویز فرمائیں۔"

"تم سب جانتے ہو کہ میرا دایاں بازو ملکہ ہے۔ لیکن آج سے میں مکمل ہوگیا ہوں مجھے میرے دونوں بازو مل گئے ہیں۔ میرا ایک بازو ملکہ ہے تو دوسرا بازو یہ نووارد نوجوان جس کا نام میں ظل الرحمان تجویز کرتا ہوں۔ کیا تم سب کو اپنے امیر عبدالرحمان کی اس تجویز سے اتفاق ہے؟" امیر عبدالرحمان نے مجمع کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

سب نے بیک وقت اور بیک زبان امیر عبدالرحمان کی تجویز سے اتفاق کیا۔

"اب ہمارے اور تمہارے درمیان راز کی کوئی دیوار حائل نہیں۔" امیر عبدالرحمان نے ایک مرتبہ پھر مجھے مخاطب کیا "میں اس شہر میں ان بے سروسامانوں کا امیر ہوں۔ تنظیم کے بارے میں رفتہ رفتہ تم سب بتدریج خود بہ خود جانتے جاؤ گے۔ تم سے کچھ بھی نہیں چھپایا جائے گا کیونکہ تم اب ہمارے اپنے ہو' ہمارے ہی جسم کا ایک حصہ ہو۔"

امیر عبدالرحمان کی باتیں میرے دل میں اترتی جارہی تھیں۔ لیکن اب مجھ پر بھی لازم تھا کہ ان کی بات کا جواب دوں میں نے کہا۔

"اے امیر! آپ نے مجھے جو عزت بخشی ہے مجھ پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے میں اس کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ میں انشاء اللہ ہمیشہ آپ کی نظروں میں سرخرو رہوں گا۔ آپ ہمیشہ مجھے وفاداروں اور جاں نثاروں کی صف میں دیکھیں گے۔"

"ہمیں تم سے یہی توقع ہے ظل الرحمان۔" امیر نے جواب دیا۔

عہدوپیماں کی وہ رات گزری تو میری زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اب میں ایک دوسرا ہی آدمی تھا۔ اس شیخ کرامت سے قطعی مختلف جو صرف اپنے لئے زندہ تھا۔ مجھے اب اپنی زندگی بامعنی و بامقصد نظر آنے لگی تھی۔

تنظیم کے بارے میں میرے ذہن میں پیدا ہونے والے مختلف سوالوں کے جواب ہمزاد کے ذریعے مجھے مل چکے تھے۔ ہمزاد نے مجھے بتایا تھا کہ تنظیم کے افراد خود بھی ایک دوسرے کے اصل ناموں سے ناواقف ہیں اور ان سب کے جو اصطلاحی نام تنظیم کا امیر تجویز کرتا ہے اسی سے وہ ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ تنظیم کے امیر کے علاوہ بہت کم لوگ نووارد کے اصل نام سے آگاہ ہوپاتے ہیں اور رفتہ رفتہ نووارد کا اصل نام ان کے حافظے سے بھی محو ہوجاتا ہے۔ ناہید کا اصطلاحی نام ملکہ اور امیر عبدالرحمان کا اصل نام قاضی میاں جان تھا جس سے شاید اب کوئی واقف نہ تھا۔ سوائے میرے کیونکہ میں نے یہ تمام معلومات ہمزاد کے ذریعے اکٹھی کی تھیں۔ وہ لوگ تنظیم کے افراد کو "خدمت گار" اور "جہادی" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اسی لئے ناہید نے بھی میرے لئے خدمت گار کا لفظ استعمال کیا تھا۔ تنظیم کی بقیہ تفصیلات بھی میرے لئے بہت دلچسپ اور حیرت انگیز تھیں۔ مجھے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ تنظیم اتنی منظم' ہمہ گیر اور بلند پیمانے پر چلائی جارہی ہے۔ ہمزاد کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق تنظیم کے تین بڑے مراکز تھے۔ کلکتہ پٹنہ اور پشاور۔ اس کے علاوہ دہلی' بمبئی اور مدراس میں بھی تنظیم کی کارگزاریاں تیز تھیں۔ یہی نہیں بلکہ ہر شہر میں خواہ وہ یوپی میں ہو یا بہار میں' پنجاب میں ہو یا سرحد میں' تنظیم کے افراد موجود تھے جو تنظیم کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرچکے تھے۔ تنظیم کا بنیادی مقصد ہندوستان سے انگریزوں کے تسلط کو ختم کرکے آزادی حاصل کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تنظیم نے جو لائحہ عمل مرتب کیا تھا وہ بڑا انوکھا اور چونکا دینے والا تھا۔ یہ لائحہ عمل ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامیوں کو مدنظر رکھ کر مرتب کیا گیا تھا۔ تنظیم کے اعلیٰ ارکان کا خیال یہ تھا کہ انگریزی حدود میں رہتے ہوئے یعنی اندرون ہندوستان کسی بھی طرح انگریزوں جیسی طاقتور حکومت سے ٹکرلینا ناممکن ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنی کارگزاریوں کے لئے سرحدی آزاد علاقوں کو منتخب کیا تھا جہاں انگریزی تسلط نہیں تھا۔ پورے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جو بھی خفیہ تنظیمیں کام کررہی تھیں وہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں تھیں اور ان سب کے ڈانڈے اوپر جاکر ایک دوسرے سے مل جاتے تھے۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی حدود حکومت سے باہر رہ کر ایک الگ حکومت کے طور پر جنگی تیاریاں کی جائیں اور اس پر وہ پوری طرح عمل کررہے تھے۔ تنظیم ایک طرح سے دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ تنظیم کا ایک حصہ اندرون ملک رہ کر تنظیم کے لئے کام کررہا تھا اور

دوسرا حصہ بیرون ملک سرحدی آزاد علاقوں میں جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ تاکہ وقت آنے پر وہ انگریزی حکومت پر حملہ کرسکے اور ہندوستان کو غلامی سے آزاد کراسکے۔ ہرچند کہ اس منصوبے کو پورا ہونے کے لئے کافی وقت درکار تھا مگر یہ منصوبہ تھا قابل عمل۔ اسی لئے اس پر عمل بھی شروع کیا جاچکا تھا۔ اندرون ملک جو لوگ کام کررہے تھے ان کے فرائض یہ تھے کہ وہ لوگوں کو تنظیم کے اغراض و مقاصد سے مطمئن کرکے انہیں تنظیم میں شامل کریں اور انہیں پوری طرح تربیت دے کر سرحدی علاقوں میں بھیج دیں۔ ان کا دوسرا کام یہ تھا کہ وہ مجاہدین کے اخراجات' سرحدی علاقوں میں ان کی گزربسر اور جنگی سازوسامان کی خرید کے لئے روپیہ فراہم کرکے آزاد سرحدی علاقوں کو روانہ کریں۔ اس سلسلے میں وہ بڑے بڑے محب وطن سرمایہ داروں سے بھی رابطہ قائم رکھتے تھے۔ خواہ وہ زمیندار ہو یا جاگیردار ہوں خواہ شہر میں کسی صنعتی کاروبار سے وابستہ ہوں۔ یہ تمام رقوم اکٹھی کرکے سرحد کے لئے روانہ کردی جاتی تھیں۔ سب کام انتہائی محتاط طریقے پر انجام پاتا تھا۔ انہوں نے روپیوں کے لئے آپس میں اصطلاحات بھی وضع کررکھی تھیں۔ جنہیں وہ آپس کی خط و کتابت میں استعمال کرتے تھے۔ وہ روپوں کے لئے اپنی خط و کتابت میں "سفید دانوں" اور اشرفیوں کے لئے "سرخ دانوں" کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ تمام ہندوستان سے روپیہ اکٹھا ہوکر پنجاب کے ضلع انبالہ کے ایک قصبے تھانیسر میں جمع ہوتا تھا۔ جہاں تنظیم کا ایک اہم مرکز قائم تھا اور اس مرکز کے سربراہ کو تنظیم کے افراد "پیرو خلیفہ" کے نام سے جانتے تھے۔ پیرو خلیفہ اپنے خفیہ ذرائع سے یہ تمام رقوم سرحد کے آزاد علاقوں کے امیر کو روانہ کردیتے تھے۔ یہی امیر اس تنظیم کا سربراہ تھا۔ تنظیم کے سربراہ کے کئی اصطلاحی نام تھے انہیں بابو صاحب' بابو جان' خان صاحب وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور ان کا اصل نام بہت کم لوگوں کے علم میں تھا۔ اکثر مجاہدین بھی تھانیسر کے ہی راستے سرحد کے لئے روانہ ہوتے تھے۔

تنظیم کے بارے میں یہ تمام معلومات میں نے ہمزاد سے اس رات کی صبح ہی حاصل کرلی تھیں جب میں نے عہد نامے پر اپنے خون سے دستخط کئے تھے۔ یہ تمام باتیں معلوم کرنے کے بعد اب میرے سامنے ایک اور مسئلہ درپیش تھا۔ وہ اہم مسئلہ یہ تھا کہ اگر تنظیم کے بارے میں یہ تمام اطلاعات جبار کے ذریعہ انگریزوں تک پہنچ گئیں تو کیا ہوگا؟ کیونکہ جس طرح اپنے ہمزاد کے ذریعے میں نے تنظیم سے متعلق سب کچھ معلوم کرلیا تھا اسی طرح جبار بھی اپنے ہمزاد کو کام لاکر یہ سب اطلاعات فراہم کرسکتا تھا اور انگریزوں کو بروقت ہوشیار کرسکتا تھا یہ صورت حال ظاہر ہے بے انتہا خطرناک ہوسکتی تھی۔ تنظیم کی برسوں کی محنت خاک میں ملنے کا اندیشہ تھا۔ فی الحال سب سے پہلا کام یہی ہوگا کہ کوئی بھی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ انگریز حکومت مجاہدین کی سرگرمیوں کی طرف سے بے خبر رہے۔ میں نے اس سلسلے میں ہمزاد سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔

"میں جس الجھن اور پریشانی کا شکار ہوں وہ یقیناً تم سے چھپی ہوئی نہ ہوگی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انگریز مجاہدین کی سرگرمیوں سے لاعلم رہیں؟ کیونکہ ان حالات میں یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا جو میرے سرہانے مودب کھڑا تھا۔

"اس کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ میں ہروقت جبار کے ہمزاد کو الجھائے رکھوں۔ ایسی صورت میں یہ ہوگا کہ میں آپ کے لئے قطعی بے کار ہوکر رہ جاؤں گا۔ میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ پھر مجھ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاپائیں گے۔" ہمزاد نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے؟" میں نے خوش ہوکر کہا۔

"جی ہاں! اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جبار کا ہمزاد ایک طرح سے اس کے لئے بے کار ہوکر رہ جائے گا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ میں بھی آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"اور اگر مجھے کسی مسئلے میں تمہاری ضرورت پیش آگئی تو اس صورت میں کیا ہوگا؟"

"س صورت میں یہ ہوگا کہ جبار کا ہمزاد بھی اس کا ہر حکم سننے اور اسے پورا کرنے کے لئے آزاد ہوگا۔"

"گویا چوٹ برابر کی ہوگی۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"خیر اس وقت جو ہوگا دیکھا جائے گا فی الحال آپ کا یہ سوچنا بالکل درست ہے کہ انگریزوں کو مجاہدین کی سرگرمیوں سے بے خبر رہنا چاہئے۔" ہمزاد نے کہا۔

مجھے فی الحال صرف ایک بات کے بارے میں بتاؤ کہ اب تک تنظیم سے متعلق جبار نے انگریزوں کو کچھ بتایا ہے یا نہیں۔ میری مراد کل ہندوستان گیر تحریک اور بیرون ملک تنظیم کی سرگرمیوں سے ہے۔" میں نے ہمزاد سے دریافت کیا۔

چند لمحے ہمزاد آنکھیں بند کئے رہا پھر اس نے کہا۔

"ابھی تک تنظیم کے بارے میں جبار نے انگریزوں کو کچھ نہیں بتایا لیکن ایک اور ذریعے سے تنظیم کے بارے میں ایک خطرناک بات اعلیٰ حکام تک پہنچ چکی ہے۔ جو آگے چل کر تنظیم

کے لئے خطرہ بھی بن سکتی ہے اگر بروقت اس کا سدباب نہ کیا گیا۔"

"ایسی کیا بات ہے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"تنظیم کے کچھ نووارد افراد جو بنگال ہی کے ایک ضلع سے سرحد کے لئے روانہ کئے گئے تھے اور جن کی تربیت پر ضروری توجہ صرف نہیں کی گئی تھی۔ انہیں پانی پت ضلع کرنال میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ ان کی گرفتاری کا سبب جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں خام تربیت ہی کہا جاسکتا ہے ورنہ وہ اتنی آسانی سے گرفتار نہ ہوجاتے۔ انہیں جتنے عرصے تربیت کی ضرورت تھی اس سے کچھ قبل ہی بنگال کے ضلع اسنول کے امیر نے فارغ کردیا۔ اسی لئے ان سے کچھ ایسی مشتبہ حرکات سرزد ہوئیں کہ ایک پٹھان پولیس سارجنٹ غزان خاں کو ان پر شک ہوگیا کہ یہ لوگ گرینڈ ٹرنک روڈ (شارع شیر شاہ) سے آنے والے مشرقی صوبوں کے لوگ ہیں۔ سارجنٹ کے جذبہ تجسس کو حرکت ہوئی اور اس نے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں جارہے ہیں؟ سارجنٹ کی بات کا وہ کوئی مناسب جواب نہ دے پائے اور گھبرا گئے۔ سارجنٹ نے انہیں حراست میں لے لیا۔ جب ان مجاہدین کو معلوم ہوا کہ سارجنٹ مسلمان ہے تو ان سے ایک اور سخت غلطی سرزد ہوگئی انہوں نے سارجنٹ سے کہا کہ وہ بھی ان کے اس نیک مقصد میں شامل ہوجائے۔ ظاہر ہے یہ ایک انتہائی غیر ذمہ دارانہ حرکت تھی۔ سارجنٹ نے انہیں حوالات میں بند کردیا کیونکہ وہ انتہائی لالچی اور دنیا دار شخص ہے۔ اسے توقع ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنے آقاؤں کے سامنے پیش کرکے اور ایک سازش کی مع ثبوت کے نشان دہی کرکے انعام و کرام اور اپنے عہدے میں ترقی پائے گا۔ یہ ایک انتہائی خطرناک بات ہے اگر انگریزوں کے کانوں میں یہ بھنک پڑگئی اور انہوں نے تحقیقات شروع کردی تو تمام معاملہ کھل جائے گا کیونکہ ڈور کا ایک سرا ان کے ہاتھ آچکا ہے۔" ہمزاد نے مجھے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"لیکن بقول تمہارے معاملہ ابھی نچلی ہی سطح پر ہے اور وہ بھی صرف ایک صوبے کے ایک شہر کا۔ کیا اس بات کو یہیں کے یہیں دبایا نہیں جاسکتا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ اعلیٰ حکام تک یہ بات پہنچنے ہی نہ پائے اور نچلی ہی سطح پر ختم ہوجائے؟" میں نے بے چینی سے کہا۔

میری بات سن کر ہمزاد نے پھر آنکھیں بند کیں اور تین چار سیکنڈ بعد آنکھیں بغیر کھولے بڑبڑایا۔

"سارجنٹ غزان خان مجاہدین کو لے کر اس وقت اسسٹنٹ کمشنر انبالہ کی عدالت میں داخل ہورہا ہے۔" پھر وہ آنکھیں کھول کر بولا "لیکن اسسٹنٹ کمشنر فیصلہ وہی دے گا جو آپ چاہیں گے۔" یہ کہہ کر ہمزاد غائب ہوگیا۔

ہمزاد تقریباً آدھے گھنٹے بعد واپس ہوا اور اس نے آتے ہی مجھے خوشخبری سنائی۔

"اسسٹنٹ کمشنر نے انہیں باعزت بری کردیا ہے۔ اس نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ سادہ لوح مسافر ہیں اور ان پر تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔" ہمزاد سے یہ خبر سن کر میرا دل خوش ہوگیا۔ یقیناً ایک بڑا خطرہ بروقت اقدام سے ٹل گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود سب سے بڑا خطرہ میرے لئے موجود تھا۔ جبار اور اس کا ہمزاد۔ میں نے چند لمحے سوچ کر ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"تم یہاں میرے رہتے ہوئے ہر وقت جبار کے ہمزاد پر نظر رکھو اور جیسے ہی جبار اسے کسی خطرناک مشن پر روانہ کرے فوراً بغیر وقت ضائع کئے اس کی راہ میں حائل ہوجاؤ اور اسے اس کے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دو۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ مجاہدین کی گرفتاری اور پھر رہائی یا فرار کے بعد انگریز خاموش نہ بیٹھیں گے۔ وہ پھر جبار سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے اور جبار اپنے ہمزاد کے ذریعے مجاہدین کے نئے ٹھکانے معلوم کرلے گا غالباً تم میری بات بخوبی سمجھ رہے ہو۔" میں نے ہمزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور اس دن تقریباً چار پانچ مرتبہ ہمزاد بس اچانک ہی میرے پاس سے غائب ہوتا رہا۔ مجھے جو خطرہ تھا وہ سامنے آرہا تھا۔ جبار نے اپنے ہمزاد کے ذریعے چار پانچ مرتبہ مجاہدین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر مرتبہ اس کا ہمزاد ناکام رہا تھا کیونکہ اس کی راہ میں میرا ہمزاد حائل تھا۔ مجھے یہ سارا انتظام کرکے ایک طرف سے کچھ سکون ہوگیا تھا۔ اب کم از کم مجاہدین محفوظ ہوگئے ہیں اور وہ پولیس کے ہتھے نہیں چڑھیں گے۔

اسی رات ناہید سے ملنے کا وعدہ تھا۔ اسی ویران اور غیر آباد سی عمارت میں جس کے نیچے تنظیم کے تہہ خانے تھے۔ ہمزاد آدھی رات کے قریب مجھے لے کر روانہ ہوا۔ لیکن ابھی اسے چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ اس کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جبار نے ایک مرتبہ پھر انگریز حکام کے کہنے پر اپنے ہمزاد کو مجاہدین کی تلاش کا حکم دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس میں کامیاب ہوجائے میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے اور اس کے لئے مجھے فی الحال آپ کو یہیں چھوڑ جانا پڑے گا۔" اس سے پہلے کہ میں اس کی بات کا کوئی جواب دیتا۔ اس نے مجھے ایک سرسبز و

شاداب میدان میں اتار دیا۔ وہاں قریب ہی گھنے درخت تھے اور نیم تاریکی تھی میں آہستہ سے پیڑوں کے درمیان رینگ گیا تاکہ دیکھ نہ لیا جاؤں۔ میں تقریباً ایک گھنٹے وہیں چھپا رہا اس کے بعد ہمزاد واپس ہوا۔

"کہو کیا خبر لائے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"اس مرتبہ اس نے کافی کوشش کی کہ کسی طرح میری پراسرار قوتوں کے حصار سے نکل کر اپنی قوتوں کو بروئے کار لاسکے کیونکہ جبار اسے بار بار حکم دے رہا تھا مگر آپ کی دعا سے میں اس پر حاوی رہا اور اسے اس کے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب صبح تک کوئی خطرہ نہیں۔" ہمزاد کی مطمئن آواز سنائی دی۔

"وجہ؟" میں نے سوال کیا۔

"جبار کئی راتوں کا جاگا ہوا ہے اس کے لئے نیند بہت ضروری تھی ورنہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتا۔ وہ اس وقت ایک عیاش انگریز افسر کے ہمراہ لذت جسم و جاں میں محو ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ کس طرح اپنے ہمزاد کو قریب بلا سکتا ہے اور..." ہمزاد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تم رک کیوں گئے؟ کہو کیا بات ہے؟"

"ایک موقع اور ملا ہے جبار کو ختم کیا جاسکتا ہے۔" ہمزاد نے سرگوشی کی۔

"نہیں یہ بزدلی ہے۔" میرے اندر کا منتقم انسان جاگ اٹھا "اسے تڑپ تڑپ کر مرنا ہوگا۔ اس کی موت اتنی آسان نہیں ہونی چاہئے۔"

میرے اس جواب میں میرے مزاج کو بہت بڑا دخل تھا۔ میں نے کچھ عجیب سا مزاج پایا تھا۔ خطرات کے بغیر آسان زندگی گزارنا جیسے میری سرشت ہی میں نہ تھا۔ شاید دشمنی کے وجود کے بغیر مجھے اپنی زندگی ادھوری محسوس ہوتی تھی۔ ورنہ اس رات ہی ہمزاد کے کہنے کے مطابق تمام معاملہ ختم ہوسکتا تھا۔ نہ جانے میرے ذہن میں کیا نفسیاتی گرہ تھی جسے میں خود بھی آج تک پوری طرح نہ سمجھ پایا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری زندگی کبھی دشمنوں سے اور خطرات سے خالی نہیں رہی حالانکہ اگر میں چاہتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ بے خوف و خطر زندگی گزار دیتا۔

"مجھے لے چلو۔" میں نے اپنے خیالات کے بھنور سے نکل کر ہمزاد کو حکم دیا۔

چند ہی لمحے بعد میں پارک سرکس کی اس کھنڈر نما حویلی میں تھا۔ جہاں ناہید نے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ غالباً باہر ملنے کا وعدہ اس لئے کیا تھا کہ میں ابھی اس میکنیزم سے ناواقف تھا جسے استعمال کرکے تہہ خانوں میں جایا جاتا تھا۔ مجھے ایک شکستہ سی دیوار کے پیچھے ایک سایہ سا متحرک نظر آیا اور اسی وقت کسی کی آشنا سی سرگوشی سنائی دی۔

"تم نے کافی انتظار کرایا۔" پھر وہ سایہ میرے قریب آگیا یہ ناہید تھی اس کی آواز کا جادو مجھ میں سوئے ہوئے سارے جذبوں کو جگا گیا۔ اس لئے جب اس نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں نے تھرتھراتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

"میں معذرت طلب ہوں ملکہ! مجھے واقعی دیر ہوگئی۔" میں نے دانستہ اسے اس کے اصطلاحی نام سے مخاطب کیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس بات سے آگاہ ہو کہ میں اس کے اصل نام سے واقف ہوں۔

کچھ دیر بعد ہی ہم تہہ خانوں میں تھے۔ امیر عبدالرحمان وہاں موجود تھے۔ کل یہاں سے ایک جماعت سرحد کے لئے روانہ کی جانے والی تھی۔ مگر مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اس جماعت کا امیر کون ہو؟ کیونکہ امیر عبدالرحمان ایک بااصول آدمی تھے اسی لئے وہ فکرمند تھے۔ اصول یہ تھا کہ نئے مجاہدین کے ہمراہ کسی تجربہ کار اور پرانے مجاہد کو ان کے امیر کے حیثیت سے جانا چاہئے۔ اس سے پہلے ایک جماعت آج دن میں روانہ کی جاچکی تھی۔ جیسے ہی ناہید میرے ہمراہ داخل ہوئی، امیر عبدالرحمان نے کہا۔

"لو مسئلہ حل ہوگیا میرا دھیان اس طرف گیا ہی نہ تھا۔ کل جو خدمت گار یہاں سے روانہ ہوں گے ان کی رہبری ملکہ کرے گی اور ملکہ کا کام ظل الرحمان کے سپرد کردیا جائے گا۔"

بظاہر تو یہ بہت معمولی سا فقرہ تھا مگر اسے سن کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ناہید اتنی جلدی مجھ سے جدا ہوجائے گی؟ یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"ہمارے پاس پرانے اور تجربہ کار خدمت گاروں کی کمی ہے اس لئے میں نے ملکہ کو یہاں سے ان کے ہمراہ بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مگر اس فیصلے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ملکہ خدمت گاروں کو ان کے کام سے لگا کر پھر واپس آجائے گی۔ تاکہ یہاں وہ اپنا کام دوبارہ سنبھال سکے اور ہمیں اپنے تنہا ہونے کا احساس نہ ہو۔" امیر عبدالرحمان کی آواز پھر سنائی دی۔

میں سخت الجھن میں مبتلا ہوگیا کیونکہ امیر اگر یہ کہتے کہ میں بھی ناہید کے ہمراہ جاسکتا ہوں تو میرے لئے پریشانی یا فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ مگر انہوں نے تو میرے بارے میں یہیں رہنے اور ناہید کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا حکم صادر کیا تھا۔

"کیا ہمارا فیصلہ ملکہ کو اور ظل الرحمان کو قبول ہے؟" امیر عبدالرحمان نے ہم دونوں کی طرف مڑ کر کہا۔

"بسرو چشم" ناہید نے کہا۔ لیکن میں اپنی ہی خیالوں میں کھویا رہامیں نے کچھ نہیں کہا۔

"ظل الرحمان! کیا تمہیں اپنے بھائی عبدالرحمان کے فیصلے سے اختلاف ہے؟" امیر نے میری خاموشی کو محسوس کرلیا۔

امیر کے حکم سے انحراف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لئے میں نے بہ باطن مردہ دلی اور بہ ظاہر خوش دلی سے کہا۔

"آپ کا ہر فیصلہ خادم کے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور ادم آپ کا حکم بجالائے گا۔"

"آفریں ہو تم پر کہ تم نے اپنے عہد کو نبھایا۔" امیر نے لہا۔

اس کے بعد امیر نے کمرے میں موجود تیس نوجوانوں میں سے بیس کو منتخب کیا۔ انہیں ناہید کی رہنمائی میں کل صبح دم روانہ وجانا تھا۔

ناہید کو کلکتہ سے روانہ ہوئے ابھی صرف دو تین دن ہی لزرے تھے کہ میری بے تابیاں بڑھنے لگیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے ھے ناہید سے بچھڑے ہوئے صدیاں گزر گئی ہوں۔ بار بار مجھے وہ نظر یاد آتا جب میں اسے خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ شاید اس نے یری آنکھوں کی نمی کو محسوس کرلیا تھا اور بھرائی ہوئی آواز میں لی تھی "شیخ! اگر ہم زندہ رہے تو ضرور ملیں گے۔ میں تمہیں یاد بھوں گی اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی مجھے نہیں بھولو گے۔" اس ات میں نے پہلی مرتبہ یہ جانا کہ عشق کی گرمی اور ہوس کی بزی میں کیا فرق ہے۔ آہستہ آہستہ سلگے جانے میں کیا لذت ہے۔ کچھ نہ کہہ کر بھی سب کچھ کہہ دیا جاتا ہے۔ ہاتھوں کی خفیف ں جنبش اور آواز کی ہلکی سی لرزش کے کیا معنی ہیں۔ مجھے اچھی لرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ جذبات کی شدت نے مجھ سے احتیاط کے سارے تقاضے چھین لیئے۔ میں نے اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر جذبات سے بوجھل آواز میں کہا تھا "ناہید!"

اسے جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا تھا۔ وہ جلدی سے اپنا تھ کھینچ کر بولی تھی "تم ... تم ..... تمہیں میرا نام .... میرا نام تہیں کس نے بتایا؟" اور میں ایک دم سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ وہ ایک ، لمحے میں جیسے بدل کر رہ گئی تھی۔ جیسے وہ ایک دم ناہید سے ملکہ ن گئی ہو۔ اس نے مجھے خاموش سر جھکائے دیکھ کر ایک دم یرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا "میں نے تم سے کوئی سوال کیا ا جواب دو! تمہیں یہ راز کس طرح معلوم ہوا۔" میں نے نظر ٹھا کر دیکھا تو اس کے چہرے پر سفاکی تھی۔ پھر میں بڑی مشکل سے اسے یقین دلا پایا تھا کہ میں نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے س کا اصل نام معلوم کرلیا ہے۔ کافی دیر وہ گم صم رہنے کے بعد اعتدال پر آئی تھی۔

ناہید سے جدا ہوئے یہ تیسری رات تھی۔ اس رات میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ امیر عبدالرحمان سے میں اس سلسلے میں بات کروں گا کہ وہ مجھے بھی سرحد جاکر مجاہدین میں شامل ہوجانے کی اجازت دے دیں لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ وہ مجھے اجازت دے دیں گے کیونکہ میں نے ان تین دنوں میں خاصی کارگزاری دکھائی تھی۔ اس میں روپے کی فراہمی بھی شامل تھی اور یہ روپیہ میں نے ہمزاد کی مدد سے حاصل کیا تھا۔ یہ کل رات کا واقعہ تھا۔ امیر نے اتنی بڑی رقم دیکھ کر مجھ سے پوچھا تھا کہ میں نے کن ذرائع سے یہ رقم حاصل کی ہے تو میں نے انہیں صاف صاف بتادیا تھا کہ میں نے اس رقم کے حصول کے لئے اپنی پراسرار قوتوں سے کام لیا ہے۔ دراصل کل رات کے اس واقعہ ہی نے میرا ذہن اس طرف مبذول کیا تھا کہ اگر میں امیر سے یہ کہوں کہ میں سرحد کے آزاد علاقوں میں جاکر مجاہدین کے لئے کام کروں تو زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح میں بروقت ان کی ہر طرح مدد کرسکتا ہوں جس میں روپے کی فراہمی بھی شامل ہے۔ رقم کو بحفاظت سرحد تک بھیجنا بھی ایک بڑی ذمہ داری تھی۔ میں چاہتا تو اس سلسلے میں بھی ان کی مدد کرسکتا تھا۔ ہمزاد کی ذریعے یہ کام بہت آسان تھا اور میں نے سوچا بھی تھا کہ ان کے سامنے یہ تجویز پیش کروں مگر کچھ سوچ کر میں خاموش ہوگیا تھا۔ غالباً میرے لا شعور میں اس وقت یہی بات رہی ہوگی کہ میں امیر سے سرحد جانے کی اجازت چاہتا تھا اور اس کا جواز یہ پیش کرنا چاہتا تھا کہ اس طرح بغیر کسی خطرے کے مجاہدین کو وہیں کے وہیں رقم ملتی رہے گی۔ کیونکہ اگر میں ہمزاد کے ذریعے وہاں رقم بھجوانے کی تجویز رکھتا تو میرے سرحد جانے کا کوئی جواز ہی نہ رہ جاتا۔

میں نے جو کچھ سوچا تھا اس کے برعکس امیر عبدالرحمان نے بغیر کسی پس و پیش کے مجھے سرحد جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے ان کے سامنے اپنے وہاں جانے کا وہی جواز پیش کیا تھا جو میں پہلے سوچ چکا تھا۔ پھر اسی وقت میرے ذہن میں ایک اور خدشے نے جنم لیا' میں نے امیر کو مخاطب کیا۔

"لیکن وہاں میں تنہا جانا پسند کروں گا۔ آپ غالباً واقف ہیں کہ انگریز میری جان کے دشمن ہیں اگر آپ نے میرے ہمراہ کچھ نئے خدمت گاروں کو بھی روانہ کیا تو ان کی زندگیاں بھی خطرے میں پڑسکتی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر میں وہاں تنہا گیا تو بخوبی اپنی حفاظت کرسکوں گا کیونکہ اس طرح میں اپنی پراسرار قوتوں کو پوری طرح استعمال کرسکوں گا۔"

امیر عبدالرحمان نے چند لمحے توقف کیا پھر بولے "مجھے کوئی

اعتراض نہیں۔ میں دراصل اسی مسئلے پر غور بھی کررہا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ نئے خدمت گار روانہ کردوں مگر تم نے جو کچھ کہا وہ بھی ٹھیک ہے۔ تو پھر تم کب روانہ ہورہے ہو؟"

"کل رات" میں نے جواب دیا "اور روانہ ہونے سے قبل میں آپ کی قدم بوسی کے لئے ضرور حاضر ہوں گا۔"

اس کے کچھ دیر بعد میں پارک سرکس کے خفیہ ٹھکانے سے اپنے فلیٹ آگیا تھا۔

فلیٹ پہنچنے اور اپنی مسہری پر دراز ہونے کے بعد نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی کہ اپنے تصور کی قوت کے ذریعے یہ معلوم کروں اور دیکھوں کہ اس وقت جب کہ میں کل یہ شہر چھوڑنے کا ارادہ کرچکا ہوں' میرا دشمن جبار کیا کررہا ہے۔ ہرچند کہ میرے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ میں اپنے ہمزاد کے ذریعے اس کے بارے میں اطلاعات فراہم کرلیتا مگر میں نے اس وقت ایسا نہیں کیا۔

میں نے آنکھیں بند کرکے جبار کا تصور کیا اور اس کا چہرہ سامنے آتے ہی اپنے تصور کا دائرہ بڑھاتا گیا۔ میں نے دیکھا کہ کوئی حسین یا نازک ہاتھ اس کے ہونٹوں کی طرف گلاس بڑھا رہا تھا۔ مجھے جبار کی آنکھوں میں ہوس کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ پھر اس نازک ہاتھ کے بقیہ جسم کو میں نے دیکھا۔ وہ ایک پتلی دبلی سی نوجوان حسین لڑکی تھی۔ ہونٹ پتلے پتلے' آنکھیں نہ زیادہ بڑی نہ چھوٹی رنگ گندمی مگر جسم متناسب۔

جبار ایک آرام دہ صوفے میں دھنسا ہوا تھا جبار کے جسم پر انگریزی وضع قطع کا لباس مجھے عجیب سا لگا۔ وہ اس لباس میں قطعی مسخرہ دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے میں شمع دان روشن تھا اور جبار کے سامنے میز پر شراب کی بوتل اور گلاس موجود تھے۔ اب شراب کا گلاس جبار کے ہونٹوں سے لگ چکا تھا۔ اس نے کئی گھونٹ پیئے اور منہ ہٹالیا۔ میں اس سے زیادہ کچھ دیکھنے کا اہل نہیں تھا۔ میں بے قابو ہونے لگا تھا۔ میرا ماضی ایک مرتبہ پھر میرا پیچھا کررہا تھا۔ میں نے ہمزاد کی طرف دیکھا میں اسے یہ حکم دینا چاہتا تھا کہ وہ میرے جسم میں پھیلنے والی اور میرے وجود کو جھلسا دینے والی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا کوئی انتظام کرے مگر اچانک میری نظروں میں ناہید کا چہرہ گھوم گیا۔ اس کے ساتھ میرے ذہن میں وہ فقرہ گونج گیا "میں..... تمہیں یاد رکھوں گی اور مجھے یقین ہے تم بھی مجھے نہیں بھولو گے۔" میں ہمزاد سے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ میں بڑبڑایا "میں تجھے نہیں بھولوں گا ناہید کبھی نہیں میں... میں صرف تیرا ہوں .... تیرا .... جس طرح تو صرف میری ہے' صرف میری ...." نہ جانے کتنی دیر تک عشق و ہوس کی جنگ جاری رہی اور آخر کار عشق فتح یاب ہوا میں صبح سو کر اٹھا تو باوفا تھا کیونکہ میری آغوش خالی تھی۔

جبار نے اس دن بھی کئی بار کوشش کی کہ اپنے ہمزاد کے ذریعے مجاہدین کے بارے میں کچھ معلوم کرسکے اور اسی لئے تمام دن میرا ہمزاد بہت کم میرے پاس رہا تھا۔ جبار اس دن بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا تھا۔ کیونکہ میرے ہمزاد کی کوششیں بار آور ہوئی تھیں۔

اندھیرا پھیلتے ہی میں مستقبل کے اندیشوں اور وسوسوں میں کھوگیا کیونکہ مجھے آج ہی رات ایک ان دیکھے ماحول میں پہنچنا تھا کچھ رات گزرتے ہی میں امیر عبدالرحمان سے ملنے پارک سرکس کے لئے روانہ ہوگیا۔ حسب وعدہ وہ وہاں موجود تھے۔ میرے پہنچتے ہی انہوں نے ایک سربند لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یہاں سے روانہ ہوکر سب سے پہلے تھا نیسر پہنچنا ہے۔ تم وہاں جاکر پیرو خلیفہ سے ملو گے۔ ان کا پتہ لفافے پر تحریر ہے اور ہاں سنو! تم نے پرسوں جو رقم فراہم کی تھی وہ بھی تمہیں پیرو خلیفہ ہی کو پہنچانی ہے۔ تم یہ لفافہ اور رقم انہیں دے دو۔ وہ یہ رقم اپنے ذرائع سے سرحد پہنچادیں گے۔ ان کے بارے میں تمہارا اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ ہماری تنظیم کے بڑے امیروں میں سے ایک ہیں۔ وہ میرا خط پڑھنے کے بعد تمہیں ایک خط امیر بابو جان کے لئے دیں گے جو تم سرحد پہنچ کر انہیں دو گے۔ امیر بابو جان تمہیں آزاد علاقے کے ایک مقام ملکا میں ملیں گے۔ غالباً تم میری بات پوری طرح سمجھ چکے ہوگے؟" امیر عبدالرحمان نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جی ہاں! میں اچھی طرح تمام بات سمجھ چکا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

پھر جب کچھ دیر کے بعد خورونوش سے فارغ ہوکر امیر عبدالرحمان نے مجھے گلے لگاکر رخصت کیا تو مجھے بڑا سکون اور طمانیت محسوس ہوئی۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "خدا حافظ و ناصر! ظل الرحمان خدا حافظ و ناصر۔"

فلیٹ واپس آکر ہمزاد نے مجھے مشورہ دیا کہ صبح ہونے سے کچھ پہلے یہاں سے روانہ ہوا جائے تاکہ تھا نیسر ٹھیک فجر کی نماز کے بعد پہنچا جاسکے۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں سفر انتہائی مختصر تھا۔ پھر اس کی اطلاعات کے مطابق پیرو خلیفہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے مکان کے بیرونی کمرے میں تنہا ہوتے ہیں اور یہی وہ وقت ہے جبکہ تنظیم کے زیادہ تر افراد ان سے ملاقات کرتے ہیں۔ یہ وقت صرف باہر سے آنے والے لوگوں کے لئے مخصوص

ہے۔سورج نکلنے سے پہلے پہلے وہ تمام ضروری احکامات صادر کردیتے ہیں۔میں نے ہمزاد کی بات سے اتفاق کیا اور اس سے یہ کہہ کر سوگیا کہ مجھے صبح سے پہلے جس وقت بھی یہاں سے جانا ہو' جگادے۔

"وقت اب بہت تھوڑا رہ گیا ہے جلدی کیجئے۔" جاگتے ہی میں نے ہمزاد کا یہ فقرہ سنا۔میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا کیونکہ پہلے ہی کچی نیند سویا تھا۔

ہمزاد نے روانہ ہونے سے پہلے مجھے بے ہوش کردیا کیونکہ سفر خاصہ طویل تھا اور راستہ بھی جلد طے کرنا تھا جس کے لئے تیز رفتاری لازمی تھی۔ کلکتے سے روانہ ہوکر پنجاب کے ایک قصبے تھا نیسر پہنچنا تھا اگر وہ مجھے ہوش میں رہنے دیتا تو میرے حواس اس تیز رفتاری کو برداشت نہ کرپاتے۔"

مجھے جب ہوش آیا تو میں نے خود کو بالکل ایک نئی اور اجنبی جگہ محسوس کیا۔میں ایک بڑی سی پرانی وضع کی حویلی کے سامنے کھڑا تھا جس کے سامنے والے حصے میں بڑا سا لکڑی کا پھاٹک تھا۔اسی پھاٹک میں ایک طرف چھوٹا سا دروازہ بھی تھا۔میں نے ہمزاد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ تھا نیسر پہنچ چکے ہیں اور اس وقت پیرو خلیفہ کی حویلی کے روبرو کھڑے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے روپیوں کی بھاری تھیلی مجھے تھمادی۔میں اپنی بیساکھیاں اور اس تھیلے کو بمشکل سنبھالتا ہوا آگے بڑھا۔ہمزاد مجھے سہارا دیئے ہوئے تھا ورنہ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ پاتا۔

میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر دستک دی چند ہی لمحے بعد دروازہ کھلا اور ایک نوجوان کا چہرہ نظر آیا وہ نہایت شائستہ لہجے میں بولا۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے جناب؟"

"پیرو خلیفہ سے۔"میں نے مختصر سا جواب دیا۔

نوجوان نے فوراً کہا "تشریف لایئے۔" اور راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہوگیا۔

اندر داخل ہوکر دائیں جانب کے کمرے کی طرف نوجوان نے میری راہنمائی کی۔کمرے میں داخل ہوکر میں نے دیکھا کہ ایک شخص رحل پر قرآن شریف رکھے دعا مانگنے کے لئے ہاتھ بلند کئے ہوئے تھا۔اس کے سرخ و سفید چہرے پر داڑھی بہت بھلی لگ رہی تھی۔اس شخص کی عمر میرے اندازے کے مطابق ۲۷یا ۲۸ سال سے زیادہ نہیں رہی ہوگی مگر اس کے چہرے پر بلا کا تقدس تھا۔ وہ ایک چوکی پر بیٹھا ہوا تھا جس کے سامنے مونڈھے بچھے ہوئے تھے۔نوجوان کے اشارے پر میں ایک مونڈھے پر بیٹھ گیا۔میں نے اندازہ لگایا کہ اسی شخص کا نام پیرو خلیفہ ہے اور یقیناً یہ بھی اس کا اصل نام نہیں بلکہ اصطلاحی نام ہوگا۔

چند ہی لمحوں بعد اس شخص نے دعا مانگ کر قرآن قریبی محراب پر رکھ دیا جہاں اگربتیاں جل رہی تھیں۔ابھی پوری طرح صبح کا اجالا نہیں پھیلا تھا اس لئے کمرے میں لالٹین روشن تھی۔ پورے کمرے کا ماحول میرے لئے متاثر کن تھا۔اس شخص نے بجائے میرے اس نوجوان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا جو ہمیں لے کر یہاں آیا تھا۔نوجوان غالباً اس شخص کا مزاج آشنا معلوم ہوتا تھا فوراً بولا۔

"یہ محترم اجنبی پیرو خلیفہ سے ملنے آئے ہیں۔" غالباً اس بات کا اشارہ تھا کہ آنے والا تنظیم سے متعلق کوئی شخص ہے۔ ورنہ وہ ان کا اصطلاحی نام نہ جانتا۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"پیرو آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔"

میں نے بغیر وقت ضائع کئے امیر عبدالرحمان کا دیا ہوا لفافہ پیرو خلیفہ کو تھمادیا۔انہوں نے فوراً لفافہ چاک کرکے امیر کا خط پڑھا اور پھر میری طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان الفاظ کی صداقت کا اندازہ لگانا چاہتے ہوں جو غالباً میرے بارے میں امیر عبدالرحمان نے لکھے تھے پھر وہ نوجوان سے مخاطب ہوا۔

"عباس ہمارے ظل الرحمان بہت دور دراز سے چل کر آئے ہیں۔ان کے ناشتے اور قیام کا انتظام کرو۔"

"اس تمام تکلف کی ضرورت نہیں جناب مجھے ابھی یہاں سے روانہ ہوجانا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے روپیوں سے بھرا ہوا تھیلا انہیں تھمادیا۔

"کیا آپ مجھے میزبانی کا شرف نہیں بخشیں گے؟" پیرو خلیفہ نے شائستگی سے کہا۔

"ہرچند کہ یہ میرے لئے باعث سعادت ہے مگر مجھے جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچنا ہے۔" میں نے بھی نرمی سے جواب دیا۔

پھر کچھ دیر بعد ہی میں پیرو خلیفہ کا خط امیر بابو جان کے لئے لے کر سرحد کی طرف روانہ ہورہا تھا۔غالباً امیر عبدالرحمان نے میرے بارے میں تمام تفصیل لکھ دی تھی۔اس لئے انہوں نے میری بے سروسامانی پر کسی قسم کا حیرت کا اظہار نہیں کا تھا اور نہ ہی یہ پیش کش کی تھی کہ وہ بحفاظت مجھے سرحد تک پہنچادیں گے۔

ابھی صبح کا دھندلکا پھیلا ہوا تھا۔ آبادی سے نکلتے ہی ایک بار مجھے پھر بے ہوش ہونا پڑا۔بے ہوش ہونے سے قبل میں ہمزاد کو بتاچکا تھا کہ مجھے ملکا پہنچنا ہے۔جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک پہاڑی چٹان پر پایا۔اب سورج طلوع ہوچکا تھا اور ہر طرف صبح کی کرنیں پہاڑیوں پر مچلنے لگی تھیں۔

"تو تم مجھے ملکا لے آئے۔" میں نے مسکرا کر ہمزاد کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں اس چٹان کے بائیں طرف ملکا کی بستی ہے۔وہاں پہنچ کر امیر بابو جان سے ملنا کوئی ایسا دشوار مرحلہ نہیں ہے۔مجھے اسی وقت جبار کی خبر لینی ہے وہ پھر ہاتھ پیر مارنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں جلد لوٹنے کی کوشش کروں گا۔ آپ مطمئن رہیں۔" ہمزاد نے مجھے اجازت طلب نظروں سے دیکھا اور میں نے اسے اجازت دے کر اپنی بیساکھیاں سنبھال لیں۔

میں بہت سنبھل سنبھل کر چٹان سے اترا اور پتھریلے' اونچے نیچے راستوں سے گزرتا ہوا دائیں جانب کچھ فاصلے پر بنی ہوئی ایک بڑی سی دیوار کی طرف بڑھا جو کسی بہت بڑے سے قلعے کی دیوار محسوس ہورہی تھی۔ لیکن اس کے قریب پہنچ کر میرے اس خیال کی تردید ہوگئی۔دراصل تمام مکانوں کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اور یہ مکانات کمان کی صورت میں بہت دور تک تعمیر تھے۔جن کے بارے میں مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس طرح کیوں تعمیر کئے گئے تھے۔یہ ایک طرح کا حفاظتی اقدام تھا۔اگر کوئی بیرونی قبیلہ یا دشمن آبادی پر حملہ کرے تو اس طرز تعمیر سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور مکان کے بیرونی حصوں کو کسی قلعے کی دیوار ہی کی طرح استعمال کیا جاسکے۔ان مکانوں کے بیچوں بیچ بڑا سا مضبوط پھاٹک تھا جس سے گزر کر آبادی میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔پھاٹک اس وقت کھلا ہوا تھا۔

امیر بابو جان تک پہنچنے میں مجھے زیادہ دقت پیش نہ آئی۔اس شخص نے مجھے پہلی ہی نظر میں متاثر کیا۔اس شخص کے چہرے پر ایک عجیب سی جمال و جلال کی ملی جلی کیفیت تھی۔جیسے دھوپ اور سایہ ایک جگہ جمع ہوگئے ہوں۔وہ ایک سادہ سے مکان میں رہائش پذیر تھے۔مگر اس سادگی میں بھی بڑا رکھ رکھاؤ تھا۔وہ پیرو خلیفہ کا خط پڑھنے کے بعد بڑی محبت سے ملے اور بولے۔

"تو تمہیں ہمارے عبدالرحمان نے بھیجا ہے۔" ان کے لہجے میں بلا کی محبت تھی جیسے انہیں امیر عبدالرحمان سے کوئی خاص لگاؤ رہا ہو۔ یہ حقیقت بھی تھی جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ امیر عبدالرحمان اور امیر بابو جان ہموطن تھے۔ پھر انہوں نے کہا "تمہارے بارے میں ہمیں بڑی عجیب باتوں سے آگاہ کیا گیا ہے غالباً وہ ساری باتیں ہمارے لئے مفید ہوں گی۔تم یہیں ہمارے پاس رہوگے برابر والا کمرہ تمہارے لئے خالی کرادیا جائے گا۔"

میں سر جھکائے خاموشی سے ان کی بات سنتا رہا اور اس کا منتظر رہا کہ وہ اپنی بات ختم کرلیں تو میں اپنے دل کا سوال ان سے کروں۔ آخر کار میں نے وہ سوال کر ہی دیا۔جس کے لئے بہت دیر سے بے تاب تھا "بنگال ہی سے ایک قافلہ ملکہ کی رہبری میں اور بھی روانہ ہوا تھا اے امیر! کیا وہ یہاں پہنچ گیا؟"

"نہیں بنگال سے کوئی قافلہ تقریباً پندرہ یوم سے نہیں آیا' ویسے ہم متوقع ہیں۔" انہوں نے نرمی سے جواب دیا۔

ان کا جواب سن کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور پھر کچھ دیر بعد خود ہی اپنی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہا کیونکہ اس زمانے میں کلکتے سے سرحد تک کا سفر اتنا آسان نہیں تھا کہ کوئی قافلہ اتنی جلدی پہنچ جائے۔ میری قسمت بھی عجیب تھی' یہاں پہنچ کر بھی مجھے ناہید کی جدائی ہی برداشت کرنی پڑی۔جس کے لئے میں نے اتنے دور دراز کا سفر کیا تھا۔بہرحال مجھے اب ناہید کے پہنچنے کا انتظار تھا۔

ملکا کی بیشتر آبادی مجاہدین پر مشتمل تھی اور بقیہ آبادی مقامی پٹھانوں کی تھی۔ آبادی خاصی گھنی تھی۔ملکا مہابن کے مغربی حصے میں ستھانہ کے مشہور مقام سے تقریباً پینتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ستھانہ مدت سے سادات ستھانہ کی ملکیت چلا آرہا تھا۔لیکن انگریزوں اور ان کے حلیفوں کی ریشہ دوانیوں کے سبب سادات کو ستھانہ سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ستھانہ کی تباہی کے بعد شہزادہ مبارک شاہ اور اس کا بھائی عمران شاہ ملکا آگئے تھے۔ کیونکہ سرحد میں مجاہدین کو سادات ستھانہ کی پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ بھی سادات کے ہمراہ اب ملکا ہی منتقل ہوچکے تھے۔ ملکا کی آبادی دن بدن بڑھتی ہی جارہی تھی کیونکہ ہندوستان سے مجاہدین کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے جمع ہوکر سرحد میں اکٹھے ہورہے تھے۔ان حالات کو دیکھتے ہوئے والئی ٹونک وزیر الدولہ نے سات ہزار کی رقم مجاہدین کو اس لئے فراہم کی تھی کہ وہ مجاہدین کی آبادی کے لئے کوئی قریبی زمین یا گاؤں اور خرید لیں۔ جب پہلی آبادی میں جگہ نہ رہی تو ایک نئی آبادی قائم کی گئی جو پہلی سے متصل تھی۔ملکا مہابن پہاڑ کے شمالی برآمدہ چٹان پر ایک سب سے بلند سطح مرتفع پر واقع ہے۔ان پہاڑوں میں تمام مقامات سے بہت بڑا تھا۔اس میں بہت سی عمارتیں تھیں اور انہیں میں بارود خانہ بھی تھا۔کوئی باقاعدہ قلعہ بندی کا انتظام تو نہ تھا لیکن جس

طرح گھروں کی بیرونی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اسی طرح عقبی دروازے بھی مل کر ایک مسلسل خط مدافعت بناتے تھے۔باہر کے پھاٹک پر ایک مینارہ بھی تھا ملکا میں نوبتیں تو نہیں بجائی جاتی تھیں جس طرح بادشاہوں کی سلطنت میں دن میں پانچ بار بجائی جاتی ہیں۔ لیکن یہاں امیر بابو جان کے فیض سے ہر گھر میں ذکر خدا ہوتا تھا اور اسی ذکر سے ساری آبادی معمور تھی۔دین حق کے ارکان کی پابندی ہوتی تھی۔ غلط اور غیر مشروع رسموں کا دروازہ بند تھا۔اس کے علاوہ یہاں ہر قسم کا سامان جنگ مہیا کیا جارہا تھا۔ مثلاً گولے بارود' توپیں' بندوقیں' بھالے' کمان' تیر' قرابین' تلواریں' گنڈاسے' ڈھالیں' اسلحہ خانہ اس کے علاوہ تھا۔بزازی کا انبار جدا تھا غلے کا گودام الگ تھا۔

شہزادہ مبارک شاہ ہر طرح مجاہدین کے ساتھ تھا۔اور اس پر مجاہدین اور ان کے امیر کو پورا پورا بھروسہ تھا۔امیر بابو جان خود بہترین جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے۔وہ خود اپنی نگرانی میں مجاہدین کی جنگی تربیت کررہے تھے۔یہاں کی دنیا ہی الگ تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یہ سب کسی بڑی جنگ کی تیاریاں ہیں اور حقیقت بھی کچھ اس سے مختلف نہیں تھی۔

میں ملکا کے پورے حالات سے باخبر ہونے اور اس کے محل و وقوع اور جغرافیائی حدود کو سمجھنے' وہاں کے لوگوں کا رہن سہن' طرز زندگی' ان کا جوش و خروش اور رسم و رواج جاننے میں ایسا محو ہوا کہ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ چار پانچ دن کس طرح گزر گئے۔ غالباً مجھے ملکا آئے ہوئے وہ آٹھویں یا نویں صبح تھی جب میرے ۔ا کو بہار کے خوشنما جھونکوں نے چھوا۔

نکہتوں' مسرتوں اور خوشبوؤں کی وہ صبح آئی تو ملکا میں جیسے بہار آگئی۔ملکا کی ملکہ وہاں اپنا قافلہ لے کر پہنچ چکی تھی۔مجھے خبر ملی تو میں دیوانہ وار پھاٹک کی طرف بھاگا۔ابھی میں وہاں تک پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ پھاٹک سے گزر کر ایک قافلہ آبادی میں داخل ہوا۔ایک گھوڑے کی لگام تھامے آگے آگے آنے والے جسم کو اس کی حرکات و سکنات سے میں نے پہلے ہی شناخت کرلیا تھا کہ وہ میری دل کی ملکہ ناہید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔

ملکہ مجھے ملکا میں دیکھ کر دنگ رہ گئی۔جب مجھے اور اسے پہلی مرتبہ خلوت نصیب ہوئی تو میرا جی چاہا کہ اسے اپنے سینے سے لگالوں۔اسے ان ہجر کے لمحوں کی ساری کہانی سنادوں جو میں نے اس کی یاد میں تڑپ تڑپ کر بسر کئے تھے۔مگر وہ رضیہ نہیں تھی' مہ پارہ نہیں تھی' نرگس نہیں تھی' وہ ان تمام لڑکیوں سے مختلف تھی۔

میں اس کی طرف بڑھتے بڑھتے ایک دم ٹھٹک کر رک گیا۔وہ ملاقات بڑی عجیب تھی نہ اس نے کچھ کہا نہ میں نے۔مگر میں نے جیسے اس سے سب کچھ کہہ دیا۔

میں روز و شب ناہید کے ساتھ مل کر تنظیم کے لئے کام کررہا تھا۔اس عرصے میں ناہید نے مجھے بندوق چلانا بھی سکھا دی تھی۔نہ صرف خود میں تنظیم کے لئے کام کررہا تھا بلکہ میں نے ہمزاد کے ذریعے بھی وہاں کافی اسلحہ جمع کرادیا تھا۔اور اس وقت بھی ہمزاد ایک ایسے ہی مشن پر گیا ہوا تھا۔

میں اور ناہید ایک اونچی پہاڑی پر بیٹھے تھے۔آنے والے لمحوں کی سفاکی اور بے رحمی سے بے خبر وہ دن و راتیں ہی ایسی تھیں کہ میں جبار کے وجود کو قطعی فراموش کر بیٹھا تھا۔ایک آدھ بار ہمزاد نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ میں اسے اپنے کاموں میں زیادہ مصروف نہ رکھا کروں۔ تاکہ وہ ہروقت جبار کے ہمزاد کی حرکات و سکنات پر نظر رکھ سکے اور بروقت اس کی راہ روک سکے۔مگر میں نے اس کی سنی ان سنی کردی تھی۔ہمزاد نے مجھے صاف صاف بتادیا تھا کہ جس دوران وہ میرے کسی کام میں مصروف ہوگا۔اس دوران جبار بھی اپنے ہمزاد کو مصروف رکھ سکتا ہے۔مگر میرے اب تک کے تجربے یا اتفاق نے یہ ثابت کیا تھا کہ جبار ہمارا اور تنظیم کا کچھ نہ بگاڑ پایا تھا۔یہاں تک کہ وہ تنظیم کے بارے میں کچھ معلوم کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوسکا تھا۔اسی لئے مجھے اس کی طرف سے کچھ بے فکری سی ہوگئی تھی اور یہی میری بہت بڑی بھول تھی۔

ہمزاد اسلحہ خانے میں بندوقیں پہنچا کر میرے پاس آیا اور ابھی اسے آئے ہوئے چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ وہ ایک دم بہت زور سے چونک پڑا۔میں نے دیکھا تھا کہ اس سے پہلے اس نے کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کی تھیں۔یقیناً اس نے جبار اور اس کے ہمزاد کے بارے میں جاننے کی کوشش کی ہوگی۔اس کے اس طرح غیر متوقع طور پر چونکنے سے میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیوں کیا ہوا؟ کیا کوئی خاص بات؟"

کاش میں یہ منحوس خبر آپ کو نہ سناتا۔"ہمزاد کے لہجے میں انتہائی رنج و ملال تھا۔

"کچھ کہو تو۔" میں اس کے لہجے سے خوفزدہ سا ہوگیا۔

"میری آنکھیں ہر طرف خون ہی خون بکھرا ہوا دیکھ رہی ہیں۔یہاں آگ اور خون کا کھیل شروع ہونے والا ہے۔سب کچھ ختم ہوگیا۔ ساری احتیاطیں خاک میں مل گئیں۔جبار نے اپنے ہمزاد کے ذریعے تنظیم سے متعلق ایک ایک بات معلوم کرلی ہے اور تمام اطلاعات انگریزوں کو فراہم کردیں ہیں۔اس

وقت تمام ہندوستان میں تاربرقی کے ذریعے انگریز اعلیٰ حکام ایک دوسرے کو تنظیم کے متعلق تمام تفصیلات سے آگاہ کررہے ہیں۔ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ ایلجن کو تمام حالات سے باخبر کیا جاچکا ہے اور۔"

"یہ سب کچھ جھوٹ ہے.... جھوٹ ہے سب کچھ.... تمہیں .... تمہیں یقیناً دھوکا ہوا ہے.... ایک بار.... ایک بار پھر معلوم کرو.... پھر.... پھر.... معلوم کرو یہ نہیں ہوسکتا۔" میں یہ وحشت ناک اطلاع سن کر اپنے حواس کھو بیٹھا تھا اور ناہید میرے دونوں شانے پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"کیا ہوا تمہیں؟.... آخر بات کیا ہے؟"

اور ہمزاد انتہائی دکھ سے مجھے بتارہا تھا۔

"وہی حقیقت ہے جو میں نے آپ سے کہا۔مجھے کوئی دھوکا نہیں ہوا۔تمام ہندوستان میں جہاں جہاں تنظیم کے مراکز ہیں۔ان سب کے بارے میں نہ صرف اعلیٰ حکام باخبر ہوچکے ہیں بلکہ گورنر جنرل تک کے علم میں سب کچھ آچکا ہے۔ یہ بھی کہ تنظیم نہ صرف اندرون ملک سرگرم عمل ہے بلکہ بیرون ملک یعنی یہاں ملکا میں بھی بڑے پیمانے پر انگریزوں کے خلاف جنگی تیاریاں ہورہی ہیں۔"

"کیا" میں تقریباً چیخ پڑا "کیا انہیں یہ بھی پتہ چل گیا۔"

"جی ہاں وہ تنظیم کے اغراض و مقاصد اور تمام لائحہ عمل سے واقف ہوچکے ہیں اور تنظیم کے آئندہ جو منصوبے تھے ان سے بھی آگاہ ہوچکے ہیں۔" ہمزاد نے کہا۔

"مگر.... مگر یہ سب کچھ تو بہت ہولناک ہے بہت ہولناک۔"

"انتہائی ہولناک جس کا آپ اس وقت تصور بھی نہیں کرسکتے۔" ہمزاد نے یہ کہہ کر سر جھکالیا۔

میرے ذہن میں اس وقت ہمزاد کے کہے ہوئے کچھ دیر پہلے کے فقرے گونج رہے تھے۔اس نے کہا تھا۔

"میری آنکھیں ہر وقت خون ہی خون بکھرا ہوا دیکھ رہی ہیں۔یہاں آگ اور خون کا کھیل شروع ہونے والا ہے۔"

مجھے بدحواس دیکھ کر ناہید بھی گھبرا گئی۔غالباً وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ یقیناً کوئی بہت اہم اور خطرناک بات ہے جس نے مجھے اس قدر سراسیمہ کردیا ہے۔

وہ میرے ساتھ کچھ عرصے رہنے کے بعد یہ تو جان ہی چکی تھی کہ میرے قبضے میں کوئی نہ کوئی پراسرار نادیدہ قوت ہے۔اس نے صرف وہ الفاظ سنے تھے جو میں نے اپنی زبان سے ادا کئے تھے۔ہمزاد نے مجھ سے کیا کہا تھا وہ اس سے بے خبر تھی۔اس نے یکایک میرے دونوں شانے پکڑ کر ایک بار پھر زور سے جھنجوڑ دیئے۔وہ بے انتہا مضطرب اور پریشان نظر آرہی تھی۔

"شیخ! آخر تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہے؟" مجھے اس کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں نے جو کچھ جانا ہے کاش نہ جانتا' جو کچھ سنا ہے کاش نہ سنتا اور جو کچھ تم سے کہنے والا ہوں' کاش نہ کہتا۔" میں نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں ناہید کی بات کا جواب دیا ۔ پھر اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات پر نظریں جمائے ہوئے بولا "ہم تباہ ہوگئے۔ہم تباہ ہوگئے۔" اتنا کہہ کر میں پھر خاموش ہوگیا۔دراصل میں ناہید کو وہ ہولناک خبر سنانے کے لئے خود کو تیار کررہا تھا کیونکہ میں اسے جو کچھ بتانے والا تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔اس سے سیکڑوں ہزاروں انسانوں کی زندگی اور موت وابستہ تھی۔

"کیوں تباہ ہوگئے؟ کس نے تباہ کردیا؟ تم کچھ کہو گے بھی یا مجھے الجھائے ہی جاؤ گے؟" ناہید کے لہجے کی جھنجلاہٹ بڑھ گئی۔

اور پھر میں نے ناہید کو وہ سب کچھ بتادیا جو مجھے ہمزاد سے معلوم ہوا تھا۔وہ سانس روکے میری ایک ایک بات سنتی رہی۔ میں بات ختم کرچکا تھا مگر وہ ابھی تک اسی طرح گم صم بیٹھی تھی جیسے وہ بھی آس پاس بکھری ہوئی چٹانوں کا ایک حصہ ہو۔پھر ایک دم وہ تیزی سے اٹھی جیسے اس میں اچانک زندگی کے آثار پیدا ہوگئے ہوں۔میں نے دیکھا کہ لحہ بہ لحہ اس کا چہرہ سرخ ہوتا جارہا تھا اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں۔

"ہم اپنے خون کے آخری قطرے تک انگریزوں کا مقابلہ کریں گے شیخ! اور تم دیکھو گے شیخ کہ ہمارا لہو ہماری ایڑیوں پر نہیں' ہمارے پنجوں پر گرے گا۔ چلو!" اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا "ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے ہمیں اسی وقت یہ تمام اطلاعات امیر تک پہنچادینی چاہئیں۔"

قریب ہی میری بیساکھیاں رکھی تھیں۔میں انہیں سنبھالتا ہوا اٹھا اور احتیاط کے ساتھ پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔میرے جسم کا سارا بوجھ ناہید سنبھالے ہوئے تھی۔میں اگر چاہتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ہمزاد مجھے پہاڑی سے چشم زدن میں نیچے پہنچا دیتا مگر میں نے یہ نہیں چاہا کیونکہ اس طرح میں ناہید کے جسم کی خوشبو اور لمس سے محروم ہوجاتا۔تمام الجھنوں وسوسوں اور اندیشوں کے باوجود ناہید کے وجود کی خوشبو میرے حواس پر چھائی ہوئی تھی۔

پہاڑی سے اتر کر اونچے نیچے پتھریلے راستے سے گزرتے ہوئے ناہید نے ایک بار پھر مجھے مخاطب کیا۔"میں یہ تو نہیں جانتی

کہ تمہاری معلومات کے ذرائع کیا ہیں لیکن میں تم سے اتنا ضرور پوچھنا چاہوں گی کہ کیا تمہیں ان باتوں پر مکمل یقین ہے جو تم نے مجھے بتائی ہیں؟"

"قطعی بالکل اس طرح جیسے مجھے یہ یقین ہے کہ تم اس وقت میرے ساتھ چل رہی ہو اور ابھی چند گھنٹے پہلے سورج طلوع ہو چکا ہے۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے مجھے تم سے اور کچھ نہیں پوچھنا مجھے تمہاری بات پر اعتماد ہے اور یقیناً امیر بھی تم پر پورا بھروسہ کرتے ہیں۔" ناہید نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی میرے آگے آگے چلنے لگی۔ مجھے اس کا ساتھ دینے کے لئے اپنی قوت صرف نہیں کرنی پڑ رہی تھی کیونکہ ہمزاد میرے ساتھ تھا۔ ناہید جوش میں شاید یہ بھی بھول بیٹھی تھی کہ میں اپنی معذوری کے سبب اس کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے پاؤں گا۔ ورنہ عام حالات میں وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتی تھی پھر نہ جانے کیا سوچ کر اس کی رفتار سست پڑ گئی میری رفتار بدستور تھی جلد ہی میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ مجھے اپنے قریب پا کر اس نے عجیب سے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اس وقت جبکہ ہم یہاں قطعی محفوظ ہیں اور ہمارے پاس تعداد کم ہونے کے باوجود اسلحہ بھی ہے جس سے ہم اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں کا خیال ستا رہا ہے جو موت کے منہ میں ہیں۔ وہ لوگ جو اندرون ملک رہ کر تنظیم کے لئے کام کر رہے ہیں ان کی حیثیت تو بالکل دانتوں کے درمیان زبان جیسی ہے۔ وہ ہر طرح انگریزوں کی دسترس میں ہیں۔ اس وقت یقیناً وہ لوگ انگریزوں کی وحشت و بربریت کا شکار ہو رہے ہوں گے۔ میری آنکھوں میں اس وقت امیر عبدالرحمان کا لہولہان جسم گھوم رہا ہے۔ درندے ان کے خون میں اپنے تیز اور نوکیلے ناخن اتار چکے ہوں گے۔ میرے سامنے ایک ایک چہرہ آرہا ہے شیخ! کیا تم میرا دکھ محسوس کر سکتے ہو؟" یہ کہتے ہوئے ناہید کی آواز میں کچھ بھاری پن آگیا۔

"ایسا نہیں ہے۔" مجھے ہمزاد کی آواز سنائی دی "ناہید کا خیال غلط ہے۔"

"پھر حقیقت کیا ہے؟" میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"تم نے مجھ سے کچھ کہا شیخ؟" یہ ناہید کی آواز تھی۔

"نہیں دراصل میں تمہارے خدشات کی صداقت جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ چند لمحے ٹھہرو میں ابھی تمہیں اصل واقعات سے آگاہ کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں پھر ہمزاد کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسی کا منتظر تھا کہ میں ناہید سے گفتگو ختم کروں تو وہ مجھ سے ہمکلام ہو۔

ہمزاد کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی "یہ صحیح ہے کہ برطانوی حکومت اندرون ملک مجاہدین کے تمام ٹھکانوں سے واقف ہو چکی ہے۔ مگر ان کی سرگرمیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزوں کو اندرون ملک مجاہدین کی مختصر سی تعداد سے کوئی خطرہ نہیں اور ایسی صورت میں جبکہ مجاہدین مختلف شہروں میں بٹے ہوئے ہیں انہیں سب سے بڑا خطرہ بیرون ملک آزاد علاقوں سے ہے جو مجاہدین کا اصل مرکز ہے۔ جہاں مجاہدین فوجی نوعیت کی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ جو مستقبل میں ان کے لئے کسی بہت بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہو سکتے ہیں۔ وہ اس فتنے کو اسی سطح پر ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اندرون ملک مجاہدین کو بھی وہ معاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ ان سے نمٹنے کے متعلق بھی وہ اچھی طرح سوچ چکے ہیں۔ لیکن وہ ان پر اس وقت ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں جب وہ ملکا اور ستھانہ میں پناہ لینے والے مجاہدین کی سرکوبی کر دیں۔ وائسرائے ہند لارڈ ایلجن سخت کینہ پرور اور متعصب انگریز ہے۔ خاص طور پر وہ مسلمانوں کا سخت مخالف ہے۔ وہ فوراً لاہور روانہ ہونے والا ہے جہاں وہ پنجاب کے گورنر سر رابرٹ منٹگمری سے مل کر کوئی منصوبہ بنانا چاہتا ہے۔ وائسرائے اس تمام معاملے میں بذات خود دلچسپی لے رہا ہے۔ اس کا منصوبہ یہ ہے کہ مجاہدین کو آزاد علاقوں میں تباہ و برباد کرنے کے بعد اندرون ملک چن چن کر ختم کرا دے۔" ہمزاد مجھے پوری تفصیل سے آگاہ کر کے خاموش ہو گیا۔

ہمزاد سے سنی ہوئی تمام گفتگو من و عن میں نے ناہید کو بتا دی۔ اب ہم بستی کا بڑا دروازہ عبور کر کے سامنے بنے ہوئے مکانات کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جن میں سے ایک مکان میں امیر بابو جان کا قیام تھا۔ ناہید نے میری پوری بات سن کر خدا کا شکر ادا کیا۔

"پہلی آزمائش ہماری ہے اور انشاءاللہ ہم اس آزمائش میں پورے اتریں گے۔" ناہید نے کہا۔

میں اور ناہید بہت جلد اس مکان تک پہنچ گئے جہاں امیر بابو جان کے علاوہ میرا اور ناہید کا بھی قیام تھا لیکن ہماری توقع کے خلاف امیر اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ مکان کا صدر دروازہ مقفل نہیں تھا۔ ہم دروازے سے گزر کر اندر کمرے میں پہنچ چکے تھے اور اس وقت ہم اس کمرے میں تھے جہاں امیر بیٹھتے تھے۔

"تم یہاں بیٹھو میں امیر کو اطلاع پہنچواتی ہوں ممکن ہے کہ وہ اسلحہ خانے کی طرف نکل گئے ہوں۔" ناہید نے مجھ سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

میں فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گیا اور دیوار سے کمر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرے ذہن میں اس وقت خیالات تیزی سے گردش کر رہے تھے "اگر واقعی انگریزوں نے ملکا پر حملہ کر دیا تو کیا ہوگا؟" میں سوچ رہا تھا "لیکن ایک آزاد علاقے پر حملہ کرنے کا ان کے پاس کیا جواز ہے؟" میرے ذہن نے خود مجھ ہی سے سوال کیا "جب وہ حملہ کرنے کا ارادہ کر ہی چکے ہیں تو جواز بھی ڈھونڈ ہی لیں گے۔" میرا ذہن خود ہی سوال کر رہا تھا اور خود ہی ان کے جوابات بھی دے رہا تھا۔

"میں اب آپ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہوں گا۔" اچانک میری سماعت سے ہمزاد کی آواز ٹکرائی جسے سن کر میں اچھل پڑا میں اپنے خیالوں میں اس طرح کھویا ہوا تھا کہ ہمزاد کے وجود کو فراموش ہی کر بیٹھا تھا۔

"مگر تم کہاں جا رہے ہو؟ اور کیوں؟" میں نے حیرت کے لمحے سے نکل کر اس سے سوال کیا۔

"آپ غالباً یہ بھول گئے کہ میں ہر وقت آپ کے ہمراہ کس لئے رہنا چاہتا تھا' اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ انگریز اس بات سے واقف بھی ہو جائیں گے کہ آپ کہاں ہیں؟ تو اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ آپ اب برطانوی حکومت کی حدود سے باہر اور ان کی دسترس سے بہت دور ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ اب حالات اس موڑ پر آچکے ہیں جہاں ایک ایک قدم نہایت احتیاط سے اٹھانا پڑے گا۔ میں آپ کے ساتھ ہر وقت اس لئے تھا کہ جبار اپنے ہمزاد کے ذریعے یہ نہ معلوم کرا سکے کہ آپ کہاں چھپے ہوئے ہیں مگر اب اس کی ضرورت نہیں۔ ضرورت اب اس بات کی ہے کہ میں ہر وقت جبار کے ہمزاد کے قریب رہوں اور اسے جبار کا کوئی حکم بجا نہ لانے دوں جو ہمارے حق میں مضر ہو۔ اس لئے کہ ابھی ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ وائسرائے لارڈ ایلجن نے احکامات صادر کئے ہیں کہ کلکتے کے کچھ اعلیٰ انگریز حاکم جبار کو ساتھ لے کر فوراً اس سے ملیں۔ وائسرائے جبار کو اپنے ہمراہ لے کر لاہور آنا چاہتا ہے۔ وائسرائے کو جبار کی پراسرار قوتوں کے بارے میں پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔ وائسرائے کی خواہش یہ ہے کہ ان پراسرار قوتوں کو مجاہدین کے خلاف استعمال کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہمارے لئے نہایت خطرناک بات ہوگی اسی لئے میں آپ سے رخصت ہونا چاہتا ہوں اور وہاں کمانڈر انچیف سر ہیوروز کو بھی مجاہدین کی سرگرمیوں سے مطلع کیا جا چکا ہے۔ مگر کمانڈر انچیف اس بات کے حق میں نہیں کہ آزاد علاقوں پر بغیر کسی سبب کے حملہ کیا جائے کیونکہ یہ بات غیر قانونی ہے۔ وائسرائے نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی ہے اور اسی لئے غالباً وہ کمانڈر انچیف کو اپنے ہمراہ لاہور نہیں لے جا رہا ہے۔ جہاں وہ گورنر پنجاب منٹگمری سے مل کر کوئی خطرناک منصوبہ بنانا چاہتا ہے۔" ہمزاد اپنی پوری بات کہہ کر جواب طلب نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھے مشورہ دو گے وہ غلط نہیں ہوگا مگر میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے یہاں تمہاری ضرورت پیش آئی تو اس صورت میں کیا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"اول تو میں خود آپ کی طرف سے بے خبر نہیں رہوں گا اور اگر ایسا کوئی موقع آیا تو آپ مجھے اپنے قریب پائیں گے۔ دوسرے یہاں فی الحال آپ کو کوئی خطرہ بھی نہیں۔ یہاں تو آپ ایک طرح سے اپنے لوگوں میں ہیں۔ اتنا سکون و اطمینان تو آپ کو نہ بدایوں میں میسر تھا اور نہ میرٹھ میں۔" ہمزاد نے جواب دیا لیکن اس کے جواب سے میرے ذہن میں ایک سوال اور ابھرا۔

"لیکن اگر تم اس وقت جبار کے ہمزاد سے برسرپیکار ہوئے تو؟"

"ہاں یہ صورت حال ضرور تشویشناک ہو سکتی ہے لیکن اگر میں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ آپ میری غیر موجودگی میں کسی بہت بڑی مصیبت کا شکار ہو سکتے ہیں تو میں ہر قیمت پر آپ تک پہنچ جاؤں گا اور آپ کو کسی خطرے میں نہ پڑنے دوں گا۔" ہمزاد نے مجھے پوری صورت حال سمجھا دی۔

"تو پھر جو مناسب سمجھو اس پر عمل کرو۔ میری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے۔"

"جانے سے پہلے میں آپ کو ایک اور بات بتا دینا چاہتا ہوں۔ وائسرائے لارڈ ایلجن کو آپ کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ آپ بھی مجاہدین کا ساتھ دے رہے ہیں اور یہ کہ آپ کے پاس جبار کی طرح پراسرار قوتیں ہیں اور..."

"تو کیا انگریز اب تک یہی سمجھ رہے ہیں کہ میں ہی تنظیم کا سربراہ ہوں؟" میں نے ہمزاد کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"نہیں۔ اب وہ جان چکے ہیں کہ تنظیم کے اصل سربراہ امیر بابو جان ہیں۔ کیونکہ جبار کے ہمزاد کے ذریعے انہیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ وہ یہ بھی جان چکے ہیں کہ امیر بابو جان ان کا...... اصطلاحی نام ہے اور ان کا اصلی نام مولوی عبداللہ ہے۔ لیکن یہ جاننے کے باوجود وہ آپ کے بارے میں اب تک مشکوک ہیں۔ کیونکہ کلکتہ سے غائب ہونے کے بعد انہیں آپ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ مگر اس دوران جبکہ جبار کے ہمزاد نے تنظیم کے بارے میں تمام معلومات حاصل کیں' انہیں یہ بھی خبر لگ گئی کہ آپ مجاہدین کے ساتھ ملکا

میں موجود ہیں۔ تنظیم سے آپ کے تعلق کے بارے میں تو انہیں پہلے سے معلوم تھا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میرے مقابلے پر یہاں جبار کو لانا چاہتے ہیں۔" میں بڑبڑایا۔

"سو فیصدی۔ بلکہ وائسرائے بذریعہ تار برقی سرحدی علاقوں کو ہوشیار بھی کرچکا ہے۔ اب تک برطانوی حکومت کی سرحدوں پر کافی تعداد میں فوج جمع ہوچکی ہے اور قریب کے علاقوں سے فوج اکٹھی ہو کر سرحد پر پہنچ رہی ہے۔ سرحدی علاقوں میں جاسوسوں کا جال پھیلایا جاچکا ہے۔ سب کچھ بہت تیزی سے ہو رہا ہے اور یہ سب ایک بڑ۔۔ے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔"

میں ابھی ہمزاد کی بات کا جواب دینے کے لئے سوچ رہا تھا کہ میں نے قریب ہوتی ہوئی قدموں کی آہٹ سنی۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔" میں نے ہمزاد کو رخصت ہونے کی اجازت دے دی۔ "اگر میں نے تمہاری ضرورت محسوس کی تو تمہیں طلب کرلوں گا مگر ایسا اسی وقت ہوگا جب میرے پاس اور کوئی چارہ نہ ہو۔ ویسے تو تم بھی خود میری طرف سے غافل نہیں رہو گے۔" میں نے یہ کہ کر ہمزاد کی طرف سے نظریں پھیرلیں تاکہ اسے جاتا ہوا نہ دیکھ سکوں۔ اس کی ہر وقت کی قربت نے میرے دل میں اس کے لئے محبت پیدا کردی تھی۔ میں اسے اس طرح رخصت کر رہا تھا جیسے اپنے کسی بہت ہی عزیز دوست اور غمگسار کو کوئی خود سے جدا کرتا ہے۔ نہ معلوم وہ مجھ سے کب تک کے لئے جدا ہوا تھا۔ حالانکہ اس نے مجھ پر تمام صورت حال واضح کردی تھی اور بتا بھی دیا تھا کہ مجھے جب اس کی ضرورت محسوس ہوگی تو وہ میرے قریب ہوگا لیکن اسے جانے کی اجازت دیتے ہوئے نہ جانے کیوں میرا دل بیٹھنے لگا۔

قدموں کی آہٹ اب بہت قریب آچکی تھی۔ یہ کسی عورت کے قدموں کی چاپ ہرگز نہیں تھی۔ ناہید کے مخصوص قدموں کی آواز سے میری سماعت آشنا تھی۔ یہ ناہید ہرگز نہیں تھی۔ آنے والے نے آتے ہی مجھے سلام کیا۔ یہ قائم خاں تھا۔ مجاہدین کے ایک دستے کا سالار۔ قائم خاں کے وجود میں مجھے اس کی آنکھیں سب سے زیادہ عجیب لگتی تھیں جیسے اس کی آنکھوں سے اس کے وجود کا کوئی تعلق نہ ہو۔ چھوٹی چھوٹی گول گول تیز چمکیلی آنکھیں جیسے وہ آنکھیں اشیاء کے آرپار دیکھنے کی اہل ہوں۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب سی معصومیت اور عیاری کی ملی جلی سی کیفیت تھی۔ اسی سبب میں کبھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرپایا تھا کہ وہ کیسے کردار کا مالک ہے۔ کبھی وہ مجھے انتہائی معصوم دکھائی دیتا اور کبھی نہایت عیار۔ گوری رنگت، چوڑی پیشانی اور کشادہ سینے والا یہ نوجوان مجھے کچھ یوں بھی ذرا ناپسند سا تھا۔ میں نے کئی موقعوں پر ناہید میں اس کی دلچسپی کو محسوس کیا تھا اور کئی بار ناہید کی زبان سے بھی اس کی بہادری کی تعریف سنی تھی۔

کمرے کے دروازے میں داخل ہو کر قائم خان کی نظریں مجھ سے ملی تھیں اور اس لمحے میں نے اس کے لئے اپنے اندر ناپسندیدگی محسوس کی تھی۔ اس نے آتے ہی کہا۔

"ظل الرحمن آج آپ کے ساتھ ملکہ نہیں؟" میں نے اس کے فقرے کی چبھن محسوس کی مگر اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں۔ وہ امیر کی تلاش میں گئی ہے۔"

"اور امیر کو ملکہ کی تلاش ہے۔ میں اسی تلاش میں یہاں تک آیا ہوں۔ امیر بابو جان تمام سالاروں سے ایک ضروری اور اہم مشورہ کرنے والے ہیں۔ تمام لوگ مولوی شریف اللہ کے مکان پر جمع ہیں صرف ملکہ اور آپ کا انتظار ہے۔" قائم خاں نے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ اہم اور ضروری بات کیا ہے جس کے لئے امیر نے تمام سالاروں کو جمع کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی امیر نے ہمیں اس بات سے آگاہ نہیں کیا۔ ہاں ہمیں اتنی اطلاع ضرور ملی ہے کہ سرحدی علاقوں پر جو لوگ امیر کی طرف سے متعین ہیں ان میں سے کوئی ایک شخص آج صبح امیر کے پاس کوئی اہم خبر لے کر آیا ہے۔" قائم خاں نے کہا۔

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟" میں بڑبڑایا۔ قائم خاں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ میری بات سن کر بولا۔

"آپ ایسا کیجئے کہ میرے ہمراہ مولوی شریف اللہ کے مکان پر چلئے۔ ملکہ کو بھی آخر کار وہیں پہنچنا ہے اور ممکن ہے کہ وہ امیر کی تلاش میں وہاں پہنچ چکی ہو۔"

قائم خاں کی تجویز مجھے پسند آئی۔ میں بیساکھیاں اٹھا کر اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگیا۔ قائم خان نے آگے بڑھ کر مجھے سہارا دینا چاہا مگر میں نے اپنی اندرونی نفرت کے سبب اس کا سہارا لینا قبول نہیں کیا اور اس کے نتیجے میں ایک بار گرتے گرتے بچا۔

قائم خاں کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ملکہ وہاں موجود تھی۔ میں اور قائم خاں خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئے اس لئے کہ امیر بابو جان لوگوں سے مخاطب تھے۔ اچانک انہوں نے ہم دونوں کی طرف مڑ کر دیکھا اور بولے۔

"تم لوگ بھی ٹھیک وقت پر پہنچے۔ میں نے ابھی اپنی بات

شروع ہی کی تھی۔ مجھے آج صبح ایک اہم خبر ملی ہے اور وہ خبر تشویشناک ہے۔ برطانوی سرحدوں پر بڑے پیمانے پر فوج کی نقل و حرکت دیکھی گئی ہے۔ جو ظاہر ہے کہ بے سبب نہیں ہوسکتی۔ ابھی یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ لیکن اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ نقل و حرکت کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہو۔ میں نے اسی سلسلے میں آپ لوگوں کو مشورہ کرنے کے لئے بلایا ہے۔"

امیر بابو جان کا یہ انداز فکر دیکھ کر مجھے ان کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی کا قائل ہونا پڑا۔ تنظیم کا سربراہ اور اس کے بقیہ افراد یقیناً بیدار مغز اور کافی محتاط تھے۔ ان کے ذرائع معلومات نہ صرف یہ کہ درست تھے بلکہ وہ ان معلومات کو فوری طور پر اپنے امیر تک پہنچانے کے لئے مستعد رہتے تھے۔ اس سے پہلے کہ مجھے ہمزاد کے ذریعے جو کچھ معلوم ہوا تھا اس سے امیر کو آگاہ کرتا، امیر تک یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ برطانوی سرحدوں پر فوجوں کی نقل و حرکت دیکھی گئی ہے۔

امیر کے بیٹھتے ہی ایک متوسط عمر کا شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ اس شخص کا نام عبدالغفور تھا۔

"سرحدوں پر فوجوں کی نقل و حرکت کو واقعی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور امیر نے جو قیاس آرائی کی ہے وہ کچھ درست ہی معلوم ہوتی ہے اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں صداقت نظر آتی ہے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ اتحان زئیوں سے مصالحت کے بعد شہزادہ مبارک شاہ دوبارہ ستھانہ پر قبضہ کرچکے ہیں اور یہ بات ایسی نہیں ہے کہ انگریزوں سے چھپی ہوئی ہو یا وہ اسے نظرانداز کردیں۔ عین ممکن ہے کہ انگریز حکومت پھر ایک مرتبہ اپنے حواریوں سے ملکر ستھانہ کو تباہ کرنا چاہتی ہو کیونکہ سادات کے استحکام کا تعلق براہ راست ہمارے حق میں جاتا ہے۔ اس لئے ہمیں بہرحال ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ قبل از وقت تو خیر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نقل و حرکت کا کیا مقصد ہے جب تک کہ ہمارے آدمی ہمیں پوری معلومات سے آگاہ نہ کردیں۔ اس وقت تک کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم دفاعی تیاریاں شروع کردیں اور شہزادے کو بھی ان نئے حالات سے مطلع و خبردار کردیں تاکہ وہ بے خبری میں کسی اچانک مصیبت کا شکار نہ ہوجائیں۔"

عبدالغفور کے بعد کئی اور سالاروں نے مختلف تجاویز پیش کیں جنھیں تمام حضرات نے بغور سنا۔ جب کافی لوگ اپنے خیالات کا اظہار کرچکے تو امیر بابو جان نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"ظل الرحمن! تمہارا کیا خیال ہے؟ تم نے ابھی تک کچھ نہیں کہا۔"

"اے امیر! مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔" میں نے بیساکھیاں کھینچ کر اٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں نہیں تم بیٹھے رہو۔ تم بیٹھ کر ہی گفتگو کرسکتے ہو۔ تمہاری معذوری کو دیکھتے ہوئے تم پر آداب محفل فرض نہیں ہے۔" امیر نے مجھے مخاطب کیا اور میں دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"مجھے وہ کہنا ہے جو کسی نے نہیں کہا۔ میں اور ملکہ خود بھی امیر سے ملنے کے لئے بیتاب تھے۔ ہمارے پاس چند اہم اطلاعات ہیں۔ ہم چند بری خبریں لے کر آئے ہیں۔" یہ کہ کر میں نے تمام واقعات امیر بابو جان اور تمام حاضرین کو مطلع کردیا۔ میری ہولناک باتیں سن کر تمام محفل پر جیسے سکتے کا سا عالم طاری ہوگیا۔ پھر اس خاموشی کو مولوی شریف اللہ نے توڑا۔

"مگر ہم یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ ان اطلاعات کے ذرائع کیا ہیں؟"

"اس کی ضرورت نہیں ظل الرحمٰن نے جو کچھ کہا ہے ہمیں اس کی صداقت پر یقین ہے۔ ظل الرحمٰن کے ذرائع معلومات کیا ہیں اس سے ہم بخوبی آگاہ ہیں اور اس سے آپ لوگوں کو بھی بے خبر نہیں رکھنا چاہتے۔ آج موقع آگیا ہے تو ہم یہ بتانے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی برکتوں سے ظل الرحمٰن کو کچھ ایسی نادیدہ پراسرار قوتیں عطا کیں ہیں جن کے ذریعے انہیں یہ تمام اطلاعات ملی ہیں۔ ان پراسرار قوتوں کا تھوڑا بہت تجربہ اسلحہ اور روپے کی فراہمی کے سلسلے میں پہلے بھی آپ لوگوں کو ہوچکا ہے لہٰذا یہ بحث فی الحال فضول ہے۔ ہمیں اب ان اطلاعات کی روشنی میں کوئی واضح لائحہ عمل مرتب کرنا ہے کیونکہ آزمائش کی گھڑی آچکی ہے۔ وقت کی طنابیں کھنچ چکی ہیں۔ ہم سب جس کے منتظر تھے وہ گھڑی اپنے وقت سے پہلے آگئی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ پہلی آزمائش ہماری ہے ورنہ میں پیرو اور عبدالرحمٰن کی طرف سے فکرمند ہوچکا تھا۔ آپ لوگوں نے سن ہی لیا کہ انگریز ہماری تمام سرگرمیوں سے آگاہ ہوچکے ہیں اور بہت جلد ان کا دست ستم ہماری طرف بڑھنے والا ہے۔ ظل الرحمٰن کی اطلاعات کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سرحدوں پر فوجوں کی نقل و حرکت دیکھی گئی ہے لیکن برطانوی حکومت کو حملے کی تیاری میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور لگے گا۔ اس کے علاوہ انہیں ہم پر حملہ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ بھی تلاش کرنا پڑے گا کیونکہ یہ علاقے جن میں ہم آباد ہیں ان کی حکومت سے باہر اور آزاد ہیں۔ مصلحت وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جنگی تیاریوں کو تیز سے

تیز کر دیں اور فوری طور پر شہزادہ مبارک شاہ کو اس سنگین صورت حال سے مطلع کردیں۔ امید ہے کہ آپ تمام حضرات بھی میری اس رائے سے متفق ہوں گے۔" امیر بابو جان نے اپنی بات ختم کرکے لوگوں کی طرف دیکھا۔

"ہمیں اپنے امیر کی ہر رائے اور فیصلہ منظور ہے۔" تمام لوگوں نے بیک زبان کہا جس میں ناہید اور میں بھی شامل تھے۔

اس کے بعد یہ تمام اطلاعات ستھانہ پہنچانے کے لئے جب قائم خاں اور ناہید کا انتخاب کیا گیا تو نہ جانے کیوں میں نے قائم خاں کے لئے اپنے دل میں رقابت محسوس کی اور شاید اسی جذبے کے تحت بغیر کچھ سوچے سمجھے میں نے کہا۔

"اگر امیر ستھانہ کے لئے ناہید کے ہمراہ مجھے روانہ کرتے تو مجھے خوشی ہوتی کیونکہ مجھے ستھانہ دیکھنے کی خواہش بھی ہے۔"

تھانہ جانے کے خواہش مند ہو تو تم بھی ان دونوں کے ہمر ہو۔ میں نے صرف یہ سوچ کر تم دونوں کو ایک یا کہ تم دونوں ہی کے لئے راستہ اجنبی ہے جبکہ قائم خاں ستھانہ جانے والے راستے سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

امیر نے جیسے میری مشکل حل کردی۔ میں نے پہلے اس بات پر غور ہی نہیں کیا تھا کہ میں اور ناہید دونوں ہی راستے سے لاعلم ہیں۔ ان دونوں کے ہمراہ جانے کی پیشکش میں نے فوراً قبول کر لی۔

کچھ دیر بعد ہی میں، ناہید اور قائم خاں ستھانہ جانے کے لئے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ ہم تینوں کے پاس بندوقیں اور کارتوس موجود تھے۔ مجھے گھوڑے پر سوار کراتے ہوئے ناہید نے کہا۔

"ابھی تمہیں گھڑسواری اور بندوق چلانا سیکھے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ اس کے علاوہ تمہاری ایک ٹانگ بھی کام نہیں کرتی ایسی صورت میں بہتر تو یہی تھا کہ تم اس سفر کی تکلیف نہ اٹھاتے۔"

"ملکہ! میں نے خوب سوچ سمجھ کر تکلیفوں اور مصیبتوں سے بھری ہوئی اس راہ کا انتخاب کیا ہے۔" میری آواز میں سختی تھی۔ "یہ زندگی میں نے خود قبول کی ہے۔ اس کے سارے دکھ سکھ مجھے برداشت کرنے ہیں اور تم مجھے سہل پسندی کی ترغیب دے رہی ہو۔" یہ کہتے ہوئی میرے دل میں نہ جانے کیوں یہ شبہہ پیدا ہوا کہ ناہید دانستہ قائم خاں کے ساتھ تنہا جانا چاہتی ہے۔

"میں تمہارے حوصلوں سے بے خبر نہیں ہوں شیخ!" ناہید نے میری بیساکھیاں گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔"

ستھانہ، ملکا سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہمیں امید تھی کہ ہم شام ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔ مجھے گھوڑے پر سوار کرنے کے بعد ناہید اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اس کی پشت پر بھی بندوق لٹک رہی تھی۔ قائم خان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کے ساتھ ناہید کا گھوڑا بڑھا۔ ان دونوں کو ساتھ ساتھ آگے بڑھتے دیکھ کر میرے اندر رقابت کی آگ اور تیز ہوگئی۔ میں نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ان کے قریب پہنچ گیا۔ میں کسی بھی طرح ان دونوں کو اس کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ مجھ سے الگ رہ کر کوئی گفتگو کر سکیں۔ میں ان دونوں کے ساتھ ساتھ اپنا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔

ہم لوگ بہت جلد ملکا کی حدود سے نکل کر پہاڑی راستوں پر ہو لئے۔ دوپہر کا وقت تھا اور ہلکی ہلکی سردیوں کا موسم۔ ہوا کے جھونکے مجھے خوشگوار محسوس ہو رہے تھے۔ ناہید کا جسم گھوڑے کی پشت پر باربار آگے پیچھے ہو رہا تھا۔ مجھ میں اتنی ہمت بھی نہ ہو پائی تھی کہ کم از کم اس سے اظہار عشق تو کر دیتا۔ کیا خبر وہ میرے جذبات سے آگاہ بھی ہے یا نہیں؟ میں انہیں خیالوں میں کھویا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ میرے اتنے قریب ہو کر بھی مجھ سے کتنی دور تھی۔!

ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پتھریلی چٹانیں گونجتی رہیں۔ ہم آگے بڑھتے رہے اچانک ایک پہاڑی کا موڑ کاٹ کر قائم خاں نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کردی اور ناہید نے اس کا ساتھ دیا۔ یقیناً وہ مجھے پیچھے چھوڑ کر کچھ بات کرنا چاہتے تھے شاید کوئی ایسی بات جس میں رازداری ضروری تھی۔ میں نے سوچا اور اسی کے ساتھ مجھے قائم خاں پر غصہ آگیا۔ "میرے ہوتے ہوئے وہ ناہید پر ہاتھ صاف نہیں کرسکتا۔" میں بڑبڑایا اور اپنے گھوڑے کی رفتار بڑھانے کے لئے میں نے مہمیز لگائی۔ گھوڑا ایک دم سرپٹ دوڑنے لگا میں نے اس کی رفتار اور بڑھانے کے لئے رکاب پیچھے کھینچ کر اس کی پسلیوں پر دباؤ ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے گھوڑا ایک دم بھڑک کر میرے قابو سے باہر ہوگیا اور اس بلا کی رفتاری سے دوڑا کہ قائم خاں اور ناہید کے گھوڑے مجھ سے بہت پیچھے رہ گئے۔ میں نے سنبھل کر گھوڑے کی لگامیں کھینچیں۔ گھوڑا اپنے دونوں پچھلے پیروں پر الف ہوگیا اور میں گرتے گرتے بچا۔ میں نے لگام ڈھیلی کی وہ پھر سرپٹ دوڑنے لگا۔ اب مجھے اپنے جسم کا توازن برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا میں گھبرا کر گھوڑے کی گردن سے لپٹ گیا۔ گھوڑے کی رفتار بدستور قائم تھی اور میں اس سے بے خبر تھا کہ قائم خان اور ناہید مجھ سے کتنے پیچھے رہ گئے ہیں۔ کئی

بار گھوڑے نے کوشش کی کہ مجھے اپنی پشت سے نیچے پھینک دے۔ مگر میں اس کی گردن سے اس طرح چمٹا ہوا تھا کہ یہ حادثہ نہ ہوسکا۔ نہ جانے گھوڑا کس راستے پر دوڑا چلا جا رہا تھا اور اسے دوڑتے ہوئے کتنی دیر ہوچکی تھی مجھے یہ سب سوچنے کا ہوش نہیں تھا۔ مجھے تو صرف اس وقت اپنی جان بچانے کی فکر تھی کہ کہیں وہ مجھے اپنی پشت سے نیچے پتھریلی چٹانوں پر نہ لڑھکا دے۔

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ گھوڑے کی رفتار ایک دم سست پڑنے لگی۔ میں نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ گھوڑے کی راہ میں ایک ندی حائل تھی۔ گھوڑا بھاگتا ہوا اس تک پہنچا اور پھر مڑ کر ندی کے کنارے کنارے دوبارہ تیز رفتاری سے دوڑنے لگا۔ میں اس وقت بر ندو ندی کے کنارے دوڑا جا رہا تھا۔ جس کے اس پار انگریزی حکومت کی حدود تھیں۔ اچانک ہی میں نے اپنے گھوڑے کی ٹاپوں کے ساتھ اور بہت سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی جو میرے پیچھے اور آگے دونوں سمت سنائی دے رہی تھیں "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے گھیرا جا رہا ہے" میں نے سوچا۔ اس کے ساتھ ہی اپنی پوری قوت مجتمع کرکے اور جسم کا توازن برقرار رکھتے ہوئے گھوڑے کی گردن چھوڑ دی اور ایک بار پھر اس کی لگامیں ہاتھ میں لے لیں۔ گھوڑا غالباً دوڑتے دوڑتے کافی تھک چکا تھا اس لئے بہت جلد وہ میرے قابو میں آگیا۔ میں نے گھوڑے کی لگام کھینچ کر اس کی رفتار کچھ کم کی اور پھر میری نظر سامنے سے آتے ہوئے چار پانچ سواروں پر پڑی جو تیزی سے میری طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں۔ میں نے ان کے لباس سے اندازہ لگایا کہ ان کا تعلق انگریزی فوج سے ہے۔ وہ میرے بہت قریب آچکے تھے کہ اچانک میں نے گھوڑے کو بائیں جانب موڑا اور تیزی سے سیدھا دوڑنے لگا۔ میرے دائیں جانب ندی تھی اور آگے پیچھے انگریزی فوج کے سپاہی اس لئے میرے لئے راہ فرار صرف بائیں جانب ہی تھی۔ اب میں نے مڑ کر دیکھا تو آٹھ دس سوار میرے تعاقب میں تھے۔

میں نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کردی لیکن میں نے محسوس کیا کہ رفتار تیز کرنے کے باوجود فاصلہ اتنا ہی برقرار تھا۔ کیونکہ تعاقب میں آنے والوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو تیز بھگانا شروع کردیا تھا۔ ابھی ایک آدھ منٹ ہی گزرا ہوگا کہ نے ایک زوردار دھماکہ سنا اور پھر پے در پے دھماکے شروع ہوگئے۔ انگریز فوجیوں نے مجھ پر فائرنگ شروع کردی تھی۔ گولیاں میرے آس پاس سے سنسناتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ کوئی بھی گولی میرا کام تمام کرسکتی تھی۔ میں نے بھی اپنی بندوق سنبھالی۔ ہرچند کہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے بندوق چلانے کا اس سے پہلے میرا کوئی تجربہ نہ تھا۔ میں نے گھوڑے کی لگامیں اپنے دانتوں سے پکڑلیں اور مڑ کر بندوق کی نال اپنے پیچھے آنے والوں پر سیدھی کرکے لبلبی پر انگلی رکھ دی۔ میں نے ایک گھڑسوار کا نشانہ لیا اور لبلبی دبادی۔ ایک دھماکہ ہوا اور گھوڑے کی پشت خالی ہوگئی۔ اس کے ساتھ مجھ پر بیک وقت چار پانچ فائر ہوئے اور اس مرتبہ قسمت نے میرا ساتھ نہیں دیا کوئی گولی میرے گھوڑے کی پچھلی ٹانگ توڑتی ہوئی نکل گئی۔ گھوڑا لہرا کر گرا اور میں اس کی پشت سے اچھل کر ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے گرا۔ میرا سر کسی پتھر سے ٹکرایا، چند لمحوں کے لئے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا مگر میں نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا۔ بندوق اب بھی میرے ہاتھ میں تھی اور اس میں ایک کارتوس ابھی باقی تھا میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں تھا اور پھر جیسے ہی میں نے اس کے دوسری طرف دیکھنے کے لئے سر ابھارا مجھ پر فائر کیا گیا۔ غالباً ان لوگوں نے مجھے اس پتھر کے پیچھے گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میری کہنیاں زخمی ہوچکی تھیں اور ماتھے سے خون بہہ کر رخساروں پر آگیا تھا۔ میں نے دائیں ہاتھ سے اپنے رخسار کو صاف کیا۔ میرے ہاتھوں میں میرا ہی خون تھا۔ خون دیکھ کر مجھے جوش آگیا اور سر پر خون سوار ہوگیا۔ میں نے بندوق ایک پتھر سے ٹکا کر پوزیشن لی اور فائر کردیا۔ دوسری طرف سے جوابی فائر ہوا۔ میری جیبوں میں زیادہ کارتوس نہیں تھے۔ کارتوس کی پیٹی گھوڑے کی پشت سے بندھی ہوئی تھی۔ گھوڑا میرے اور ان کے درمیان زخمی پڑا تھا اور میرے لئے اس تک پہنچنا اور مزید کارتوس حاصل کرنا مشکل تھا۔

اب ہر طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا تھا میں ایک ایک کارتوس کو نہایت احتیاط سے خرچ کر رہا تھا۔ میرے حریف سامنے نظر آنے والی چٹان کی آڑ میں تھے اور مجھ پر برابر فائر کر رہے تھے۔ ایک بار میں نے سوچا کہ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں۔ مگر میرے لئے یہ بھی ناممکن تھا کیوں کہ میرا ایک پاؤں بے کار تھا۔ میں نے سوچا کہ بغیر بیساکھیوں کی مدد کے میں اس بے آب و گیاہ علاقے میں کہاں تک گھسٹتا پھروں گا۔ جب کہ میں ان راستوں سے بھی بے خبر ہوں۔

میرے پاس اب صرف چند کارتوس باقی بچے تھے نہ تو میں یہاں سے فرار ہونے کی پوزیشن میں تھا اور نہ ہی اب زیادہ دیر اپنے حریفوں کا مقابلہ کرنے کا اہل۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا اور اسی الجھن و پریشانی کے درمیان میں نے اپنا آخری کارتوس بھی ضائع کردیا۔ کچھ دیر دونوں طرف سناٹا رہا۔ پھر

اچانک دوسری طرف سے فائرنگ شروع ہوگئی مگر اب میری بندوق خاموش تھی۔ وہ کچھ دیر انتظار کرتے رہے کہ جوابی حملہ ہو مگر جب ادھر سے فائر نہ ہوا تو انہیں غالباً شبہ ہوا کہ کہیں میں فرار نہ ہوچکا ہوں۔ پے در پے دو تین فائر ہوئے اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ لپک کر چٹان کی اوٹ سے نکلے ان کی تعداد اب صرف سات رہ گئی تھی میرے پاس اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ خاموشی سے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کردوں ورنہ دوسری صورت میں اگر میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو میری زندگی بھی خطرے میں پڑسکتی تھی۔ وہ بہرحال مجھ سے اپنے ایک ساتھی کی موت کا انتقام لینے کے لئے مجھے گولی مار دیتے۔

وہ بہت جلد مجھ تک پہنچ گئے۔ میں زمین پر پڑا تھا اور میرے چاروں طرف بندوقوں کی نالیں تھیں۔ ان میں سے ایک نے بے رحمی سے میرے پہلو میں ٹھوکر مارتے ہوئے مجھے اٹھنے کا حکم دیا میں نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی مگر پھر گر پڑا۔ بغیر بیساکھیوں کے میرے لئے چلنا مشکل تھا انہوں نے بھی غالباً اندازہ لگا لیا کہ میرا ایک پاؤں بے کار ہے۔ ایک فوجی نے اپنے لباس سے ایک ریشمی ڈوری نکالی اور میرے قریب آیا اس نے چند لمحوں میں میرے ہاتھ بری طرح جکڑ دیئے پھر دو فوجیوں نے مجھے اٹھایا اور اسی چٹان کی طرف چل دیئے جس کے آڑ لے کر وہ مجھ پر فائرنگ کرتے رہے تھے۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ان کا ایک ساتھی شدید زخمی ہے اور ایک ہلاک ہوچکا ہے۔ قریب ہی ان کے گھوڑے موجود تھے۔ دو فوجی میرے زخمی گھوڑے سے کارتوسوں کی پیٹی کھول لائے تھے میری بندوق بھی انہوں نے چھین لی تھی۔ ایک گھوڑے پر انہوں نے اپنے ہلاک ہونے والے ساتھی اور مجھ کو باندھ دیا تھا۔ زخمی کو ایک دوسرے فوجی کے ساتھ بٹھایا گیا تھا۔ ایک مردے کے ساتھ بندھے ہوئے مجھے عجیب سا لگا۔ اس شخص کا سرد ہاتھ میرے چہرے سے چھو رہا تھا مگر میں اسے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ وہ سب گھوڑوں کی پشت پر سوار ہو کر روانہ ہوگئے۔ ایک فوجی نے اس گھوڑے کی لگامیں اپنی گھوڑے سے باندھ لی تھیں جس پر میں بندھا ہوا تھا۔ گھوڑے کے دوڑنے سے ہلاک ہونے والے شخص کا ہاتھ بار بار ہل رہا تھا اور میرے چہرے سے لگ رہا تھا۔ اس کی ایک انگلی بار بار میری آنکھ کے پاس آتی اور میں بمشکل اس کی زد سے اپنی آنکھ بچا پاتا۔ مجھے ایسا لگتا جیسے اس کا ہاتھ میری طرف بڑھ رہا ہے اور اس کی انگلی میری آنکھ پھوڑ دینا چاہتی ہے۔ یہ سوچ کر مجھے جھرجھری سی آگئی۔

یہ پورا قافلہ ایک بار پھر اس ندی کے کنارے پہنچ گیا کچھ دیر گھوڑے ندی کے کنارے کنارے دوڑتے رہے اور پھر ایک جگہ تمام گھوڑے ندی میں اتر گئے پانی گھوڑوں کے پیٹ سے لگ رہا تھا۔ یہاں شاید ندی میں پانی کم تھا غالباً اسی لئے ندی عبور کرنے کے لئے انھوں نے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

مجھے اگر سکون واطمینان تھا تو صرف یہ تھا کہ میری ذمہ داری ہمزاد نے قبول کرلی ہے اگر میری زندگی کے لئے کوئی خطرہ درپیش ہوا تو وہ خود مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا جیسا کہ اس نے کہا تھا وہ اب تک میرے پاس نہیں پہنچا اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ مجھے کوئی بڑا خطرہ درپیش نہیں۔ جلد یا بدیر میں اس سے نجات پا جاؤں گا۔ مگر میں جہاں یہ سوچ رہا تھا۔ وہیں ایک خیال اور بھی میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ ممکن ہے کہ ہمزاد جبار کے ہمزاد سے برسرپیکار ہو اور میری مدد کے لئے آنے کا اہل نہ ہو دونوں ہی صورتوں میں، میں ہمزاد کو طلب کرنے سے قاصر تھا۔ اگر وہ آئے گا تو خود آجائے گا میرا طلب کرنا بے کار ہے۔ میں انہی خیالوں میں الجھا رہا اور نہ جانے کتنا فاصلہ طے ہوگیا۔ میں چونکا اس وقت جب مجھے گھوڑے کی پشت سے کھولا جا رہا تھا۔ وہ لوگ اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے۔ اب میں نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔

یہاں پر ہر طرف خیمے نصب تھے اور خیموں کے ساتھ ساتھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ کچھ خیمے تاریک تھے لیکن بیشتر میں روشنی ہورہی تھی۔ مجھے دو فوجی اٹھا کر ایک خیمے کی طرف بڑھے۔ میرے ہاتھ ابھی تک پشت سے بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی جکڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے مجھے لے جا کر ایک خیمے کے فرش پر بے دردی سے پٹخ دیا اور میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ میں کمر کے بل گرا تھا جس سے، میری ریڑھ کی ہڈی پر شدید ضرب لگی تھی۔ ان کا رویہ خاصا انسانیت سوز تھا۔ خیمہ خالی تھا وہ مجھے وہاں پٹخ کر غائب ہوگئے اور میں زمین پر گٹھری بنا ادھر سے ادھر لڑھکتا رہا۔ میں اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح اپنے ہاتھوں کو آزاد کرلوں مگر ظالموں نے اس قدر کس کر باندھا تھا کہ ریشمی ڈوری ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ ڈوری کی رگڑ سے مجھے اپنے ہاتھوں کی کلائیوں میں سوزش اور جلن محسوس ہونے لگی تھی۔ خیمے میں ایک طرف ایک مشعل روشن تھی اور پتھریلے فرش پر گھاس پھوس بچھا ہوا تھا۔ ساری رات میں نے آنکھوں آنکھوں میں کاٹ دی۔ وہ رات نہ جانے کتنی طویل تھی کسی طرح ختم ہی نہ ہو پا رہی تھی۔ میرا جسم سردی کی وجہ سے کچھ اکڑ گیا تھا، رات کافی سرد تھی۔ میرے کان رات بھر آہٹوں پر لگے رہے مگر دور دور تک سوائے گھوڑوں کے ہنہنانے کے اور کوئی

آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ میرے دشمن جیسے مجھے یہاں ڈال کر مجھے بھول گئے تھے۔ رات بھر کوئی نہ آیا۔

صبح کے قریب میرے غنودہ ذہن نے سوچا کہ اب یقیناً وہ لوگ میری خبر لیں گے مگر کافی انتظار کے بعد بھی وہاں کوئی نہ آیا اور اس الجھن میں میرا رات بھر کا تھکا ہوا جسم دن کی حرارت پا کر کچھ دیر کے لئے بے خبر ہوگیا۔

وہ ٹھوکر ؛ید میرے سر پر پڑی تھی جس نے مجھے ایک دم بوکھلا کر جاگنے پر مجبور کردیا۔ میرے ہونٹوں سے ایک طویل کراہ نکلی۔ سر پر پڑنے والی شدید ضرب نے میرے تمام حواس بیدار کردیئے۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا وہ کوئی انگریز افسر تھا جس کے ساتھ چار پانچ فوجی مودب کھڑے تھے۔ انگریز افسر نے فوجیوں کی طرف مڑ کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا۔ "اس کا زبان کھولو! یہ ادر سے آتا۔ اس کو باگیوں کے بارے میں معلوم ہونے سکتا۔ سمجھا تم لوگ۔" اس نے فوجیوں کی طرف تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے حکم دیا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی میں سمجھ گیا کہ اب یہ لوگ مجھ پر طرح طرح کے ظلم کریں گے اور مجاہدین کے بارے میں مجھ سے معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ سوچ کر میری روح کانپ اٹھی۔ وہ لوگ آگے بڑھے انہوں نے مجھے اٹھایا اور کسی دوسرے خیمے کی طرف چلنے لگے، وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ایک بڑی سی ناند میں ایک چمڑے کا ہنٹر بھیگ رہا تھا دوسری طرف ایک انگیٹھی دہک رہی تھی جس پر لوہے کی سلاخیں گرم کی جارہی تھیں فرش پر دو بڑے بڑے کنڈوں سے آہنی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ پورے خیمے کا ماحول میرے لئے خاصا خوف زدہ کردینے والا تھا۔ ان چاروں میں سے ایک پستہ قد میرے قریب آکر بولا۔

"تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ تمہیں یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم تم پر ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہوں اور تمہاری زبان کھلے تم خود اپنے بارے میں سب کچھ قبول دو۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ بڑے صاحب نے ہمیں کیا حکم دیا ہے۔ ویسے بھی تم ہمارے ایک فوجی ساتھی کے قاتل ہو تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔ ہاں تو بولو کیا چاہتے ہو۔" پستہ قد درندے نے اپنی مٹھی میں میرے سر کے بال جکڑتے ہوئے کہا۔

درد کی تکلیف اور شدت سے میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے جس کا اس نے الٹا مطلب لیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کچھ نہیں بتاؤ گے۔ دلدار خاں!" اس نے اپنے کسی ساتھی کو مخاطب کیا۔ "اس کی خاطر کرو۔"

اس کا حکم سنتے ہی دراز قد دلدار خاں نے ناند میں بھیگا ہوا چمڑے کا ہنٹر اٹھا لیا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں ہنٹر تیزی سے میری دائیں ران پر پڑا۔ میری جان نکل گئی ہنٹر کے ساتھ ہی میرے جسم کا لباس بھی لپٹ گیا۔ میرے منہ سے چیخ نکلی۔

"بتاؤ!" پستہ قد پھر غرایا۔

"مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا یقین کرو میرا کوئی تعلق باغیوں سے نہیں۔ میں..... آہ۔" میرا جملہ ادھورا رہ گیا۔ ہنٹر اس بار میری کمر کی کھال ادھیڑ چکا تھا۔

یہ اس طرح کچھ نہیں بتائے گا۔ مارو اور مارو۔ جب تک کہ یہ زبان نہ کھولے۔" پستہ قد پھنکارا۔

پھر مجھے یاد نہیں کہ کتنی دیر تک میرے جسم پر کوڑے برستے رہے۔ کیوں کہ میں ان کوڑوں کے سامنے پانچ منٹ سے زیادہ نہ ٹھہر سکا تھا۔ میرا پورا جسم لہولہان تھا اور میں زمین پر بری طرح تڑپ رہا تھا۔ پھر نہ جانے کب میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

آنکھ کھلنے پر میں نے اندھیرا ہی اندھیرا دیکھا۔ کچھ دیر تو مجھے یاد ہی نہ آیا کہ میں کہاں ہوں؟ اس کے بعد ایک ایک کرکے تمام واقعات مجھے یاد آنے لگے اور انہی کے ساتھ میرے جسم میں ٹیسیں اٹھنے لگیں، منہ سے کراہیں نکلنے لگیں۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ میں سارا دن بے ہوش رہا ہوں۔" میں نے سوچا۔

اب مجھے بھوک بھی شدت سے لگنے لگی تھی۔ کل دوپہر سے اب تک میں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ بھوک اور تکلیف کی شدت نے مجھے نڈھال کردیا تھا میرے ہاتھ پاؤں بدستور جکڑے ہوئے تھے۔ مجھے ہمزاد کا خیال آیا کیا واقعی وہ جبار کے ہمزاد سے برسرپیکار ہے جو میری مدد کے لئے نہیں آیا؟ یقیناً یہی وجہ ہوسکتی ہے ورنہ وہ مجھے اس عذاب سے نجات دلانے ضرور آتا۔ وہ میری طرف سے بے خبر نہیں ہوگا۔ میں نے بھی اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی بھی قیمت پر میں بذات خود اسے طلب نہیں کروں گا چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ مجھے بھی تو تنظیم کے لئے کچھ نہ کچھ مصیبتیں جھیلنی چاہئیں۔ اور ہمزاد بھی اسی غرض سے گیا ہوا ہے کہ جبار کے ہمزاد کے ذریعے کہیں انگریز مجاہدین کو کوئی بڑا نقصان نہ پہنچا سکیں۔ ورنہ ہمزاد کے ذریعے تو سب کچھ ممکن تھا مجاہدین کا اسلحہ بھی اس کے ذریعے تباہ کرایا جاسکتا تھا اس کے علاوہ مجاہدین کے سربراہ کو بھی اغوا کرایا جاسکتا تھا۔ سب کچھ ممکن تھا اور اسی ممکن کو ناممکن بنانے کے لئے میرا ہمزاد مستعد و بیدار تھا۔ اس صورت حال میں، میں اسے کس طرح طلب کرسکتا تھا۔ جب کہ کسی بھی لمحے جبار کا ہمزاد راستہ صاف دیکھ کر

تنظیم کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ میں فیصلہ کرلیا تھا کہ میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔ انہی خیالوں میں رات اپنا سفر طے کرتی رہی۔ سردی بڑھتی رہی، بھوک شدید ہوتی گئی، زخموں سے ٹیسیں اٹھتی رہیں اور میں کراہتا رہا۔ مجھ پر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی کہ میں نے اچانک گھوڑوں کے زور زور سے ہنہنانے اور بہت سے گھوڑوں کی ٹاپوں کا شور سنا۔ یقیناً بہت سے گھوڑے تیزی سے بھاگتے ہوئے قریب آرہے تھے۔

گھوڑوں کے بھاگنے کی آوازیں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں پھر انہیں کے ساتھ مجھے آس پاس کے خیموں میں گھبرائی ہوئی سی آوازیں سنائی دیں۔ ان آوازوں کا شور بڑھتا گیا۔ پھر چند ہی لمحوں بعد دھماکے سنائی دیئے۔ فائرنگ شروع ہوچکی تھی۔ چیخ و پکار اور بھاگتے ہوئے لوگوں کے قدموں کی آوازیں۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا تھا کہ کیا معاملہ ہے پھر مجھے اپنے خیمے کے سامنے سے بہت سے فوجی مشعلیں اٹھائے بھاگتے ہوئے دکھائی دیئے۔ فائرنگ بدستور جاری تھی پھر ایک نعرے کے شور نے چونکا دیا میں اس نعرے سے واقف تھا یہ نعرہ مجاہدین کا مخصوص نعرہ تھا۔ میں ایک ہی لمحے میں سب کچھ سمجھ گیا۔ مجاہدین نے انگریزی کیمپ پر کامیاب شب خون مارا تھا۔ اسی وقت مجھے اپنے قریب ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"ملکہ! گوداموں میں بھرا ہوا سامان بھی لوٹ لو اور اسلحہ بھی۔" یہ آواز قائم خاں کی تھی جسے سن کر مجھے یہ معلوم ہوسکا کہ اس شب خون میں ناہید بھی شریک ہے۔ میں بغیر وقت ضائع کئے بے تاب ہوکر چیخا۔

"قائم خاں! قائم خاں!" میں برابر چیختا رہا مگر میری کسی صدا کا کوئی جواب نہیں ملا "اس نے یقیناً میری آواز سن لی ہوگی۔" میں نے سوچا "مگر وہ دانستہ مجھ تک نہیں آیا وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹا کر ناہید کو اپنانا چاہتا ہے۔" میرے دل میں قائم خاں کے لئے جذبہ رقابت ابھر آیا۔ مجھے خود سے نفرت سی محسوس ہوئی کہ میں نے اسے کیوں پکارا مگر ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ بہت قریب سے اس کی آواز سنائی دی۔

"ظل الرحمان! ظل الرحمان! میں نے تمہاری آواز سن لی ہے تم کہاں ہو؟" قائم خاں کی آواز سن کر مجھے شرم سی محسوس ہوئی میں نے خواہ مخواہ اس کے بارے میں غلط سوچا تھا۔ حالانکہ وہ صرف چند ہی لمحے تھے مگر میں غلط فہمی کا شکار ہوگیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ اس کی آواز کا جواب نہ دوں یہ شاید میرا احساس شرمندگی تھا اسی وقت اس نے پھر مجھے پکارا اب اس کی آواز نسبتاً دور تھی۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ مجھے ڈھونڈتا ہوا آگے نہ نکل جائے میں فوراً چیخ پڑا۔

"قائم خاں! قائم خاں میں یہاں ہوں۔ میں یہاں ہوں۔" میں اس وقت تک چیختا رہا جب تک کہ بھاگتے ہوئے قدموں کی آہٹ میرے خیمے کے دروازے پر آکر نہ رک گئی۔

قائم خاں کے ہاتھ میں مشعل روشن تھی وہ لپکتا ہوا میرے قریب آیا اور میری ابتر حالت دیکھ کر اس کی حالت بھی غیر ہوگئی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ظالموں نے تمہاری یہ حالت بنادی ظل الرحمان! میں...... میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔"

پھر اس نے تیزی سے میرے ہاتھ پیر ریشمی جان لیوا ڈوری سے آزاد کردیئے۔ میں کراہ کر سیدھا ہوگیا۔ میرے جسم میں اتنی بھی سکت باقی نہیں تھی کہ خود اٹھ کر بیٹھ سکتا۔ قائم خاں نے مجھے اٹھایا اور اپنی پشت پر سوار کرکے خیمے سے نکل گیا۔ وہ خیمے سے نکل کر ایک طرف تیزی سے بھاگا جارہا تھا اور جلد ہی مجھے لے کر اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں مجاہدین جمع تھے۔ میری نظریں ناہید کو تلاش کررہی تھیں مگر وہ مجھے نظر نہ آئی۔ تقریباً ڈھائی تین سو گھڑ سواروں میں اسے فوراً تلاش کرنا یا دیکھ لینا مشکل تھا لیکن مجھ سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکی تھی۔ اس مجمع سے ایک گھوڑا تیزی سے نکل کر ہماری طرف آیا اور قریب آتے ہی میں نے اسے پہچان لیا وہ ناہید ہی تھی۔ وہ میرے قریب آکر رک گئی مجھے دیکھ کر اس کی زبان پر جیسے تالا لگ گیا تھا پھر وہ بمشکل کہہ سکی "تم... تم... شیخ" اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ شدت جذبات نے جیسے اس کی گویائی سلب کرلی تھی۔ قائم خاں نے مجھے اپنے ہمراہ گھوڑے پر بٹھالیا تھا اور میں اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی کمر تھامے ہوئے بیٹھا تھا۔

روانگی سے قبل سارے خیموں کو نذر آتش کردیا گیا۔ قریبی آبادی کے باشندے انگریزی فوجیوں کو فرار ہوتے، ان کے گوداموں اور اسلحہ کو لوٹتے اور پھر ان کے کیمپ کو تباہ و برباد ہوتے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ انہوں نے انگریزوں کی کوئی مدد نہیں کی۔ وہاں سے روانہ ہوکر بھی کئی میل تک جلتے ہوئے خیموں سے بلند ہونے والے شعلے نظر آتے رہے۔

میری حالت خاصی خراب تھی اور میں بمشکل قائم خاں کی کمر تھامے گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ یہ طویل سفر صبح کے آثار کے ساتھ ختم ہوا۔ جب یہ قافلہ ملکا پہنچا تو بستی جاگ چکی تھی۔ قافلے کا استقبال خود امیر بابو جان نے کیا۔ مجھے گھوڑے سے اتار کر فوراً امیر کے مکان میں لے جایا گیا اور اسی وقت میرے زخموں کی مرہم پٹی کی گئی۔ ناہید خود دودھ گرم کرکے لائی اور کٹورا میرے ہونٹوں سے لگادیا۔ اس نے دیوار سے تکیہ لگا کر پہلے ہی

مجھے نیم دراز کردیا تھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے ہمدردی اور محبت کے جذبات نظر آئے۔ میں نے فوراً کٹورے سے منہ لگادیا اور ایک ہی سانس میں سارا دودھ پی گیا۔ کٹورا ایک طرف رکھ کر وہ بولی۔

"ہم دونوں نے تمہیں کافی تلاش کیا مگر تم نہ معلوم کدھر نکل گئے۔ شاید تمہارا گھوڑا تمہارے قابو سے باہر ہوگیا تھا۔ پھر تمہاری تلاش میں ناکام ہوکر ہم نے مجبوراً ستھانہ کی راہ لی۔ رات ہم نے ستھانہ ہی میں گزاری مگر یقین کرو شیخ! ساری رات ایک لمحے کے لئے میری پلک نہ جھپکی۔ مجھے رہ رہ کر تمہارا خیال آرہا تھا۔ صبح ہوتے ہی ہم شہزادہ مبارک شاہ سے ملے انہیں تمام حالات سے آگاہ کیا اور پھر تمہاری تلاش میں چل پڑے۔ ہم تمام دن پہاڑیوں میں تمہاری تلاش میں بھٹکتے رہے اور پھر شام ہوتے ہم ملکا پہنچ گئے۔ پھر گزشتہ رات عجیب واقعہ پیش آیا۔ عشاء کی نماز کے بعد تھکن کے سبب میری آنکھ لگ گئی مگر مجھے فوراً ہی تمہاری آواز نے جگا دیا۔ میں نے نیم غنودگی میں سنا تم کہہ رہے ہو کہ جنگلی کے علاقے میں انگریزی فوج بڑی تعداد میں جمع ہوچکی ہے اس لئے فوجی کیمپ پر شب خون مارنا ضروری ہے۔ میں نے پہلے اس آواز کو اپنا واہمہ سمجھا مگر جب دوبارہ بھی یہی آواز سنائی دی تو میں چونک کر اٹھ بیٹھی۔ میں نے اٹھ کر ہر طرف تمہیں تلاش کیا مگر تمہارا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ میں نے اسی وقت اس واقعے سے امیر بابو جان کو آگاہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ شیخ نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے ہمیں ایک اہم خبر دی ہے ہمیں فوراً اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور پھر انتہائی تیزی سے شب خون مارنے کی تیاری کی گئی اور کچھ دیر بعد ہم جنگلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ مگر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جنگلی میں تم سے ملاقات ہوگی۔" ناہید مجھے تمام گزشتہ تفصیلات سے آگاہ کرکے خاموش ہوگئی۔

ناہید کی گفتگو سن کر میں سمجھ گیا کہ ہمزاد نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے ناہید کو جنگلی میں انگریزی کیمپ کے بارے میں آگاہ کیا ہوگا اور اسی نے جنگلی کے کیمپ پر شب خون مارنے کی ہدایت کی ہوگی۔ غالباً اس سے اس کا مقصد یہ ہوگا کہ جب شب خون مارا جائے گا تو مجاہدین یقیناً مجھ تک پہنچ جائیں گے اور مجھے انگریزوں کی قید سے رہائی مل جائے گی۔ اور ہوا بھی بالکل اس کی توقع کے مطابق۔ ہمزاد نے جبار کے ہمزاد کے قریب رہتے ہوئے بھی اپنی آواز ناہید تک پہنچادی ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ خود آسکتا تو میرے ہی پاس کیوں نہ آجاتا۔ ناہید نے میری نہیں میرے ہمزاد کی آواز سنی ہوگی جو قطعی میری ہی آواز لگی ہوگی کیونکہ میری اور ہمزاد کی آواز میں ذرہ برابر فرق نہیں۔ اس بات کا تجربہ مجھے اس سے پہلے بھی ہوچکا تھا۔

ناہید کو میں نے اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات سے بھی آگاہ کردیا جنہیں سن کر غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اس نے کہا۔

"شیخ! ہم تمہارا بدلہ ضرور چکائیں گے۔"

ناہید دن رات میری پوری طرح نگہداشت کررہی تھی اور آہستہ آہستہ میرے زخم بھرتے جارہے تھے۔ وہ گھنٹوں میرے قریب کھڑی رہتی اور طرح طرح سے میری دل جوئی کی کوششیں کرتی۔ اس دوران میں نے اسے خود سے کچھ اور قریب محسوس کیا۔ شہزادہ مبارک شاہ بھی اس عرصے میں ستھانہ سے ملکا پہنچ چکا تھا کیوں کہ مجاہدین کے جاسوسوں نے اطلاعات دی تھیں کہ انگریز ستھانہ پر نہیں بلکہ ملکا پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شہزادے نے ملکا پہنچ کر دفاعی انتظامات شروع کردیئے۔ سمہ کی طرف سے ملکا آنے والے جتنے راستے تھے سب کو ناقابل گزر بنادیا گیا تاکہ اگر کوئی قبیلہ انگریزوں کو راستہ دینے پر آمادہ بھی ہوجائے تو انگریزی فوج کے لئے ملکا پہنچنا آسان نہ رہے، پرانے درخت کاٹ کاٹ کر جا بجا راستوں میں ڈال دیئے گئے۔ گرد و نواح کے گوجروں کو اس کام پر لگایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ جھاڑیاں اور کانٹے بھی جگہ جگہ بچھادیئے گئے۔ بہت سے راستوں میں خندقیں بھی کھدوادی گئیں۔ ناہید پوری، دلچسپی اور دلجمعی سے ان انتظامات میں حصہ لے رہی تھی اور روز مجھے تمام حالات سے آگاہ کررہی تھی پھر ایک دن ناہید نے مجھے بتایا۔

"جدون انگریزوں کو اپنے علاقے سے گزرنے کی اجازت دینے پر کسی طرح راضی نہیں ہیں اور اب کمشنر ٹیلر نے مجبور ہوکر ٹوپی کے بجائے صوابی کو اپنا مرکز بنالیا ہے۔ یہ اطلاعات آج ہی ہمیں اپنے آدمیوں سے ملی ہیں جو انگریزی فوج کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے متعین کئے گئے ہیں۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ٹیلر نے اب یہ منصوبہ بنایا ہے کہ خدو خیل کے پرگنے میں جنگلی کن گلی اور کوتل اشرف کنڈو ہوتے ہوئے وہ ملکا تک پہنچ جائے۔ کیوں کہ اس سے پہلے بھی انگریزی فوجوں نے جنگلی اور منگل تھانہ کی تباہی کے لئے یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ خدو خیل میں اس غرض سے سڑک کی تعمیر بھی شروع کردی گئی ہے تاکہ فوجوں کو گزرنے میں آسانی ہو جنگلی میں دوبارہ رسد کے گودام قائم کردیئے گئے ہیں جن میں پہلے کی طرح اسلحہ اور گولہ بارود کے علاوہ اطراف سے غلہ بھی فراہم کیا جارہا ہے۔"

"جنگی نقطہ نظر سے خدو خیل میں سڑک کی تعمیر خاصی اہمیت

ی حامل ہے۔" میں نے رائے دی۔

"بے شک شیخ! اور اسی لئے امیر نے حکم دیا ہے کہ کسی بھی طرح اس سڑک کی تعمیر کے کام میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ طے یہ ایا ہے کہ دن بھر میں وہ جتنی سڑک بنائیں رات کو مجاہدین اسے وڑ ڈالیں اور آج رات میں بھی مجاہدین کے ہمراہ جاؤں گی۔" اہید نے بتایا۔

پھر اس کے دوسرے دن ایک بہت خطرناک اطلاع ملی۔ میر بابو جان میری مزاج پرسی کرنے آئے تو میں نے ان سے کہا۔

"آپ کی دعاؤں اور اللہ کے فضل سے اب میں قطعی ٹھیک ہوگیا ہوں۔ اب آپ مجھے اجازت عطا کریں کہ میں بھی اپنے ساتھی سرفروشوں کے ہمراہ شانہ بہ شانہ کام کرسکوں۔"

"ابھی کچھ دن اور آرام کرلو کچھ دن بعد ہی ہم سب کو ایک بڑی آزمائش سے گزرنا ہے۔" امیر نے جواب دیا۔

"کیا کوئی اور نئی اطلاع ملی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں آج صبح ہی معلوم ہوا ہے کہ وائسرائے لارڈ ایلجن کے ایما پر جنرل چمبرلین کو اس پوری مہم کا انچارج بنادیا گیا ہے۔ چمبرلین کے ارادے خطرناک ہیں۔ اس نے بالکل نئے انداز میں جنگی نقشہ ترتیب دیا ہے۔ وہ انتہائی سخت اور کینہ پرور مسلمان دشمن انگریز ہے۔ وہ وائسرائے کے حکم پر ایک بڑی فوج لے کر صوابی سے روانہ ہوچکا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے امیر کہ حالات سنگین صورت اختیار کرچکے ہیں۔" میں نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"قطعی! اور اب وقت آگیا ہے کہ انگریزوں کی خلاف اعلان جہاد کردیا جائے۔" امیر نے ٹھوس اور مضبوط آواز میں کہا۔ "اس کے نتائج دوررس ہوں گے۔"

پھر اسی دن ناہید کے سمجھانے کے باوجود میں نے اس اہم اجلاس میں شرکت کی جس میں اعلان جہاد کے بارے میں طے کیا گیا۔ ناہید نے میرے لئے بیساکھیوں کا انتظام کردیا تھا۔ اس اجلاس میں تمام سالاروں کے علاوہ شہزادہ مبارک شاہ اور عمران شاہ ستھانوی بھی شریک تھے۔ امیر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ ان کی پرسکون اور پرجلال آواز سنائی دی۔

"اب وقت آگیا ہے کہ ہم انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کردیں ہمارے باقاعدہ اعلان جہاد سے عام مسلمانوں اور ان کے قبیلوں پر یہ فرض عائد ہوجائے گا کہ وہ اس جہاد میں ہمارا ساتھ دیں۔ ہرچند کہ ان میں سے بہت سے انگریزوں کی سازشوں کا شکار ہوچکے ہیں اور انگریزوں نے ان کے قبائلی نسلی اور خاندانی تعصبات کو ہوا دے دی ہے۔ برادری، قبیلے اور خیل کی محبت کے خوگر وسیع اسلامی مصلحتوں کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ان کے اندر اتنی سوجھ بوجھ ہی نہیں ہے کہ وہ انگریزوں کے سیاسی ہتھکنڈوں کو سمجھ سکیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی ان کے دل میں جذبہ ایمانی موجود ہے۔ وہ اعلان جہاد ہوتے ہی یقیناً بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اگر انہوں نے ہماری کوئی عملی مدد نہ بھی کی تو یہ لازمی ہے کہ وہ ہمارے خلاف انگریزوں کو کوئی مدد دیتے ہوئے بھی ہچکچائیں گے۔"

شہزادہ مبارک شاہ نے بھی امیر بابو جان کی تجویز سے مکمل اتفاق کیا۔ اسی وقت ایک اعلان جہاد تیار کیا گیا۔ یہ اعلان جہاد تمام خوانین کے نام تھا۔ اس کے علاوہ شہزادہ مبارک شاہ کی ایما پر ایک خاص مکتوب اخوند سوات کو بھی لکھا گیا۔

اعلان جہاد قاصدوں کے ذریعے تمام خوانین کو روانہ کردیا گیا۔ انگریزوں کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ قبائل کو پیش قدمی کے راستے کا قبل از وقت علم نہ ہوسکے۔ جنگ کی تمام تیاریوں میں اخفا کا مقصد بطور خاص پیش نظر رکھا گیا تھا لیکن مجاہدین کی جاسوسی کا نظام اتنا عمدہ اور پختہ تھا کہ امیر کو بروقت تمام اطلاعات پہنچ جاتی تھیں۔

ملکا کے ضروری مقامات کی حفاظت کے علاوہ مجاہدین کی کچھ فوج سرپٹی کے مختلف مقامات کی حفاظت کے لئے متعین کردی گئی۔ باقی مجاہدین کو لے کر امیر اور شہزادہ مبارک شاہ گڑو پہاڑ پر پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے مورچے قائم کرلئے۔ اعلان جہاد کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ اس نے تمام قبائل میں آگ لگادی تھی۔ قبائلی لشکر گڑو پہاڑ کے اردگرد جمع ہورہے تھے۔ انگریزوں کو سب سے بڑا خطرہ اخوند سوات کی طرف سے تھا کہ کہیں وہ مجاہدین کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوجائیں کیونکہ مختلف قبائل میں اخوند صاحب کا اثر ورسوخ کافی تھا۔ اخوند صاحب ہمہ گیر قبائلی ہیجان کو دیکھ کر خاموش نہ بیٹھ سکتے تھے چنانچہ وہ بھی موقعے پر پہنچ گئے اور ان کی وجہ سے قبائلی جوش و خروش میں مزید تیزی آگئی۔

انگریزوں نے اپنے کیمپ کی حفاظت کے لئے دائیں بائیں کئی مورچے بنا رکھے تھے۔ انگریزی فوج کی پیش قدمی رک چکی تھی کیونکہ دربند کے درے میں داخل ہوتے ہی تقریباً ڈھائی سو بونیریوں نے جابجا مورچے قائم کرکے پیش قدمی کرنے والی فوج پر آتش بازی شروع کردی تھی چنانچہ انگریزوں کو مجبوراً درے ہی میں ایک مقام پر فوج کا کیمپ ڈال دینا پڑا۔ انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے دائیں بائیں جو مضبوط مورچے بنائے تھے ان میں بطور خاص کیمپ کے دائیں جانب کا ایک مورچہ تھا جس کا

نام انہوں نے تیلے کا مورچہ رکھا تھا۔ دوسرا بائیں جانب کا مضبوط مورچہ تھا اس کا نام آشیانہ عقاب تھا۔

میں اور ناہید انگریزی فوج کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے دس بارہ نوجوانوں کے ہمراہ بالکل اگلے مورچوں پر تھے۔ سورج غروب ہوتے ہی ہم نے دیکھا کہ فوج کا ایک دستہ وادی میں اتر کر پیش قدمی کررہا ہے۔ ابھی ہلکا ہلکا اجالا باقی تھا میں نے فوراً یہ اطلاع ایک نوجوان کے ذریعے پچھلے مورچوں تک پہنچادی تاکہ امیر بابو جان کو یہ اطلاع مل جائے کہ پیش قدمی شروع ہوچکی ہے۔ ہم نے پہاڑیوں میں ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں اپنے مورچے بنا کر ہم بحفاظت رہ بھی سکتے تھے اور انگریزی فوج کا راستہ بھی روک سکتے تھے۔ ہم نے جیسے ہی دیکھا کہ انگریز فوجی ہماری بندوقوں کی زد میں آچکے ہیں فوراً فائرنگ شروع کردی۔ ہمارے ساتھ جو مجاہدین تھے وہ پہاڑ کے چپے چپے سے واقف تھے۔ اپنے مورچے سے ایک دو گولیاں چلا کر ہر نوجوان دوڑ کر قریب کے دوسرے مورچے میں جا بیٹھتا اور وہاں سے فائرنگ شروع کردیتا۔ ہم نے اپنی انتہائی مختصر تعداد ہونے کے باوجود ایسی کیفیت پیدا کردی تھی کہ انگریز فوج کو معلوم ہو کہ کئی سو آدمی ان کے مقابلے پر ہیں۔ اس حصے میں گھنا جنگل تھا اور نوجوانوں کو ایک مورچے سے دوسرے مورچے میں جانے کے لئے کوئی دقت پیش نہ آتی تھی۔

ناہید کے جسم میں جیسے بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔ وہ کبھی ایک مورچے میں ہوتی تو کبھی دوسرے میں۔ اسی رات دشمن کی ایک آوارہ گولی سے ناہید بال بال بچی۔ اس وقت وہ میرے مورچے میں تھی اس نے مورچے سے سر نکالا ہی تھا کہ فائر ہوا اور اگر میں اسے فوراً کھینچ نہ لیتا تو گولی اس کے سر میں سوراخ کرچکی ہوتی۔ مگر جیسے ہی میں نے اسے پیچھے کھینچا وہ اپنے جسم کو نہ سنبھال پائی اور اس کا سارا بوجھ مجھ پر آرہا میرے ہاتھوں سے بیساکھیاں چھوٹ گئیں اور اگر میں فوراً خود کو نہ سنبھال لیتا تو نہ جانے اس پہاڑی سے لڑھک کر زندہ بھی بچتا یا نہیں۔

صبح کے قریب جب انگریزی فوج نے پسپائی اختیار کی تو اہل بونیر نے اس پر حملہ کردیا۔ بڑی مشکل سے انگریزی فوج اپنا دفاع کرتی ہوئی پیچھے ہٹنے میں کامیاب ہوسکی۔ اس معرکے میں ان کے کافی فوجی کام آئے تھے جبکہ ہمارا صرف ایک ساتھی معمولی زخمی ہوا تھا اور میرا دایاں پاؤں ناہید کے میرے اوپر گرنے کے سبب کچھ زخمی ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔

ٹیلے کے مورچے اور آشیانہ عقاب پر بار بار خونریز لڑائیاں ہوئیں یہاں تک کہ دونوں مورچے تین تین مرتبہ انگریزوں کے ہاتھ سے نکلے اور سخت جدوجہد اور جانی نقصان اٹھانے کے بعد انہوں نے دوبارہ ان پر قبضہ کیا۔ مجاہدین کے دستوں نے انگریزی کیمپ پر بار بار یورشیں کیں۔ جب جنرل چمبرلین کو یقین ہوگیا کہ آگے بڑھنا مشکل ہے تو اس نے کیمپ کے لئے درے میں نسبتاً زیادہ اونچی جگہ تجویز کرکے فوج کو وہاں منتقل کردیا۔

ایک دوپہر اچانک ہی ہمزاد میرے پاس آگیا اس وقت میں اپنے گھوڑے پر زین کس کر اگلے مورچوں کی طرف جانے کی تیاری کررہا تھا۔ اس نے آتے ہی مجھے ایک اطلاع دی۔

"جبار بھی اب محاذ جنگ پر پہنچ چکا ہے اور انگریز جنگ کے دوران اس کی پراسرار قوتوں سے اپنے پہلے سے سوچے ہوئے منصوبے کے مطابق کام لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب تک میں نے اس کے ہمزاد کو قطعی بے کار بنا رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے ہمزاد سے کوئی بھی کام نہیں لے پارہا۔ اسی لئے انگریز اب اس سے کچھ جھنجھلا بھی گئے ہیں لیکن وہ یہ کہہ کر اب تک اپنی جان بچائے ہوئے ہے کہ آپ اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے اس کی راہ میں حائل ہیں ورنہ وہ اب تک بہت کچھ کرچکا ہوتا۔ اس نے یہ بھی بتادیا ہے کہ اگر وہ اپنے ہمزاد کو درمیان سے ہٹالے تو انگریزوں کے لئے مشکلات کھڑی ہوسکتی ہے اور پھر آپ، میرے ذریعے انگریزوں کو بھاری نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"یہ سب تو خیر ٹھیک ہے مگر کیا تمہارے علم میں ہے کہ تمہارے پیچھے مجھ پر کیا کچھ گزر گئی؟" میں نے ذرا شکایتی لہجے میں کہا۔ ہرچند کہ میں جانتا تھا کہ وہ میرے بارے میں پوری طرح باخبر ہوگا۔

"میں شرمندہ ہوں کہ میں بروقت آپ تک نہ پہنچ سکا مگر میں مجبور تھا۔ اگر اس وقت میں جبار کے ہمزاد کو آزاد چھوڑ دیتا تو خاصا بڑا ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔ جبار اس وقت وائسرائے کے روبرو تھا اور وائسرائے نے اس سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے مجاہدین کی تنظیم کے سربراہ کو ان کے روبرو پیش کرے۔ ظاہر ہے کہ میں یہ کس طرح ہونے دیتا۔"

اس کے بعد ہمزاد مجھ سے اجازت لے کر پھر رخصت ہوگیا کچھ ہی دیر بعد میں ناہید کے پاس پہنچ چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کے تاثرات متغیر ہیں اور اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی ہوئی ہیں۔

"کیا کوئی بری خبر؟" میں نے سوال کیا۔

"میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے جیالے شہیدوں کا انتقام لوں گی۔ میں ... میں اس انگریزی بھیڑیئے کو قتل کردوں گی۔"

ناہید کی آواز شدت جذبات سے بھرانے لگی۔

پھر بڑی مشکل سے میں اس سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوا کہ ایک یورش کے دوران چند مجاہدین انگریزی فوج کے ہاتھ لگ گئے تھے جن کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ خود جنرل چیمبرلین نے انہیں انتہائی بے دردی اور سفاکی کے ساتھ طرح طرح کی اذیتیں دے کر مار ڈالا ہے۔ یہ سن کر میرا بھی خون کھول اٹھا۔

"تم تنہا نہیں ہوگی ملکہ! شیخ بھی اس سفر میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوگا۔" میں نے بھرپور عزم کے ساتھ کہا۔

"لیکن تم... شیخ! تمہاری ٹانگ کا زخم ابھی تازہ ہے تم... تم رہنے دو۔"

"نہیں میں بھی تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا۔"

اور پھر اسی رات ناہید اور میں اونچے نیچے پہاڑی راستوں کو عبور کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں پر تیز رفتاری سے انگریزی کیمپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم نے اپنی اس خفیہ مہم سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ امیر بابو جان کو بھی ہم نے کوئی اطلاع نہیں دی تھی کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ امیر ہمیں موت کے منہ میں جانے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔

ہر طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا اور ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ہماری منزل آشیانہ عقاب تھی کیونکہ ہم واقف تھے کہ جنرل چیمبرلین اسی مورچے میں ہے۔ جاسوس مجاہدین کی اطلاع کے مطابق جنرل چیمبرلین کا خیمہ ایک بڑی سی چٹان پر تھا جو چاروں طرف سے کھردری اور ڈھلواں تھی مگر اس پر چڑھنا کچھ ایسا زیادہ دشوار بھی نہیں تھا۔ ہم نے اپنی منزل سے بہت پہلے ہی اپنے گھوڑے ایک غار میں چھوڑ دیئے اور دبے پاؤں پیدل اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ میں اپنی بیساکھیاں بہت سنبھل سنبھل کر رکھ رہا تھا ایک تو اس لئے کہ چاندنی رات ہونے کے باوجود راستہ اونچا نیچا تھا اور امکان تھا کہ میں اپنے جسم کا توازن نہ کھو بیٹھوں دوسرے بیساکھیوں کی آواز سے کوئی دشمن ہوشیار نہ ہوجائے۔ میں اور ناہید بہت محتاط انداز میں چٹان سے قریب ہوتے جارہے تھے۔

پھر ہم چٹان کے پاس پہنچ کر سینے کے بل رینگتے ہوئے اس پر چڑھنے لگے عام حالت میں اس خطرناک چٹان پر چڑھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا جبکہ میری ایک ٹانگ بھی بیکار تھی لیکن اس وقت تو جوش ہی کچھ اور تھا۔ ہم دونوں کی پشت پر بندوقیں تھیں اور ہاتھوں میں تیز اور چمکیلے خنجر تاکہ وقت پڑنے پر ہم پہلے خنجر ہی استعمال کریں۔ اس لئے کہ بندوق کا دھماکہ ہمارے لئے خطرناک بھی ہوسکتا تھا۔ جب تک ہم پوری طرح دشمنوں کے گھیرے میں تھے ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم انتہائی مجبوری کی حالت میں بندوق استعمال کریں گے۔

میں بڑی احتیاط سے سینے کے بل رینگتا ہوا اوپر بڑھ رہا تھا حالانکہ میری رفتار ناہید سے کم تھی اور وہ مجھ سے کچھ آگے نکل چکی تھی مگر میں نے اپنی رفتار وہی برقرار رکھی تھی۔ میں پتھروں پر مضبوطی سے ہاتھ جماتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک وہ پتھر اپنی جگہ سے سرک گیا جس پر میں نے اپنا دایاں ہاتھ رکھا تھا۔ پتھر کے چٹان سے اکھڑتے ہی میرے جسم کو جھٹکا سا لگا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اپنے جسم کے توازن کو برقرار رکھ سکوں مگر ناکام رہا۔ میں نے اپنی بیساکھیاں چٹان کے نیچے چھوڑ دی تھیں کیونکہ انہیں ساتھ لے کر چڑھنا میرے لئے ناممکن تھا۔ میرے دونوں ہاتھ پھسل گئے اور پھر میں انتہائی ضبط کے باوجود اپنے منہ سے نکلنے والی چیخ کو نہ روک سکا۔ میں پتھروں سے ٹکراتا ہوا تیزی سے کھردری چٹان سے نیچے لڑھک رہا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کھردری چٹان میں ابھرے ہوئے کسی پتھر سے میرا سر ٹکرایا تھا اور میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ اس کے بعد میں کتنی دیر غافل رہا مجھے یاد نہیں۔ آنکھ کھلنے پر میں نے خود کو مکمل تاریکی میں محسوس کیا۔ کچھ دیر مجھے کچھ بھی یاد نہ آیا کہ میں یہاں کس طرح پہنچ گیا۔ پھر رفتہ رفتہ میرے ذہن میں بے ہوشی کا غبار اور اس کے اثرات زائل ہوئے تو مجھے سب کچھ یاد آگیا اور اس کے ساتھ ہی میرے پورے جسم میں جیسے درد کی شدید لہریں کوند گئیں۔ میں یقیناً سخت زخمی تھا۔ میرے نیچے پتھریلی زمین تھی "میں کہاں ہوں؟" میں نے سوچا۔ مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا "کیا میں انگریزوں کی قید میں ہوں؟" میں سوچتا رہا اور خود ہی اپنے سوالات کا جواب دیتا رہا "اگر ایسا ہوتا تو میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوتے... تو پھر میں کہاں ہوں؟" وہاں دور دور کوئی معمولی سی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

میں نے اپنے جسم کو حرکت دینا چاہی اور میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ میں اس قابل نہیں تھا کہ اٹھ کر آس پاس کا جائزہ لے سکتا۔ میں جہاں کہیں بھی تھا بہرحال انگریزوں کی قید میں نہیں تھا اور یہ بات میرے لئے اطمینان بخش تھی۔ یہاں دور دور تک اندھیرا اور مکمل سناٹا تھا۔ میرے یہاں تک پہنچنے کا صرف ایک ہی جواز تھا اور وہ تھا ہمزاد کی مداخلت۔ یقیناً اس نے بروقت میری مدد کرکے مجھے انگریزوں کی قید میں جانے سے بچالیا ہوگا۔ اسی کے ساتھ مجھے ناہید کا خیال آیا۔ اس کا کیا بنا ہوگا؟ وہ بھی میری طرح فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی ہوگی؟" میں بہت

دیر تک انہیں سوالوں میں الجھا رہا مگر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ ممکن ہے میرے ہمزاد نے اسے بچالیا ہو یا پھر وہ خود جنرل چیمبرلین پر کامیاب حملہ کرنے کے بعد فرار ہوگئی ہو۔ مگر یہ بات زیادہ قرین قیاس نہیں تھی کیونکہ میرے وجود نے اس کی راہ میں مشکلات کھڑی کردی تھیں۔ یقیناً میری چیخ سن کر محافظ بیدار ہوگئے ہوں گے اور پھر اور پھر..... میں اس سے زیادہ سوچنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ میں اس تصور سے بھی خوفزدہ تھا کہ خدانخواستہ ناہید گرفتار کرلی جائے۔

میں اندھیرے اور سکوت سے بے زار ہوچلا تھا۔ سوچتے سوچتے میرا ذہن تھک گیا تھا۔ اسی وقت میں نے اپنے قریب کسی اور کے وجود کو بھی محسوس کیا اس کے ساتھ ایک تیز سی سرسراہٹ اور پھر پھنکار کی آواز سنائی دی۔ میرے کان کھڑے ہوگئے یقیناً میرے قریب کوئی سانپ تھا اور سانپ زہریلا بھی ہوسکتا ہے۔ اس احساس نے میرے حواس بیدار کردیئے میں نے اپنے جسم کو سمیٹا اور اسی وقت میرے بائیں بازو میں جیسے کسی نے بیک وقت کئی تیز سوئیاں چبھودیں میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ "کیا مجھے سانپ نے ڈس لیا؟" اچانک میرے ذہن میں سوال گونجا۔ اس احساس کے ساتھ ہی مجھ پر ایک خوف سا طاری ہوگیا اور میرا جسم کسی سردی کھائے ہوئے بچے کی طرح کانپنے لگا۔ سرسراہٹ پھر سنائی دی۔ سانپ مجھے ڈس کر غالباً واپس ہورہا تھا۔ میں نے بائیں بازو کی اس جگہ کو چھوا جہاں سانپ نے مجھے ڈسا تھا۔ اس جگہ مجھے جلن اور سخت سوزش سی محسوس ہوئی اور اس کے چند لمحے بعد میرا ذہن بوجھل ہونے لگا جیسے مجھے سخت نیند آرہی ہو۔ میں نے بچپن میں اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ جب سانپ کا زہر اپنا اثر کرنا شروع کرتا ہے تو گہری نیند آنے لگتی ہے۔ اس شخص کو کسی بھی طرح سونے نہیں دیا جاتا جسے سانپ نے ڈس لیا ہو کیونکہ یہ نیند اس کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہوتی ہے نیند کے عالم میں زہر تیزی سے اپنا کام کرتا ہے اور پھر مریض کی آنکھ کبھی نہیں کھلتی اور وہ اسی حالت میں مرجاتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنے غنودہ ذہن کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ میں بہرحال بیدار رہنا چاہتا تھا۔ تاکہ زہر مجھ پر جلد اثر انداز نہ ہوسکے۔ میں کافی دیر تک اپنے خمار آلود ذہن سے جنگ کرتا رہا مگر نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ مجھے اپنی پلکیں اٹھانا گراں گزر رہا تھا۔ اس کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے کسی حد تک خوفزدہ بھی تھا مگر زیادہ دیر تک میں اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکا اور میرا ذہن نیند کی آغوش میں ڈوبتا چلا گیا۔

دوبارہ ہوش آنے پر میں نے اپنے چاروں طرف اجالا پھیلا ہوا دیکھا لیکن اسے مکمل روشنی پھر بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ اجالا غار کے دہانے سے آرہا تھا اور غار کے اندر پہنچتے پہنچتے دھندلکے میں تبدیل ہورہا تھا میں اس وقت ایک غار میں تھا مجھے پہلی خوشی تو یہ ہوئی کہ میں زندہ ہوں اور اس احساس کے ساتھ ہی میرا دایاں ہاتھ فوراً اپنے بائیں بازو پر پڑا جہاں مجھے سانپ نے ڈسا تھا۔ اب اس جگہ نہ تو دکھن تھی اور نہ سوزش، وہ جگہ بھی اب پہلے کی نسبت ابھری ابھری نہیں تھی "کیا وہ میرا واہمہ تھا؟" میں نے سوچا اور پھر خود ہی اپنے خیال کی تردید کردی "نہیں یہ نہیں ہوسکتا میں نے سانپ کے ڈسنے کی تکلیف محسوس کی تھی۔ تو پھر میں اب تک کس طرح زندہ ہوں؟ میرا زخم کس طرح ٹھیک ہوگیا؟ زہر نے مجھ پر کوئی اثر کیوں نہیں کیا؟" میں سوچتا رہا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ میرے بے ہوش ہونے کے بعد ہمزاد مجھ تک آیا ہوگا اور اس نے اپنی پراسرار قوتوں کو بروئے کار لاکر زہر کے اثر کو زائل کردیا ہوگا۔ اس کے علاوہ اور کچھ ممکن نہیں تھا۔ میں یہ سوچ کر مطمئن ہوگیا کہ ہمزاد میری طرف سے غافل نہیں ہے۔ اسی نے مجھے انگریزی فوجی کیمپ میں انگریزوں کے ہاتھوں قید ہونے سے بچایا اور پھر وہی یہاں بروقت پہنچ کر سانپ کے زہر کو زائل کرنے کا سبب بنا۔ تاکہ میری زندگی خطرے میں نہ پڑے لیکن وہ میرے پاس موجود کیوں نہیں؟ کیا وہ جبار کے ہمزاد سے برسرپیکار ہے؟ ہاں یہ ممکن تھا وہ میری زندگی خطرے میں دیکھ کر وقتی طور پر میری مدد کے لئے آگیا ہوگا اور پھر روانہ ہوگیا ہوگا۔ مگر میں یہاں اس طرح کب تک پڑا رہ سکتا ہوں؟

میں تازہ ترین حالات سے باخبر ہونا چاہتا تھا۔ مجھے ناہید کی طرف سے سخت فکر لاحق تھی مگر اس کے باوجود میں ہمزاد کو طلب کرنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ میں اس قدر بدحواس ہوا تھا کہ یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ میں ہمزاد کے بغیر بھی ناہید کے بارے میں معلوم کرسکتا ہوں کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ مجھے اپنے تصور کی قوت آزمانے سے بھلا کون روک سکتا تھا۔ میں نے فوراً اپنی آنکھیں بند کیں اور ناہید کا تصور کیا دوسرے ہی لمحے میری آنکھوں کے سامنے ناہید کا چہرہ تھا اور اس چہرے پر نظر پڑتے ہی میں اچھل پڑا۔ ناہید کے چہرے پر سخت تکلیف و اذیت کے آثار تھے۔ میں نے فوراً اپنے تصور کا دائرہ وسیع کیا اور اس کے ساتھ ہی میرا خون کھولنے لگا۔ جس دوسرے چہرے پر میری نظر پڑی تھی اس نے میرے تن بدن میں آگ لگادی تھی۔ یہ چہرہ جبار کا تھا جو ناہید کے چہرے کے بہت قریب

تھا۔ جبار کے علاوہ اس جگہ ایک انگریز افسر بھی نظر آرہا تھا جس کی حریص اور للچائی ہوئی نظریں ناہید کے جسم کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ناہید کا جسم ایک موٹے سے لکڑی کے تختے سے بندھا ہوا تھا اور اس کے جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ اچانک انگریز کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی جو اپنی وردی سے کوئی افسر معلوم ہو رہا تھا وہ جبار سے مخاطب تھا۔

"تم اس سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہے؟ اس کا ساتھی کدر ہے؟ تم اس کا زبان سمجھتا اچھی طرح پوچھو نئیں تو مارو' اس کا زبان کھولو۔"

"یہ ابھی سب کچھ بتادے گی مگر اس کے لئے تنہائی ضروری ہے جبار کی عیار آواز سنائی دی اور میں بل کھا کر رہ گیا میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ جبار تنہائی کس لئے چاہتا ہے۔

"خیر ہم جاتا۔ اگر تم کو یہ کچھ نہیں بولا تو ہم آئے گا اس کے بعد تم ادر سے چلا جائے گا۔" یہ کہہ کر انگریز افسر خیمے سے نکل گیا۔

دوسرے ہی لمحے ناہید نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ وہ چیخی "ذلیل کتے! تو ایک مجبور و بے بس عورت کی بے چارگی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر تو اتنا ہی بہادر ہے تو میرے ہاتھ پاؤں کھول دے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ بھاگوں گی نہیں اور تجھ سے مقابلہ کروں گی۔"

"میری بلبل! اس طرح ناراض نہیں ہوا کرتے۔" جبار نے اپنے چہرے کو آستین سے صاف کرتے ہوئے سفلے پن سے کہا "تو اگر میری بات مان لے تو میں تیری جان بچانے کی ذمے داری قبول کرنے کو تیار ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تیری سزا سزائے موت سے کم نہیں ہو سکتی کیونکہ تو نے جنرل چمبرلین کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور اگر عین وقت پر محافظ ہوشیار نہ ہو جاتے تو تو اپنا کام کر چکی ہوتی۔ مگر اس کے باوجود بھی تو نے ان پر خنجر سے حملہ کر کے انہیں سخت مجروح کر دیا ہے اور تیرا یہ جرم معمولی جرم نہیں ہے۔ یہ تو بھی اچھی طرح جانتی ہے اور یہ بھی شاید تجھے معلوم ہو کہ اگر تو نے سیدھی طرح میری بات نہ مانی تو میں زبردستی .... ایسا کر سکتا ہوں مگر میں نے تجھے صبح تک سوچنے کی مہلت دے دی ہے بول کیا تو راضی ہے۔"

"کمینے! غلام! انگریزوں کے کتے تجھے مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ میں تجھ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔" ناہید کی آواز سے حقارت ٹپک رہی تھی۔

"اچھا تو پھر مجھے روک۔ دیکھوں کیسے روکتی ہے۔" جبار یہ کہہ کر خیمے کے دروازے کی طرف بڑھا اور پردہ گرا کر رسی سے باندھ دیا۔ پھر ناہید کی طرف بڑھتا ہوا بولا "تیری چیخ و پکار سن کر بچانے یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ وہ لوگ سمجھیں گے کہ میں تجھ پر تشدد کر کے تیری زبان کھلوانا چاہتا ہوں اب بھی مان جاؤ ورنہ۔"

جبار اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

پھر میں نے جو کچھ سنا اس پر مجھے خود بھی یقین نہیں آیا ناہید کہہ رہی تھی۔

"مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں کھول دو۔"

"تمہاری رضامندی کے بعد ہاتھ پاؤں کھولنا ضروری نہیں ہیں بلکہ ....." جبار کہتے کہتے رک گیا "ایسا تو میں صرف اس لئے چاہتا تھا کہ تم چیخ و پکار نہ کرو اور کسی سے اس واقعے کا ذکر بھی نہ کرو۔"

جبار واقعی ایک عیار ذہن کا مالک تھا وہ ناہید کو آزاد کرنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ جبار کی بات سن کر میرے ذہن میں بھی ناہید کا ادا کیا ہوا جملہ واضح ہو گیا وہ یقیناً قید و بند سے آزاد ہو کر فرار کی راہ ڈھونڈنا چاہتی تھی۔

"مجھے یہ سن بے انتہا خوشی ہوئی کہ تم نے میری بات مان لی۔"

"اپنے ناپاک وجود کو مجھ سے دور رکھ کتے!" ناہید چیخی۔

"اچھا اب میں سمجھا تو اس طرح مجھے پھانس کر قید و بند سے آزاد ہونا چاہتی تھی۔ کیوں بھولی چڑیا؟" جبار شیطانوں کی طرح ہنسا "تو مجھے اتنا بے وقوف سمجھتی ہے میں جانتا ہوں کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلے گا۔"

اب میرے لئے ضبط کرنا انتہائی دشوار تھا۔ میں نے ایک دم آنکھیں کھول دیں اور چیخا "ہمزاد!"

اسی لمحے ہمزاد کا گھبرایا ہوا چہرہ مجھے نظر آیا۔ وہ آتے ہی بولا "آپ نے مجھے اس وقت طلب کر کے غضب کر دیا اب جبار کا ہمزاد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتا جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ فی الحال میں تمہیں جو حکم دے رہا ہوں اسے پورا کرنے کے لئے فوراً روانہ ہو جاؤ بقیہ باتیں پھر ہوں گی۔ ناہید کی عزت و آبرو خطرے میں ہے اسے بچانا اشد ضروری ہے۔ تم اسے انگریزوں کی قید سے آزاد کرا کے فوراً یہاں لے آؤ۔ ورنہ ..... میں تباہ ہو جاؤں گا۔" میں ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا میرا حکم سنتے ہی ہمزاد غائب ہو گیا اس کے جاتے ہی میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں تاکہ تازہ صورت حال کا جائزہ لے سکوں۔ میں تصور کی طاقت پھر بروئے کار لا چکا تھا۔

میں نے ہمزاد کو خیمے میں داخل ہوتے دیکھا اور اس سے پہلے کہ جبار اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔ ہمزاد نے آناً فاناً ناہید کے جسم کی بندشیں کھولنا شروع کر دیں۔ اس نے ایسا کرنے سے پہلے جبار کو ایک زور کا دھکا دیا تھا۔

ناہید کے جسم کی بندشیں خود بخود کھلتے دیکھ کر اور اپنے جسم کو دھکا لگتے محسوس کر کے پہلے تو جبار حیرت زدہ سا ہوا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ بڑبڑایا "اچھا تو یہ بات ہے۔" وہ غالباً سمجھ چکا تھا کہ یہ سب کرشمہ میرے ہمزاد کی نادیدہ قوت کا ہے۔

"ہمزاد!" جبار نے اپنے ہمزاد کو طلب کیا جسے میں نہ دیکھ پایا مگر اسی وقت میرے ہمزاد نے ناہید کو چھوڑ کر ایک دم جبار پر حملہ کر دیا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے ہمزاد کو کوئی حکم دے سکے اس کا جسم ایک بار زور سے لہرایا اور پھر وہ تیورا کر زمین پر آرہا غالباً وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ناہید کے چہرے پر سخت حیرت کے آثار تھے۔ اس کے لئے یہ سب بڑا عجیب اور پراسرار تھا کہ اس کے جسم کے گرد لپٹی ہوئی مضبوط رسیاں خود بخود کھلنے لگی تھیں اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے جبار بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ناہید کو مضبوط رسیاں کھولنے میں کچھ دقت پیش آرہی تھی اس لئے میرا ہمزاد آگے بڑھا اور چند ہی لمحوں میں اسے قطعی آزاد کر دیا۔

"کپڑے پہن لو!" ہمزاد نے سرگوشی کی "اور جلد سے جلد یہاں سے فرار ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"شیخ! شیخ ت.!... تم؟" اچانک ہمزاد کی آواز سن کر ناہید کی خوشی سے تھرتھراتی ہوئی آواز سنائی دی ہمزاد کی آواز اسے قطعی میری آواز معلوم ہوئی تھی کیونکہ میری اور ہمزاد کی آواز میں قطعی کوئی فرق نہیں تھا۔

ناہید حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ خیمہ خالی تھا۔ اس کے لئے یہ بات سخت حیرت انگیز تھی کہ میں اسے نظر کیوں نہیں آرہا تھا۔ اسی لئے اس نے پوچھا۔

"مگر تم مجھے نظر کیوں نہیں آرہے ہو شیخ؟"

"یہ تمام باتیں آئندہ کے لئے اٹھا رکھو۔ فی الحال جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو' تمہیں بعد میں سب کچھ بتا دیا جائے گا۔" ہمزاد نے نرمی سے کہا۔

ناہید نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں ہمزاد نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا اب اس کی گرفت ناہید کی کنپٹیوں پر تھی۔ ناہید کا جسم اچانک ڈھیلا ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ فرش پر گر جائے ہمزاد نے اسے اپنے بازوؤں پر اٹھا لیا۔ مجھے اس وقت ہمزاد پر رشک آیا کاش اس کی جگہ اس وقت میں ہوتا۔

ہمزاد نے خیمے کے دروازے کا رخ نہیں کیا وہ خیمے کی دوسری سمت گیا دوسرے ہی لمحے خیمے میں شگاف نظر آنے لگا۔ اس شگاف سے ہمزاد ناہید کا جسم اٹھائے گزر گیا۔ لیکن ابھی وہ کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ اچانک ایک شور بلند ہوا کسی نے ناہید کے جسم کو فضا میں بلند ہوتے دیکھ لیا تھا۔

میں نے دیکھا کہ خیمے کے اردگرد متعین تمام محافظ پتھر کے بت بنے اس حیرت انگیز نظارے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے جنرل پر حملہ کرنے والی لڑکی کا جسم خود بخود فضا میں بلند ہوتا جا رہا تھا۔ ان میں سے کسی کو ہوش آگیا۔ وہ شاید کوئی انگریز افسر تھا جو چیخا۔

"وہ فرار ہوتا مانگتا فائر! فائر!

اس انگریز افسر کی آواز کے ساتھ ہی جیسے سارا طلسم ٹوٹ گیا۔ بیک وقت کئی دھماکے ہوئے لیکن اس وقت تک ناہید کا جسم بندوق کی گولیوں کی زد سے کافی دور نکل چکا تھا اور پھر ان لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک پہاڑی کے پیچھے غائب ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی میں نے آنکھیں کھول دیں اور میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ میں واقف تھا کہ اب چند ہی لمحوں میں ہمزاد ناہید کو لے کر میرے پاس پہنچ جائے گا۔

میری توقع کے مطابق ہمزاد جلد ہی اس غار تک پہنچ گیا جہاں میں موجود تھا۔ اس نے آتے ہی ناہید کے بے ہوش جسم کو فرش پر احتیاط سے دراز کر دیا اس کے اس کام سے فارغ ہوتے ہی میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں اب تم بتاؤ تم کیا کہنا چاہتے تھے؟ تم نے کہا تھا کہ میں نے تمہیں ناوقت طلب کیا تھا۔ مجھے بتاؤ کہ جبار اپنے ہمزاد سے کیا کام لینا چاہتا تھا جو تم اس کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔"

"انگریز حکام نے جبار کی پراسرار قوتوں سے مایوس ہو کر اسے کوئی بہت بڑا کام سپرد نہیں کیا تھا حالانکہ وہ غلط سمجھ رہے تھے۔ اگر جبار کا ہمزاد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو یہ انگریزوں کی بہت بڑی فتح ہوتی۔ انگریز حکام نے جبار کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ وہ اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے کر خوانین کے دل مجاہدین کی طرف پھیر دے۔ دراصل جبار شیخی میں آکر انہیں سب کچھ بتا چکا تھا کہ وہ اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے کیا کیا کر سکتا ہے۔ انہیں اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہمزاد سے کام لے کر وہ اس بات پر بھی قادر ہو سکتا ہے کہ مجاہدین کی مدد کرنے والے قبیلوں اور ان کے خوانین کو بجائے ان کے انگریزوں کا ہمنوا بنا دے۔ جبار نے اسی غرض سے اپنے ہمزاد کو روانہ کیا تھا اور میں راستے ہی میں اس سے الجھ پڑا تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد

آپ نے مجھے طلب کرلیا اور اس کا راستہ صاف ہوگیا۔" ہمزاد نے مجھے پوری تفصیل سے آگاہ کیا۔

"یہ واقعی بہت خطرناک بات تھی۔" میں نے ہمزاد کی تائید کی پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا "لیکن... لیکن جہاں تک میرا خیال ہے تمہارے وہاں ہٹنے کے باوجود بھی جبار کا ہمزاد اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی جبار نے اپنے ہمزاد کو دوبارہ اپنے پاس طلب کرلیا تھا..... اور پھر اسے کچھ حکم دینے سے پہلے ہی تمہارے ہاتھوں بے ہوش ہوگیا تھا۔ ایسی صورت میں جبار کا ہمزاد اس وقت سے اب تک اسی کے پاس ہوگا کیوں؟" میں نے سوالیہ نظروں سے ہمزاد کی طرف دیکھا۔

"آپ کا خیال درست ہے۔ جبار کا ہمزاد ابھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ لیکن ہوش آتے ہی جبار اسے پھر اسی مقصد کے حصول کے لئے روانہ کرسکتا ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"اس سے پہلے کہ وہ ہوش میں آئے اور تم مجھ سے رخصت ہوجاؤ' میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اور ناہید کو فوراً ملکا پہنچادو تاکہ ہم محفوظ رہ کر آئندہ کے لئے کوئی منصوبہ بناسکیں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آپ دونوں کو ملکا پہنچا دیتا ہوں ممکن ہے کہ مجھے بہت جلد پھر آپ سے رخصت ہونا پڑے اور آپ یہاں اس اجنبی جگہ پر بے یارومددگار پڑے رہیں۔" ہمزاد بولا۔

"تو پھر ناہید کو ابھی ہوش میں لانے کی بھی ضرورت نہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"سفر طویل ہے اور وقت کم اس لئے بہتر ہے کہ آپ کو بھی بے ہوش کردیا جائے اس لئے کہ آپ اتنی تیز رفتاری برداشت نہیں کرپائیں گے۔" ہمزاد نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور آنکھیں بند کرکے ناہید کے برابر لیٹ گیا دوسرے ہی لمحے مجھے اپنی کنپٹیوں پر دباؤ محسوس ہوا اور میرا ذہن بوجھل ہوتے ہوتے بالکل غافل ہوگیا۔

ہوش آنے پر میں نے خود کو اور ناہید کو امیر بابو جان کے مکان پر پایا۔ اس وقت مکان خالی تھا۔ میرے کہنے پر ہمزاد ناہید کو بھی ہوش میں لے آیا۔ ناہید ہوش میں آتے ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے غالباً اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ بخیریت تمام ملکا پہنچ چکی ہے کیونکہ یہ مکان بہرحال وہ پہچانتی تھی اور اس کے درودیوار سے آشنا تھی۔ پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"شیخ! تم... تم سخت مجروح ہو تمہارے ماتھے پر گہرا زخم ہے۔" اس نے کہا اور اس کے جملے کے ساتھ ہی مجھے اپنی حالت کا احساس ہوا مجھے اپنی بیساکھیوں کا بھی خیال آیا جو وہیں رہ گئیں تھیں جہاں میں زخمی ہوا تھا۔ میری پہلی ضرورت بہرحال بیساکھیاں تھیں یہی سوچ کر میں نے ہمزاد سے کہا۔

"میری بیساکھیاں لے آؤ۔"

ہمزاد میرا حکم سن کر رخصت ہوگیا اور ناہید سمجھی کہ میں نے اسے مخاطب کیا ہے وہ اٹھ کر جانے لگی تو میں نے پوچھا۔

"تم کہاں جارہی ہو؟"

"تمہاری بیساکھیاں دیکھ رہی ہوں کہاں رکھی ہیں؟" ناہید نے کہا۔

"میں نے تم سے بیساکھیاں لانے کے لئے نہیں کہا وہ ایک اور ہی نادیدہ قوت ہے جسے میں نے حکم دیا ہے اور وہ ہی نادیدہ قوت تمہیں انگریزوں کی قید سے رہا کراکے لائی ہے۔" ابھی میرا فقرہ ختم نہ ہو پایا تھا کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے دروازے کی طرف مڑکے دیکھا تو امیر بابو جان کھڑے ہم دونوں کو حیرت سے دیکھ رہے تھے پھر اس سے پہلے کہ میں یا ناہید کچھ کہیں وہ بولے۔

"تم دونوں نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے جس کی تحسین کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں مگر ہمیں حیرت ہے کہ تم دونوں موت کے شکنجے سے کس طرح نکل آئے۔ ہمیں تمام اطلاعات مل چکی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے تم دونوں سے ایک شکایت بھی ہے کہ تم نے مجھے اس سلسلے میں لاعلم رکھا۔"

"ہم مجبور تھے اے امیر! اگر ہم آپ سے اپنے ارادے کا اظہار کرتے تو یقیناً آپ ہمیں موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کی اجازت نہ دیتے اور....." میرا جملہ ادھورا رہ گیا امیر بابو جان بات کاٹ کر بولے۔ شاید انہوں نے اب پہلی مرتبہ میری حالت پر غور کیا تھا۔

"ظل الرحمان تم۔ تم تو شدید زخمی بھی معلوم ہوتے ہو۔ باتیں پھر ہوتی رہیں گی پہلے تمہاری مرہم پٹی ضروری ہے۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلے گئے اور چند لمحوں بعد ہی وہ ایک چھوٹا سا بکس لے کر کمرے میں داخل ہوئے۔

"لائیے مجھے دے دیجئے۔ میں شیخ کی مرہم پٹی کردیتی ہوں۔" ناہید نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں میری بچی! مجھے خود یہ سعادت حاصل کرنے دو جو لوگ اللہ کی راہ میں زخم کھاتے ہیں ان کے زخم زخم نہیں ہوتے۔ جنت کے پھول ہوتے ہیں مجھے ان پھولوں سے قریب ہونے دو۔" امیر بابو جان کی آواز میں بے پناہ محبت تھی۔

وہ میری مرہم پٹی کررہے تھے کہ اسی دوران ہمزاد نے نہایت خاموشی سے میری بیساکھیاں لاکر دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ لگاکر رکھ دیں۔ مگر ہمزاد کی احتیاط کے باوجود کچھ کھٹکا ہوا۔ امیر بابو جان نے مڑ کر دیکھا اور پھر کچھ نہ پاکر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئے البتہ ناہید کی آنکھوں سے حیرت کا اظہار ہورہا تھا۔ اس نے غالباً بیساکھیوں کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا کیونکہ وہ اس وقت دروازے ہی کی طرف متوجہ تھی۔

کچھ دیر بعد ہی امیر بابو جان ہمیں آرام کرنے کا مشورہ دے کر رخصت ہوگئے۔ میں تکیے کے سہارے دیوار سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا اور میرے برابر ہی ناہید بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اور ناہید کو اس حادثے کے بعد پہلی بار تنہائی کا موقع ملا تھا۔ ناہید کے دریافت کرنے پر میں نے اسے صرف اتنا بتایا کہ میں چٹان سے پھسلنے کے بعد اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ناہید نے مجھے اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔

"میں غالباً کچھ زیادہ ہی پرجوش ہوگئی تھی۔ مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ تم بھی میرے ساتھ ہو اور اپنی معذوری کے سبب میری تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ جس وقت تمہاری چیخ بلند ہوئی عین اس وقت میں جنرل چیمبرلین کے خیمے میں پہنچ کر اس پر حملہ کرنے کے لئے تیار تھی۔ وہ میرے سامنے محو خواب تھا لیکن تمہاری چیخ نے اسے بیدار کردیا اور میں بھی کچھ گھبرا گئی۔ مگر میں نے اسے بستر سے اٹھنے کی مہلت نہیں دی اور اس پر حملہ کردیا۔ لیکن میرا وار اچٹتا ہوا پڑا۔ میرا خنجر اس کے سینے میں اترنے کے بجائے اس کے پہلو کو زخمی کرتا ہوا دائیں بازو میں پیوست ہوگیا۔ اس وقت تک وہ ہوشیار ہوچکا تھا۔ تمہاری چیخ کے بعد دوسری چیخ اس کی تھی جس نے محافظوں کو چوکنا کردیا۔ اور پھر چند لمحوں بعد ہی مجھے فرار ہونے سے پہلے چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ پھر جو کچھ ہوا اس سے تم واقف ہی ہو لیکن مجھے تمہارے زخمی ہونے کا بہت افسوس ہے۔" اپنی بات ختم کرتے ہوئے ناہید میرے کچھ اور قریب آگئی اور اس وقت مجھے اپنے جسم میں بجلیاں سی کوندتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

میرے وجود میں سویا ہوا شیطان جاگنے لگا۔ جس شیخ کرامت کو میں نے تھپکیاں دے دے کر سلا دیا تھا' اب وہ بیدار ہورہا تھا۔

میں نے ایک خود فراموشی کی سی کیفیت میں اس کے نرم و ملائم ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر اس کا ہاتھ میرے ہونٹوں تک پہنچ گیا میری آنکھیں بند تھیں۔

"شیخ!" میری سماعت سے ناہید کی غصیلی آواز ٹکرائی اور اسی کے ساتھ اس نے اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہورہا تھا۔

"تم!..... تم... حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کررہے ہو۔" اس نے بمشکل اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ لیکن میں نے اس کی خفگی کو نظرانداز کرتے ہوئے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو ناہید..... میں... میں تمہیں چاہتا ہوں..... میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" میں نے جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بکومت!" اس نے اپنا ہاتھ چھڑالیا اور ایک دم کھڑی ہوگئی "تم میرے محسن ضرور ہو لیکن میں تمہیں اس کی اجازت کبھی نہیں دوں گی کہ تم مجھے میرے مقصد سے بھٹکا دو۔"

"اس سے ہمارے مقصد پر کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم دونوں بہرحال تنظیم کے لئے کام کرتے رہیں گے۔" میں نے دلیل پیش کی۔

"میری زندگی کا اول و آخر مقصد صرف اور صرف تنظیم کے لئے کام کرنا ہے اور کچھ نہیں' سمجھ گئے؟ اگر مجھے یہی سب کچھ کرنا ہوتا تو میں کبھی یہ زندگی قبول نہ کرتی یہ میرے لئے بہت آسان تھا۔ مگر میری آنکھیں ابھی وہ منظر نہیں بھولیں جب انگریز درندوں نے میرا بسا بسایا گھر اجاڑ دیا تھا۔" ناہید کی آواز میں جوش کے علاوہ سختی بھی تھی۔ لیکن مجھ پر تو کچھ اور نشہ سوار تھا اس لئے اس کی باتیں مجھے متاثر نہ کرسکیں۔ میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"ایک تمہارے ہی ساتھ سب کچھ نہیں ہوا۔ نہ جانے کتنے گھرانے ایسے ہیں جو تباہ و برباد ہوگئے لیکن وقت ایک ایسا مرہم ہے جو رفتہ رفتہ ہر زخم کو بھردیتا ہے۔ تمہیں بہرحال اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ تم جوان ہو اور جوانی کے بھی کچھ تقاضے ہیں جنہیں بہرحال پورا ہونا چاہیے۔"

"مجھے تمہاری باتوں سے نفرت محسوس ہورہی ہے۔ اگر تم میرے محسن نہ ہوتے تو..... تو میں تمہاری گستاخ زبان کھینچ لیتی جو مجھے میری جوانی کے تقاضے بتارہی ہے۔ تم میں اور اس درندے میں آخر فرق ہی کیا ہے جو میری مجبوری سے فائدہ اٹھا کر مجھے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہتا تھا۔ بولو! جواب دو! تم اس قدر گر سکتے ہو یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

"ناہید!" میں چیخا اب مجھے بھی اس پر غصہ آگیا تھا "اگر میں چاہتا تو کب کا اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا تھا مگر میں نے ایسا

نہیں کیا کیونکہ میرے دل میں تمہاری محبت تھی۔"

"محبت!" ناہید نے حقارت سے کہا "اگر اسی کو تم محبت کہتے ہو تو میں اس پر سو بار لعنت بھیجتی ہوں۔" اور یہ کہہ کر وہ غصے کے عالم میں کمرے سے نکل گئی۔

میں نے اسے آوازیں بھی دیں مگر وہ نہ لوٹی۔ اب میں مکان میں اکیلا تھا۔ ناہید نے میری سخت توہین کی تھی۔ اس نے میری محبت کو حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ میں اپنے اندر پیدا ہونے والی اس نئی تبدیلی کے بارے میں سوچنے لگا۔ مجھ میں اتنی ہمت اچانک کس طرح پیدا ہو گئی کہ میں نے اس سے اظہار عشق کردیا۔ کافی دیر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ جب میں نے ناہید کو قید میں دیکھا تھا' اسی وقت سے میرے اندر سویا ہوا شیخ کرامت جاگ اٹھا تھا اور ظل الرحمان سو گیا تھا۔ وہ ظل الرحمان جو تنظیم مجاہدین کا سرگرم رکن تھا اور کبھی خواب میں بھی ناہید کے ساتھ اس قدر بے باکی سے گفتگو کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ لیکن اب؟ اب تو یہ ہو ہی چکا تھا۔ ناہید کے غرور نے مجھے میرے ماضی کی طرف لوٹا دیا تھا ورنہ ممکن تھا کہ میں کبھی وہ فیصلہ نہ کرپاتا جس نے میری زندگی پھر ایک نئی ڈگر پر ڈال دیا تھا۔

"اسے میری خواہشات کا احترام کرنا ہی پڑے گا۔" میں بڑبڑایا اور بے چینی سے دن گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ دن بھر لوگ میری خیریت دریافت کرنے آتے جاتے رہے مگر ناہید نہ آئی۔ حتیٰ کہ رات ہو گئی۔ امیر بابو جان کے ساتھ رات گئے وہ لوٹی اور خاموشی سے میرے برابر بچھے ہوئے بستر کو کچھ اور دور کھسکا کر مجھ سے بغیر کچھ بات کئے دوسری طرف کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ امیر بابو جان نے عشا کی نماز پڑھی اور بستر پر دراز ہونے سے پہلے میری خیریت دریافت کی اس سے پہلے وہ کمرے میں ایک طرف رکھی ہوئی لالٹین کی لو مدھم کرچکے تھے۔

کچھ دیر بعد ہی میں نے جب یہ محسوس کیا کہ امیر بابو جان اور ناہید دونوں ہی سو چکے ہیں تو میں نے ہمزاد کو طلب کیا۔

"آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ مجھے اس وقت طلب...."

"کچھ نہیں.... کچھ نہیں' میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ میں اب ان باتوں سے تنگ آگیا ہوں میں خود کو بالکل بے دست و پا محسوس کرتا ہوں مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جھنجلائی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔

"آپ سن تو لیجئے اس طرح تمام بازی ہی پلٹ جائے گی۔" ہمزاد نے پھر کہنا چاہا۔

"اب مجھے اس بازی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تمہیں جو کچھ حکم دوں وہ کرتے رہو بس اس سے زیادہ کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھے؟"

"جو آپ کا حکم۔" یہ کہہ کر ہمزاد نے سر جھکا دیا۔

"ناہید کو بے ہوش کردو صبح تک اس کی آنکھ نہیں کھلنی چاہئے۔" میں نے ہمزاد کو حکم دیا۔

میرے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے ہمزاد میرے برابر والے بستر پر سوئی ہوئی ناہید کی طرف بڑھا پھر مجھے اس کا سایہ ناہید کے چہرے کے قریب لہراتا ہوا نظر آیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ میری طرف پلٹ کر بولا "یہ اب صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گی۔"

"ٹھیک ہے اب تم جاسکتے ہو۔" میں نے ہمزاد کو رخصت کردیا۔

جو فیصلہ میں نے آج دن میں کیا تھا یہ وقت اس کے پورے ہونے کا تھا۔ میں واقف تھا کہ یہ مغرور سرکش لڑکی بقید ہوش و حواس کبھی اس بات پر آمادہ نہ ہوتی۔ میں مہ پارہ کے سلسلے میں ایک بار چوٹ کھا چکا تھا اور اب دوبارہ کسی قیمت پر اس کے لئے تیار نہ تھا کہ میں تڑپتا رہ جاؤں۔

اچانک میری سماعت سے دھماکوں کی آوازیں ٹکرائیں اور اسی وقت کوئی بھاگتا ہوا مکان میں داخل ہوا۔ میں سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ امیر بابو جان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے جاگتے ہی لالٹین کی لو تیز کردی۔ میرے خالی بستر پر نظر پڑتے ہی وہ چونکے اور اسی وقت ان کی نظریں مجھ سے ٹکرائیں۔ وہ ایک لمحے کے لئے جیسے سکتے میں آگئے۔ اتنی دیر میں' میں نے خود کو سنبھال لیا۔

اسی عرصہ میں باہر سے آنے والا شخص امیر بابو جان تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا "انگریزوں نے ہم پر حملہ کردیا ہے۔"

امیر بابو جان اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ آنے والا قائم خاں تھا امیر بابو جان گھر کا دروازہ کھلا رکھنے کے قائل تھے۔ تاکہ کسی بھی وقت ان سے رابطہ قائم کرنے میں کسی کو دقت نہ ہو۔ اسی لئے قائم خاں کو وہاں پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی تھی۔ موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ امیر بابو جان نے قائم خاں سے کیا کہا کیونکہ اس عرصہ میں' میں بیساکھیاں سنبھال کر کمرے کی پچھلی کھڑکی عبور کرکے مکان کے پچھواڑے کود چکا تھا۔ یہ وقت سوچنے سے زیادہ کچھ کرنے کا تھا۔ میں واقف تھا کہ جس حالت میں امیر بابو جان نے مجھے دیکھا ہے وہ میرے لئے بہت ہی مصیبتیں کھڑی کرسکتا ہے۔ یقیناً میرے اتنے بڑے قصور کو نہ تو

نظر انداز کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی مجھے معاف کیا جاسکتا تھا اس لئے ضروری تھا کہ میں وہاں سے فرار ہو جاؤں۔ اس کے علاوہ میری بچت کی اور کوئی صورت نہیں تھی۔ میں جب کھڑکی سے کود کر گلی میں پہنچا تھا تو اسی وقت میں نے امیر بابو جان کی کڑکتی ہوئی آواز سنی تھی "اسے پکڑو وہ فرار ہوا جارہا ہے۔" انہوں نے یہ فقرہ غالباً قائم خان سے کہا تھا۔

میں تیزی سے بیساکھیاں ٹیکتا ہوا اپنی پوری قوت جمع کرکے ایک طرف بھاگا جارہا تھا۔ مجھے اپنی منزل معلوم تھی کیونکہ اس علاقے میں کافی دن رہنے کے سبب میں یہاں کے ایک ایک مقام اور راستوں سے آگاہ ہوچکا تھا۔ حالات بس اچانک ہی کچھ سے کچھ ہوچکے تھے۔ اس حالت میں ہمزاد کو بھی میں اپنی مدد کے لئے طلب نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے بھاگتے بھاگتے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ میرا تعاقب کیا جارہا تھا۔ میں نے حتی المقدور اپنی رفتار اور تیز کردی۔ دھماکے اب بھی پے درپے سنائی دے رہے تھے۔ میرے پیچھے آنے والے مجھ سے لحہ بہ لحہ قریب ہوتے جارہے تھے کیونکہ ان کے قدموں کی آوازیں اب مجھے بہت واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ غالباً وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ میں کس طرف گیا ہوں۔ میری منزل ایک قریبی پہاڑی چشمہ تھی تاکہ میں فوراً اس میں کود کر خود کو ہر آنے والی مصیبت سے محفوظ کرلوں کیونکہ پاک ہونے کی صورت میں فوراً میں ہمزاد کو طلب کرسکتا تھا اور ہمزاد کے آنے کے بعد مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ مجھے یہاں سے نکال لے جاتا۔ مجھے اب نہ تو تنظیم مجاہدین سے کوئی دلچسپی رہی تھی اور نہ اس ماحول سے۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ اس بات کا فیصلہ میں دن ہی میں کرچکا تھا مگر اس وقت میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ ایسی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے کہ مجھے مجبوراً فرار ہونا پڑے گا۔ میں نے سوچا یہ تھا کہ چشمے پر آکر غسل کروں گا اور پھر ہمزاد کو طلب کرکے رات ہی رات میں یہاں سے نکل جاؤں گا لیکن موجودہ صورت حال سے میں گھبرا گیا تھا۔ اگر اس حالت میں مجھے ان لوگوں نے پکڑ لیا تو میرے لئے یہ خطرناک ہوگا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس میں ناہید کی مرضی شامل نہیں یہ بات ان لوگوں سے چھپی ہوئی بہرحال نہیں رہ سکتی تھی۔

پہاڑی چشمہ مجھ سے اب بمشکل چار پانچ فرلانگ رہ گیا تھا کہ مجھے قائم خان کی آواز سنائی دی۔

"ظل الرحمان رک جاؤ! ورنہ میرے ہاتھ میں بندوق ہے میں تمہیں امیر کے حکم سے گولی بھی مار سکتا ہوں۔"

لیکن اس کی دھمکی کارگر ثابت نہ ہوئی جتنی دیر میں اس نے یہ فقرہ ادا کیا اتنی دیر میں' میں پہاڑی چشمے سے کچھ اور قریب ہوگیا۔ قائم خاں غالباً میری معذوری دیکھ کر مطمئن تھا کہ میں فرار ہونے میں کامیاب نہ ہوسکوں گا وہ مجھے پکڑ لے گا وہ نہیں جانتا تھا کہ اگر میں چشمے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تو قائم خان کے فرشتے بھی قیامت تک مجھے پکڑ نہیں سکتے۔ اس لئے قائم خاں بڑے اطمینان سے میرے پیچھے دوڑا چلا آرہا تھا حالانکہ اگر وہ کچھ اور تیز دوڑتا تو مجھے پکڑنے میں کامیاب ہوسکتا تھا کیونکہ میں بہرحال بیساکھیوں کے سہارے بھاگ رہا تھا اور اسے ایسی کوئی پریشانی یا دقت درپیش نہیں تھی۔

"میں تم پر گولی چلا رہا ہوں ورنہ اب بھی رک جاؤ۔" قائم خاں چیخا۔

مگر اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میں چشمے میں کود گیا تھا۔ میں نے ایک ڈبکی لی قائم خان چشمے کے کنارے تک پہنچ چکا تھا میرا سارا جسم بھیگ گیا میں نے پانی سے اپنا سر باہر نکالا اور فوراً ہمزاد کو طلب کیا اور اسے حکم دیا۔

"سب سے پہلے اس شخص کے ہاتھ سے بندوق چھین لو اس کے بعد مجھے فوراً یہاں سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دو۔"

میرا حکم پاتے ہی ہمزاد قائم خان کی طرف لپکا۔ اس نے قائم خان کے ہاتھ سے بندوق چھین لی تھی۔ قائم خان کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی بندوق خود بخود فضا میں بلند ہوتی ہوئی چشمے کی طرف جارہی ہے۔

"میرے کپڑے گیلے ہیں اور قائم خان کا لباس میرے جسم پر صحیح آئے گا۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔

ہمزاد کے لئے صرف اتنا اشارہ کافی تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور عجیب منظر دیکھ کر قائم خان چیختا ہوا بستی کی طرف بھاگ جاتا ہمزاد نے اسے بے ہوش کردیا۔ میں اس کے بے ہوش ہوتے ہی چشمے کے ٹھنڈے پانی سے باہر آگیا اور پھر میں نے اپنے گیلے کپڑے اتارے اور قائم خان کے کپڑے اس کے جسم سے اتار کر خود پہننے میں دیر نہیں کی۔

"کہاں چلوں؟" ہمزاد نے دریافت کیا۔

"کہیں بھی!" میں نے جواب دیا "جہاں کم از کم ایک رات آرام سے گزر سکے یہ فیصلہ میں صبح کروں گا کہ میں کس شہر میں رہنا پسند کروں گا۔"

"فی الحال تو رات بسر کرنے کے لئے اس پہاڑی علاقے کا کوئی غار مناسب ہوسکتا ہے صبح آپ جہاں کہیں گے میں آپ کو پہنچا دوں گا۔" ہمزاد نے مشورہ دیا۔

"تم جو مناسب خیال کرو ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض

نہیں۔" میں نے کہا اور بیساکھیاں سنبھال لیں۔

چند لمحے بعد ہی میں اونچی نیچی پہاڑیوں اور دروں کے درمیان سے فضا میں تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا دھماکے اب بھی زوروشور سے جاری تھی۔اس کا مطلب تھا کہ مجاہدین اور انگریزی فوج میں باقاعدہ ٹھن گئی ہے۔ہمزاد مجھے لئے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔رفتہ رفتہ دھماکوں کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔اب دھماکے کافی فاصلے سے سنائی دے رہے تھے۔ایک اونچی سی پہاڑی کے قریب سے گزر کر ہمزاد کی رفتار کچھ کم ہوئی اب وہ آہستہ آہستہ نیچے آرہا تھا چاند کی دودھیا کرنیں چٹانوں اور پہاڑیوں پر مچل رہی تھیں۔اس نے مجھے ایک ہموار چٹان کی سطح پر اتار دیا اس چٹان کے بائیں طرف کچھ فاصلے پر مجھے ایک کشادہ غار کا دہانہ نظر آرہا تھا۔

"یہ کون سا علاقہ ہے؟" میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"آپ آزاد علاقے سے نکل کر انگریزی حکومت کی حدود میں داخل ہوچکے ہیں۔مگر یہ جگہ موجودہ مقام جنگ سے کافی دور ہے اور محفوظ بھی۔" ہمزاد نے بتایا۔

میں چٹان سے اتر کر غار کے دہانے کی طرف بڑھتے بڑھتے رکا اور ہمزاد سے بولا "کہیں اس غار میں کوئی زہریلا سانپ یا کوئی اور درندہ نہ ہو پہلے بھی میں ایک تلخ تجربے سے گزر چکا ہوں۔"

"آپ مطمئن رہیں میرا علم مجھے بتاتا ہے کہ اس غار میں ایسا کوئی جانور نہیں۔دراصل میں آپ کو یہاں لے کر ہی اس لئے آیا تھا کہ آپ کو اس غار میں کوئی پریشانی پیش نہیں آئے گی۔دراصل یہ غار ایک طرح شکاریوں کی قیام گاہ ہے یہاں اندر آپ کو پیال بھی بچھی ہوئی مل جائے گی کیونکہ اس علاقے میں جب بھی آس پاس کے شکاری شکار کھیلنے آتے ہیں تو اسی غار کو اپنی عارضی قیام گاہ کے بطور استعمال کرتے ہیں۔" ہمزاد نے غار کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔

اب میں بے دھڑک غار میں داخل ہو رہا تھا اور میرے دل میں کوئی خوف نہیں تھا کیونکہ مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ اس غار میں میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں۔اندر پہنچ کر واقعی میں نے زمین پر نرم نرم پیال بچھی ہوئی محسوس کی میں اب کسی قدر تھکن محسوس کر رہا تھا۔گرم گھاؤ میں تو میں نے اپنی جان بچالی تھی لیکن اب اگر کوئی مجھ سے دو قدم چلنے کو بھی کہتا تو میں تیار نہ ہوتا۔غیر ضروری بھاگ دوڑ نے مجھے تھکا دیا تھا اس لئے میں غار میں پہنچتے ہی پیال پر لیٹ گیا۔

ہمزاد ابھی میرے قریب موجود تھا۔مجاہدین سے اب کسی قسم کی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود بھی میں یہ ضرور جاننا چاہتا تھا کہ آج دن کے وقت جب میں نے ہمزاد کو طلب کیا تھا تو وہ کیوں پریشان ہوگیا تھا؟ اور میرا دشمن جبار انگریزوں کے اشارے پر اپنے ہمزاد سے کیا کام لینا چاہتا تھا جس کی راہ میں میرا ہمزاد رکاوٹ بنا ہوا تھا۔یہی سب کچھ سوچ کر میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"ہاں اب بتاؤ کہ آج تم دوپہر کے بعد کہاں مصروف تھے؟"

"جب آپ نے مجھے طلب کیا تھا اس وقت میں جبار کے ہمزاد سے الجھا ہوا تھا۔دراصل جبار نے شیخی میں آکر انگریزوں کو ہمزاد کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا کہ وہ اس سے کیا کیا کام لے سکتا ہے۔یہ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔آج دن میں انگریز حکام نے جبار کو پھر مجبور کیا تھا کہ وہ اس کام کو پورا کرے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے یعنی خوانین کو اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے انگریزوں کا ہمنوا بنا دے اور انگریز اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوچکے ہیں۔بہت سے خوانین انگریزوں کے ہمنوا ابھی بن چکے ہیں اب ہوگا یہ کہ قبائل مجاہدین کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔" ہمزاد نے مجھے پوری تفصیل سے آگاہ کردیا۔

"خیر اب جو بھی ہو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔مجھے تو صرف جبار سے دلچسپی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ جب تک میں اس سے اپنا انتقام نہ لے لوں مجھے اس علاقے میں رہنا چاہیئے۔میں اسے سسکا سسکا کا مارنا چاہتا ہوں۔اب میں اسے زیادہ رعایت نہیں دینا چاہتا۔پہلے میں نے سوچا تھا کہ میں یہاں سے فرار ہو کر کسی اور شہر میں پناہ لے لوں گا مگر اب میرا خیال بدل گیا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ لگے ہاتھوں یہ قصہ بھی ختم کرتا چلوں کیونکہ جب تک وہ زندہ رہے گا مستقل میرے لئے خطرہ بنا رہے گا۔" میں نے کہا۔

"آپ قطعی صحیح سوچ رہے ہیں۔میں نے تو آپ سے پہلے بھی کہا تھا۔کئی موقعے بھی ایسے آئے تھے کہ اسے آسانی سے ختم کیا جاسکتا تھا۔مگر آپ نے خود یہ موقع کھودیئے۔" ہمزاد نے میری تائید کی۔

"اب کوئی ایسا موقع نظرانداز نہیں کیا جائے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

****

میں کھڑکیوں اور دروازوں پر موت کی دستکیں سن رہا ہوں۔زندگی کا قافلہ اتنی تیزی سے گزر رہا ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر پاتی۔میرا کرب بڑھتا جارہا ہے اور میرے دن کم ہوتے جارہے ہیں۔اب تک میں نے جو کچھ کہا، تم نے جو کچھ سنا وہ میری ابتدائی زندگی کے صرف چند سالوں کی روداد تھی۔تم کئی دن سے میری

پراسرار عجیب ناقابل یقین اور قابل نفرت سرگزشت سن رہے ہو لیکن اب مجھے خوف سا محسوس ہونے لگا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں نہ کہہ پاؤں اور وقت ختم ہو جائے۔اس سے پہلے کہ میری سانسیں اکھڑ جائیں نبضیں ڈوب جائیں میری قوت گویائی جواب دے جائے میں پوری شدت اور تیزی کے ساتھ تمہیں سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔

میں یہ دیکھ کر خوش ہوا کہ میری سرگزشت سننے کے دوران کئی بار تمہارے چہرے پر نفرت کے سائے لہرائے۔جب میں ملکا سے اپنے فرار کا واقعہ بیان کر رہا تھا، میں نے تمہارے چہرے کا رنگ متغیر دیکھا یقیناً اس وقت تمہیں مجھ سے شدید نفرت محسوس ہوئی ہوگی کہ میں ایک دم کس طرح بدل گیا۔میں نے کس طرح وفاداروں اور جان نثاروں کے اعتماد کو دھوکا دیا۔میں نے کس طرح خود اپنے لہو کی تحریر کو جھٹلا دیا اور کس بزدلی کے ساتھ ناہید جیسی لڑکی سے میں نے اپنی تشنہ لبی کو سیراب کیا میں۔اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں اعتراف کرتا ہوں میں بہت برا تھا، بزدل، بے وفا اور دھوکے باز تھا مگر نہ جانے کیوں مجھے کبھی کبھی یہ خیال ضرور آیا ہے کہ میں جو کچھ تھا اور جو کچھ بن گیا اس میں میرا اپنا دخل بہت کم تھا۔شاید مجھے سمجھا نہیں گیا۔شاید مجھ سے محبت نہیں کی گئی۔شاید میری محرومیوں کو محسوس نہیں کیا گیا۔

میں ماضی کی طرف لوٹ رہا ہوں۔ماضی جس کے ماتھے پر میری زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب تحریر ہے اور میں یہ تحریر پڑھ رہا ہوں تم سن رہے ہو؟

کل میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ملکا سے فرار ہو کر میں انگریزی حکومت کی حدود میں داخل ہوگیا تھا جہاں وقتی طور پر میں نے ایک پہاڑی غار میں پناہ لے لی تھی اور میرے دل میں جبار سے انتقام لینے کی آگ تیز ہوگئی تھی۔یہ انتقام بہت بھیانک تھا۔گھبراؤ نہیں میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ذرا میرے قریب آجاؤ۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور میری پلکوں پر نیند کا بوجھ بڑھتا جارہا تھا۔غار میں اندھیرا اور سناٹا پھیلا ہوا تھا۔مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں نمایاں طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ہمزاد ابھی غار ہی میں موجود تھا۔میں نے اسے مصلحتاً جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔گزشتہ تجربوں نے مجھے اتنا سبق تو دے ہی دیا تھا کہ دشمن کو کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیئے جس طرح میں جبار کے بارے میں منتقمانہ منصوبے بنا رہا تھا ممکن تھا کہ وہ بھی مجھے زک دینے کا موقعہ ڈھونڈ رہا ہو۔ایسی صورت میں ہمزاد کا میرے قریب رہنا ضروری تھا تاکہ جبار کا کوئی حملہ کارگر نہ ہوسکے۔میرا تھکا ہوا جسم جلد ہی نیند کی پرسکون آغوش میں پہنچ گیا۔میں ہمزاد کی موجودگی میں ہر قسم کے خطرے سے بے نیاز تھا۔

بہت دن بعد بے فکری کی نیند آئی تھی اگر ہمزاد مجھے بیدار نہ کرتا تو میں نہ جانے اور کتنی دیر سوتا رہتا۔وقتی طور پر کچھ جھنجھلاہٹ سوار ہوئی مگر یہ سوچ کر خاموش ہوگیا کہ ہمزاد نے بے سبب نہیں جگایا ہوگا میں سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ایک اور خطرہ آپ کی طرف بڑھ رہا ہے۔" ہمزاد نے میری سوالیہ نظروں کے جواب میں کہا "اس خطرے سے قبل از وقت آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔میں نے اسی لئے آپ کو بیدار کیا ہے۔"

پھر ہمزاد نے مجھے اس خطرے کی تفصیل سے آگاہ کیا تو کچھ دیر کے لئے میں بھی متفکر ہوگیا۔اس خطرے کا سدباب ضروری تھا۔

میرے فرار ہونے کے بعد ناہید کو ہوش میں لانے کی بہت کوششیں کی گئیں لیکن وہ رات کو ہوش میں نہ آسکی اور آتی بھی کیسے جب کہ ہمزاد نے اسے صبح تک کے لئے بے ہوش کیا تھا۔صبح ہوش میں آکر جب اسے اپنی حالت کا اندازہ ہوا اور یہ پتہ چلا کہ اس کے ساتھ گزرنے والی رات نے کیا ستم ڈھائے ہیں تو وہ شدت و جذبات اور غصے کی انتہا میں تقریباً نیم پاگل سی ہوگئی۔تنظیم کے تمام ہی سرکردہ افراد کو میرے فرار اور ناہید کے ساتھ زیادتی کا علم ہوچکا تھا۔ناہید کی حالت دیکھ کر ان کا خون کھول اٹھا۔انگریزوں سے برسرپیکار ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے چند خاص اور خطرناک آدمی مجھے تلاش کرنے آس پاس کے علاقوں میں روانہ کردیئے۔جو اب تک مجھے ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔انہیں امیر بابو جان نے حکم دیا تھا کہ مجھے دیکھتے ہی گولی مار دیں۔تنظیم کے ان افراد کا مجھ تک پہنچنا اول تو ناممکن تھا اور اگر کسی طرح وہ مجھ تک پہنچ بھی جاتے تو ہمزاد کی موجودگی میں میرا کچھ نہ بگاڑ پاتے۔اصل خطرہ اس سے مختلف تھا جس نے ہمزاد کو متفکر کردیا تھا وہ یہ کہ امیر بابو جان نے میری تلاش اور میری پراسرار قوتوں سے نمٹنے کے لئے ایک تارک الدنیا بزرگ کی خدمات حاصل کرلی تھیں جو ملکا ہی کی قریبی پہاڑیوں میں سکونت پذیر تھا۔ہمزاد نے مجھے بتایا کہ اس شخص کے پاس کچھ ایسی قوتیں ہیں جن کے ذریعے نہ صرف وہ میرا پتہ لگا سکتا ہے بلکہ اگر وہ چاہے تو تنظیم کے افراد سے معاونت کرکے میرے لئے مشکلات بھی کھڑی کرسکتا ہے۔

"تمہارے خیال میں اس خطرے سے کس طرح نمٹا جاسکتا

ہے۔" ہمزاد سے تمام باتیں جاننے کے بعد میں نے سوال کیا۔

"اس کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ ہم اس بزرگ کے دائرہ اثر سے باہر نکل جائیں اور ایسا کرنے کے لئے ہمارے پاس وقت ہے کیونکہ ابھی اس طرف سے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مجاہدین فی الحال حالت جنگ میں ہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"یعنی تم مجھے میدان چھوڑ کر بھاگنے کی ترغیب دے رہے ہو۔" میرے لہجے میں کسی قدر سختی آ گئی۔

"میں نے صرف مشورہ دیا ہے وہ بھی آپ کی حکم پر" ہمزاد مودب ہو گیا۔

"اچھی طرح سمجھ لو! شیخ کرامت نے پیٹھ دکھانا نہیں سیکھا میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ جب تک جبار کو اس کی سرکشی کا مزا نہ چکھا دوں' یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں دوہرے خطرے سے دوچار ہوں لیکن خطروں سے کھیلنا ہی تو میری زندگی ہے۔ تم واقف ہو کہ میں نے انتہائی سنگین حالات میں بھی کبھی شکست قبول نہیں کی۔ اور یہ ایک طرح کی شکست ہی ہو گی کہ میں یہاں سے فرار ہو جاؤں۔" میں جذبات میں بہتا رہا اور ہمزاد سر جھکائے سنتا رہا جب میں خاموش ہو گیا تو اس نے میری طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"ہر نفس اور ہر لمحہ مسرتوں میں بسر ہو یا دکھوں میں' میں اس میں آپ کا شریک ہوں۔ میرا اور آپ کا وجود ایک ہے بالکل اس طرح جیسے پھول اور خوشبو' بالکل ایسے جیسے جسم اور سایہ۔ ہمارے درمیان جو عہد ہے وہ کبھی اور کسی حالت میں شکست نہیں ہو گا اور اسی عہد کی رو سے آپ کا ہر حکم ماننے کا پابند ہوں۔ اچھے یا برے نتائج کی ذمے داری ہر چند کہ مجھ پر بھی اتنی ہی عائد ہوتی ہے جتنی آپ پر۔ لیکن میری حدود مقرر ہیں جن سے تجاوز کرنے کی جسارت نہ میں نے کبھی کی ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔ میں قدم قدم آپ کے ساتھ ہوں۔ خواہ آپ کہیں بھی رہنا پسند کریں۔" میں نے ہمزاد کے لہجے میں وفاداری اور محبت کی خوشبو محسوس کی۔ اس کی باتوں نے مجھے متاثر کیا تھا۔

"اپنی تمام قوتیں بروئے کار لا کر کوشش کرو کہ جب تک جبار اپنی سزا کو نہ پہنچ جائے وہ تارک الدنیا بزرگ ہم سے نہ الجھ سکے۔ یہ کس طرح ممکن ہے اس بات کو مجھ سے زیادہ تم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔" میری آواز میں اب نرمی آ چکی تھی میں نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "شاید تمہیں علم ہو کہ میری روح کتنے عذاب میں گرفتار ہے۔ وہ جسے میں نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ وہ جو کچھ بھی نہیں تھا اور میں نے اسے سب کچھ بنا دیا۔ اس نے نہ صرف میرے روبرو آنکھ اٹھانے کی جرات کی بلکہ میرے دشمنوں سے مل کر میرے خلاف سازش کی۔ میں اسے یوں ہی تو معاف نہیں کر سکتا۔ نہیں' ہرگز نہیں۔ اسے اپنی ریاکاری اور فریب کی سزا بھگتنی ہو گی۔"

اسی گفتگو میں دوپہر ڈھل گئی اور مجھے بھوک محسوس ہونے لگی۔

"میں آپ کے لئے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔" ہمزاد یہ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ میں کہنیوں کا سہارا لے کر اٹھنے لگا کیونکہ میرے علم میں تھا کہ جتنی دیر مجھے اٹھنے میں لگے گی اس عرصے میں ہمزاد کھانا لے کر لوٹ آئے گا۔ فاصلے ہمزاد کے لئے بے معنی سی چیز تھے۔ میں اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ غار میں داخل ہوا اور کھانا میرے سامنے چن دیا۔

"یہ کیا؟" میں نے کھانے کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھنے ہوئے پہاڑی تیتر ہیں یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ایک شکاری پارٹی ڈیرا جمائے ہوئے ہے۔ میں نے سوچا آج ذرا ذائقہ بدل جائے۔"

"تو آج تم نے شکاریوں کو شکار کیا۔" میں مسکرایا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

"میں اب ملکا جا رہا ہوں۔" ہمزاد نے مجھے مخاطب کیا۔ "کوشش کروں گا کہ جلد لوٹ آؤں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ اس تارک الدنیا بزرگ کی قوتوں کا اندازہ کر لیا جائے۔ آپ مطمئن رہیں میں آپ کی طرف سے غافل نہیں رہوں گا۔ مجھے اجازت ہے؟"

"ہاں تم جاؤ!" میں نے جواب دیا "مجھے امید ہے کہ تم خوش آئند خبریں لے کر لوٹو گے۔"

اجازت ملتے ہی ہمزاد غائب ہو گیا۔ کھانے سے فراغت پا کر میرا دل چاہا کہ کچھ دیر کھلی فضا میں سانس لوں۔ میں نے قریب رکھی ہوئی بیساکھیاں اٹھائیں اور غار سے باہر نکل گیا۔ ہر طرف چھوٹی بڑی چٹانیں اور پہاڑیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں ہر سمت پتھر ہی پتھر۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں بھی انہیں پتھروں کا ایک حصہ ہوں۔ کچھ دیر ہی میں منظر کی یکسانیت سے طبیعت اوب گئی۔ میں غار میں لوٹ آیا اور بیساکھیاں ایک طرف رکھ کر پیال پر نیم دراز ہو گیا۔ اب میں آنکھیں بند کئے اپنی بے مستقبل زندگی کے بارے میں سوچ رہا تھا' ایک گم کردہ راہ شخص جس کی کوئی منزل نہیں۔ جسے کہیں پناہ نہیں' جس کے نصیب میں قرار نہیں لکھا۔ اضطراب' بے چینی' ہنگامے' مار دھاڑ' پولیس سے

ٹکراؤ' ملٹری سے پنجہ کشی' انگریز حکومت سے دشمنی' محب وطن افراد سے لاگ' پراسرار اور نادیدہ قوتوں سے معرکے' شہروں شہروں تنہائی' آوارگی' بے بسی' محرومی' میرے ذہن میں خیالات کی آندھیاں سی چلنے لگیں۔ پھر نہ جانے کب انہیں خیالوں کے گرداب سے ایک چہرہ ابھرا۔ اس چہرے پر اداسی تھی معصومیت اور بھولپن تھا۔ رفتہ رفتہ اس چہرے کے خطوط بدلتے گئے۔ اس چہرے پر عیاری کی تہیں چڑھ گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ چہرہ بالکل بدل گیا۔

"میں تجھے پہچان چکا ہوں جبار! پہچان چکا ہوں۔" میں بڑبڑایا۔ اس عرصے میں میرے تصور کی قوت متحرک ہو چکی تھی "تو وہ ہے۔ جس نے مجھے مہ پارہ کے قرب سے محروم رہنے پر مجبور کیا' تو وہ ہے جس نے ناہید کو مجھ سے چھیننا چاہا' تو وہ ہے جس نے مجھے کہیں سکون سے نہ بیٹھنے دیا۔ تو وہ ....." میری بڑبڑاہٹ ختم ہو گئی۔ میری تمام توجہ تصور پر مرکوز ہو چکی تھی۔ اب وہ پورا خیمہ میرے دائرہ تصور میں آ چکا تھا جہاں جبار موجود تھا۔ خیمے کا پردہ اندر سے بند تھا جبار کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ کسی لڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ لڑکی غالباً بے ہوش تھی۔

"وہ کہتے ہیں مجھے ابھی اور جاگنا ہے مگر..... اب.... اب میں نہیں جاگ سکتا۔..... میں تھک گیا ہوں۔ میں سونا چاہتا ہوں... میں سو جاؤں گا..." جبار کی بوجھل بوجھل اور نشیلی آواز سنائی دی۔

غار میں اندھیرا پھیلتے ہی ہمزاد لوٹ آیا۔

"ابھی ہماری پاس دو راتیں باقی ہیں۔ اس تارک الدنیا بزرگ نے چالیس گھنٹے کا چلا کھینچا ہے چلہ پورا ہونے کے بعد وہ امیر بابو جان کو آپ کے بارے میں صحیح صحیح معلومات فراہم کر سکے گا۔ وہ آپ کی تلاش اور آپ سے نمٹنے کے سلسلے میں تنظیم کے ساتھ پوری پوری معاونت کرنے پر آمادہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ بذات خود آپ کے مقابلے پر آنے کو تیار ہو چکا ہے۔" ہمزاد نے آتے ہی مختصراً مجھے سب کچھ بتا دیا۔

"تو ابھی دو راتیں باقی ہیں اور یہ دو راتیں جبار سے انتقام لینے کے لئے کافی ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"جبار کے بارے میں تو غالباً مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ وہ اس وقت اپنے خیمے میں گہری نیند سویا ہوا ہے۔ میرے خیال سے یہ موقع غنیمت ہے اگر آپ حکم دیں تو اس قصے کو ختم کر دیا جائے۔" ہمزاد کی آواز میں سفاکی تھی۔

"ہاں یہ قصہ اب ختم ہی ہو جانا چاہئے مگر اس طرح نہیں جس طرح تم سوچ رہے ہو۔ اسے اتنی آسانی سے نہیں مرنے د[illegible] جائے۔" یہ کہتے ہوئے جیسے میرے سارے زخم تازہ ہو گئے۔ ہمزاد میرا حکم سننے کے لئے ہمہ تن گوش تھا "اسے اسی حالت میں یہاں اٹھا لاؤ۔ یہاں سے میری مراد یہ پہاڑیاں' یہ درے' یہ چٹانیں اور پتھریلے راستے ہیں جہاں اسے سسکا سسکا کا مارا جائے گا تاکہ مرنے سے پہلے وہ جان سکے کہ اسے اتنی عبرتناک موت سے کیوں دوچار ہونا پڑا۔ وہ جان سکے کہ بے وفائی' فریب اور ریاکاری کا انجام کتنا بھیانک ہوتا ہے۔ آج کی رات میری زندگی میں یادگار رات ہو گی۔"

میری سماعت نے وہ خوش خبری بہت جلد سن لی جس کا میں ایک مدت سے منتظر تھا ہمزاد نے میرے حکم کی تعمیل کرنے میں بہت کم وقت لیا تھا۔

"وہ غار کے باہر سامنے والی چٹان پر خوف زدہ اور حیران و پریشان کھڑا ہے کیا آپ اسے دیکھنا پسند کریں گے؟" ہمزاد نے پوچھا۔

"ہاں مجھے وہاں لے چلو۔" میں نے بے چینی سے کہا۔

ہمزاد مجھے غار سے باہر لے آیا۔ چاندنی رات میں ایک سایہ سامنے والی چٹان پر نظر آیا۔

"اگر اسے چٹان سے نیچے دھکیل دیا جائے تو وہ مرے گا تو نہیں؟" میں نے ہمزاد سے سرگوشی کی۔

"ایسا ممکن ہے کیونکہ چٹان کافی بلند ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"مگر تم ایسا نہیں ہونے دو گے اسے چٹان سے نیچے گرنے تک صرف اتنی چوٹیں آنی چاہئیں کہ وہ نہ صرف زندہ رہے بلکہ اپنے پیروں پر بھی کھڑا ہو سکے۔"

"ایسا ہی ہو گا۔"

"تو پھر جاؤ۔"

جبار کو جیسے سکتہ سا ہو گیا غالباً وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس طرح اس اجنبی جگہ پہنچ گیا۔ اسی عالم میں ہمزاد اس کے قریب پہنچ گیا ہمزاد کے ہاتھ کو حرکت ہوئی اور دور دور تک پہاڑیاں جبار کی چیخ سے گونج اٹھیں۔ جبار کا جسم بلند چٹان سے نیچے لڑھک رہا تھا میں نے ہمزاد کا سایہ بھی اس جسم کے ساتھ ساتھ متحرک دیکھا۔ جبار کا جسم مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر آ کے گرا۔ اس کا پورا چہرہ لہولہان نظر آ رہا تھا وہ زخموں کی شدت سے چور چور بری طرح چیخ رہا تھا۔

"یہاں تمہاری فریاد اور چیخ و پکار سننے والا کوئی نہیں۔" تمہارے دوست اس وقت میٹھی نیند سو رہے ہوں گے میرے

دوست۔" میری آواز سنتے ہی جبار کے جسم پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ ایک دم اچھل کر بیٹھ گیا اور چیخا "ہمزاد!"

"اس قدر گھبرا گئے کہ تمہیں یہ بھی یاد نہیں کہ اس حالت میں تمہارا ہمزاد تمہاری مدد کرنے نہیں آسکتا' تم ناپاک ہو۔ اپنی قسمت کے فیصلے کو قبول کرلو اور مرنے سے پہلے جان لو کہ تمہیں تڑپا تڑپا کر کیوں مارا گیا۔"

"شیخ!... شیخ!..... مجھے..... مجھے معاف کردو... میں... میں ب تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔" جبار ہانپتا ہوا بولا۔

"جبار! موت کے خوف نے تیرے حواس گم کردیئے ہیں۔" یں نے حقارت سے کہا تجھ میں نہ پہلے کبھی اتنی ہمت تھی نہ اب ہے کہ مجھ سے کچھ کہہ سکے۔ درگزر کا وقت بیت چکا ہے۔ تجھے یکھ کر میرے زخم ہرے ہوگئے ہیں اور اب مجھے اس وقت سکون ل سکتا ہے جب میں تیری آخری ہچکی سن لوں۔" یہ کہتے ہوئے یری آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب جبار نے مجھ سے مہ پارہ کے بارے میں کہا تھا کہ مہ پارہ پر میرا نہیں اس کا حق ہے۔ پھر بار ہی کے درمیان میں آنے کے سبب میں مہ پارہ سے محروم رہ گیا تھا۔ یہ سب یاد آتے ہی میری آنکھوں میں خون اتر آیا میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا جو میرے حکم کا منتظر تھا۔

"اس پر پتھر برساؤ! اسے تڑپاؤ' سسکاؤ' ان پتھریلے راستوں اس کے جسم کو گھسیٹو.... اور.... اور اسے مرنے مت دو۔"

جبار کے جسم پر پتھر برسے' میرے سامنے اسے چٹانوں سے ھکیلا گیا۔ اونچے نیچے' کھردرے اور سخت پتھریلے راستوں پر س کے لہولہان جسم کو گھسیٹا گیا۔ پہاڑیاں اس کی دلدوز چیخوں سے لرزتی رہیں۔ وہ کئی بار بے ہوش ہوا مگر ہمزاد اسے پھر ہوش ں لے آیا۔ صبح ہونے تک میری آنکھیں ایسے ہی منظر دیکھتی ہیں۔ جب سورج پوری طرح طلوع ہوگیا تو میں نے ہمزاد کو حکم ا کہ جبار کے زخمی جسم کو کسی غار میں چھپا دیا جائے۔ رات رکے اس وحشت ناک تماشے نے میرے اعصاب کو بھی کافی کا دیا تھا۔ میں بیساکھیاں ٹیکتا ہوا غار کے دھانے کی طرف ھا۔ میرے پاس ابھی ایک رات اور باقی تھی۔ جبار کی قسمت فیصلہ میں نے آئندہ رات پر چھوڑ دیا تھا۔ میں غار میں پہنچ کر ل دار بستر پر لیٹتے ہی غافل ہوگیا۔

دوسری رات پھر وہی سب کچھ دہرایا گیا۔ جبار کی چیخیں ب مدھم پڑ چکی تھیں۔ اس میں برائے نام جان باقی تھی۔ چہرہ خ ہو کر انتہائی بھیانک اور کریہہ ہوگیا تھا۔ اس کے جسم پر پڑوں کی جگہ خون میں تربہ تر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ جسم کی ھال اور گوشت سے جگہ جگہ خون رس رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور دور ہٹ گیا۔ انتہائی قوت برداشت رکھنے والے کسی بھی شخص کے لئے بھی یہ ناممکن تھا کہ اتنا شدید زخمی ہونے کے باوجود ہوش میں رہ سکتا۔ لیکن جبار ہوش میں تھا اس لئے کہ ہمزاد نے اس پر بے ہوشی طاری نہیں ہونے دی تھی تاکہ وہ اذیت اور تکلیف کی شدت محسوس کرسکے۔

"اب اس کے جسم میں مزید طاقت نہیں کہ اسے زندہ رکھا جاسکے" ہمزاد میرے قریب آکر بولا۔

"اسے یہاں سے اٹھا کر ایسی جگہ پھینک آؤ جہاں درندے اس کے جسم کے ساتھ انصاف کرسکیں۔" میں نے غار کی طرف مڑتے ہوئے کہا کیونکہ اب میں خود میں اتنی ہمت نہیں پا رہا تھا کہ اس کے مسخ شدہ جسم کو قریب سے دیکھ سکوں۔

رات کا آخری پہر تھا اور میری کیفیت کسی ایسے شخص کی سی تھی جو تیز طوفانوں سے گزر کر آیا ہو۔ میرے کانوں میں جبار کی چیخیں گونج رہی تھیں' میری آنکھوں میں وہ منظر گھوم رہے تھے جب جبار پر تشدد کیا جارہا تھا۔ چند لمحوں کے لئے مجھے اپنے وجود سے شرم سی محسوس ہوئی اور میں بڑبڑایا۔

"یہ کیا درندگی ہے۔ کیا وحشت تھی؟ کہیں میں انسان سے درندہ تو نہیں بن گیا ہوں؟"

جذبات کا سیل بے کراں تھم چکا تھا' انتقام کی آگ سرد ہوچکی تھی اور اب میں ایک عجیب سے تاسف' شرمندگی اور دکھ میں مبتلا تھا ہمزاد جبار کے جسم کو ٹھکانے لگا کر لوٹ آیا تھا اور اس سے بھی میری حالت چھپی ہوئی نہیں تھی۔

"کیوں؟ کیا آپ کو نیند نہیں آرہی" اس نے پوچھا۔

"ہاں میں سونا چاہتا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔ مگر۔ مگر نیند.... نیند نہیں آرہی۔" میں نے رک رک کر چڑھی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا "مجھے سلادو۔ سلادو مجھے!" میں نے اپنے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

ہمزاد قریب آیا۔ میں نے اپنی کنپٹیوں پر دباؤ محسوس کیا اور میرا ذہن پرسکون ہوتا چلا گیا۔

****

مجھے ایسے لگا جیسے میرے جسم کو رسیوں میں جکڑ کر بل دئے جارہے ہوں' مجھے اپنا جوڑ جوڑ الگ ہوتا محسوس ہوا پھر ایک وحشت ناک قہقہے نے میرے سارے حواس جھنجوڑ کر رکھ دیئے۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور پھر میں پلکیں جھپکانا تک بھول گیا۔ قہقہہ پھر گونجا۔

"مہ پارہ!" میں جیسے چیخ پڑا۔

ایک روشن اور چمکیلا ہیولا میرے روبرو تھا۔ سرتاپا سفید'

سرتاپا روشن اور اس ہیولے کے خدوخال انسانی تھے۔

"کیوں؟ آخر کار اکیلے رہ گئے۔" جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ "شیخ! تمہیں سکتہ کیوں ہوگیا؟ ڈر گئے مجھ سے؟۔ تم تو بہت بہادر تھے بولو! بولو۔"

اسی وقت مجھے اپنے جسم میں اینٹھن سی محسوس ہوئی۔ میری نظر جسم پر پڑی۔ میرے تمام جسم پر سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ میری روح کانپ اٹھی۔

"ہمزاد!" میں چلایا۔

"میری موجودگی میں اس کی اتنی جرائت نہیں کہ وہ غار میں داخل ہوسکے۔ جسم کی قید سے آزاد ہو کر اب میں نے کچھ اور روحانی قوتیں حاصل کرلی ہیں جن کے سامنے اب تمہاری کوئی پراسرار قوت نہیں ٹھہر سکتی مگر ڈرو نہیں۔ میں تمہاری جان لینے نہیں آئی کیونکہ یہ کام اب میرے لئے بہت معمولی ہے۔ شاید تمہیں یہ جان کر تعجب ہو کہ تم سے انتہائی نفرت کے ساتھ ساتھ میں نے محبت بھی کی ہے۔ وہ محبت جو ایک دشمن کو دوسرے دشمن سے ہوتی ہے۔ میری باتیں تمہیں عجیب تو لگ رہی ہوں گی مگر انہیں سمجھنے کی کوشش کرو تو سمجھ بھی سکتے ہو۔ میں جب زندہ تھی تو تمہارے سوا کسی نے میرے ساتھ سرکشی کرنے کی جرائت نہیں کی' کوئی میری پراسرار قوتوں کو شکست نہ دے سکا۔ وہ تم تھے' صرف تم کہ تم نے مجھے شکست دی اور جس دن میں تم سے ہار گئی اس دن میں نے تمہارے لئے اپنے دل میں محبت محسوس کی میرے دل میں تمہاری عزت بڑھ گئی۔ میں نے اپنی جان سے گزر کر اپنی آن کو بچالیا اور اس طرح جیت کو بھی ہار میں بدل دیا۔" مہ پارہ کی آواز رک گئی اور اس کی روح کا ہیولا میرے کچھ اور نزدیک آگیا۔

"کوشش فضول ہے۔ اس اذیت سے تم نہیں بچ سکتے۔ یہ سانپ اس وقت تک تمہارے جسم سے لپٹے رہیں گے جب تک میں یہاں موجود ہوں۔ شیخ! تم اس مسرت کا اندازہ نہیں کرسکتے جو اس وقت مجھے تمہیں تکلیف میں مبتلا دیکھ محسوس ہورہی ہے۔ تڑپو اور چیخو! چلاؤ۔ اس طرح میری روح کو سکون ملے گا۔ اور ہاں تمہیں مجھ سے عشق بھی تو تھا۔ کیوں تھا نا؟" مہ پارہ کی روح نے میری طرف چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

جسمانی اذیت اب میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے میرا جسم پھٹ پڑے گا۔ سانپوں کی گرفت تنگ سے تنگ ہوتی جارہی تھی۔ میرے ہونٹوں سے کراہیں اور سسکیاں ابلنے لگیں۔

"تم اس وقت مجھے کتنے اچھے لگ رہے ہو۔" مہ پارہ کے زہر میں بجھے ہوئے الفاظ میری سماعت سے ٹکرائے۔ جسمانی آلائشوں اور علتوں سے پاک ہونے اور روحانی ریاضتوں میں مجھے شاید زیادہ وقت نہیں لگا۔ اب میرے پاس وہ جسم تو نہیں رہا جس سے تمہیں عشق تھا۔ ہاں اس کا عکس ضرور ہے اور تم اس عکس سے عشق کرسکتے ہو میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ مگر تمہیں تو کراہوں اور سسکیوں ہی سے فرصت نہیں کہ میرے وجود کی روشنی محسوس کرو۔"

مہ پارہ میری روح میں نشتر چبھوتی رہی۔ میں دوہری اذیت میں مبتلا تھا۔ جسمانی بھی اور روحانی بھی۔ لیکن اس کے باوجود مہ پارہ کے قیامت خیز جسم کے ہیولے نے میرے وجود پر ایک نشہ سا طاری کردیا تھا اور شاید اسی نشے کا اثر تھا کہ میں انتہائی تکلیف بھی کسی طرح برداشت کررہا تھا۔

"میں نے تمہیں چاہا۔ تمہارے جسم سے پوجنے کی حد تک عشق کیا مگر تم نے میرے جذبات کو ٹھکرا دیا میری انا کو مجروح کردیا... اور... آہ... آہ..." میں بمشکل پہلی مرتبہ چند الفاظ ادا کرسکا لیکن اپنی بات مکمل نہ کرسکا۔

"مصالحت کی کوشش مت کرو شیخ! جو گزر گیا سو گزر گیا۔ ایک بہادر انسان کی طرح اپنے دوستوں اور دشمنوں کو قبول کرو۔" مہ پارہ نے میری روح پر ایک کاری ضرب لگائی۔ میں نے جواب میں کچھ اور کہنا چاہا مگر لفظ ہونٹوں پر آکر کراہ میں تبدیل ہوگئے۔ میں بے بسی سے مہ پارہ کے روشن ہیولے کو دیکھتا رہا۔ ہیولے کے ہونٹوں میں پھر حرکت ہوئی۔

"شیخ! تم میرے قابل عزت دشمن ہو۔ تم دشمنی میں مجھے کبھی چھوٹا محسوس نہیں کروگے۔ میری آنکھیں تمہارے مستقبل میں جھانک رہی ہیں۔ تم دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود دشمنوں پر حاوی ہو مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ جو تمہارا دشمن ہے میرا دوست ہے۔ میں تمہارے دشمنوں کو بے عزت نہیں ہونے دوں گی مگر صرف اس حد تک کہ تمہاری جان پر نہ بن جائے۔ اگر تم مر گئے تو میں کسے ستاؤں گی' کسے تڑپاؤں گی۔ میں تمہیں مرنے بھی نہیں دوں گی اور سکون کے ساتھ جینے بھی نہیں دوں گی۔ گھبراؤ مت! میں چھوٹے موٹے آزار دینے نہیں آؤں گی۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ اب تکلیف تمہارے لئے ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے اس لئے جارہی ہوں اور کب لوٹوں گی یہ تمہیں نہیں بتاؤں گی تاکہ تمہارے حواس پر میرا خوف مسلط رہے۔ جہاں تمہارے دشمن تم پر بھاری پڑیں سمجھ لینا کہ مہ پارہ اپنی دشمنی کا حق نباہ رہی ہے۔ تمہارا ہمزاد تمہارے فراق میں بہت دیر سے پریشان ہے اور اس دوران کئی بار وہ غار میں داخل

ہونے کی ناکام کوشش بھی کر چکا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ مزید عذاب میں مبتلا رہے کیونکہ تمہیں مجھ سے بچانے کی کوشش میں اس کا جسم خاصا جھلس چکا ہے۔" ان الفاظ کے ختم ہوتے ہی ہیولا بجھ گیا اور دن کی روشنی کے باوجود مجھے چند لمحے کے لئے گہری تاریکی کا احساس ہوا۔ پھر پھنکاروں اور سرسراہٹوں کی گونج سنائی دی۔ میرے جسم سے جیسے رسیوں کے بل کھلنے لگے۔ جب سارے بل کھل گئے تو میرے ذہن پر نیم بے ہوشی سی طاری ہوگئی۔ سارے جسم پکے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اسی کیفیت میں' میں نے ہمزاد کو غار میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ میری طرف لپکا۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے ہیں اور ان حرکتوں کے ساتھ ساتھ میری جسمانی تکلیف کم سے کم ہوتی جارہی تھی۔ وہ صرف چند لمحے تھے جن میں ہمزاد مجھے درد کے صحرا سے سکون و قرار کے گلستانوں میں کھینچ لایا تھا۔ مجھے ایک ایسی راحت کا احساس ہوا جو اس سے پہلے میں نے محسوس نہیں کی تھی۔ شدید تکلیف کے بعد انتہائی راحت کے کیف سے میری آنکھیں بند ہوگئیں۔

"یہ وقت سونے کا نہیں جاگنے کا ہے۔ چالیس گھنٹے پورے وچکے ہیں۔" ہمزاد کی آواز سنائی دی۔

"چالیس گھنٹے؟" میں نے آنکھیں کھول کر کھوئے کھوئے سے لہجے میں پوچھا۔

"تارک الدنیا بزرگ کا چلہ پورا ہوچکا ہے اور اس کا نادیدہ ملہ ہونے میں بہت تھوڑا وقت باقی ہے اس دوران آپ کا وش و حواس میں رہنا بہت ضروری ہے۔ وہ اس غار کا پتہ لگا چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ آپ یہاں سے فرار ہوجائیں وہ آپ کے استے مسدود کردینا چاہتا ہے۔ لیکن میرے ہوتے ہوئے وہ ایسا یں کرسکے گا۔" ہمزاد کی آواز میں جوش آگیا۔ "اٹھیے!"

"کہاں؟" میں نے ڈوبی ہوئی سی آواز میں سوال کیا۔ پے پے ذہنی جھٹکوں نے مجھے نڈھال کردیا تھا۔

"ہمیں فوراً یہ جگہ چھوڑ دینی ہے۔" ہمزاد نے کہا جواب کا ظار کئے بغیر میرے جسم کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور تیر کی رح سے غار سے نکل گیا۔

ہمزاد ابھی دو تین پہاڑیاں ہی عبور کرپایا تھا کہ میں نے اپنے م میں گرمی کی شدید لہر محسوس کی جیسے میرے جسم کو دہکتے ہوئے اروں پر پھینک دیا گیا ہو۔ اسی وقت ہمزاد پلٹا اب اس کا سفر ف سمت میں تھا۔ اس کے پلٹتے ہی گرمی کی لہر مفقود ہوچکی ۔ مخالف سمت میں کچھ فاصلہ طے ہوتے ہی ایک بار پھر میں تجربے سے گزرا۔ ہمزاد پھر پلٹا اب اس کا رخ تیسری سمت میں تھا۔ ہمزاد کافی دیر تک مجھے لئے لئے مختلف پہاڑیوں کے درمیان بھٹکتا رہا۔ اس کے سفر میں اتنی تیزی تھی کہ میں اس دوران اس سے یہ بھی نہ پوچھ پایا کہ یہ سب کیا ماجرا ہے؟ مجھے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ معاملہ یقیناً پراسرار اور سنگین ہے۔ لیکن اس کی نوعیت کیا ہے اس سے میں بے خبر تھا۔ پھر غالباً ہر طرف سے مایوس ہوکر ہمزاد ایک چٹان کے سائے میں اتر گیا۔ اس کے جھلسے ہوئے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہورہا تھا۔ میں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا اس کا انداز سوچنے کا سا تھا۔

"ہم گھر چکے ہیں۔ لیکن .... لیکن .... یہ کام صرف اس کا نہیں ہوسکتا۔" ہمزاد بڑبڑایا۔

"کیا ہوا؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ! تم کیا سوچ رہے ہو۔ آخر اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" یہ کہتے ہوئے پہلی بار میں نے ہمزاد کا جھلسا ہوا چہرہ غور سے دیکھا۔ میرے ساتھ تکلیف و اذیت میں وہ بھی برابر کا شریک تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ میں نے اس کے بارے میں غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ اس کی قوتوں سے نمٹنا میرے لئے مشکل نہیں تھا لیکن...." ہمزاد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں اس دشمن قلب و جان کا ذکر کرو۔ کہہ دو جو کچھ کہنا چاہتے ہو۔ جھجکو مت!" میں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا "مجھے تم پر اعتماد اور بھروسہ ہے تمہاری راہیں مسدود کرنے والا وہ تارک الدنیا شخص نہیں۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ مہ پارہ کی روح اس شخص کی مدد کررہی ہے۔"

ہمزاد نے میرے سوال پر سر جھکالیا۔ اس کی بے بسی پر مجھے ترس آیا۔ میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا "میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس تمام معاملے میں تم بے قصور ہو۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے ساتھ رہتے ہوئے اتنے عذابوں سے گزر چکا ہوں کہ اب میری نظر میں موت اور زندگی کے کوئی معنی نہیں رہے۔ موت بہرحال آنی ہے اور اس کا ایک دن مقرر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس مقررہ وقت سے پہلے نہیں مروں گا۔ مجھے مفصل حالات سے آگاہ کرو! ممکن ہے میں تمہیں بہتر مشورہ دے سکوں۔ شاید میری وجہ سے تم خود بھی کسی مشکل میں گرفتار ہوچکے ہو جس نے تمہیں اس قدر فکرمند اور ہراساں کردیا ہے۔"

"میں ہراساں نہیں ہوں۔ ہاں فکرمند ضرور ہوں اور فکرمند اپنے لئے نہیں آپ کے لئے ہوں۔ اگر میرے مقابلے پر صرف وہ تارک الدنیا شخص ہوتا تو میں اس کا حصار توڑ کر نکل جاتا۔ مجھے اس کی قوتوں کا اندازہ تھا۔ اسی لئے میں آپ کو لے کر

غار سے نکلا تھا۔ وہ اتنے بڑے رقبہ زمین کو اپنے حصار میں لینے پر قادر نہیں ہوسکتا تھا۔" ہمزاد پھر کسی سوچ میں کھو گیا۔

حصار کے ذکر پر میرے کان کھڑے ہوگئے مجھے گرمی کی شدید لہر یاد آگئی۔ اب میں کسی حد تک حالات کو سمجھ چکا تھا۔

"مجھے اور ہمزاد کو یہاں قید کردیا گیا ہے اور یہ قید یقیناً بے مقصد' بے ضرر نہیں ہوسکتی۔ اس کے پس پشت کوئی بھیانک منصوبہ ہے۔" میں سوچنے لگا۔

"میں ابھی ان کی دسترس سے باہر ہوں۔" ہمزاد کی آواز نے مجھے چونکا دیا "میں تنہا اس حصار کو عبور کرسکتا ہوں۔ مسئلہ صرف آپ کا ہے اگر آپ نے اس حصار کو عبور کرنے کی کوشش کی تو آپ کا جسم جل اٹھے گا جس کا معمولی سا تجربہ آپ کو ہو بھی چکا ہے۔"

"اگر وہ مجھے یہاں قید رکھنا چاہتے ہیں تو یقیناً اس کا کوئی خطرناک مقصد بھی ہوگا۔"

"قطعی۔" ہمزاد نے جواب دیا "یہاں سے ملکا کا فاصلہ کافی ہے۔ مجاہدین فوری طور پر آپ سے انتقام لینے یہاں نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی فرار کی راہیں بند کردی جاتیں۔ آپ کے پاس میری موجودگی کے سبب تارک الدنیا شخص کے کسی نادیدہ حملے کی کامیابی کے امکانات نہیں تھے۔ دوئم مجاہدین یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھوں آپ کو قتل کرسکیں۔"

"ہوں!" میں نے ٹھنڈی سانس لی "نوبت بہ ایں جا رسید۔ پھر تم نے کیا سوچا؟"

"صرف یہی صورت ہے کہ انہیں یہاں تک نہ پہنچنے دیا جائے اور ایسا ممکن ہے۔ اگر کچھ اور امکان میں نہ ہوا تو میں اتنا تو کرہی سکتا ہوں کہ انہیں پہاڑیوں میں بھٹکنے پر مجبور کردوں اور وہ راستہ بھول جائیں۔" ہمزاد کی بات سن کر مجھے اطمینان محسوس ہوا۔

"اب ناہید کی کیا حالت ہے اور جنگ کس مرحلے میں ہے؟" میں نے بیک وقت دو سوال کئے۔

"ناہید کی وحشت پہلے سے کم ہوچکی ہے۔ وہ ذہنی صدمے کے اثر سے تو کسی حد تک نکل چکی ہے مگر اب اس پر انتقام کا بھوت سوار ہوگیا ہے۔ وہ بضد ہے کہ تنہا آپ سے انتقام لینے روانہ ہوجائے۔ جنگ اپنے آخری مرحلوں میں ہے۔ انگریزوں کا پلہ بھاری ہوتا جارہا ہے۔ مجاہدین پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اس صورت حال نے امیر بابو جان کو بوکھلا دیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر وہ فوری طور پر آپ سے الجھتے ہوئے گریز کررہے ہیں۔ ان کی تمام تر توجہ میدان جنگ پر ہے۔ دوسری طرف تنظیم کے کچھ افراد آپ کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی رعایت یا تاخیر کے روادار نہیں۔ ان میں پیش پیش سالار قائم خاں ہے جس کی دسترس سے آپ بچ نکلے تھے۔ اس طرح وہ اپنی خجالت بھی مٹانا چاہتا ہے۔" ہمزاد نے مجھے حالات سے آگاہ کیا۔

"سالار قائم خان۔" میری نظروں میں قائم خان کا چہرہ گھوم گیا۔ وہی قائم خان جس نے ایک بار مجھے انگریزوں کی قید سے چھڑا کر میری جان بچائی تھی وہی آج میرے قتل کے درپے ہورہا تھا۔ وقت اور حالات آدمی کو کتنا بدل دیتے ہیں میں سوچنے لگا۔

"تمہاری تجویز قابل عمل ہے لیکن شاید تم یہ بھول رہے ہو کہ ہمارے مقابلے پر صرف تنظیم کے افراد اور وہ تارک الدنیا شخص ہی نہیں ہے' ان کے پیچھے ایک اور قوت بھی ہے جو کسی بھی وقت ان کا سہارا بن سکتی ہے۔" میں نے ہمزاد سے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ مہ پارہ کی قوتیں کس حد تک ان کا ساتھ دیتی ہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"تم ابھی کچھ دیر پہلے دیکھ ہی چکے ہو کہ جب اس تارک الدنیا شخص کی قوتیں تمہارے سامنے حقیر ہوگئیں تو م۔ پارہ درمیان میں آگئی اور اس نے ان کی ناکامی کو کامیابی میں بدل دیا۔ ایسا دوسری مرتبہ بھی ہوسکتا ہے۔" میں نے دلیل پیش کی۔

"آپ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں لیکن فی الحال سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں۔ اس وقت ...." ہمزاد نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا جس سے مجھے الجھن سی ہوئی۔

"تم اپنی بات پوری کرو کہاں کھو گئے۔"

"ٹھہریئے! میں خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں۔" ہمزاد نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔

چند لمحے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس عرصے میں اس کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے۔

"وہ لوگ ملکا سے روانہ ہوچکے ہیں اور ان کے ہمراہ ناہید بھی ہے۔" ہمزاد نے بتایا۔

"تو پھر اس میں فکر و تردد کی کیا بات ہے۔ یہ تو حسب توقع ہے۔ تم اپنے منصوبے کے مطابق روانہ ہوجاؤ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" ناہید کی روانگی سے میں بھی بوکھلا گیا۔ لیکن اب حوصلہ ہارنے سے کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر خود کو ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار کرلیا تھا۔ اسی لئے میری آواز میں لرزش نہیں تھی۔

"مشکل تو یہی ہے کہ میں اب آپ کو یہاں تنہا چھوڑ کر بھی

نہیں جاسکتا۔ ہم دوہری سازش کا شکار ہوچکے ہیں۔" ہمزاد نے معنی خیز لہجے میں کہا "کچھ دیر بعد انگریزی فوج بھی آپ کی تلاش میں یہاں پہنچنے والی ہے۔ جو قریبی سرحدی علاقوں میں موجود تھی۔"

"انگریزی فوج یہاں پہنچنے والی ہے؟ مگر کس طرح؟ اسے یہ اطلاع کس نے دی کہ میں یہاں چھپا ہوا ہوں؟" میں ہمزاد کی بات سن کر الجھ گیا۔ اس سے پہلے میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

"زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ انگریزوں کو آپ کے خلاف حرکت میں لانے والی صرف ایک ہی ہستی ہوسکتی ہے۔ جسے آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور میں بھی' میری مراد مہ پارہ سے ہے۔" ہمزاد نے میری الجھن ختم کردی۔

"آخر وہ چاہتی کیا ہے؟ کیا وہ مجھے ایک لمحے بھی سکون کا سانس نہیں لینے دے گی۔ وہ تو اب پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہوگئی ہے۔" میں سوچنے لگا حالات سنگین سے سنگین ہوتے جارہے تھے جو یقیناً کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہوسکتے تھے۔

"وہ اس طرح مجھے یہاں الجھانا چاہتی ہے تاکہ میں ناہید کی راہ کھوٹی نہ کرسکوں۔" ہمزاد کی آواز سن کر میں اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آگیا۔

"لیکن اس کے لئے وہ کوئی اور طریقہ بھی استعمال کرسکتی تھی۔ وہ تمہیں کسی بھی طرح روک سکتی تھی انگریزی فوج کو میرے پیچھے لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اعتراض کیا۔

"اس کا انحصار اس کی مرضی پر ہے کہ وہ کیا طریقہ استعمال کرتی ہے اور کیوں؟ ممکن ہے اس طرح وہ انگریزوں کو آپ کی طرف سے چوکنا بھی کرنا چاہتی ہو۔" ہمزاد کی بات سن کر میرے ذہن میں ایک اور سوال ابھرا۔

"اول تو مجاہدین کا انگریزی حکومت کی حدود میں داخل ہونا ہی خطرناک ہے۔ اگر بالفرض محال وہ یہاں تک کسی طرح پہنچ بھی گئے تو یہاں پہلے ہی سے انگریزی فوج موجود ہوگی۔ جو ان کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔"

"سرحدی فوج کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہونے اور آپ کی تلاش میں یہاں سرگرداں رہنے سے خود مجاہدین کو فائدہ ہے۔ وہ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر انگریزی حکومت کی حدود میں بے خوف و خطر داخل ہوجائیں گے۔ کیونکہ سرحد پر فوج کی تعداد بہت کم رہ جائے گی جو اتنے بڑے علاقے کے لئے قطعی ناکافی ہے اور جس وقت تک مجاہدین یہاں پہنچیں گے فوج آپ کی تلاش میں ناکام ہوکر رخصت ہوچکی ہوگی۔" ہمزاد نے تمام صورت حال مجھ پر واضح کردی۔

"فوج کے یہاں پہنچنے میں کیا ابھی بہت دیر باقی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں وہ ان حدود میں داخل ہوچکی ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"حصار کے باوجود؟"

"جی ہاں۔ وہ حصار ان کے لئے بیکار ہے اس کا اثر صرف آپ تک محدود ہے کیونکہ وہ آپ ہی کے لئے قائم کیا گیا ہے کسی اور کے لئے نہیں۔" ہمزاد نے بتایا۔

"پھر تم اس قدر سکون و اطمینان سے کیوں بیٹھے ہو۔ مجھے کہیں چھپا کیوں نہیں دیتے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میرے ہوتے ہوئے وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ پائیں گے۔ ہم کسی غار سے زیادہ یہاں محفوظ ہیں۔ اسی لئے میں نے یہاں سے اٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

کچھ ہی دیر میں ہر طرف سے بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"کہیں وہ چاروں جانب سے مجھے گھیر تو نہیں رہے؟" قدموں کی دھمک بہت قریب سن کر میں گھبرا گیا۔

"ایسا نہیں ہے بلکہ وہ لوگ ٹکڑیوں میں تقسیم ہوکر ہر طرف پھیل رہے ہیں۔ ممکن ہے کچھ لوگ ادھر بھی آنکلیں یا ان کی موت انہیں ادھر گھیر لائے۔ میں پوری طرح مستعد ہوں آپ بے فکر رہیئے۔" ہمزاد نے مجھے تسلی دی۔

رات کا وقت ہوتا تو ممکن تھا کسی غار سے باہر بھی محفوظ رہا جاسکتا تھا لیکن دن کے اجالے میں اس طرح کھلی جگہ میں رہنا میرے خیال سے خطرناک تھا۔ اس میں ہمزاد کی کیا مصلحت تھی یہ کچھ دیر بعد میری سمجھ میں آگیا۔ وہ دراصل خود فوج کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا اور اپنی پراسرار قوتوں سے انہیں ہراساں کرکے ان کے دلوں میں میرا خوف بٹھادینا چاہتا تھا تاکہ آئندہ کسی موقعہ پر وہ اس قسم کی جرات نہ کرسکیں وہ انہیں بھرپور سبق دینا چاہتا تھا۔

"وہ رہا" کوئی چیخا۔ پھر ہر طرف سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں قریب آتی گئیں۔

"کیا کر رہے ہو تم؟" میں نے گھبرا کر ہمزاد کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے کہیں کھویا ہوا تھا۔

فوجی چیختے ہوئے میری طرف بھاگتے چلے آرہے تھے۔ لمحہ لمحہ ان کے اور میرے درمیان فاصلہ کم سے کم ہوتا جارہا تھا۔

خدا جانے کسی فوجی کو کیا سوجھی کہ اس نے بھاگتے بھاگتے پوزیشن لے کر فائر کردیا پھر تو جیسے سبھی پر جنون سوار ہوگیا۔ وہ سب بھاگتے بھاگتے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر رک گئے تھے۔ فضا پے درپے دھماکوں سے گونج رہی تھی۔ کچھ دیر تو فوجیوں کو یہ ہوش ہی نہ آیا کہ ان کی گولیوں کا کیا حشر ہورہا ہے۔ پھر شاید ان میں سے کسی نے اس عجیب منظر کو دیکھ لیا کہ ان کی گولیاں چٹان کے قریب پہنچتے پہنچتے اپنا رخ تبدیل کرلیتی ہیں۔ پھر غالباً اس نے اپنے ساتھیوں کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی۔ رفتہ رفتہ فوجیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ آس پاس پھیلی ہوئی فوجی ٹکڑیاں بھی وہاں پہنچتی جارہی تھیں۔

ہمزاد کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"اس سے پہلے کہ تمام فوجی یہاں اکٹھے ہوجائیں اور ایک دم بھاگ کھڑے ہوں کچھ تماشا ضروری ہے۔" ہمزاد کے لہجے کی سفاکی محسوس کرکے میں کانپ اٹھا۔ وہ اس وقت مجھے کچھ عجیب عجیب اور بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ پھر میری آنکھوں نے وہ خونی تماشا دیکھ لیا جس کی طرف ہمزاد نے اشارہ کیا تھا۔

فوجی جس جگہ پوزیشن لئے ہوئے تھے اسی کے بالکل قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ ایک لمحے کے لئے میں نے ہمزاد کو اس کے گرد چکراتے دیکھا پھر ایک بہت زور کا دھماکہ سنائی دیا اور پہاڑی کے ٹکڑے اڑ گئے۔ ایک کہرام' چیخ و پکار شور۔ میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ پوری پہاڑی فوجیوں پر آرہی تھی اور جو اس کی زد سے بچ گئے تھے وہ چیختے چلاتے بھاگ رہے تھے پتھروں کے نیچے دبے ہوئے چیختے کراہتے فوجیوں پر میری نظر پڑی تو مجھے جھرجھری سی آگئی۔

"مجھے یہاں سے کہیں اور لے چلو۔ میں یہ منظر نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں آپ کو لے کر اس رقبہ زمین سے باہر نہیں جاسکتا۔ جس کے اطراف حصار کھینچا ہوا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی اور قریبی پہاڑی یا چٹان تک پہنچا جاسکے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"چلو! کہیں بھی چلو۔ مگر یہ منظر میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔" اس دوران پھر کسی چیخ نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

"میں آپ کے احساسات سمجھ رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے ہمزاد نے مجھے اٹھایا اور تیزی سے ایک پہاڑی کی طرف بڑھا۔ بھاگتے ہوئے فوجیوں کو اس عجیب اور پراسرار منظر نے اور بھی بوکھلا دیا ان کے بھاگنے کی رفتار میں اور بھی تیزی آگئی۔

"رک جاؤ! رک جاؤ!" وہ آواز غالباً کسی فوجی افسر کی تھی۔ جو اپنے ساتھ ایک تازہ دم دستہ لے کر اس طرف آیا تھا۔ مگر اس کی آواز پر کسی نے کان نہ دھرے۔ بچ کر بھاگنے والوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی کیونکہ پہاڑی کی زد سے بہت کم لوگ بچ سکے تھے۔ میں اس سے زیادہ نہ دیکھ سکا نہ سن سکا کیونکہ ہمزاد مجھے لے کر اب اس پہاڑی کی چوٹی تک پہنچ چکا تھا جس طرف اس کا سفر جاری تھا۔

ہمزاد نے مجھے ایک ہموار جگہ بٹھادیا۔ آس پاس خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ابھی مجھے اس پہاڑی پر چند منٹ ہی گزرے تھے کہ فضا ایک بار پھر دھماکوں سے گونج اٹھی۔

"اب کیا معاملہ ہے؟ یہ آوازیں کیسی ہیں؟" میں نے ہمزاد سے پوچھا۔

"وہ آپ کو ڈرانے کی خاطر اپنی دانست میں ہوائی فائر کررہے ہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"مجھے ڈرانے کے لئے؟ وہ تو خود خوفزدہ ہوکر بھاگ رہے ہیں۔"

"یہ فوجیوں کا دوسرا دستہ ہے جسے پہلے دستے کا حشر معلوم نہیں ورنہ وہ اس طرح کی حماقت نہ کرتے۔ ابھی دیکھتے جایئے اچھا ہے ان کا بھی حوصلہ نکل جائے۔" ہمزاد نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"نہیں!" میں نے سختی سے کہا "اب کوئی خونی منظر نہیں دہرایا جائے گا۔ میرے اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ میں سمجھا نہیں آخر اس خونی تماشے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں چاہتا ہوں کہ آئندہ کبھی انگریز اس بات کی ہمت نہ کرسکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان کے سپاہی کسی بھی قیمت پر آپ کے مقابلے پر آنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ یہاں سے زندہ بچ کر نکل جانے والے لوگوں نے یہاں جو کچھ دیکھا ہے وہ دوسرے لوگوں کی ہمتیں پست کردینے کے لئے کافی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ایسی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں۔" ہمزاد نے اس خونی تماشے کی وجہ بیان کی۔

"تمہارا جو بھی مقصد ہو۔ میں نہیں جانتا ممکن ہے تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو اور اس وقت میں تمہاری بات نہ سمجھ پارہا ہوں۔" میں نے بیساکھیاں قریب کھسکاتے ہوئے کہا۔

"میں اب آپ کے حکم کے مطابق کوشش کروں گا کہ بغیر کشت و خون کے کام نکل جائے۔ ویسے میں آپ کو یہ بتادوں کہ ہماری اس پہاڑی پر موجودگی ان سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔"

"تو؟" میں نے ہمزاد کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ اس پہاڑی کا محاصرہ کررہے ہیں۔"

"کیا کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ کشت و خون کی نوبت نہ

آ ئے؟"

"ایسا ہی ہوگا۔ وہ اس پہاڑی پر چڑھ ہی نہیں سکیں گے۔ اور اس کے لئے مجھے آپ سے کچھ دیر کے لئے جدا ہونا پڑے گا۔"

"جاؤ!" اس نے ہمزاد کو جانے کی اجازت دے دی۔

ہمزاد کے جاتے ہی میں نے عجیب سا شور سنا جیسے بیک وقت سینکڑوں درندے چیخنے لگے ہوں۔ چیخیں ' شور ' ہنگامہ اب دھماکوں کی آوازیں ختم ہوچکی تھیں۔ اور صرف ایک بے ہنگم شور سنائی دے رہا تھا۔ پھر یہ شور بھی تھم گیا۔

"فی الحال وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔" ہمزاد میرے پاس لوٹ آیا۔

پھر انہیں ہنگاموں میں سورج ڈوب گیا۔ دن بھر ہمزاد نے فوجیوں کو تھکا تھکا کر نڈھال کردیا۔ جو زندہ بچ گئے تھے۔ وہ شام ہوتے ہوتے خوفزدہ ہو کر فرار ہوگئے۔ اب ہر طرف ایک بوجھل بوجھل سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ ہمزاد مجھے دوبارہ اسی غار میں لے آیا تھا جہاں میں کئی دن سے چھپا ہوا تھا۔

"اب میں جارہا ہوں۔ آپ آرام کیجئے۔" ہمزاد نے مجھے پیال پر لٹاتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟"

"کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ ناہید' تارک الدنیا شخص' قائم خاں اور دوسرے مجاہدین یہاں سے ابھی تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہیں۔ راستے ہی میں ان سے کیوں نہ نمٹ لیا جائے۔" ہمزاد رخصت ہونے کے لئے اجازت طلب نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"جاؤ! اور جو مناسب سمجھو کرو۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ دن بھر کے ہنگامے نے میرے اعصاب کو جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا۔

تنہائی ملتے ہی میرا ذہن گزشتہ واقعات کی بھول بھلیوں میں الجھنے لگا لیکن مستقبل میرے لئے کیا ہولناکیاں لانے والا تھا میں اس سے بے خبر تھا۔ میرے خیال کی رو بھٹکتے بھٹکتے اس تارک الدنیا شخص کی طرف چلی گئی۔ جسے میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ میرے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں نے آنکھیں بند کرکے ناہید اور قائم خاں کا تصور کیا۔ کیونکہ میرے علم میں تھا کہ وہ شخص انہی لوگوں کے ہمراہ ہوگا۔ میرے تصور کی سطح پر ناہید کا چہرہ ابھرا۔ غیض و غضب میں ڈوبا ہوا چہرہ اس کی پشت پر بندوق کی نال نظر آرہی تھی۔ اور کمر سے تلوار بھی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے تصور کا دائرہ وسیع کیا اور چونک پڑا ناہید اکیلی تھی۔

"چونکو مت شیخ! اسے تمہارے پاس آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" مجھے دوسرا ذہنی جھٹکا لگا۔ یہ آواز سوفیصدی مہ پارہ کی تھی۔ میں نے ایک چمکیلا غبار ناہید کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ متحرک دیکھا۔

"تمہارا ہمزاد تارک الدنیا شخص' قائم خاں اور دوسرے لوگوں کو بھٹکانے میں کامیاب ہوچکا ہے اور اگر میں درمیان میں نہ آتی تو ممکن تھا کہ ناہید بھی کبھی تم تک پہنچ کر اپنے انتقام کی آگ نہ بجھا پاتی۔ سوچو! اس معصوم لڑکی پر تم نے کتنا ظلم کیا ہے۔ تمہیں اس ظلم کی سزا نہ ملنا ناانصافی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ ایک کمزور اور بے سہارا لڑکی سے مقابلہ کرنے کے لئے تمہیں اپنی پراسرار قوتیں بروئے کار لانے کی ضرورت نہیں۔ ایک غیرت مند اور باضمیر شخص کی طرح جینا سیکھو۔ میں تمہارے اور ناہید کے درمیان صرف اس حد تک دخل دوں گی کہ وہ تم تک پہنچ جائے اور تمہارا ہمزاد درمیان میں نہ آسکے۔"

میں ایک سحرزدہ شخص کی طرح سب کچھ دیکھتا رہا۔ سنتا رہا۔ جیسے اس تمام واقعے کا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہو میں نے مہ پارہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حالانکہ میرے علم میں تھا کہ جس طرح مہ پارہ اپنی بات مجھ تک پہنچانے کی قوت رکھتی ہے وہ میری بات بھی سن سکتی ہے۔ معاً میری ذہن میں ہمزاد کا خیال آیا اور میں نے آنکھیں کھول کر سلسلہ تصور منقطع کردیا تاکہ دوبارہ ہمزاد کا تصور کرکے اس سے رابطہ قائم کرسکوں۔ میں نے آنکھیں بند کیں اور ہمزاد کا تصور کرنے لگا۔ میں نے ایک کھنکتا ہوا قہقہہ سنا اور اس قہقہے کا زہر میری سماعت میں اترتا چلا گیا۔

"مہ پارہ! ظالم۔" میں بڑبڑایا۔

"میں نے تم سے ابھی کچھ دیر پہلے ہی کہا تھا کہ اس معاملے میں تمہارا ہمزاد تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکے گا۔ پھر ناحق جھک مارنے کی کیا ضرورت ہے۔" مہ پارہ کی آواز غار میں گونجی "تم اس سے رابطہ قائم نہ کرسکو گے۔ اس وقت تک جب تک میں نہ چاہوں اور میں اس وقت تک یہ نہیں چاہوں گی جب تک...... خیر رہنے دو ڈر جاؤ گے۔ آنکھیں کھولو! ناہید غار کے باہر پہنچ چکی ہے۔ دیکھو میں تمہارے لئے کتنا ایثار کررہی ہوں۔ تمہارے اندھیرے غار کو روشن کئے دے رہی ہوں تاکہ تم دونوں ایک دوسرے پر بھرپور اور جچے تلے وار کرسکو۔"

خطرہ بالکل میرے سر پر پہنچ چکا تھا میں کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تاریک غار ایک دم روشن ہوگیا۔ میں نے مہ پارہ کے ہیولے کو غار میں داخل ہوتے دیکھا۔ اور اس کے پیچھے ناہید کسی

سحرزدہ کی طرح آتی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار چمک رہی تھی۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی جیسے ناہید ہوش میں آگئی۔

"تو..... تو میں نے آخر تجھے ڈھونڈ ہی لیا" یہ کہتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے میری طرف لپکی اور اگر میں اچھل کر فوراً ایک طرف نہ ہوجاتا تو اس کی تلوار کا وار میری گردن اڑا چکا ہوتا۔ ناہید اپنے ہی زور میں ایک طرف گری اور اس دوران مجھے قریب پڑی ہوئی بیساکھی اٹھانے کا موقعہ مل گیا۔ ناہید سنبھل کر پلٹی۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" ناہید جنونیوں کی طرح چیخی۔

ناہید کی تلوار کا پہلا وار میں نے بیساکھی پر روک تو لیا۔ مگر تلوار کی ضرب اتنی شدید تھی کی بیساکھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگری۔ تلوار پھر چمکی۔ موت سر پر ہوتی ہے تو آدمی کی قوت مدافعت بڑھ جاتی ہے۔ میں نے وہ خطرناک وار بھی ایک طرف لڑھک کر رائیگاں کردیا مگر ناہید کے جسم میں تو بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت میں نے خود کو بہت ہراساں اور خوف زدہ محسوس کیا۔ مگر ایک ٹانگ سے معذور ہونے کے باوجود میں جس پھرتی اور مستعدی کا ثبوت دے رہا تھا وہ یقیناً میری ہی ہمت تھی ورنہ اس صورت حال میں کوئی دوسرا شخص ہوتا تو کبھی کا ہاتھ پیر چھوڑ چکا ہوتا۔ موت کی خوف نے میرے سارے حواس بیدار کردیئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں ناہید کے وار سے بچنے کے لئے تیزی سے ایک طرف سرکا تھا لیکن میرے دائیں بازو میں تلوار کی نوک اچٹتی ہوئی سی لگی۔ میں نے ایک بار پھر سنبھلنا چاہا تھا اور اسی کشمکش میں، میں ایک بار اٹھ کر اوندھے منہ گرا تھا۔ میں اس غار کی دیوار میں ابھرے ہوئے ایک پتھر سے ٹکرایا۔ ممکن ہے کہ میں کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش میں کامیاب ہوجاتا مگر اس وقت مہ پارہ کے زہریلے قہقہے نے میری ساری توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ یہ غفلت کے صرف چند لمحے تھے اور انہی لمحوں میں مجھ پر قیامت گزر گئی۔ تلوار کے ایک بھرپور ہاتھ نے میری گردن اڑا دی تھی۔ اس لمحے جب میں نے تلوار کی ضرب اپنی گردن پر محسوس کی تھی تو میں نے سوچا تھا کہ مہ پارہ اپنے عہد سے پھر گئی اور میں قتل کردیا گیا۔ میرے لئے یہ موت کا دوسرا تجربہ تھا۔ میں ایک بار بدایوں میں بھی موت کے اس تجربے سے اس وقت گزرا تھا جب میرٹھ کے نواب صاحب کے غنڈوں نے مجھے قتل کردیا تھا۔ تکلیف و اذیت کی انتہا نے مجھے زیادہ نہ سوچنے دیا اور میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ میں موت سے ہمکنار ہو رہا ہوں۔

****

تیز ہواؤں کی سنسناہٹ گہرا اندھیرا اور میرا متحرک وجود مجھے بہت دیر تک یاد ہی نہ آسکا کہ میں کون ہوں؟ اور کہاں جارہا ہوں۔ پھر رفتہ رفتہ میری یادوں کے دریچے کھلنے لگے مجھے قتل کردیا گیا تھا۔ میں نے سوچا اور اس احساس کے ساتھ ہی میں نے اپنے اندر خوف کی ایک لہر محسوس کی۔ کیا فرشتے مجھے لے کر آسمانوں کی طرف جارہے ہیں؟

ہاں ایسا ہی ہے۔ میرے نیم غنودہ ذہن نے جواب دیا۔ مجھے اپنی تمام زندگی کے گناہ و ثواب یاد آئے۔ مجھے عالم برزخ میں رکھا جائے گا اور پھر میری روح پر عذاب مسلط کردیئے جائیں گے۔ میں نے دنیا میں رہ کر بڑی گناہ گار زندگی گزاری ہے۔ عذابوں کے خوف نے مجھ پر دہشت طاری کردی اور میرا ذہن پھر اندھیروں میں بھٹک گیا۔

"آنکھیں کھولئے اور ان درودیوار کو پہچانئے یہ آپ کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔" ہمزاد کی آواز مجھے اندھیروں سے اجالوں میں کھینچ لائی۔

ہمزاد؟ میرے ذہن نے سوچا تو کیا میں ابھی زندہ ہوں؟ اس احساس کی مسرت نے مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا۔

"خانقاہ!" میں بڑبڑایا "میں ان درودیوار کو پہچانتا ہوں... پہچانتا ہوں مگر..."

"اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالئے۔ فی الحال آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ آپ بدایوں پہنچ چکے ہیں۔" ہمزاد کی آواز سنائی دی۔

"بدایوں؟..... مگر... مگر کب... کس طرح؟"

"آپ کو سب کچھ معلوم ہوجائے گا لیکن ابھی آپ کا زخم تازہ ہے اور آپ کا ذہن جس صدمے سے دوچار ہوا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے ذہن کو ہر قسم کے فکر و تردد سے بچائیں۔ اس وقت صرف اتنا جان لیجئے کہ آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ آپ اب ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے جارہے ہیں۔ جس کی راہیں ہموار کرنے کے لئے مجھے فوری طور پر آپ سے جدا ہونا ہے۔ میں نے ایسے انتظامات کردیئے ہیں کہ آپ کو یہاں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ میں جلد لوٹ آؤں گا۔ مجھے اجازت دیجئے۔"

سنگین سے سنگین حالات میں بھی ہمزاد نے کبھی میری وفاداری سے منہ نہ موڑا تھا۔ اس نے میرے ہر حکم کی تعمیل کی

تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے مجھے آنے والے خطرات سے ہر وقت آگاہ کیا تھا۔ وہ میرے لئے سخت عذابوں سے گزرا تھا۔ اس نے ہمیشہ میری بہتری سوچی تھی۔ مجھے اس پر مکمل اعتماد اور بھروسہ تھا مجھے یقین تھا کہ وہ میرے لئے جو قدم بھی اٹھائے گا میری ہی بھلائی میں ہوگا۔ اسی لئے اس وقت میں نے کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اسے جانے کی اجازت دے دی۔

ہمزاد کے مشورے کے باوجود میں اپنے ذہن کو مختلف سوالات کی گرفت سے آزاد نہ کرسکا۔ اگر ہمزاد کچھ دیر میرے پاس اور ٹھہر جاتا اور میری ذہن میں پیدا ہونے والے سوالوں کے جواب دے دیتا تو ممکن تھا کہ میں اس قدر مضطرب نہ ہوتا۔ فی الحال میں مکمل تاریکی میں تھا۔ میں سرحد سے بدایوں کس طرح پہنچ گیا؟ ہمزاد کو مہ پارہ کی روح نے ایسا کرنے سے کیوں نہ روکا؟ ناہید کا کیا ہوا؟ اور ہمزاد مجھے یہاں کیوں لے آیا؟ اسی قسم کے ان گنت سوالوں سے میرا ذہن تھکنے لگا اور میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

ایک بار پھر میں انہی حالات سے دوچار ہوچکا تھا۔ جن سے گزر کر میری روح کو سخت عذابوں سے گزرنا پڑا تھا۔ اب میں پھر بے جسم تھا۔ میرا سر خانقاہ کی اسی طاق میں رکھا تھا جس میں اب سے چند سال پہلے رکھا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے درمیانی سال ایک خواب تھا اور اب میں اس خواب سے بیدار ہوچکا ہوں پچھلی بار مجھے اپنے لئے جسم حاصل کرنے میں جن دقتوں اور پریشانیوں سے گزرنا پڑا تھا وہ سب مجھے یاد آئیں۔ اس بار کیا ہوگا؟ میرے لئے پھر کسی قتل کا سامان کیا جائے گا مگر مقتول کون ہوگا؟ میں اپنے مستقبل سے بے خبر خانقاہ کے درودیوار کو تکنے لگا۔

دھندلکا غائب ہوتا جارہا تھا اور خانقاہ میں صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔

بدایوں میرا وطن تھا۔ یہاں میرے کوچے، میرے بازار تھے۔ یہاں وہ گلیاں تھیں جہاں میں ہنستے کھیلتے جوان ہوا تھا۔ یہ وہ شہر تھا جہاں میں نے حکمرانی کی تھی۔ مجھے وہ دن یاد آئے جب میرے اردگرد عقید تمندوں کا حلقہ ہوتا تھا۔ جن کے درمیان میں بڑی تمکنت سے بیٹھتا تھا اور اپنے ہمزاد کی کرامتوں کے طفیل اپنے گرد موجود لوگوں کی عقل گم کردیتا تھا۔ وہ میرے ہاتھ پاؤں چومنے لگتے جیسے میں کوئی بہت پہنچا ہوا بزرگ ہوں۔

"کاش وہ دن پھر لوٹ آئیں صرف ایک بار۔" میں حسرت زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

"وہ دن ضرور لوٹیں گے۔" ایک آواز نے جواب دیا اور یہ آواز ہمزاد کی تھی۔

"تم لوٹ آئے؟" میں نے انکھیں کھول کر حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں! مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا اس میں زیادہ دیر نہیں لگی۔"

"تم کیا معلومات حاصل کرنے گئے تھے؟ یہ تو میں بعد میں پوچھوں گا۔ پہلے میں یہ جاننے کے لئے بے چین ہوں کہ جب تم مجھ سے جدا ہو کر ناہید، مجاہدین اور تارک الدنیا بزرگ کو گم کردہ راہ کرنے گئے تھے تو تم پر کیا گزری تھی؟ مجھے اس وقت تک کے حالات کا علم ہے جب تم نے مجھے مہ پارہ کی روح سے بچانے کے لئے غار میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی اور تم کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔" میں نے کہا۔

"جب ناہید نے آپ کو قتل کردیا تو مہ پارہ کی روح وہاں سے غائب ہوگئی۔ وہ اپنے ہمراہ ناہید کو بھی لے گئی تھی۔ میں نے جیسے ہی راستہ صاف دیکھا فوراً آپ تک پہنچ گیا۔ میرے خیال سے وہاں آپ کا رہنا کسی بھی طرح خطرے سے خالی نہیں تھا۔ پھر میں نے آپ کے کٹے ہوئے سر کو غار کے فرش سے اٹھایا اور وہاں سے فرار ہوگیا۔ میں اپنی آئندہ منزل کے بارے میں طے کرچکا تھا۔ میرے علم میں ہے کہ راستے میں ایک بار آپ کو ہوش بھی آیا تھا۔ لیکن میں نے آپ کو اس لئے مخاطب نہیں کیا کہ آپ کا ذہن سوتا رہے اور جس تکلیف میں آپ مبتلا ہیں اس طرف آپ کا خیال نہ جاسکے۔ آپ دوبارہ غفلت کا شکار ہوگئے تو میں نے سکون کا سانس لیا۔ میں رات ہی یہاں پہنچ گیا تھا مگر میں چاہتا تھا کہ صبح سے پہلے آپ کو ہوش نہ آئے تاکہ تکلیف واذیت کا وہ وقفہ گزر جائے جس سے آپ دوچار تھے۔ میں نے آپ پر بے ہوشی طاری کردی اور جب میں نے محسوس کیا کہ اب آپ اس اذیت سے نجات پاچکے ہیں جو قتل کئے جانے سے آپ پر گزری تو میں نے آپ کو بیدار کردیا۔" اتنا کہہ کر ہمزاد خاموش ہوگیا اور میری آنکھوں میں دیکھنے لگا "میں جانتا ہوں آپ ابھی بہت کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ ابھی آپ کے ذہن میں بہت سے سوال ہیں لیکن ان سوالوں کا جواب ابھی میرے پاس نہیں ہے۔ اس کے لئے مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ آپ ذرا چند لمحے توقف کیجئے۔"

ہمزاد نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کہیں کھو گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے جیسے وہ کسی الجھن میں ہو۔ مجھے اس سے پہلے کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا تھا کہ ہمزاد کو کچھ معلوم کرنے کے لئے کسی ایسی صورت حال سے گزرنا پڑا ہو اس لئے کہ اس نے میری ہی موجودگی میں ہمیشہ بلاپس و پیش اس قوت کا مظاہرہ کیا تھا اور

مجھے ان تمام حالات سے آگاہ کردیا تھا۔ جنہیں جاننے کی میں نے کوشش کی تھی۔ میرے لئے دوسری خلاف توقع بات یہ تھی کہ اتنی دیر بھی اس نے کبھی نہیں لگائی تھی۔ مجھے اس کی آنکھیں کھلنے کا کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران میں میری بے چینی بڑھتی رہی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں لال انگاروں کی طرح دہک رہی تھی۔ غالباً اسے اپنی پراسرار قوت کو کافی دیر اور کافی شدت کے ساتھ استعمال کرنا پڑا تھا۔ مگر آنکھیں کھولنے کے بعد بھی اس کے چہرے سے فکروتردد کے آثار نہ گئے۔

"کیوں تم کچھ فکرمند دکھائی دیتے ہو؟" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں! میں نے اپنی انتہائی کوششیں صرف کرلیں مگر مہ پارہ کے بارے میں کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا اور یہ جاننا ہمارے لئے بے انتہا ضروری ہے کہ وہ اگلا قدم کیا اٹھانے والی ہے تاکہ اس کا تدارک کیا جاسکے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"تدارک؟ کیا اس کے کسی نادیدہ حملے سے بچا جاسکتا ہے؟" میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"جس حد تک بھی ممکن ہو، جو بھی میرے امکان میں ہو، میں نے بہرحال ابھی اس کے سامنے سپر نہیں ڈالی ہے۔" ہمزاد بولا اور اس کی بات سن کر میرے دل کو کچھ تقویت سی محسوس ہوئی۔

ہمزاد کے کہنے کے مطابق مہ پارہ نے مجھے دانستہ وہاں سے نکل جانے کا موقع دیا تھا ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ ہمزاد میرا کٹا ہوا سر لے کر بدایوں تک پہنچ سکتا۔ اس سے صرف ایک نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ مہ پارہ بہرحال کسی بھی صورت میں ابھی مجھے زندہ دیکھنا چاہتی تھی۔ آئندہ وہ مجھے کس مصیبت میں گرفتار کرنے والی تھی؟ اس سلسلے میں ہمزاد کچھ بھی معلوم نہ کرسکا تھا۔ ناہید کے بارے میں ہمزاد نے بتایا تھا کہ وہ واپس ملکا پہنچ چکی ہے اور مجاہدین انگریزوں سے شکست کھاچکے ہیں۔ جو مجاہدین زندہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے ہیں وہ گوریلا جنگ کی طرز پر انگریزوں سے برسرپیکار ہیں۔ ناہید بھی ان سے جاملی ہے۔ ناہید کو اتنے کم عرصے میں دوبارہ ملکا پہنچانے والی قوت مہ پارہ ہی کی ہوسکتی تھی کیونکہ ہمزاد کی اطلاع کے مطابق گزشتہ رات ہی وہ ملکا پہنچ چکی تھی۔ مجاہدین اس وقت خود اپنی مصیبت میں گرفتار تھے اس لئے ان کی طرف سے تو کسی قسم کے خطرے کا سوال ہی نہیں تھا اور اس صورت میں تو ان کی طرف سے ہر طرح کا خطرہ تقریباً ختم ہوچکا تھا جبکہ ان تک یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ مجھے قتل کیا جاچکا ہے۔ قائم خاں، تارک الدنیا بزرگ اور دوسرے مجاہدین اب تک ملکا واپس نہیں پہنچے تھے اور وہ ابھی تک راستے ہی میں تھے۔ مجاہدین تو خیر میرے قتل کی خبر سے مطمئن ہوچکے تھے۔ لیکن انگریزی حکام کو میری طرف سے سخت تشویش لاحق تھی۔ ان کی تمام مشینری مجھے تلاش کرنے کے لئے حرکت میں آچکی تھی۔ ان میں سی آئی ڈی کے علاوہ ملٹری انٹیلی جنس بھی شامل تھی۔ بیک وقت کئی سو فوجیوں کی موت نے انگریزی حکام کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس وقت بھی فوج کی ایک بہت بڑی تعداد مجھے ان پہاڑیوں میں ڈھونڈتی پھررہی تھی جہاں میں کل تک موجود تھا۔ انگریز حکام نے احتیاطاً وہاں فوج کے ایسے دستے روانہ کئے تھے۔ جن تک گزشتہ پراسرار اور اندوہناک واقعے کی اطلاع اب تک نہ پہنچ پائی تھی تاکہ وہ میرے بارے میں جان کر خوفزدہ نہ ہوجائیں۔ انگریز حکام کی یہ چال کارگر ثابت ہوئی تھی ورنہ اگر ان فوجیوں کو یہ معلوم ہوجاتا کہ ان سے پہلے میری تلاش میں آنے والوں کا کیا حشر ہوا تھا تو وہ کبھی ایسی ہمت نہ کرتے اور اگر تعمیل حکم پر مجبور ہی ہونا پڑتا تو اتنے بے باک و بے خوف نہ ہوتے جیسا کہ ہمزاد نے بتایا تھا کہ وہ ایک ایک غار میں جھانکتے پھر رہے ہیں۔

انگریزی فوج کو میرے پیچھے مہ پارہ نے لگایا تھا۔ لیکن موجودہ صورت حال کے پیش نظر یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا کہ اب مہ پارہ ان کی کوئی رہنمائی نہیں کررہی ہے۔ ورنہ وہ اس طرح خواہ مخواہ ان پہاڑیوں میں نہ بھٹکتے پھرتے جہاں سے میں سینکڑوں میل دور پہنچ چکا تھا۔ غالباً مہ پارہ جو چاہتی تھی وہ مقصد پورا ہوچکا تھا اور اب وہ اس وقت تک کے لئے پھر میری طرف سے غافل ہوگئی تھی جب تک کہ میں ایک بار اس قابل نہ ہوجاؤں کہ اس کا کوئی نیا نادیدہ حملہ سہ سکوں۔ میرا ہمزاد مہ پارہ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ کرسکا تھا اور یہ ایک خطرناک بات تھی۔ مجھے ہر وقت مہ پارہ کی طرف سے خطرہ تھا اور شاید یہی اس کا مقصد بھی تھا کہ مجھے سکون نہ مل پائے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب تھی۔ میں نے مہ پارہ کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا اس کا حاصل یہی تھا کہ وقتی طور پر اس نے خاموشی اختیار کرلی ہے لیکن اس کی طرف سے مطمئن ہونا بہرحال خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ہمزاد نے مجھے جو اطلاعات فراہم کی تھیں، میں بہت دیر ان پر غور کرتا رہا۔ ہمزاد بھی میری اس کیفیت سے بے خبر نہیں تھا اسی لئے اس نے مجھے مخاطب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہرچند کہ ابھی مجھے بتانے کے لئے اس کے پاس بہت سی اطلاعات تھیں جن کا تعلق میری آئندہ زندگی سے تھا۔ میں اپنے خیالوں میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ میں نے کافی دیر اس بات کی

طرف کوئی توجہ ہی نہ دی جو میرے لئے خاصی اہم تھی۔ یعنی میری آئندہ زندگی۔ میں اب تک اپنے ماضی سے دامن نہ چھڑا پایا تھا اور شاید ہمزاد نے بھی دانستہ مجھے اس بات کا موقع دیا تھا کہ میرے ذہن سے ماضی کا غبار چھٹ جائے تو وہ مستقبل کی باتیں کرے۔

میں نے آنکھیں کھولیں تو ہمزاد کو اپنی طرف متوجہ پایا "شاید تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"ہاں بہت کچھ۔" ہمزاد نے جواب دیا "غالباً آپ یہ جاننے کے لئے بے چین ہوں گے کہ میں آپ کو کہیں اور لے جانے کے بجائے یہاں کیوں لے آیا؟ آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلی بار آپ کے قتل کے بعد میری بہت سی پراسرار قوتیں سلب ہوگئی تھیں۔ میں بھی آپ کی طرح ادھورا رہ گیا تھا اور اب پھر ایک طویل عرصے کے بعد میں پھر اسی صورت حال سے دوچار ہوں۔ مجھے اپنی اور آپ کی تکمیل کرنی ہے۔ اس کے لئے مجھے کسی سہارے کی تلاش تھی اور وہ سہارا مجھے اسی شہر میں مل سکتا تھا۔"

ہمزاد کی گفتگو نے ایک بار پھر مجھے ماضی میں پہنچا دیا۔ میرے صفحہ ذہن پر مختلف چہرے ابھرنے لگے اور پھر انہی چہروں کے درمیان سے ایک خواب ناک آنکھوں والا چہرہ ابھرا۔ یہی چہرہ میرا پہلا عشق تھا۔

"رضیہ!" میں بڑبڑایا۔

"کل اس کی شادی ہونے والی ہے۔" ہمزاد نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا....؟ کیا رضیہ کی شادی....؟ مگر کس طرح کیسے؟" میں ہمزاد کی بات سن کر چونک پڑا اور اسی کے ساتھ میری آنکھوں میں ایک معصوم چہرہ گھوم گیا "میرا بچہ!" میں جیسے خواب کے عالم میں بولا "نہیں یہ نہیں ہوسکتا' ہرگز نہیں۔"

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ مجھے آپ کی اور اپنی تکمیل کے لئے سہارے کی تلاش تھی اور وہ سہارا میری نظر میں صرف رضیہ تھی۔ میں اسی لئے سیدھا یہیں چلا آیا تھا۔ یہاں پہنچتے ہی میں نے اس کے بارے میں تمام معلومات حاصل کیں جنہیں جان کر مجھے دکھ ہوا۔ شاید آپ کو بھی یہ جان کر دکھ ہو کہ رضیہ کے دل میں آپ کے لئے اب کوئی محبت نہیں۔ اس نے حالات سے صلح کرلی ہے اس نے اپنی قسمت کا فیصلہ قبول کرلیا ہے۔ اس نے آپ کو بے وفا سمجھ کر بھلا دیا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ ابھی اس کے دل میں آپ کی محبت کی خوشبو تازہ ہوگی اور وہ آپ کی خاطر ایک بار پھر قربانی دے سکے گی۔ لہٰذا اسے آپ کے لئے جسم حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے لیکن...." ہمزاد نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور کسی سوچ میں کھو گیا۔

رضیہ کی شادی کی خبر میرے لئے بڑی عجیب تھی۔ اس لئے کہ بدایوں میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو اس بات سے بے خبر ہو کر رضیہ شادی سے پہلے ہی ایک بچے کی ماں بن چکی ہے۔ پھر اس سے بھی سوا یہ کہ اس نے ایک قتل بھی کیا ہے۔ وہ اپنے منگیتر اختر کی قاتل ہے۔ وہی اختر جس کے جسم پر کل تک میرا قبضہ تھا۔ قانون رضیہ کو عمر قید یا پھانسی کی سزا نہ دے سکا تھا اور اسے باعزت طور پر بری کردیا گیا تھا۔ لیکن شہر والے مطمئن نہ ہوسکے تھے۔ حالات کچھ بھی رہے ہوں جن کے سبب رضیہ اختر کے قتل پر آمادہ ہوگئی لیکن بہرحال وہ قاتل تھی اور شہر والے اس بات سے بے خبر نہیں تھے۔ ایک ایسی لڑکی جو کنواری ہو کر ماں بن چکی ہو' ایک ایسی لڑکی جو قاتل ہو' اس کی شادی ہونا سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی اور وہ بھی اس زمانے میں جب قدریں اتنی پامال نہیں ہوئی تھیں جتنی اب ہیں۔

ہزار فتنہ سامانیوں' عیاشیوں اور ہرجائی پن کے باوجود رضیہ کے لئے میرے دل میں ایک جگہ تھی۔ اس کے لئے میں نے اپنے دل میں ہمیشہ نرم گوشہ محسوس کیا تھا۔ جیسے میں اسے چاہتا ہوں۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ رضیہ ہی وہ پہلی لڑکی تھی تو میری زندگی میں آئی۔ مگر وقت اور حالات نے مجھے اس سے بہت دور کردیا تھا۔ مجھے اتنی مہلت ہی نہ مل پائی تھی کہ میں دوبارہ بدایوں آکر اس سے مل سکتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ اپنے مزاج کی ہرجائی پن کے سبب میں نے اس عرصے میں اسے کبھی یاد بھی نہیں کیا لیکن اب جبکہ میں بدایوں پہنچ چکا تھا ایک ایک کرکے میری تمام یادیں تازہ ہوگئی تھیں۔ رضیہ ایسی نہیں تھی کہ اسے اس طرح بھلایا جاسکتا۔ وہ رضیہ ہی تو تھی جسے دیکھ کر پہلی بار میرے ہوش گم ہوگئے تھے۔ وہ رضیہ ہی تو تھی جسے دیکھ کر پہلی بار مجھے احساس ہوا تھا کہ میں بھی جوان ہوں۔ میرے دل میں بھی کچھ امنگیں ہیں' کچھ حسرتیں ہیں۔ میرے جسم کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ میں اسے کیسے بھول جاتا اور پھر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ میرے بچے کی ماں بھی بن گئی ہے تو میرے دل میں اس کے لئے اور ہمدردی بڑھ گئی۔ اس نے یہ سب دکھ میرے لئے ہی تو برداشت کئے تھے۔ ہمزاد کے ساتھ ہی ساتھ میں بھی خیالوں میں کھو گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہمزاد کیا سوچ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ غائب تھا۔

"ہمزاد کہاں چلا گیا؟ ابھی تو وہ یہیں تھا۔" میں بڑبڑایا۔

خیالوں کی دنیا سے باہر آکر میں الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ آخر ہمزاد کیا کہنا چاہتا تھا جو کہتے کہتے وہ رک گیا۔ وہ بے سبب تو کہیں

نہیں گیا ہوگا۔ میں سوچ رہا تھا مگر مجھے اس کے بارے میں تشویش ضرور تھی۔ اسی لئے میں نے آنکھیں بند کرکے اس کا تصور کیا تاکہ معلوم کرسکوں کہ وہ کہاں ہے؟

میں نے ہمزاد کو ایک پرانی اور نیم شکستہ سی حویلی میں داخل ہوتے دیکھا۔ ہمزاد آگے بڑھتے بڑھتے ایک دم چونکا غالباً اسے معلوم ہوچکا تھا کہ میں نے اس سے رابطہ قائم کرلیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا میرے ہونٹوں کو حرکت ہوئی "میں جانتا ہوں کہ تم یقیناً کسی ضروری کام ہی سے مجھ سے جدا ہوئے ہوگے۔ تم جس غرض سے روانہ ہوئے ہو وہ پوری کرو۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔" ہمزاد نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعہ وہ سب کچھ سن لیا جو میں نے اس سے کہا تھا۔ وہ میری کسی بات کا جواب دیئے بغیر پھر آگے بڑھ گیا۔ میں نے سوچا تھا کہ ہمزاد کو دیکھ کر اور اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں اپنا سلسلہ تصور منقطع کردوں گا مگر تجسس نے مجھے ایسا نہ کرنے دیا۔ میں فوری طور پر جاننا چاہتا تھا کہ ہمزاد مجھ سے بات کرتے کرتے اچانک کہاں غائب ہوگیا اور کیوں؟ میرا تصور ہمزاد کے تعاقب میں تھا۔ ہمزاد نیم تاریک دالان عبور کرکے حویلی میں داخل ہوا اور دائیں طرف بنے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں گھس گیا۔ کمرے کے فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے اور دیوار کے سہارے گاؤ تکیے رکھے تھے اور ایک طرف بڑی سی مسہری پر کوئی نوجوان اور خوب صورت شخص نیم دراز تھا۔ یہ نوجوان میرے لئے اجنبی تھا۔ میں نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کمرے میں نوجوان کے علاوہ دو افراد اور بھی موجود تھے جو گاؤ تکیوں سے کہنیاں ٹکائے نوجوان سے مصروف گفتگو تھے۔ ہمزاد کے کمرے میں داخل ہوتے ہی نہ جانے کیا ہوا کہ ان سب کے چہروں پر خوف سا نظر آنے لگا۔ شاید انہوں نے کمرے میں کسی نادیدہ وجود کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ سبھی بہت غور سے ہر سمت کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ آپس میں گفتگو کرتے کرتے اچانک رک گئے تھے۔ ان کے چہروں سے عجیب سی الجھن کا اظہار ہونے لگا تھا۔ کوئی ایسی الجھن جس کا اظہار وہ ایک دوسرے سے نہیں کرسکتے تھے۔ آخر وہ کہتے بھی کیا؟ بس غیر محسوس طور پر کمرے کی فضا انہیں بھاری بھاری محسوس ہونے لگی تھی۔ میں اس بات سے باخبر تھا کہ نادیدہ ہستیاں نظر نہ آنے کے باوجود کسی نہ کسی طرح اپنی موجودگی کا احساس دلا دیتی ہیں۔ اس کے ساتھ نادیدہ ہستیاں خصوصاً ہمزاد اس بات پر بھی قادر ہوتے ہیں کہ اپنے وجود کا احساس نہ ہونے دیں مگر جب ہمزاد نے انہیں اپنے وجود کا احساس دلایا تھا تو یقیناً ایسا کرنے میں اس کی کچھ مصلحت ضرور ہوگی جس سے میں بے خبر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد نوجوان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کھڑا ہے۔ نوجوان جیسے خواب کے سے عالم میں ایک ہی سمت دیکھے جارہا ہے۔ پھر یہی عمل کمرے میں موجود بقیہ دو افراد کے ساتھ بھی دہرایا گیا کمرے کی کنڈی اندر سے لگی ہوئی تھی لیکن ہمزاد نے اسے کھولنا ضروری نہ سمجھا کیونکہ وہ اس بات پر قادر تھا کہ بند دروازوں سے گزر سکے اور وہ بند دروازے سے گزر بھی گیا۔ میرا تصور ابھی تک اسی کمرے تک محدود تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد کے جانے کے بعد وہ سبھی ایک دم چونک پڑے اور ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"کیا ہوگیا تھا ہمیں؟ ہم باتیں کرتے کرتے ایک دم خاموش کیوں ہوگئے تھے۔"

"پتہ نہیں کیا ہوا تھا مجھے بس جیسے کسی نے میری قوت گویائی سلب کرلی تھی۔" مسہری پر نیم دراز نوجوان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہی ہم نے بھی محسوس کیا تھا۔" بقیہ دو نے کہا۔

"کہیں یہ مکان آسیب زدہ تو نہیں؟" فرش پر بیٹھے ہوئے متوسط عمر شخص نے نوجوان سے کہا۔

"نہیں' خیر ایسی کوئی بات تو نہیں۔ میری اطلاعات کے مطابق یہاں اکثر سرکاری مہمان آکر ٹھہرتے ہی رہتے ہیں۔" نوجوان نے جواب دیا۔

ان کی باتوں سے مجھے ان کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہورہا تھا کہ وہ کون ہیں؟ ہمزاد ان کے پاس کیوں اور کس غرض سے گیا تھا؟ اور مجھ سے یا ہمزاد سے ان لوگوں کا کیا تعلق ہے؟

"میں اسی تعلق کی تلاش میں وہاں تک گیا تھا اور میں نے تعلق تلاش کرلیا ہے۔" ہمزاد کی آواز نے میرے سلسلہ تصور کو منقطع کردیا اور میں نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ میں ان لوگوں میں الجھ کر بھول ہی گیا تھا کہ چند ہی لمحوں بعد خود ہمزاد مجھ تک پہنچ جائے گا اور مجھے ان لوگوں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔

"یہ ممکن تھا کہ رضیہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور کسی دوسرے ذریعے سے آپ کے لئے جسم حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی لیکن اب ایسا کرنا خود رضیہ کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب رضیہ کے دل میں آپ کے لئے کوئی محبت ہی نہیں رہی تو اس سے دوبارہ رابطہ پیدا کرنا بے سود ہے ممکن ہے کہ وہ جو نئی زندگی قبول کررہی ہے۔ وہ اس کے لئے خوشگوار مستقبل کی ضمانت ہو۔ رضیہ نے آپ کے لئے اپنی زندگی تباہ کرلی تھی۔ اگر اب اس کا گھر بس رہا تھا تو میں آپ سے

ایثار کی درخواست کرتا مگر اب ایسا ہوا تو وہ تباہ ہو جائے گی۔" ہمزاد میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

رضیہ کے بارے میں میرا تجسس کچھ اور بڑھ گیا۔ ہمزاد نے رضیہ کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا اس سے مجھے بھی اتفاق تھا اور عین ممکن تھا کہ اگر ہمزاد مجھے یہ مشورہ دیتا کہ میں رضیہ کو اس کے حال پر چھوڑ دوں تو میں اس کی بات مان لیتا۔ میں اس کی زندگی تباہ ہونے کا سبب تھا۔ اب اگر دوبارہ ایسے مواقع پیدا ہو رہے تھے جن سے وہ بہتر اور خوش گوار زندگی گزار سکے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا اور اس صورت میں تو کسی پریشانی کی بات ہی نہیں رہ جاتی تھی جبکہ ہمزاد اس بات پر بھی آمادہ تھا کہ میرے لئے وہ کسی اور ذریعے سے جسم حاصل کر لے گا۔ رضیہ نے ماضی میں میرے لئے قربانی دی تھی اور اب مجھے اس کے لئے قربانی دینے میں کوئی عار نہیں ہوتا۔ ممکن تھا کہ یہ سب کچھ ہوتا اور میں کسی طرح اپنے جی کو سمجھا لیتا اس طرح میرے بچے کا مستقبل بہتر ہونے کے بھی امکانات تھے۔ اسے بھی ایک سہارا مل جاتا۔ لڑکیاں ساری عمر ماں باپ کے گھر نہیں گزار سکتیں۔ مجھے اس بات کا بخوبی احساس تھا۔ مجبوری کی بات دوسری ہے۔ ہر شخص اپنے معاشرے میں باعزت زندگی گزارنے کا متمنی ہوتا ہے۔ اگر رضیہ کے ماں باپ کی یہ خواہش تھی تو اسے کسی طرح بے جا نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن مجھے ہمزاد سے، جو کچھ معلوم ہوا' اسے جاننے کے بعد اگر میں رضیہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا تو یہ اس پر مزید ظلم ہوتا۔

"اس کے دل میں دوبارہ آپ کی محبت پیدا کی جا سکتی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔" ہمزاد نے کہا۔

"ہاں' میرے خیال سے یہی اس مسئلے کا حل بھی ہے مگر ..." میں کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ کچھ کہتے ہوئے کیوں ہچکچا رہے ہیں۔ کسی کی تقدیر بدلنا نہ میرے اختیار میں ہے نہ آپ کے۔ میں اپنی پراسرار قوتوں کو اسی حد تک بروئے کار لا سکتا ہوں جہاں تک امکان میں ہو۔ جن خطوط پر ہم نے سوچا ہے ان میں رضیہ کا مستقبل کیا بنے گا؟ یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن یہ طے شدہ بات ہے کہ اس طرح ایک طرف تو آپ ایک جسم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے دوسری طرف رضیہ کا بھی ممکنہ تباہی سے بچنا ممکن ہو سکے گا۔ فی الحال ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ہماری پہلی ضرورت اپنی تکمیل ہے بعد میں جو کچھ ہوگا اسے سنبھالا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے وقتی طور پر حالات ہمارے قابو میں نہ رہیں اس لئے کہ میری تمام پراسرار قوتیں اس وقت تک بحال نہیں ہو سکیں گی جب تک کہ آپ نئے جسم سے پوری طرح ربط پیدا نہ کر لیں گے۔ اس دوران رضیہ کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں لیکن ان مشکلات پر بعد میں قابو پایا جا سکتا ہے۔"

ہمزاد کی گفتگو سے میرے دل میں پیدا ہونے والے اندیشے اور وسوسے ختم ہو گئے۔ رضیہ کے بارے میں اس سے مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ لیکن سب کچھ جاننے کے باوجود بھی میرے دل میں مستقبل کے بارے میں ایک تجسس بہرحال برقرار تھا کہ نہ جانے وہ سب کچھ ہو پائے یا نہ ہو پائے جو میں نے اور ہمزاد نے سوچا اور طے کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم نے جو کچھ سوچا تھا اس میں ہمارے مقصد کو افضیلت حاصل تھی۔ اسے ایک طرح سے خود غرضی بھی کہا جا سکتا ہے مگر اس وقت میں جن حالات سے دوچار تھا اس میں اس کے علاوہ اور کچھ ممکن بھی نہیں تھا۔

جس نوجوان کو میں نے اپنے تصور کی قوت کو بروئے کار لا کر دیکھا تھا اس کا نام سرفراز تھا اور اسی کے ساتھ رضیہ کی شادی طے ہوئی تھی اور بقیہ دو افراد اس کے ساتھی تھے۔ سرفراز نے اپنے بارے میں رضیہ کے والدین کو بتایا تھا کہ اس کا تعلق لکھنؤ سے ہے اور وہ وہاں کے ایک رئیس کا لڑکا ہے۔ سرفراز کے بیان کے مطابق وہ اپنے کچھ دوستوں سے ملنے بدایوں آیا تھا۔ پھر ایک دن اس کی نظر ایک دریچے کی طرف اٹھ گئی جس میں اس نے رضیہ کو دیکھا اور پہلی ہی نظر میں اپنا دل گنوا بیٹھا۔ سرفراز نے اس کا ذکر اپنے دوستوں سے کیا اور جب اسے بتایا گیا کہ جس لڑکی کو اس نے دیکھا اور پسند کیا ہے وہ کیسی ہے؟ تو اس کے کے دل کو صدمہ ہوا لیکن محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے سب کچھ قبول کر لیا۔ اسے اس کے دوستوں نے رضیہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا یہ بھی کہ وہ غیر شادی شدہ ہونے کے باوجود ایک بچے کی ماں ہے اور اس پر اپنے منگیتر کے قتل کا الزام بھی ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد سرفراز نے پہلے تو رضیہ کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو اس نے مجبور ہو کر اپنے دوستوں کو رضیہ کے والد کے پاس پیغام دے کر بھیجا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ پہلے تو رضیہ کے والد سخت متعجب ہوئے اور انہوں نے سرفراز کے دوستوں کو سمجھایا۔ لیکن جب انہیں یہ بتایا گیا کہ سرفراز کو رضیہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا ہے اور اس کے باوجود وہ فوری طور پر شادی کے لئے رضامند ہے تو رضیہ کے والد بھی پسیج گئے۔ انہیں تو جیسے ان کی کھوئی ہوئی عزت واپس مل رہی تھی۔ انہوں نے موقعے سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے سرفراز کے بارے میں بغیر کچھ

جانے بوجھے اور بغیر اسے دیکھے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ سرفراز کے دوستوں نے ان سے سرفراز کو دیکھنے کے لئے کہا اور جب وہ سرفراز سے ملے تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ایک تو وہ سرفراز کے لباس اور وضع قطع سے بہت متاثر ہوئے' دوسرے یہ دیکھ کر اور بھی نہال ہو گئے کہ لڑکا کنوارا بھی تھا اور بے انتہا خوب صورت بھی۔ پھر سرفراز کے دوستوں نے انہیں بتایا کہ لکھنؤ میں سرفراز کا خاندان معزز لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ سرفراز کے والد صاحب جائیداد اور دولت مند افراد میں سے ہیں۔ عام صورت میں بھی رضیہ کے والد کی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ انہیں اپنی دانست میں اتنا بڑا رشتہ مل جاتا۔ اگر رضیہ بالکل کنواری بھی ہوتی تو وہ اس رشتے کے لئے فوراً رضامندی ظاہر کر دیتے اور اس صورت میں جبکہ رضیہ جیسی لڑکی کو کوئی بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا' یہ رشتہ ان کے لئے نعمت خداوندی تھا۔ ان کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ انہیں محسوس ہوا جیسے ان کے دن پھر گئے ہوں۔ یہ واقعہ گزشتہ ہفتے کا تھا۔ دونوں ہی طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی۔ ادھر تو سرفراز بھی شادی کے لئے جلدی کر رہا تھا ادھر رضیہ کے والد خود اسی کوشش میں تھے کہ جلد سے جلد وہ رضیہ کو سرفراز کے سر منڈھ دیں۔ اس سے پہلے کہ سرفراز کے سر سے محبت کا بھوت اتر جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ شادی ہو جائے۔ شادی کے بعد تو سبھی کو اپنی عزت کا خیال ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی طرح سرفراز کو رضیہ کے ساتھ نبھانا ہی پڑے گا۔ اسی لئے جب سرفراز نے ان سے کہا کہ وہ دانستہ اپنے والد کو یا دوسرے عزیزوں کو اس شادی میں شریک کرنا نہیں چاہتا تو رضیہ کے والد فوراً یہ بات مان گئے۔ سرفراز نے ان سے کہا تھا کہ اگر اس نے اپنے والد اور دوسرے عزیزوں کو اس سلسلے میں پہلے سے کچھ بتایا یا انہیں یہاں بلایا تو یہ شادی کبھی نہ ہو پائے گی کیونکہ وہ لوگ یہاں شادی سے پہلے چھان بین کریں گے اور اس بارے میں انہیں بھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اس صورت میں وہ کبھی بھی شادی کے لئے اجازت نہیں دیں گے۔ لیکن رضیہ سے شادی ہونے کے بعد اگر انہیں رضیہ کے بارے میں کچھ معلوم بھی ہوا تو وہ مجبور ہوں گے اور اپنی عزت برقرار رکھنے کے لئے اس بات کو دبانے کی کوشش کریں گے۔ سرفراز کی یہ دلیل رضیہ کے والد کی سمجھ میں آ گئی تھی اور انہوں نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ اگر سرفراز اپنے والدین اور عزیزوں کو شادی میں شریک نہیں کرنا چاہتا تو انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ رضیہ کے والد اس بات سے اتنے خوف زدہ ہوئے کہ انہوں نے سرفراز کے والدین کے بارے میں بھی کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کہیں اس طرح ان کو کچھ سن گن نہ ہو جائے اور معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے' انہوں نے سرفراز اور اس کے دوستوں کے بیانات پر مکمل بھروسہ کر لیا تھا اور اپنی جگہ مطمئن تھے۔ انہوں نے سرفراز کو صاف صاف یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کے پاس سوائے لڑکی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس لئے کہ انہیں شادی کی تیاری کے لئے بھی وقت نہیں ملے گا جو کچھ پہلا کیا دھرا ہے اسی سے کام نکال لیا جائے گا۔ ایسا نہیں تھا کہ واقعی ان کے پاس رضیہ کو جہیز دینے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا بلکہ انہیں سرفراز کے مقابلے میں اپنی کم حیثیت ہونے کا احساس تھا۔ سرفراز تو جیسے شادی کے لئے پاگل ہو رہا تھا اس نے رضیہ کے والد کی ہر بات بے چوں و چرا مان لی۔ سرفراز کے دوست بھی بدایوں میں صاحب حیثیت افراد میں شامل تھے اور ان کے انگریز افسران سے بھی تعلقات تھے۔ اسی بنا پر شادی سے تین دن پہلے انہوں نے عارضی طور پر سرفراز کو وہ سرکاری عمارت مستعار دلا دی تھی جس میں اکثر انگریز افسران آ کر ٹھہرتے تھے۔ یہ عمارت پرانی اور شکستہ ہونے کے باوجود اندر سے بہت وسیع اور آرام دہ تھی۔ سرفراز کو یہاں ہر طرح کا آرام میسر تھا۔ سرفراز نے خود کو واقعی ایک رئیس زادہ ثابت کیا تھا۔ وہ خاصا فضول خرچ تھا اور اس کی یہ فضول خرچی اس وقت تو عروج پر پہنچ جاتی تھی جب وہ رضیہ کے والد سے ملتا تھا۔ وہ صورت شکل سے بھی ایک رئیس زادہ ہی لگتا تھا۔ سرفراز اور اس کے دوستوں کی خواہش پر اس کی شادی کو نہایت پوشیدہ رکھا گیا تھا اور رضیہ کے والد سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ نکاح کے وقت قاضی کے علاوہ صرف وہ لوگ موجود ہوں جو بحیثیت گواہ یا وکیل کے ضروری ہوں۔ رضیہ کے والد اس بات پر بھی آمادہ ہو گئے تھے۔ سرفراز کا ارادہ شادی کی دوسری ہی صبح بدایوں سے روانہ ہو جانے کا تھا۔ اس سلسلے میں بھی اس نے رضیہ کے والد سے کہہ دیا تھا۔ ظاہر ہے انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ تمام معاملات طے ہو چکے تھے اور اب اگلے دن سرکاری مہمان خانے کی عمارت میں نکاح پڑھایا جانے والا تھا۔

یہ سب تو وہ حالات تھے جو ظاہر میں تھے۔ اگر حقیقتاً ایسا ہی ہوتا تو رضیہ کے بارے میں ہمزاد کو یا مجھے کچھ سوچنے کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ سرفراز مکمل فراڈ تھا۔ وہ بردہ فروشوں کے ایک ایسے گروہ کا آلہ کار تھا جو صرف ہندوستان گیر بنیاد ہی پر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بردہ فروشی کا کاروبار کرتا تھا۔ سارے ہندوستان میں انہوں نے اپنے گرگے چھوڑ رکھے تھے جو کسی نہ کسی بہانے لڑکیوں کو پھانس کر ان تک

پہنچادیتے تھے۔ اس گروہ کا مرکز بمبئی تھا۔ سرفراز جیسے خوب صورت نوجوانوں کو بڑی بڑی تنخواہوں پر اپنے گروہ میں ملازم رکھتے تھے اور ان کے ذریعے اپنے کاروبار کو چمکاتے تھے۔ میں نے سرفراز کے ہمراہ جن دو افراد کو دیکھا تھا ان کا تعلق بھی اسی گروہ سے تھا۔ بظاہر وہ سرفراز کے نوکروں کی طرح رہتے تھے لیکن ان کا دوسرا کام صرف ان کی نگرانی کرنا ہوتا تھا۔ ان لوگوں کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ شکار کی نشاندہی کریں۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ لوگ کبھی کسی ایسی ویسی معمولی شکل و صورت کی لڑکی پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ سرفراز کو لے کر بدایوں بھی وہ کسی شکار ہی کی تلاش میں آئے تھے اور یہ اتفاق تھا کہ ان کی نظر رضیہ پر پڑ گئی تھی۔ تقریباً ہر شہر میں ان لوگوں نے سرمایہ داروں کے اوباش لڑکوں کو پھانس رکھا تھا جن کے لئے وقتاً فوقتاً وہ سامان عیش فراہم کرکے بھاری رقمیں بھی اینٹھتے رہتے تھے۔ اس طرح انہیں اس شہر میں ایک اچھا ٹھکانہ بھی ہاتھ آجاتا تھا اور جب کسی شکار کو پھانسنے کی نوبت آتی تھی تو یہی مقامی افراد ان کی ہر طرح مدد بھی کرتے تھے۔ جنہیں سرفراز کا دوست ظاہر کیا گیا تھا وہ بھی بدایوں کے ایسے ہی اوباش نوجوان تھے۔ سرفراز بظاہر جتنا بھولا بھالا معصوم اور شریف نظر آتا تھا درحقیقت اندر سے وہ اتنا ہی عیار، فطین اور دھوکے باز تھا۔ اس کے فریب کا یہ عالم تھا کہ وہ اس گروہ کے افراد کو بھی دھوکا دینے سے نہیں چوکتا تھا جو اسے شہزادوں کی سی زندگی بسر کرنے کے لئے روپیہ فراہم کرتے تھے۔ سرفراز بظاہر بہت فضول خرچ دکھائی دیتا تھا مگر اندر سے وہ اسی قدر خسیس اور روپے کا لالچی تھا۔ لالچ اس کی سرشت میں داخل تھا۔ وہ جب کسی لڑکی کو شکار کرتا تو اس تاک میں رہتا کہ موقع ملنے پر اسے کسی ایسے گروہ کے ہاتھ فروخت کردے جو اسے زیادہ سے زیادہ پیسے دے سکے۔ ایک آدھ بار وہ اپنے گروہ کو جل دینے میں کامیاب بھی ہوگیا تھا لیکن اس کا یہ مزاج گروہ کے سرکردہ افراد سے نہ چھپ سکا۔ اس کی نگرانی پہلے کی نسبت سخت کردی گئی۔ لیکن اس کے باوجود وہ کام دکھا جاتا۔ رضیہ کے سلسلے میں بھی ایسا ہی تھا۔ ادھر تو اس کے گروہ کے افراد نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ شادی کی پہلی رات گزرتے ہی صبح ہی صبح وہ سرفراز اور رضیہ کو لے کر رفو چکر ہوجائیں۔ ادھر سرفراز نے ایک اور ہی منصوبہ بنالیا تھا۔ اس نے رضیہ کو دیکھتے ہی بردہ فروشوں کے ایک اور گروہ سے رضیہ کا سودا کرلیا تھا یہ سب کام اس نے اس احتیاط خوب صورتی سے انجام دیا تھا کہ اس کے گروہ کے ان افراد کو اس پر ذرہ برابر شبہ نہ ہوپایا تھا جو ہر وقت سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ ان لوگوں سے اس نے آدھی رقم پیشگی بھی وصول کرلی تھی اور وہ لوگ بھی رضیہ کو کسی نہ کسی طرح دیکھ چکے تھے۔ ان سے سرفراز نے یہ پروگرام طے کیا تھا کہ وہ نصف شب کے قریب اس حویلی میں داخل ہوں گے۔ حویلی کا صدر دروازہ انہیں کھلا ملے گا۔ پھر وہ سیدھے اس کمرے کے دروازے تک پہنچ جائیں گے جس کے بارے میں پوری تفصیل سرفراز نے انہیں سمجھادی تھی۔ تین بار مخصوص قسم کا کھٹکا سننے کے بعد سرفراز ان کے لئے دروازہ کھول دے گا۔ پھر وہ لوگ بقیہ رقم ادا کرنے کے بعد رضیہ کے بے ہوش جسم کو اٹھانے سے پہلے اسے پلنگ سے باندھ دیں گے اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر چلے جائیں گے تاکہ صبح جب اس کے گروہ کے افراد سرفراز تک پہنچیں تو سرفراز انہیں رضیہ کے اغوا کی فرضی داستان سنا سکے۔ اس طرح سرفراز ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ ایک طرف تو وہ اپنے گروہ کے افراد کو مطمئن کردیتا، دوسری طرف وہ رضیہ کو ایک اور گروہ کے ہاتھ بیچ کر لمبی رقم اینٹھ لیتا۔ بظاہر سرفراز کا منصوبہ قطعی مکمل تھا۔

ہمزاد جو مجھ سے گفتگو کرتے کرتے ایک دم غائب ہوگیا تھا تو اسی سبب غائب ہوا تھا کہ کم از کم اس شخص سے مل کر اس کا ذہن پڑھ لے جس کے ساتھ رضیہ کی شادی ہونے والی تھی کہ آیا وہ شخص کون ہے؟ اور رضیہ جیسی لڑکی سے شادی پر کیوں مصر ہے۔ ہمزاد کا مشورہ یہ تھا کہ سرفراز کے منصوبے کو جوں کا توں برقرار رہنے دیا جائے اور اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ ہمزاد نے جو پروگرام طے کیا تھا۔ وہ اس طرح تھا کہ پہلے وہ رضیہ سے مل کر اس کے دل میں میری محبت پیدا کردے۔ پھر وہ آج ہی رات کے کسی حصے میں رضیہ کو اس خانقاہ میں میرے پاس اٹھا لائے اور میں اسے اپنی محبت کا یقین دلا کر اپنی مجبوریوں کی فرضی داستان سنا کر اسے اس بات پر آمادہ کرلوں کہ وہ میری خاطر سرفراز کو قتل کردے۔ جب رضیہ مجھ سے ملے تو میں اس پر سرفراز کا اصل روپ بھی ظاہر کردوں تاکہ رضیہ کے دل میں اس کے خلاف نفرت پیدا ہوسکے اور وہ میری بات مان لے۔ اس تمام پروگرام کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر تھا کہ رضیہ میری باتوں سے متاثر ہوجائے اور اس کے دل میں میرے لئے محبت کا وہ انتہائی شدید جذبہ پیدا ہوجائے کہ وہ میرے لئے سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہوجائے۔ اگر میں قتل نہ کیا جاچکا ہوتا تو ہمزاد کے لئے یہ بہت معمولی بات تھی کہ وہ کسی پر مسلط ہوکر جو چاہے کرالے لیکن میرے قتل نے اس کی پراسرار قوتوں کو بھی مفلوج کرکے رکھ دیا تھا۔ ہمزاد اس صورت حال میں رضیہ سے جبراً کچھ بھی نہیں کراسکتا تھا۔ رضیہ کی ذہنی آمادگی بے حد ضروری

تھی۔ ہمزاد کے بس میں صرف اتنا تھا کہ وہ رضیہ کے دل میں میری شدید محبت پیدا کردے۔ اس محبت کی آگ کو تیز کرنا میرا کام تھا اور پھر اسے سرفراز کے قتل پر آمادہ کرنا بھی میری ہی ذمے داری تھی۔ پچھلی بار رضیہ کو اختر کے قتل پر آمادہ کرنے کے لئے مجھے اور ہمزاد کو کافی وقت مل گیا تھا لیکن اس مرتبہ ہمارے پاس صرف ایک رات تھی۔ اسی ایک رات میں سب کچھ طے کرنا تھا۔ اس لئے مجھے اس بات کا بھی خدشہ لاحق تھا کہ کہیں ہمارا تمام منصوبہ ناکام ہی نہ ہوجائے۔

شام قریب تھی اور ہمزاد اس وقت رضیہ کے پاس روانہ ہونے کے لئے تیار تھا۔

"تم کتنی دیر میں لوٹ آؤ گے؟" میں نے ہمزاد سے یوں ہی پوچھا۔

"مجھے یقیناً وہاں کچھ وقت لگے گا تاکہ میں اس کے دل میں ہر وہ یاد تازہ کرسکوں جس سے آپ کا تعلق رہا ہے۔ عام حالات میں یہ کام صرف چند لمحوں کا تھا لیکن ایک تو اس وقت میری قوتیں بہت کم ہیں۔ دوسرے رضیہ کو آمادہ کرنے کے لئے ہمارے پاس وقت بھی صرف ایک رات کا ہے۔ اس لئے میں اپنی دانست میں اس بات کی پوری کوشش کروں گا کہ اس کے دل میں انتہائی شدید محبت پیدا کرسکوں۔ تاکہ بعد میں آپ کے لئے زیادہ کام باقی نہ رہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"تم نے مجھے ابھی تک آئندہ رات کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا کہ تم نے جو کچھ سوچا ہے اور مجھے بتایا ہے اس پر عمل کس طرح ہوگا؟" مجھے آئندہ رات کی فکر ابھی سے لگ گئی کیونکہ میری نظروں میں وہ منظر گھوم گیا تھا جب پچھلی مرتبہ مجھے اختر کا جسم اپنانا پڑا تھا، وہ لمحے میں نہیں بھولا تھا وہ بڑے اذیت ناک لمحے تھے۔

"کل رات جو کچھ ہوگا اسے مجھ پر چھوڑ دیجئے، ابھی آج رات کا مسئلہ طے ہوجانے دیجئے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

غالباً ہمزاد کل رات کے بارے میں کسی گفتگو سے اس لئے اجتناب برت رہا تھا کہ کہیں میں ابھی سے خوف میں مبتلا نہ ہوجاؤں۔ مجھے اس کے ٹالنے سے یہی اندازہ ہوا مگر جو کچھ ہونا تھا وہ بہرحال ہونا تھا اور وہی میرے لئے ضروری بھی تھا ورنہ میں ادھورا رہ جاتا اور ہمزاد کی قوتیں بھی بدستور سلب رہتیں۔ ایسی بے کیف و بے مقصد زندگی سے موت بہتر تھی۔ میں یہی سب کچھ سوچ کر خاموش ہوگیا اور ہمزاد مجھ سے اجازت طلب کرکے خانقاہ سے باہر نکل گیا۔

ہمزاد کے روانہ ہوتے ہی میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس چہرے کو دیکھوں جسے دیکھے برسوں گزر چکے تھے۔ کیا اب بھی اس چہرے پر وہی تازگی، وہی بہار ہے؟ کیا اب بھی ان بڑی بڑی آنکھوں میں وہی خوابناکی باقی ہے؟ کیا اب بھی اس جسم میں وہی لوچ اور ان ہونٹوں میں وہی مسیحائی ہے؟ میرے تصور کی سطح پر رضیہ کا چہرہ ابھرنے لگا اور اسی کے ساتھ میری سماعت سے ایک معصوم آواز ٹکرائی "امی! امی!" میں نے رضیہ کے رخسار کی طرف بڑھتے ہوئے دو ہونٹ دیکھے۔

"شریر کہیں کا!" رضیہ کی آشنا آواز نے مجھے برسوں پیچھے پہنچا دیا۔ تصور کا دائرہ وسیع ہوا۔ رضیہ نے بچے کو دور ہٹاتے ہوئے پیار سے جھڑکا۔

"ہم پال لیں گے۔ امی کا پال لیں گے۔" بچے نے ضد کی اور رضیہ نے اپنا رخسار بچے کی طرف بڑھا دیا۔

میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ بچے کے خدوخال ہو بہو مجھ جیسے تھے۔ یہی میری عمر گھٹ کر صرف پانچ چھ سال رہ گئی ہو۔ میں اس سے زیادہ کچھ دیکھنے کی تاب نہ لاسکا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری پلکیں بوجھل ہوچکی ہیں۔ آنسوؤں کے دو قطرے میرے رخساروں سے ڈھلک کر خانقاہ کے فرش پر گرے۔ محبت کے آنسو، ایک باپ کے آنسو جو اپنی اولاد کو اولاد نہیں کہہ سکتا تھا۔ جو اپنے بچے کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر پیار نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے اپنے بچے کی بھولی بھالی معصوم صورت بہت اچھی لگی۔ کاش میں اسے پیار کرسکتا مگر یہ صرف ایک خواہش تھی ایک ایسی خواہش جو پوری بھی ہوسکتی تھی اور ناتمام بھی رہ سکتی تھی۔ اسی خواہش نے مجھے مستقبل کے اندیشوں میں گم کر دیا۔ مجھے اپنے وجود سے نفرت سی محسوس ہوئی۔ میں کس قدر پتھر دل اور خود غرض تھا کہ میں نے رضیہ سے بچھڑنے کے بعد نہ تو کبھی اسے یاد کیا اور نہ ہی کبھی اپنے بچے کے بارے میں سوچا۔

رات کی آمد کے ساتھ ساتھ میری سانسیں تیز ہوتی چلی گئیں۔ ہمزاد اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکا تھا۔ رضیہ اب مجھ سے ملنے کے لئے بے تاب تھی۔ ہمزاد نے اسے بتایا تھا کہ نصف شب کے قریب وہ پھر آئے گا اور رضیہ کو لے جائے گا۔ ہمزاد کی قوتوں کے طفیل میری محبت نے رضیہ کے دل میں اس حد تک پاؤں جمالئے تھے کہ اس نے ہمزاد سے یہ پوچھنے تک کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی کہ ہمزاد اسے کہاں اور کیوں لے جانا چاہتا ہے؟ ہمزاد جب رضیہ سے مل کر آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ رضیہ کو اس نے محبت کی اس شدت تک پہنچا دیا ہے جہاں پہنچ کر ہر لڑکی سوائے اپنے محبوب کے کچھ اور سوچنے کی اہل نہیں رہتی۔

سامنے والی چھوٹی طاق میں چراغ روشن تھا اور میری

آنکھیں خانقاہ میں داخل ہونے والے محرابی دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ حالانکہ ہمزاد کو روانہ ہوئے ابھی صرف چند لمحے گزرے تھے۔ وہ اپنے ہمراہ رضیہ کو لے کر آنے والا تھا۔ انتظار کا ایک ایک لمحہ مجھے اپنی روح پر بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے ۔قت اپنی جگہ ٹھہر گیا تھا۔ ہمزاد کی گفتگو سن کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ میں رضیہ کو سرفراز کے قتل پر آمادہ کرلوں گا لیکن اس کے اوجود مجھے ایک دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ اگر رضیہ آمادہ نہ ہوئی تو کیا ہو گا۔ اس بار میں جلد سے جلد اپنی تکمیل چاہتا تھا۔ مہ پارہ سے قابلے کے دوران جب سے میں ایک ٹانگ سے معذور ہوا تھا زندگی کا لطف ہی غارت ہو گیا تھا۔ محتاجوں کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ میں ایک طویل عرصے تک اپنے وجود کو بیساکھیوں کے سہارے ادھر سے ادھر گھسیٹے پھرا تھا مگر میرے دل میں بھی خواہش تھی کہ کاش میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح چل سکوں۔ ب اس معذور ٹانگ ہی سے کیا مجھے اس پورے جسم سے نجات ل چکی تھی۔ میرے ذہن میں مستقبل کے خوشگوار لمحے گھومنے لگے جب میں بھی دوسروں کی طرح سینہ تان کر چل سکوں گا۔ میرے اس احساس کو وہ لوگ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں جو کسی سبب اپنے کسی جسمانی حصے کے بیکار ہو جانے سے معذور ہو چکے ہیں یا وہ لوگ جو اپنے سینوں میں دردمند دل رکھتے ہیں۔

ہوا کے ایک جھونکے سے چراغ کی لو تھرتھرائی۔ جھونکا بے سبب نہیں تھا۔ رضیہ کا جسم فضا میں تیرتا ہوا خانقاہ کے دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا یہ بے ہوش ہے؟" میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"ہاں مصلحتاً یہ ضروری تھا حالانکہ جب میں اس کے پاس پہنچا تو یہ جاگ رہی تھی۔" ہمزاد نے رضیہ کے جسم کو خانقاہ کے فرش پر دراز کرتے ہوئے جواب دیا۔ پھر ہمزاد کا سایہ اس کے چہرے پر لہرایا اور میں نے دیکھا کہ رضیہ نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ غالباً یہ جگہ اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھی۔ پھر جیسے ہی اس کی نظریں مجھ پر پڑیں وہ اچھل پڑی۔

"رضیہ!" میں نے اپنی آواز میں دنیا جہان کا دکھ سمیٹ لیا تھا۔

"تم..... تم...." وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"ہاں میں! رضیہ میں.....! میں ایک بار پھر ادھورا رہ گیا۔" میں نے جواب دیا "میں نے تم سے کہا تھا کہ میں بہت جلد لوٹ آؤں گا مگر تمہاری دنیا کے خدا نے مجھے عذابوں میں گرفتار کر دیا۔ مجھے اس بات کی سزا دی گئی تھی کہ میں نے تمہاری دنیا میں داخل ہونے کی کوشش کیوں کی اور تم جانتی ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا صرف اور صرف تمہارے لئے۔" میں کہتا رہا اور رضیہ کسی سحر زدہ کی طرح میری آواز سنتی رہی۔ میں نے اس سے گفتگو کے دوران اس بات کا پورا خیال رکھا تھا کہ اسے وہی تاثر دوں جو اس سے پہلے دے چکا ہوں۔ میں نے پہلے خود کو اس پر کسی اور ہی دنیا کا فرد ظاہر کیا تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہ سمجھے کہ میں نے پہلے اس سے جھوٹ بولا تھا۔ جیسے ہی میری بات ختم ہوئی رضیہ ایک دم اٹھ کر میری طرف بڑھی۔

مجھے یقین ہو گیا کہ اب رضیہ میری بات نہیں ٹالے گی۔ یہ اظہار مدعا کا وقت تھا۔

"رضیہ!" میرے ہونٹوں کو حرکت ہوئی "کیا تم..... تم میرے لئے ایک بار پھر قربانی دے سکتی ہو۔ کیا تم..... تم میرے لئے....." میں نے جان کر اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور اپنے فقرے کا تاثر اس کے چہرے پر تلاش کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی الجھن کے آثار تھے جس سے میں کوئی اندازہ قائم نہ کرسکا۔

"قربانی؟ کیسی قربانی؟" وہ بڑبڑائی جیسے خود کلامی میں مبتلا ہو۔

"ہماری تمہاری محبت ایک بار پھر آزمائش چاہتی ہے۔ تمہیں میری تکمیل کرنا ہے اپنے محبوب کی تکمیل۔ جس نے تمہاری محبت کی خاطر اپنا جسم گنوا دیا۔"

"جسم! جسم..... کیا تمہیں پھر جسم چاہئے؟" وہ وحشت زدہ سی ہو کر چیخی "میں...... میں اب تک اختر کی خون میں ڈوبی ہوئی لاش نہیں بھولی۔ نہیں! نہیں! میری محبت کا امتحان نہ لو میں ایسا نہیں کرسکتی۔ نہیں، نہیں۔" رضیہ کے انکار نے جیسے میری روح کو دو نیم کر دیا مجھے اپنے مستقبل کے خواب کجلاتے محسوس ہوئے۔

"ٹھیک ہے۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ اب میں تمہاری دنیا میں کبھی نہیں آؤں گا۔ کبھی نہیں۔" میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور مجھے اپنی آواز پر خود بھی حیرت ہوئی کہ میں نے اتنی زبردست اداکاری کس طرح کرلی۔ میں پھر بولا "میں تمہاری دنیا سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ بہت دور جہاں سے میری کراہیں اور سسکیاں تم تک نہ پہنچ پائیں۔ میں نے محبت کی تھی گناہ کیا تھا اور میں اس گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے..... مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں... کوئی گلہ نہیں۔" میرا گلا ایک بار پھر رندھ گیا۔

"نہیں! نہیں تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے..... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہوں گی۔" رضیہ ہذیانی انداز میں چیخی "تم مجھ پر یہ ظلم نہیں کرسکتے۔ میں نے تمہارے لئے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔"

"اور شاید اسی لئے تم شادی کررہی ہو۔" میں نے گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اب میری آواز میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا میرا انداز بالکل دل برداشتوں کا سا تھا۔

"شادی؟ ہاں شادی مگر نہیں اب یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں۔ میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔ میں ساری زندگی تمہارا انتظار کرسکتی ہوں۔ اور جب میں نے تمہیں پالیا ہے تو مجھے کوئی طاقت اس بات پر مجبور نہیں کرسکتی کہ میں کسی اور سے شادی کرلوں۔ تم چاہو تو مجھے چھوڑ کر جاسکتے ہو۔ میری محبت کو ٹھکرا سکتے ہو۔ لیکن .... میرے دل سے اپنی یاد جدا نہیں کرسکتے۔"

مجھے معلوم تھا کہ رضیہ کے ان جملوں میں ہمزاد کی پراسرار قوتوں کو کتنا دخل تھا اس لئے میرا ان جملوں سے متاثر ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ حقیقت کا علم مجھے پہلے ہی ہو چکا تھا کہ رضیہ نے مجھے بھلا دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بے وفاؤں کو لڑکیاں بھلا دیتی ہیں لیکن یہ سب جاننے کے باوجود بھی میں نے اپنی اداکاری جاری رکھی اور میری اداکاری آخر رنگ لا کر ہی رہی۔ میں نے رضیہ کو سرفراز کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا اور اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا کہ سرفراز کے لئے اس کے دل میں نفرت پیدا کرسکوں۔ رضیہ نے سرفراز کے بارے میں سب کچھ جاننے کے بعد طیش میں آکر کہا تھا۔

"وہ ... وہ مجھے فروخت کرنا چاہتا تھا۔ میں اس کا خون پی جاؤں گی۔ اس نے دھوکا دیا تھا۔ وہ دھوکے باز ہے اسے سزا ضرور ملنی چاہئے اور وہ سزا اسے میں دوں گی۔"

میں یہی چاہتا بھی تھا۔ رضیہ آمادہ تو ہو گئی تھی لیکن اب ایک اور الجھن تھی وہ سرفراز کے ساتھ نکاح کرنے پر ہرگز تیار نہیں تھی اور اگر وہ ایسا نہ کرتی تو ہمارا پورا منصوبہ ہی ناکام ہو جاتا۔

"یہ بہت ضروری ہے رضیہ! بہت ضروری۔ ورنہ ہم سخت خطرے میں گھر جائیں گے۔"

پھر وہ بڑی منتوں سماجتوں اور سمجھانے بجھانے کے بعد سرفراز کے ساتھ نکاح پر تیار ہو سکی تھی۔ صبح سے پہلے میں نے رضیہ کو وہاں سے روانہ کر دیا۔ چلتے وقت میں نے اس سے کہا تھا کہ بقیہ باتیں کل دن میں کسی وقت میں اسے سمجھا دوں گا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ میں نے دانستہ اس وقت کل رات کے بارے میں رضیہ سے کچھ نہیں کہا تھا اس لئے کہ میرے علم ہی میں نہیں تھا کہ ہمزاد کیا پروگرام بنا چکا ہے۔ اس نے ابھی مجھے تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ ہمزاد نے رضیہ کو بے ہوش کیا اور روانہ ہو گیا۔ میری آنکھوں میں بھی نیند کروٹیں لینے لگی۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہمزاد رضیہ کو اس کی حویلی میں پہنچا کر کب واپس ہوا کیونکہ اس کی واپسی تک میں گہری نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

وہ پورا دن میں نے زیادہ تر سوتے ہوئے گزارا اس لئے کہ ہمزاد نے مجھ سے کہا تھا کہ آئندہ رات ممکن ہے مجھے ایک لمحے بھی سونا نصیب نہ ہو۔ ایک بار جب وہ دوپہر کے بعد رضیہ سے مل کر واپس آیا تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اب تک رات کی تفصیلات اس سے معلوم نہیں کی تھی۔ میں لاعلم تھا کہ اس نے رضیہ سے مل کر کیا پروگرام طے کیا ہے۔ عصر اور مغرب کے درمیان رضیہ کا نکاح ہونے والا تھا۔ میں ہمزاد سے یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ اس نے سرفراز کے قتل کے بارے میں کیا منصوبہ بنایا ہے؟

"آپ کو اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی ہمزاد نے کہا "آپ کے لئے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ رات ہوتے ہی میں آپ کو یہاں سے لے کر اس حویلی کی طرف روانہ ہو جاؤں گا جہاں سرفراز ٹھہرا ہوا ہے۔ میں آپ کو اس کمرے میں پہلے ہی پہنچا دینا چاہتا ہوں جس کو سرفراز اور اس کے ساتھیوں نے شب عروسی کے لئے سجایا ہے۔ پھر جو کچھ ہو گا آپ کی نظروں کے سامنے ہو گا۔ فی الحال آپ کے لئے آرام بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کو نیند نہیں آرہی تو میں سلا دوں؟" ہمزاد نے پوچھا۔

"نہیں میں سویا جاتا ہوں۔ میرے اطمینان کے لئے یہی کافی ہے کہ تم پوری طرح مستعد اور چاق و چوبند ہو۔" میں نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔

پھر جب میں جاگا تو مجھے خوشبو کا احساس ہوا۔ میں نے آنکھیں کھولتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ میں خانقاہ میں نہیں ہوں۔ ہمزاد میرے قریب ہی موجود تھا۔ میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے دانستہ بولنے سے اجتناب کیا تھا۔

"میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہاں لانے سے پہلے آپ کو بیدار کردوں۔ آپ اس وقت گہری نیند میں تھے۔ میں نے سوچا کہ اچھا ہے آپ کو آرام مل جائے۔ آپ نے اس وقت بولنے سے پرہیز کرکے ذہانت کا ثبوت دیا ہے کیونکہ رضیہ اسی کمرے میں موجود ہے اور سرفراز چند ہی لمحوں بعد یہاں داخل ہونے والا ہے۔ میری آواز سننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن وہ آپ کی آواز سن کر یقیناً کسی شبے میں پڑ جاتا۔ آپ اس وقت تک خاموش ہی رہیں جب تک کہ رضیہ سرفراز کو بے ہوش نہ

کردے۔" ہمزاد کی گفتگو ہی کے دوران میں نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی ہمزاد کی اطلاع کے مطابق وہ سرفراز ہی ہو سکتا تھا۔

ہمزاد مجھے سرفراز کے کمرہ عروسی میں لے آیا تھا اور اس نے میرے سر کو ایسی جگہ چھپایا تھا جہاں سرفراز کی نظر پڑنا محال تھی۔ میرا سر پھولوں کے ایک ٹوکرے میں رکھا تھا جس میں اوپر تک پھول بھرے ہوئے تھے اور یہ ٹوکرا کمرے میں بائیں جانب رکھی ہوئی ایک لکڑی کی بڑی سی الماری کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ مجھے یہاں سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا سوائے چھت اور سامنے والے روشندانوں کے!

میرے دل میں سرفراز اور رضیہ کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور میں نے بغیر کسی تامل کے اپنے سلسلہ تصور کو چھیڑا۔ رضیہ دلہن کے لباس میں بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ گورا رنگ اور اس پر سرخ لباس، پھر زیورات نے تو اس کے رنگ و روپ کو اور چار چاند لگا دیئے تھے۔ سرفراز رضیہ کی ٹھوڑی پکڑے اس کے چہرے کو اوپر اٹھا رہا تھا۔ رضیہ کی آنکھیں بند تھیں۔ جیسے وہ واقعی شرما رہی ہو حالانکہ میرے علم تھا کہ رضیہ اسے قتل کرنے کے لئے بے تاب ہے لیکن وہ جلد بازی کر کے معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ ہی دیر میں تکلف کی فضا ختم ہو گئی اور رضیہ نے آنکھیں کھول دیں۔

"کتنی پیاری ہو تم۔" سرفراز نے کہا۔

لیکن رضیہ نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور سرفراز کی مسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ کچھ دیر تو سرفراز رضیہ کے اس طرح بچنے کو اس کے ناز و انداز پر محمول کرتا رہا لیکن جب یہ عرصہ طویل ہی ہوتا چلا گیا تو اس پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔

"کیا پوری رات اسی طرح گزار دو گی۔" اس نے جھنجلا کر کہا اور پھر نہ جانے اس کے جی میں کیا آیا کہ اس کا لہجہ اچانک نرم پڑ گیا۔ وہ بولا "رضیہ! یہ رات پھر لوٹ کر نہیں آئے گی۔ میں نے تمہارے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود تمہیں قبول کیا ہے۔ میں نے تمہارے بچے کی ذمہ داری بھی قبول کر لی ہے۔ اس بچے کی ذمے داری جس سے میرا صرف اتنا تعلق ہے کہ اس کی رگوں میں تمہارا خون گردش کر رہا ہے۔" یہ فقرے سرفراز نے اپنی دانست میں رضیہ کو رام کرنے کے لئے کہے تھے مگر ان کا بھی رضیہ پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ پھر اس کے کچھ دیر بعد ہی دور کہیں سے رات کے بارہ بجے کے گھنٹوں کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سرفراز کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ چند لمحوں ہی میں اس کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔ اس نے نہایت احتیاط سے اپنی شیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک گلاب کا پھول نکال لیا۔

"دیکھو کیسا پیارا پھول ہے۔" سرفراز نے رضیہ کی طرف پھول بڑھاتے ہوئے کہا۔ رضیہ پیچھے ہٹ گئی میں نے محسوس کیا کہ رضیہ پھول اپنے ہاتھ میں لینے سے گریز کر رہی ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رضیہ کا ایک ہاتھ تکیے کے نیچے رینگ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں بھی گلاب کا ایک پھول تھا۔

"دونوں ایک دوسرے کو شکار کرنے کی کوشش میں ہیں۔" ہمزاد کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی مگر نہ تو میں نے اپنا سلسلہ تصور ہی منقطع کیا اور نہ ہمزاد کی بات کا کوئی جواب دیا۔ میں پوری محویت سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"دیکھئے یہ پھول بھی کتنا پیارا ہے۔" رضیہ پہلی بار بولی اور یہ کہتے ہوئے اس نے پھول سرفراز کی ناک کی طرف بڑھایا۔

"ہاں واقعی، لاؤ یہ پھول مجھے دے دو۔ لاؤ ہم اپنے پھولوں کا تبادلہ کر لیں۔ تم میرے پھول کی خوشبو سونگھو اور میں تمہارے پھول سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے سرفراز نے رضیہ کے ہاتھ سے پھول لے لیا اور اپنا پھول اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"سونگھو نا!" سرفراز کی آواز میں، میں نے بے چینی محسوس کی "دیکھو میں تمہارا پھول سو..." سرفراز اپنا جملہ مکمل نہ کر پایا کیونکہ رضیہ کا دیا ہوا پھول اس نے اپنی ناک سے لگایا تھا۔ تاکہ رضیہ بھی اس کا پھول سونگھنے لگے لیکن رضیہ نے اس کے ہاتھ سے پھول لے کر تکیے کی دائیں جانب رکھ دیا تھا۔ پھول سونگھتے ہی سرفراز اوندھے منہ بستر پر گر پڑا۔

"تو مجھے یہ پھول سنگھا کر بے ہوش کرنا چاہتا تھا۔ کمینے!" رضیہ کی غصیلی آواز سنائی دی اور اب میری سمجھ میں ہمزاد کا وہ فقرہ آیا کہ دونوں ایک دوسرے کو شکار کرنے کی کوشش میں ہیں۔ رضیہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ پھر بڑبڑائی "تو مجھے بردہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کر چکا تھا۔ تو مجھے بے ہوش کر کے ان کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سرفراز کے جسم کو سیدھا کر دیا۔

"رضیہ! اب دیر نہ کرو! وقت بہت کم ہے۔" مجھے ہمزاد کی آواز سنائی دی۔

"نہیں اب دیر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس دھوکے باز کو ابھی جہنم رسید کرتی ہوں۔" یہ کہہ کر رضیہ مڑی اور تکیے کے نیچے سے ایک تیز دھار چمکتا ہوا خنجر نکال لیا اور اس وقت کمرے کے دروازے پر تین بار تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہلکی دستکیں سنائی دیں۔ رضیہ ایک لمحے کے لئے چونکی اور اس کا

ہاتھ رک گیا۔

"دستکوں پر دھیان نہ دو رضیہ! میری موجودگی میں کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" ہمزاد نے رضیہ کو مخاطب کیا۔

ہمزاد کی آواز سن کر جیسے رضیہ میں دوبارہ زندگی لوٹ آئی اور اس نے سرفراز کے گلے پر خنجر رکھ دیا۔

"تم اپنی محبت کے عظیم امتحان سے گزر رہی ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم اس میں پوری اترو گی۔" ہمزاد کی آواز پھر ابھری۔ وہ رضیہ کو برابر قتل کی ترغیب دے رہا تھا۔ رضیہ نے ایک بار چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیزی سے سرفراز کی گردن پر خنجر پھیر دیا۔ سرفراز کے گلے سے خر خر کی آوازیں نکل رہی تھیں اور سفید چادر پر اس کا گاڑھا گاڑھا تازہ سرخ خون پھیل رہا تھا۔ خون کی ایک تیز دھار رضیہ کے کپڑوں سے بھی ٹکرائی اور اس کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے رکا۔

"تمہیں اس کی پوری گردن کاٹنی ہے اور تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ تم یقیناً اس فریبی کا سر اس کے جسم سے جدا کر دو گی۔" ہمزاد نے رضیہ کو ایک بار پھر تحریک دلائی لیکن اس مرتبہ اس کا فقرہ رائیگاں چلا گیا۔ رضیہ کے ہاتھوں کو حرکت نہ ہوئی۔

"رضیہ! رضیہ!" ہمزاد چیخا "ہوش میں آؤ۔ ورنہ میرے ساتھ تم اپنے لئے بھی مصیبتیں کھڑی کر لو گی اور پھر میں تمہیں اپنی دنیا کی ملکہ نہیں بنا پاؤں گا۔"

"تم مجھے اپنی دنیا میں لے جاؤ گے نا؟" رضیہ جیسے خواب کے سے عالم میں بولی۔

"ہاں! میں تمہیں لے جاؤں گا۔ دکھوں کی اس دنیا سے بہت دور جہاں صرف تمہارا حکم چلے گا۔" ہمزاد نے بے تابی سے کہا۔

"اور میرے بچے کو بھی؟" رضیہ نے پھر سوال کیا۔

"ہاں اسے بھی وہ بھی تمہارے ساتھ ہی چلے گا مگر جلدی کرو۔"

میرے علم میں تھا کہ ہمزاد کو اتنی بے چینی کیوں ہے؟ اگر کچھ وقت اور اسی طرح گزر جاتا تو سرفراز کی لاش ٹھنڈی ہو جاتی اور اس کے جسم کی حرارت ضائع ہونے کے بعد سارا کھیل ہی ختم ہو جاتا۔ ہمزاد اس کے جسم سے میرے کٹے ہوئے سر کو نہ جوڑ پاتا کیونکہ یہ ممکن ہی نہ ہوتا۔ میں اس صورت میں اس کے جسم سے کوئی ربط پیدا نہ کر پاتا۔ تجسس و بے چینی کے یہ لمحے جتنے طویل ہوتے جا رہے تھے۔ اتنی ہی میری بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی پھر نہ جانے کیا ہوا کہ رضیہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور میری روح لرز اٹھی۔ وہ بستر سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی اور کھلا ہوا خون آلود خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔

"صرف چند لمحے، صرف چند لمحے۔" ہمزاد نے بے چینی سے کہا "اگر ان چند لمحوں میں رضیہ نے سرفراز کا سر اس کے جسم سے جدا نہ کیا تو سارے کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔" پھر ہمزاد نے رضیہ کو پکارا۔

"رضیہ! رضیہ سنو کہاں جا رہی ہو تم؟"

"اپنے بچے کو لینے۔" رضیہ جیسے خواب میں بولی "تم.... تم پہلے بھی مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ مگر اس بار میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔"

یہ بڑے نازک لمحے تھے۔ رضیہ دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ اگر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل جاتی تو نہ جانے کیا صورت حال پیش آتی۔ میں نے ہمزاد کے سائے کو اس کے قریب لہراتے دیکھا۔ وہ اس کی راہ میں حائل ہو گیا تھا اور براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی تھیں۔

"تم سرفراز کا سر اس کے جسم سے جدا کئے بغیر کہیں نہیں جاؤ گی۔ تمہیں فوراً یہ کام کرنا ہے فوراً۔ اس پر تمہاری اور تمہارے بچے کی زندگی کا دارومدار ہے" میں نے ہمزاد کی آواز سنی "لوٹو پیچھے لوٹو!"

رضیہ ایک دم کسی سحر زدہ کی طرح مڑی جیسے وہ گہری نیند میں چل رہی ہو۔ خنجر ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا لیکن اب خنجر پر اس کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔ پھر چند ہی لمحوں میں وہ سب کچھ ہو گیا۔ جس کے لئے میں کل سے بے چین تھا۔ ہمزاد میرے قریب آیا اور بغیر کچھ کہے اس نے پھولوں کے ٹوکرے سے میرا سر اٹھایا اور سرفراز کے سربریدہ جسم تک پہنچ گیا۔ میرے ذہن میں وہ لمحے تازہ ہو گئے جب میں نے اختر کا جسم حاصل کیا تھا۔ تکلیف و اذیت کے شدید احساس سے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اسی لمحے میں نے اپنی گردن پر زور کا جھٹکا محسوس کیا جیسے کسی نے میری گردن کی ہڈی توڑ دی ہو۔ میں نے چیخنا چاہا لیکن جیسے میرے حلق میں کوئی گولا سا اٹک گیا۔ پھر مجھے ایسا لگا جیسے کوئی میری گردن پر تیز دھار خنجر پھیر رہا ہو۔ میں یہ اذیت برداشت نہ کر سکا اور میرا ذہن تاریک ہوتا چلا گیا۔ اپنے حواس کھونے سے پہلے میں صرف اتنا دیکھ پایا تھا کہ رضیہ دہشت زدہ سی ہو کر دروازے کی طرف بھاگی تھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ پھر اس کی پوری چیخ نہ سن پایا تھا کہ تکلیف و اذیت نے مجھے عالم بے خبری میں پہنچا دیا۔

ہوش آنے پر میری پہلی نظر اپنے جسم پر پڑی اور تکلیف کے باوجود میں نے اپنے دل میں مسرت کی لہر محسوس کی۔ میرے

علم میں تھا کہ مجھے اس عالم میں پورے چالیس دن گزارنے ہیں اور یہ دکھ بھرے دن بیت جانے کے بعد ایک بار پھر مجھے نئی زندگی مل جائے گی۔ نئی اور بھرپور زندگی۔ پھر میں اپنی تشنہ خواہشات پوری کرسکوں گا۔ چند دن سکون کا سانس لے سکوں گا۔

ہمزاد میرے قریب ہی موجود تھا۔ میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن اس نے اشارے سے مجھ منع کردیا۔ میرے ذہن میں مختلف خیالات گردش کررہے تھے۔ میں فوری طور پر رضیہ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ اس پر کیا گزری؟ اور اسی غرض سے میں نے ہمزاد کو مخاطب کرنے کی کوشش کی تھی۔

"آپ کے ذہن میں جو تجسس اور الجھن ہے اس سے میں بخوبی آگاہ ہوں لیکن فی الوقت آپ کے لئے بولنا خطرے سے خالی نہیں۔ آپ کو نئے جسم سے ربط پیدا کرنے کے لئے صبر و تحمل کا ثبوت دینا ہوگا۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے ذہن سے تمام سوالات کو جھٹک دیں۔ اس حالت میں آپ کا ذہن اس کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ آپ زیادہ غور و فکر کرسکیں۔ دو چار دن گزار لینے دیجئے پھر آپ کی حالت کچھ بہتر ہوجائے گی اور آپ کو اپنے سوالات کے جواب مل جائیں گے" ہمزاد کی نرم آواز سنائی دی۔ اس نے بہت محبت بھرے لہجے میں مجھے سمجھایا تھا اس لئے میں نے تجسس اور الجھن کے باوجود اس کا مشورہ قبول کرلیا۔

وہ تین دن میں نے کس عذاب میں بسر کئے' بیان سے باہر ہے' میں مسلسل ہوش اور بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار رہا۔ یہ تکلیف و اذیت پہلے کی نسبت بہت زیادہ تھی جس کا سبب بعد میں مجھے معلوم ہوسکا۔ ہمزاد نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سرفراز کا جسم اس حد تک گرم نہ رہ سکا تھا جس کی ضرورت تھی اور اس نئے جسم سے ربط پیدا کرنے میں اسی لئے مجھے اتنی پریشانیوں سے گزرنا پڑا تھا۔ تکلیف زیادہ بڑھتی اور میرے منہ سے کراہیں نکلنے لگتیں تو ہمزاد مجھے بے ہوش کردیتا اور پھر کچھ دیر بعد ہوش میں لے آتا کیونکہ طویل بے ہوشی میری زندگی کے لئے خطرناک بھی ہوسکتی تھی۔ اسی لئے مجھے مجبوراً اذیت برداشت کرنی پڑرہی تھی۔ تکلیف کی شدت اس قدر تھی کہ میں سوائے تکلیف کے متعلق سوچنے کے اور کچھ نہ سوچ پاتا تھا اور اس عرصے میں میرے ذہن سے رضیہ کے بارے میں سارا تجسس ختم ہوگیا تھا۔ جب آدمی کی اپنی زندگی خطرے سے دوچار ہو تو وہ دوسروں کے بارے میں کچھ کم ہی سوچ پاتا ہے چاہے اس شخص سے اس کا کتنا ہی گہرا جذباتی رشتہ ہو جس کے بارے میں وہ کچھ جاننا چاہتا ہو۔ تین دکھ بھرے دن گزرنے کے بعد مجھے کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ اس دوران میں نے ہمزاد کو بھی سخت اذیت میں مبتلا دیکھا تھا۔ جب بھی میری نظر اس کے چہرے پر پڑتی میں محسوس کرتا کہ وہ بھی میرے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔ آدمی بھی عجیب شے ہے' کسی دوسرے کو بھی اپنے ساتھ تکلیف میں مبتلا دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ مزید مصائب برداشت کرنے کے لئے خود کو تیار کرلیتا ہے۔ یہی کیفیت کچھ میری بھی تھی مجھے ہمزاد کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوتا اور میرے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا کہ میں اکیلا نہیں ہوں کوئی اور ہستی بھی میرے ساتھ ہے۔ میں نے یہ تین دن گزر جانے کے بعد محسوس کیا کہ میں اپنے جسم کو معمولی سی حرکت دے سکتا ہوں۔ میں نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی اور میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ میں نے اپنی کوشش ترک کردی اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ابھی اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش نہ کیجئے!" ہمزاد نے محسوس کرلیا کہ میں اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کررہا ہوں۔

"ہمزاد!" میں نے بمشکل کہا۔ مجھے اس وقت خود اپنی آواز اجنبی سی لگی جیسے کسی بچے کی باریک سی آواز۔

ساتویں دن میں نے خود کو اس قابل محسوس کیا کہ بول سکوں۔ اس احساس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں بھولے ہوئے سوالات تازہ ہوگئے اور میں ان کے جوابات معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہوگیا۔ میں رضیہ کے بارے میں سب کچھ جاننے کے لئے ایک بار پھر بے چین ہوگیا تھا اور میری بے چینی ہمزاد سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ پھر ہمزاد نے مجھے رضیہ کے بارے میں جو کچھ بتایا اس نے مجھے سخت مضطرب کردیا۔ وہ واقعات ہی ایسے تھے۔

"یہ دن کب پورے ہوں گے۔ کب پورے ہوں گے یہ دن؟" میں نے بے تابی سے کہا۔

"جہاں اتنے دن بیت چکے ہیں یہ دن بھی گزر جائیں گے" ہمزاد نے مجھے تسلی دی۔

"نہیں..... رضیہ کو تباہ نہیں ہونے دوں گا۔ ہرگز نہیں..... وہ..... وہ..... میرے بچے کی ماں ہے" میں بولا۔

"فی الحال تو میں ایسی حالت سے دوچار ہوں کہ اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم بھی نہیں کرسکتا۔ میرے امکان میں صرف یہ ہے کہ اگر اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوجائے تو خاموشی اختیار کرلوں اس لئے کہ میں اس وقت اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ کیا خبر..... کون جانے..... وہ تباہ ہونے سے بچی بھی ہے یا نہیں۔ وہ دنیا ہی ایسی ہے جہاں صرف جان دے کر

عزت و آبرو کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔" ہمزاد کے لہجے میں اداسی تھی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ یہ انتہائی قدم اٹھا چکی ہو۔ ہمزاد! اگر ایسا ہوا تو میں..... میں ان بازاروں کو اور ان گلی کوچوں کو جہنم کا نمونہ بنادوں گا" میری آواز غصے سے کانپنے لگی۔

"نہیں۔ وہ ابھی زندہ ہے" ہمزاد نے جواب دیا۔

پھر مجھے جیسے کچھ یاد آگیا۔ میں بڑبڑایا "میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔ میں اس کی آواز سن سکتا ہوں۔"

"آپ کا اضطراب اور بڑھ جائے گا۔ آپ اور پریشان ہوجائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ چالیس دن گزر جانے دیں۔ اس سے پہلے ہم اس کے لئے کچھ بھی نہ کرپائیں گے اور اگر اسے آپ نے کسی مصیبت میں مبتلا دیکھا تو آپ کی روح اور بھی مضطرب ہوجائے گی۔ بے بسی اور مجبوری کا احساس اور شدت اختیار کرلے گا۔ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ آپ تصور کی قوت کو متحرک کرکے اسے دیکھ سکتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ ایسا نہ کریں" ہمزاد کے لہجے میں درخواست تھی' گزارش تھی' لجاجت تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس میں میری ہی بہتری مضمر تھی۔ میں نے خود پر جبر کرکے اس کی بات مان لی اور وہ میری طرف تشکر آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

اور پھر ایک روز!

"مبارک ہو آپ کو کہ آپ نے دکھ بھرے چالیس دن گزار لئے۔ نئی زندگی مبارک ہو۔ ہم آج ہی یہ شہر چھوڑ رہے ہیں" ہمزاد کی آواز میں خوشی کا عنصر شامل تھا۔

میرے سامنے اس وقت انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ میں کچھ دیر پہلے ہی غسل کرکے نئے کپڑے پہن چکا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب پہلی بار میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تھا تو میں نے ایک ایسی مسرت محسوس کی تھی جیسے ساری کائنات میری جھولی میں آپڑی ہو۔ میں نے خوشی سے پاگل ہوکر ہمزاد کو گلے لگانا چاہا تھا اور اس کوشش میں خود اپنے ہی دونوں بازو فضا میں لہرا کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ ہمزاد کا وجود مادی نہیں تھا۔

یہ شام کا وقت تھا۔ خانقاہ میں ہلکا ہلکا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ ہمزاد نے چراغ روشن کردیا۔

"یہ سفر ہم کس طرح طے کریں گے؟" میں نے ہمزاد سے دریافت کیا۔

"جیسے آپ چاہیں گے۔ آج مسرتوں کا دن ہے۔ آج ہمیں ایک نئی زندگی ملی ہے۔ آج کا دن خدشوں اور وسوسوں کا دن نہیں ہے" ہمزاد نے جذبات سے بھرپور آواز میں جواب دیا۔

"ہم جس قدر جلد رضیہ تک پہنچ جائیں بہتر ہے۔ میں اب زیادہ صبر نہیں کرسکتا۔"

"ممکن تو یہ بھی ہے کہ ہم آج ہی وہاں پہنچ جائیں" ہمزاد نے جواب دیا۔

"تو پھر ہمیں آج ہی وہاں پہنچنا چاہئے اور ہم آج ہی وہاں تک پہنچ جائیں گے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

ایک بار پھر میں سحر وافسوں کی سرزمین تک پہنچ چکا تھا۔ بنگال' جہاں اس سے پیشتر مجھے صرف چند دن گزارنے کا موقع ملا تھا اور وہ بھی انتہائی ہنگامی حالات میں۔ میں نے بنگال کو بہت جلد چھوڑ دیا تھا۔ میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ بنگال کی مٹی اپنی طرف کھینچتی ہے۔ متعدد اشعار بھی میں نے اس سلسلے میں پڑھے تھے' لیکن اس سے پہلے مجھ پر ایسا کوئی تاثر قائم نہیں ہوا تھا پر اس بار میں نے بنگال کو محسوس کیا۔ یہاں میں نے اپنی زندگی کے حسین دن اور خوب صورت راتیں گزاریں۔ یہاں میں نے موت اور زندگی کا کھیل کھیلا۔ اگر بدایوں کے بعد کسی شہر کے گلی کوچوں' در و دیوار اور بازاروں کی خوشبو سے میں نے محبت کی ہے تو وہ شہر کلکتہ ہے۔ بنگال کا دل کلکتہ۔

سرفراز کے جسم سے ربط پیدا کرنے کے دوران مجھے رضیہ کے بارے میں جس بات نے فکر و تجسس میں مبتلا کردیا تھا وہ بات کچھ ایسی ہی ہے جس نے میری روح کو بے چین کردیا تھا۔ اسی وجہ سے مجھے جلد از جلد کلکتہ پہنچنے کی خواہش تھی۔ میری کٹی ہوئی گردن کو سرفراز کے جسم سے ہم آہنگ کرتے ہوئے دیکھ کر رضیہ وحشت زدہ ہوگئی تھی۔ اس دہشت ناک نظارے نے اس کے حواس گم کردئے تھے اور وہ اپنے انجام سے بے خبر ہوکر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ سرفراز نے نصف شب گزرنے کے بعد جن لوگوں کو وہاں بلایا تھا اور جن سے وہ رضیہ کے خوب صورت جسم کی نصف رقم بھی وصول کرچکا تھا۔ وہ لوگ باہر اسی تاک میں بیٹھے تھے کہ کب دروازہ کھلے اور کب سرفراز انہیں اندر بلا کر رضیہ کے بے ہوش جسم کو ان کے سپرد کردے۔ انہوں نے سوچا یہ تھا کہ ممکن ہے لڑکی کو بے ہوش کرنے میں سرفراز کو کچھ وقت لگ گیا ہو اور ابھی وہ قابو میں نہ آئی ہو اس لئے دروازے پر تین بار مخصوص دستک دینے اور کوئی جواب نہ ملنے کے باوجود بھی وہ وہاں سے نہیں ٹلے تھے۔ پھر جیسے ہی رضیہ دروازہ کھول کر باہر نکلی انہوں نے اسے چھاپ لیا۔ رضیہ اس وقت چیخی بھی تھی اور وہی چیخ بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے سنی تھی۔ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ رضیہ سرفراز کے قابو میں نہیں آسکی اور وہ فرار ہونے کی کوشش میں ہے۔ رضیہ تھی بھی

اس وقت وحشت زدہ' اس لئے ان کا یہ سب کچھ سوچنا حق بجانب تھا۔ وہ بردہ فروش رضیہ کو اغوا کرکے اسی رات بدایوں سے فرار ہوگئے۔ فرار ہونے کے انتظامات وہ پہلے ہی کرچکے تھے۔ وہ لوگ رضیہ کو لے کر کسی طرح کلکتہ پہنچ گئے جہاں انہوں نے ایک بڑی ڈیرے دار طوائف کے ہاتھ رضیہ کو فروخت کردیا۔ اور اس طرح رضیہ ایک شریف گھرانے سے کلکتہ کے بازار کی رونق بن گئی۔ رضیہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو حالات سے جلد مصالحت کرلیتی ہیں۔ نئے حالات میں رضیہ نے زبردست مدافعت کا ثبوت دیا۔ کوشش کے باوجود اب تک وہ طوائف رضیہ کو رام کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی تھی۔ رضیہ کو اب تک سخت پہرے میں رکھا گیا تھا اور اس سے ملنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ صرف وہ طوائف اور اس کے کچھ گرگے ہی اس بات سے واقف تھے کہ بہو بازار میں ایک حسین پھول کا اضافہ ہوچکا ہے۔ طوائف ذہین' سمجھدار اور زمانہ ساز تھی۔ وہ جانتی تھی کہ تشدد کے ذریعے وہ رضیہ کو کسی بات پر آمادہ نہیں کرسکتی اس لئے اس نے رضیہ کو ہموار کرنے کے لئے دوسرے ذرائع استعمال کئے تھے۔ انہی ذرائع میں ایک ذریعہ دلال بنرجی تھا۔ دلال بنرجی جو کلکتے کے اعلیٰ طبقے میں دیوتاؤں کی طرح پوجا جاتا تھا اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بڑی پراسرار قوتوں کا مالک ہے لیکن دلال بنرجی تک رسائی حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ طوائف جس کا نام ممتاز بیگم تھا کافی دن سے اس کوشش میں تھی کہ کسی طرح دلال بنرجی صرف ایک بار اس کے کوٹھے تک آجائے۔ وہ اس سے پہلے بھی دلال بنرجی کو ایک اور لڑکی کے سلسلے میں استعمال کرچکی تھی۔

رضیہ کے معاملے میں بھی ممتاز اس پر آمادہ تھی۔ اس نے کئی بار دلال کے پاس پیغامات بھیجے تھے لیکن دلال نے اب تک اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ جس دن میں بدایوں سے کلکتہ کے لئے روانہ ہونے والا تھا ہمزاد نے مجھے بتایا تھا کہ دلال بنرجی نے آج رات ممتاز کے کوٹھے پر آنے کے لئے حامی بھرلی ہے اور یہ اطلاع پاکر میں بے چین ہوگیا تھا۔

ہمزاد نے مجھے رات ہونے سے قبل ہی کلکتہ پہنچادیا تھا۔ اور پہنچتے ہی میں نے اس سے بہو بازار چلنے کی فرمائش کی تھی۔ میرے جسم پر رئیس زادوں کا سا لباس تھا اور ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔ یہ وہی انگوٹھیاں تھیں جو سرفراز پہنے ہوئے تھا اور اب سرفراز کے جسم کے ساتھ ساتھ میری ملکیت بن چکی تھیں۔ میں بہو بازار پہنچا تو بازار کی رونق جاگنے لگی تھی۔ یہ تقریباً سات بجے کا وقت تھا۔ میں فوراً اس لئے یہاں پہنچا تھا کہ دلال بنرجی کے وہاں آنے سے پہلے اپنا رنگ جمالوں۔

میرے دل کو اس وقت کافی دن بعد شرارت سوجھ رہی تھی۔ ایک طویل عرصے کے بعد میری انا کی تسکین کا سامان ہورہا تھا۔ میں بڑے رعب اور تمکنت کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ کہ ایک فٹن فٹ پاتھ کے قریب آکر رکی اور اس میں سے تین چار نوجوان کود کر فٹ پاتھ پر کھڑے ہوگئے۔ ان نوجوانوں کے عجیب سے لباس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ان کی ہیت ہی ایسی تھی کہ انہیں دیکھ کر آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ اپنے جسموں پر لمبے لمبے گیروا لبادے اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں لکڑی کے بے ہنگم سے سیاہ ڈنڈے تھے۔ وہ لوگ جیسے ہی فٹن سے کودے انہوں نے ایک حلقہ سا بنالیا۔ بالکل اسی طرح جیسے اب فٹن سے کوئی بہت اہم شخصیت باہر آنے والی ہو اور وہ نوجوان اس کے باڈی گارڈز ہوں۔ نوجوانوں کی گردنوں میں بڑی بڑی مالائیں اور پاؤں میں کھڑاؤں تھے۔ میرے قدم خودبخود وہاں رک گئے تھے اور میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ عجیب وغریب تماشہ دیکھنے میں محو تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک اور سرخ وسفید نوجوان فٹن سے اترا اور باہر کھڑے ہوئے نوجوانوں کے سر جھک گئے۔ اس نوجوان کے جسم پر بھی ویسا ہی لباس تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کا لبادہ ریشمی تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔

میرے قریب کھڑے ہوئے کسی شخص نے اپنے ساتھی سے کہا "دلال بنرجی!" اور میں بے ساختہ چونک پڑا۔

****

نیا جسم حاصل کرنے کے بعد خود پر میرا اعتماد بڑھ گیا تھا۔ اسی لئے میں نے بازار پہنچ کر ہمزاد کو رخصت کردیا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی ہمزاد سے ممتاز بیگم کے کوٹھے کا پتا معلوم کرنا نہیں بھولا تھا۔ ہمزاد نے مجھے جس عمارت کا پتہ بتایا تھا۔ میں اسی طرف بڑھ رہا تھا کہ راستے میں میری تمام تر توجہ ان عجیب وغریب ملبوس والے نوجوانوں نے اپنی طرف مبذول کرلی۔ اور پھر یہ جان کر تو میرے تمام حواس بیدار ہوگئے کہ مجھے آئندہ جس شخص کی پراسرار قوتوں کا سامنا کرنا ہے وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر موجود ہے۔

دلال بنرجی فٹن سے اتر کر رکا نہیں تھا۔ چاروں نوجوان اس کے گرد حلقہ سا بنائے' اسے لئے ہوئے ایک طرف بڑھ رہے تھے۔ فٹ پاتھ پر بھیڑ تو پہلے ہی کافی تھی لیکن اب اس میں کچھ اضافہ ہوگیا تھا۔ اسی بھیڑ کے درمیان سے دلال بنرجی اور اس کے ساتھی گزر رہے تھے۔ وہ عمارت ابھی دور تھی جس کے

بارے میں ہمزاد نے نشان دہی کی تھی اور یہ تو میرے علم میں آہی چکا تھا کہ دلال بنرجی کی منزل ممتاز بیگم کا کوٹھا ہے تو پھر وہ اس سے پہلے ہی فٹن سے کیوں اتر گیا اور اس نے وہاں تک پیدل جانا کیوں پسند کیا؟ اس سلسلے میں' میں نے صرف اتنا قیاس کیا تھا کہ دلال بنرجی نمائش پسند شخص ہے ورنہ وہ اس جگہ تک اپنی فٹن میں بھی پہنچ سکتا تھا۔ میں نے چاہا تو یہ تھا کہ دلال بنرجی سے پہلے ممتاز بیگم کے کوٹھے تک پہنچ جاؤں تاکہ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی رضیہ کو لے اڑوں۔ مگر قبل ازوقت تو میں نہیں پہنچ پایا تھا۔ البتہ بروقت ضرور پہنچ گیا تھا۔ میں دلال بنرجی اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ کیونکہ میری بھی وہی منزل تھی۔ جہاں انہیں پہنچنا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے جو عجیب بات میں نے پہلی مرتبہ محسوس کی وہ یہ تھی کہ ان کے چلنے کا انداز عام آدمیوں سے بڑا مختلف تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ زمین پر پاؤں نہیں رکھ رہے اور آگے کی طرف بہے جارہے ہیں۔ ان کی چال میں ایک عجیب سا بہاؤ تھا وہ اپنے پاؤں میں کھڑاؤں پہنے ہوئے تھے لیکن میں نے قریب سے قریب تر ہوکر بھی کھڑاؤں کی آواز نہیں سنی۔ ممکن ہے کہ اس بات کو دوسرے لوگوں نے بھی محسوس کیا ہو جو انہیں دیکھنے کے لئے فٹ پاتھ پر دو رویہ کھڑے ہوئے تھے۔

کچھ دیر بعد میرے قدم خودبخود رکنے لگے۔ منزل آچکی تھی۔ دلال بنرجی اور اس کے ساتھی زینے کی طرف بڑھے اور چند لمحے کا وقفہ دے کر میرے قدم بھی اسی سمت اٹھے۔ وہ زینے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے اور ان سے کچھ فاصلے پر میں بھی دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ زینے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ چکا تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی میری طرف پلٹ کر نہیں دیکھا۔ حالانکہ زینہ میرے قدموں کی چاپ سے گونج رہا تھا۔ اور ان کے پیچھے آنے والا صرف میں ہی تھا۔ زینے میں روشنی کسی قدر کم تھی کیونکہ زینے کے اوپر دیوار میں لگی ہوئی لالٹین کی لو مدہم تھی۔ اس ماحول میں ان کے لانبے لانبے لبادے اور ان کے وجود مجھے بڑے عجیب اور پراسرار لگ رہے تھے۔ خلاف توقع اس وقت ہر طرف عجیب سی خاموشی تھی۔ سوائے میرے قدموں کی چاپ کے کچھ اور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں اس سے پہلے بھی میرٹھ میں دہلی بازار جاچکا تھا مگر وہاں کی گہماگہمی' شور اور ہنگامے میں' میں نے زندگی محسوس کی تھی۔ وہ بھی طوائفوں کا بازار تھا اور یہ بھی مگر یہ دہلی بازار سے بہت مختلف تھا۔ نہ یہاں طبلے کی تھاپ سنائی دے رہی تھی نہ گھنگھروؤں کی چھن چھن۔ لیکن اس کی وجہ کچھ اور تھی جو مجھے بعد میں معلوم ہوئی' وہ پوری عمارت ہی ممتاز بیگم کی تھی اور ابھی اس نے رنگ وآہنگ کی محفل کا آغاز نہیں کیا تھا۔

عموماً ان بازاروں کی ایک عمارت میں کئی کئی طوائفوں کے کوٹھے ہوتے ہیں۔ لیکن ممتاز بیگم دوسری طوائفوں سے مختلف تھی۔ اس کے کوٹھے پر شہر کے صرف وہی لوگ قدم رکھنے کی جرات کرسکتے تھے جن کا تعلق اعلیٰ طبقے سے ہو اور جن کی جیبیں خاصی بھاری ہوں۔ یہ بات ان دنوں کی ہے جب رئیس زادے طوائفوں کے کوٹھوں پر تہذیب واخلاق کا درس لینے جاتے تھے۔ آج اس دور میں یہ باتیں بڑی عجیب سی لگتی ہیں مگر اس وقت ایسا ہی تھا۔ طوائفوں کی بھی اپنی ایک تہذیب تھی' ان کے بھی اصول تھے۔ انہیں بھی معاشرے کی ضرورت تصور کیا جاتا تھا۔

میں ابھی آدھا زینہ ہی چڑھ پایا تھا کہ میں نے زینے کے اختتام پر دلال بنرجی اور اس کے ساتھیوں کو رکتے دیکھا۔ پھر میں نے دستک سنی۔ اس کے بعد دروازہ کھلنے کی آواز! میری نظریں زینہ چڑھتے ہوئے اوپر ہی لگی ہوئی تھیں۔ زینے کی روشنی دروازہ کھلنے سے بڑھ گئی۔ اندر غالباً کافی روشنی تھی۔ مجھے دروازے میں دو اجنبی چہرے نظر آئے جن پر استقبالیہ تاثرات تھے وہ دونوں ایک طرف ہٹ گئے اور انہوں نے ہاتھ کے اشاروں سے دلال بنرجی اور اس کے ساتھیوں سے اندر آنے کے لئے کہا۔ جب وہ لوگ دروازے میں داخل ہوگئے تو دروازہ بند کردیا گیا۔ شاید وہ دونوں اپنے معزز مہمانوں کے استقبال میں اتنے محو تھے کہ انہوں نے میرے وجود کو محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ حالانکہ جب وہ دروازہ بند کررہے تھے۔ اس وقت میں دروازے سے صرف چند سیڑھیاں نیچے تھا۔ جلد ہی میں بھی دروازے تک پہنچ گیا اور میں نے بھی دستک دی چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ دروازے میں پھر وہی دونوں نظر آرہے تھے۔ ان دونوں ہی نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور جب میں خاموش رہا تو نہایت مہذب لہجے میں ان میں سے ایک بولا۔

"ہم سخت شرمندہ ہیں کہ آپ کو زحمت ہوئی۔ آج محفل عام نہیں ہے۔ اس لئے یہ دروازہ بند تھا۔ جو ہمیشہ کھلا رہتا ہے" پھر ایک لمحے رک کر وہ بولا "غالباً اس بازار میں آپ پہلی بار تشریف لائے ہیں۔ ورنہ گستاخی معاف! اگر طوائف کا دروازہ بند ہو تو اس پر دستک دینا سوئے ادب ہے۔"

مجھے اس شخص کے شائستہ لہجے نے متاثر کیا تھا لیکن اس کے آخری فقرے سے میں چڑ گیا اور بولا "لیکن ابھی کچھ دیر پہلے جن لوگوں نے اس دروازے پر دستک دی تھی کیا وہ بھی بے ادب تھے۔"

"جی نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ ہمارے مہمان تھے۔ انہیں بطور خاص مدعو کیا گیا تھا دستک نہ دینے والی بات مہمانوں پر لاگو نہیں ہوتی" اس بار دوسرے نے جواب دیا۔

"لیکن یہ سب جاننے کے باوجود میں ممتاز بیگم سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا" میں نے کہا۔

"ضد نہ فرمائیں تو بہتر ہے۔ کسی اور دن تشریف لائیے۔ ہم چشم براہ رہیں گے۔ آج بیگم صاحبہ صرف اپنے مہمانوں سے ملنا پسند کریں گی اور ہم اس بات سے آگاہ ہیں کہ ان کے مہمان کون کون ہیں۔ زحمت کے لئے پھر ایک بار معذرت طلب ہیں۔"

"بنے میاں!" اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"جی حاضر ہوا بیگم صاحبہ" ان میں سے ایک نے وہیں سے ہانک لگائی اور پھر میری طرف دیکھتا ہوا بولا "خدا حافظ۔" لیکن اس کے خدا حافظ نے میرے اوپر کوئی خاص اثر نہیں کیا اور میں بدستور دروازے پر کھڑا رہا۔ ابھی چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ اندر ہی سے ایک بھاری اور گونجدار سی آواز آئی۔

"اسے نہ روکو! اندر آنے دو" یہ آواز میرے لئے اجنبی تھی اور اس کی غیر شائستگی بھی مجھ پر گراں ہوئی لیکن اس آواز کے سنتے ہی وہ دونوں راستے سے ہٹ گئے اور نہایت نرم آواز میں بیک زبان بولے "تشریف لائیے..."

میں آگے بڑھا ان میں سے ایک نے دروازہ دوبارہ بند کردیا۔ راہداری میں چند قدم چل کر دائیں جانب کے دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ مجھے اسی طرف لے جا رہے تھے۔ میں جیسے ہی پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا میں نے محسوس کیا کہ اس بڑے اور سجے سجائے خوب صورت کمرے میں موجود تمام لوگوں کی نظریں میری طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ کمرے کی چھت سے فانوس لٹک رہے تھے اور دیواروں پر ہلکا سبز رنگ تھا۔ کمرے کے فرش پر دبیز عمدہ قالین تھے اور دیواروں کے سہارے گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے تقریباً پندرہ بیس افراد موجود تھے جن کے سامنے پیک دان اور ان کے برابر پھولوں کے گجرے رکھے ہوئے تھے۔ کمرے میں موجود تمام ہی افراد اپنے لباس اور وضع قطع سے معزز اور اعلیٰ طبقے کے دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور جوتے اتار کر ایک خالی گاؤ تکئے کی طرف بڑھا اس وقت میرے چہرے پر فکر و تردد اور پریشانی کے آثار تھے اس لئے کہ میں نے اس کمرے میں دلال بنرجی اور اس کے ساتھیوں کو نہیں دیکھا تھا جب کہ وہ سب میرے سامنے اسی جگہ آئے تھے۔ ان سب کو میں نے دروازے سے داخل ہوتے دیکھا تھا۔ لیکن میری پریشانی زیادہ دیر برقرار نہ رہی۔ کمرے کے اندرونی دروازے سے میں نے دلال بنرجی اس کے ساتھیوں اور ایک عورت کو نکلتے دیکھا۔ اور پھر انہیں کے پیچھے انگرکھے پہنے ہوئے اور سر پر دو پلوٹوپی لگائے چند لوگ آتے نظر آئے جنہیں دیکھتے ہی میں پہچان گیا کہ وہ سازندے ہیں۔ دلال بنرجی کے ہمراہ آنے والی عورت کے بارے میں میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہی ممتاز بیگم ہوسکتی ہے۔ اس کی عمر مشکل سے پینتیس سال اور چالیس سال کے درمیان لگ رہی تھی۔ عام نائکاؤں کی طرح نہ وہ موٹی اور بھدی تھی اور نہ ہی بدصورت۔ اس عمر کے باوجود بھی اس کے چہرے پر مجھے کشش نظر آئی ..... چھریرے جسم پر چست لباس، گھنے بال بڑی بڑی کالی آنکھیں، ابھرے ابھرے سے ہونٹ اور قد لانبا۔ اگر اس کی آنکھوں کے گرد ہلکی سی سیاہی نہ ہوتی تو شاید وہ اور بھی حسین دکھائی دیتی۔ میں نے اس عمر کی عورتوں میں اتنا حسن کم دیکھا ہے جتنا ممتاز بیگم میں تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میرا اندازہ صحیح تھا وہ ممتاز بیگم ہی تھی۔ دلال بنرجی اور اس کے ساتھی، جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں موجود تمام لوگ تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اس وقت تک بیٹھے نہیں تھے جب تک کہ دلال بنرجی اپنے ساتھیوں کے ساتھ رونق محفل بن کر نہ بیٹھ گیا تھا۔ اب پھر تمام لوگ مجھے گھور رہے تھے کیونکہ وہاں صرف میں ہی تھا جو بنرجی کی آمد پر کھڑا نہیں ہوا تھا۔ لیکن کسی نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ اب سازندوں کی ٹھک ٹھک اور دھاں دھوں سے کمرے کی خاموشی بکھر رہی تھی۔ وہ اپنے اپنے ساز درست کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک طبلوں کی جوڑی آگے رکھے مستقل ہتھوڑی سے ٹھوک پیٹ کر رہا تھا۔ ممتاز بیگم سازندوں ہی کے قریب اندرونی دروازے سے لگی بیٹھی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر ایک عجیب سا کھنچاؤ محسوس کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ باربار کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہی ہے۔ اس طرح جیسے میرا وجود گراں گزر رہا ہو۔ میں پورے ماحول کا تجزیہ اور مشاہدہ تو کر ہی رہا تھا۔ مگر میرا ذہن ابھی تک اسی آواز میں الجھا ہوا تھا۔ جو میں نے یہاں داخل ہوتے وقت سنی تھی اور جس آواز نے مجھے یہاں داخل ہونے کی اجازت دی تھی۔ بھاری سی گونج دار آواز، غیر شائستہ سی آواز۔ ایک ایسی آواز جسے سن کر میں نے اپنے دل میں نفرت محسوس کی تھی۔

میں نے ابھی تک ہمزاد کو طلب نہیں کیا تھا۔ میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے حالات کا پوری طرح جائزہ لینا چاہتا تھا۔ ابھی تمام حالات مجھ پر ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ مجھے اس بات کا تو یقین تھا ہی کہ رضیہ اسی عمارت میں موجود ہے۔ صرف تین چار منٹ ہی دلال بنرجی میری نظروں سے اوجھل رہا تھا اور اس

قدر کم عرصے میں رضیہ کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ اس لئے اس طرف سے میں مطمئن تھا۔ یہاں دلال بنرجی کے علاوہ اتنے لوگوں کی موجودگی بھی مجھے الجھا رہی تھی۔ جب کہ یہ کوئی عام محفل بھی نہیں تھی۔ میں اپنے خیالوں میں محو گاؤ تکئے پر کہنی ٹکائے بیٹھا رہا۔ میں ان سب کے لئے قطعی اجنبی تھا اور وہ سب میرے لئے مگر میں نے اپنے انداز و اطوار سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں کسی بھی طرح مرعوب یا متاثر ہوں۔ میرے چہرے سے ذہنی الجھن کا اندازہ لگانا اس وقت یقیناً مشکل رہا ہوگا۔ میری نظریں ہر طرف اٹھ رہی تھیں۔ میری نظر کئی بار دلال بنرجی کی طرف بھی اٹھی جو مجھ سے کچھ فاصلے پر بائیں طرف بالکل اسی طرح بیٹھا تھا جیسے سادھو دھونی جمائے بیٹھے رہتے ہیں۔ ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ چڑھائے اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اور ہونٹ متحرک تھے وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا رہا تھا۔ اب سازندوں کی کھٹ پٹ بند ہوچکی تھی۔ لیکن انہوں نے ابھی ساز نہیں چھیڑے تھے۔ تمام لوگوں کی نظریں دلال بنرجی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور ہاتھوں کے اشارے سے ممتاز بیگم کو اپنی طرف بلایا ممتاز اپنی جگہ سے اٹھ کر فوراً اس کے قریب گئی۔ دلال بنرجی نے اپنے گلے میں پڑی ہوئی کئی لانبی لانبی مالاؤں میں سے ایک مالا اتار کر ممتاز بیگم کو دی اور آہستہ سے کچھ کہا۔ ممتاز بیگم نے بڑے احترام و عقیدت کے ساتھ وہ مالا لی اور اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں یہ تمام تماشہ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ دیکھتا رہا۔ کچھ ہی دیر بعد اسی دروازے سے ممتاز بیگم پھر آتی دکھائی دی مگر اس مرتبہ اس کے پیچھے تین لڑکیاں اور تھیں ان میں سے دو لڑکیاں تیسری لڑکی کو ادھر ادھر سے تھامے ہوئے تھیں۔ تیسری لڑکی کا چہرہ ساڑھی کے پلو میں چھپا ہوا تھا۔ جیسے گھونگھٹ نکال دیا گیا ہو۔ اسی لڑکی کے گلے میں مجھے وہ مالا نظر آئی جو کچھ دیر پہلے دلال بنرجی نے ممتاز بیگم کو دی تھی۔

دلال بنرجی کے ہاتھ کے ایک اشارے کے ساتھ ہی ساز جاگ اٹھے۔ طبلے پر تھاپ پڑی اور اسی کے ساتھ وہ تیسری لڑکی قیامت خیز انگڑائی لے کر اٹھی اور اس کے ساتھ ہی ممتاز بیگم کھڑی ہوئی اور لڑکی کا گھونگھٹ کھول دیا۔ میں بہت زور سے اچھل پڑا تھا۔ وہ تیسری لڑکی رضیہ تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اس لمحہ حیرت سے نکلتا میری آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ رضیہ کے جسم کا ایک ایک عضو سازوں کی لے پر تھرکنے لگا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پاؤں اٹھے، گھنگھرو بجے اور ایک بجلی سی کوند گئی۔ رضیہ اس وقت مجھے بالکل اجنبی اجنبی سی لگ رہی تھی۔ وہ ماہر رقاصاؤں کی طرح محو رقص تھی، وہ ناچتے ناچتے ایک بار میرے قریب سے بھی گزری۔ میری نظریں ایک لمحے کو اس سے ملیں مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رضیہ کی نظروں میں شناسائی کا ہلکا سا پرتو بھی نہیں تھا۔

اس کی آنکھیں میں نے انگاروں کی طرح دہکتے دیکھیں جیسے وہ گہری نیند سے ابھی ابھی اٹھی ہو۔ یہ صرف ایک لمحہ تھا جو گزر گیا۔ اب رضیہ دلال بنرجی کے سامنے ناچتی ہوئی گزر رہی تھی اس لمحے میری نظر دلال بنرجی پر پڑی اور پھر میری نظریں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں میں نے اس عرصے میں ایک خاص بات محسوس کی تھی کہ دلال بنرجی کی نظریں مستقل طور پر رضیہ کے جسم کے ساتھ ساتھ متحرک تھیں۔ اور وہ پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ابھی رقص کا آغاز ہوئے ایک منٹ کے قریب گزرا ہوگا کہ لوگوں کے ہاتھ جیبوں میں پہنچنے لگے اور پھر کچھ ہی دیر میں چاندی کے کھنکتے ہوئے روپوں سے سازندوں کی آنکھیں چندھیانے لگیں ان کے ہاتھوں میں اور تیزی آگئی۔ لے اور تیز ہوتی گئی رضیہ کا جسم اور تیزی سے گردش کرنے لگا۔

اب پانی سر سے اونچا ہونے کا خطرہ تھا مجھے اتنی دیر میں یہ اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ رضیہ اس وقت اپنے حواس میں نہیں ہے۔ اور دلال بنرجی کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر ہے۔ مجھے جو کچھ اندازہ کرنا تھا وہ کرچکا تھا۔ دراصل اب تک میں اس لئے خاموش تھا کہ دلال بنرجی کی قوتوں کا اندازہ لگا سکوں کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور کہاں تک جاسکتا ہے۔ میرا دشمن بہرحال کمزور نہیں تھا یقیناً وہ پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ ورنہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ رضیہ جیسی گھریلو لڑکی جو تمام عمر سخت پردے میں رہی ہو۔ نہ صرف برسر محفل آجائے بلکہ ماہر رقاصاؤں کی طرح رقص بھی کرنے لگے ہمزاد سے مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ رضیہ نے رقص کی تربیت لینے سے بھی انکار کردیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ رقص سے اب تک قطعی ناواقف تھی۔ لیکن اس وقت اسے محو رقص دیکھنے والا کوئی بھی شخص اس بات پر کبھی یقین نہ کرتا کہ رضیہ کو رقص کی الف بے بھی نہیں معلوم۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ دلال بنرجی کوئی کمزور دشمن ثابت نہیں ہوگا اور اس کی موجودگی میں رضیہ پر ہاتھ ڈالنا یقیناً میرے لئے کچھ نہ کچھ مشکلات ضرور کھڑی کردے گا لیکن میں خوف زدہ ہرگز نہیں تھا بلکہ اب مجھے کافی دن بعد ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔

دلال بنرجی کے بارے میں ابھی میں نے اپنے ہمزاد سے

تفصیلی معلومات حاصل نہیں کی تھیں کہ اس کا تعلق کس مذہب سے ہے؟ اس کی پراسرار قوتیں کیا ہیں؟ اس کے بس میں کیا ہے اور کیا نہیں؟ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور اس شہر میں کہاں رہتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ دراصل میں نے ان باتوں کے جاننے کی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی۔ مگر اب اسے قریب سے دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ مجھے ہمزاد سے اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا پڑے گا لیکن یہ وقت معلومات حاصل کرنے کے لئے مناسب نہیں تھا۔ فی الحال تو بس میرے ذہن پر صرف ایک بات سوار تھی کہ ان سب پر اپنے وجود کا اظہار کردوں میری انا اپنی تسکین چاہتی تھی۔ میں ان پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ان کے درمیان کوئی معمولی ہستی نہیں بیٹھی' دلال بنرجی کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی یہاں صاحب کرامت موجود ہیں۔

رقص جاری تھا۔ روپوں کی بارش بدستور جاری تھی' تحسین و مرحبا کا شور اسی طرح تھا۔ جیسے رضیہ ان سب کے دلوں پر پاؤں رکھتی ہوئی گزر رہی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے مدہوش کن رقص نے مجھے بھی متاثر کیا تھا۔ مجھے جو اس کے بچے کا باپ تھا' مجھے جو اس کا عاشق تھا۔

رضیہ کا یہ روپ میرے لئے قطعی اجنبی اور انوکھا تھا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے جسم میں اتنی قیامتیں پوشیدہ ہیں۔ اس پوری محفل میں صرف چھ افراد ایسے تھے جنہوں نے اب تک رضیہ کو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی تھی۔ دلال بنرجی' اس کے چار ساتھی اور میں۔ بقیہ حاضرین کی جیبیں تیزی سے خالی ہو رہی تھیں لیکن ان کے سامنے اب بھی روپوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ غالباً وہ اس مخصوص محفل میں شرکت کرنے کے لئے پوری تیاری سے آئے تھے۔ مجھے پہلی شرارت یہی سوجھی کہ ان حاضرین کو بوکھلایا جائے۔ میں نے ہمزاد کو طلب کرلیا۔ ہرچند کہ میری جیبوں میں بھی روپوں کی کمی نہیں تھی۔ مگر ہمزاد نے میرا اشارہ پاکر حاضرین کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ اور ان کے سامنے جو روپے رکھے تھے وہ بھی بڑے غیر محسوس طور پر میرے سامنے ڈھیر ہوتے گئے۔ چند ہی لمحوں بعد تمام حاضرین کی جیبیں کلی طور پر خالی ہوچکی تھیں اور اب ان میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ بچی تھی۔ میں نے اپنی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر روپے سامنے ڈھیر کردئے اور رضیہ کی ایک ایک ادا پر روپے نچھاور کرنے لگا۔ میں نے کن انکھیوں سے بقیہ حضرات کی طرف دیکھا۔ ان میں سے کئی کے ہاتھ اپنی اپنی جیبوں میں تھے اور چہروں پر بدحواسی طاری تھی۔ سب ایک دوسرے کی طرف حیران حیران نظروں سے دیکھ رہے تھے پھر وہ سب مجھے

گھورنے لگے۔ غالباً یہ ان کی توہین تھی کہ بھری محفل میں وہ تو ہاتھ روکے بیٹھے رہیں اور صرف ایک شخص اپنی امارت کا اظہار کرتا رہے۔ انہیں یقیناً اس بات کا اندازہ ہوچکا تھا کہ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس میں میری شخصیت کسی نہ کسی طرح ضرور ملوث ہے۔ کیونکہ وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ ان کے درمیان صرف میں ہی ایک غیر شخص تھا پھر اس طرح اچانک جیبیں خالی ہوجانا بھی ان کے لئے کم حیرت انگیز بات نہیں رہی ہوگی۔ وہ سب اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے اور اب ان کی توجہ رضیہ سے زیادہ مجھ پر اور دلال بنرجی پر تھی۔ کبھی وہ میری طرف دیکھتے اور کبھی دلال بنرجی کی طرف!

"یہ نہ بھولو اجنبی کہ تمہیں یہاں آنے کی اجازت ہم نے دی تھی" اچانک ایک بھاری گونجدار آواز سنائی دی اور میں اچھل پڑا یہ الفاظ دلال بنرجی کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔ اسی لمحے دلال بنرجی اور رضیہ کے درمیان ہمزاد کا سایہ لہرایا اور رضیہ کا جسم مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ وہ غالباً بے ہوش ہوچکی تھی۔ میرے خیال کے مطابق ہمزاد نے پراسرار قوتوں کا وہ رابطہ منقطع کردیا تھا جو رضیہ کو رقص کرنے پر مجبور کررہا تھا۔

"ساز بند کرو" دلال بنرجی گرجا۔ پھر میری طرف پلٹ کر بولا "جس طرح میں اس لڑکی کو رقص کرنے پر مجبور کرسکتا ہوں اسی طرح میں تمہیں بھی سر محفل نچا سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں بے سبب دشمنی پیدا کرنے کا قائل نہیں لیکن بہرحال تم نے ہمارے حضور گستاخی ضرور کی ہے۔ تمہارے یہ معمولی کرتب دوسرے لوگوں کو حیران کرسکتے ہیں مگر ہوں تو نہیں۔ تم نے میرے عقیدت مندوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈال کر انہیں بر سر محفل بے عزت کیا ہے اور اس کی قیمت تمہیں ادا کرنی پڑے گی" دلال بنرجی اپنی سرخ سرخ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑے ہوئے تھا۔

"کھیل شروع ہوچکا ہے" ہمزاد نے میرے قریب آکر سرگوشی کی۔

ممتاز بیگم اور دونوں لڑکیاں رضیہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کررہی تھیں اور بقیہ حاضرین مجلس ہکا بکا سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ دلال بنرجی نے ممتاز بیگم کو مخاطب کیا "اسے اندر لے جاؤ۔ کچھ دیر بعد یہ خود بہ خود ہوش میں آجائے گی۔"

ممتاز بیگم اور دونوں لڑکیوں نے رضیہ کے بے ہوش جسم کو کسی طرح سنبھالا اور اندرونی کمرے میں چلی گئیں۔ ان کے

جاتے ہی دلال بنرجی نے اپنے ساتھیوں سے کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا جسے میں باوجود کوشش کے نہ سمجھ پایا۔ وہ چاروں اپنی جگہ سے اٹھے اور اندرونی دروازے میں جاکر غائب ہوگئے۔ میں چونک پڑا یقیناً کچھ گڑبڑ ہے۔ لیکن اس وقت دلال بنرجی نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا وہ مجھ سے کہہ رہا تھا۔

"میں اپنے علم کے ذریعے جان چکا تھا کہ اس لڑکی سے تمہارا کیا تعلق ہے اسی لئے میں نے تمہیں یہاں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ جب کہ یہ ایک مخصوص محفل تھی۔ جس میں کسی اجنبی کی شمولیت ناممکن تھی میں نے لڑکی کو دیکھتے ہی کچھ فیصلے کرلئے تھے جو ہم تینوں کے لئے ہی بہتر تھے۔ اس لڑکی میں پہلے صرف دو شخصیتیں دلچسپی رکھتی تھیں۔ ایک تم اور ایک ممتاز بیگم لیکن جب میں نے اسے دیکھا تو سوچا کہ اب اس لڑکی کے تین دعوے دار ہوچکے ہیں۔ مگر میں معاملات کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایک ایسا فیصلہ کیا جس کی رو سے سبھی فائدے میں رہتے۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ ممتاز بیگم نے اس لڑکی کی خاطر ایک بڑی رقم خرچ کی ہے اور یہ بات میرے علم میں تھی کہ تم اس لڑکی کے بدلے اسے بڑی سے بڑی رقم فراہم کرنے کے اہل ہو۔ ممتاز بیگم کا معاملہ تو اس طرح صاف ہوسکتا تھا۔ رہا تمہارا میرا معاملہ تو میں نے سوچا تھا کہ میں تمہارے حق میں لڑکی سے دستبردار ہوجاؤں گا۔ کیونکہ میرے علم کے مطابق اس لڑکی پر تمہارا حق زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ تمہارے ناجائز بچے کی ماں بھی ہے" دلال بنرجی نے یہ سب کچھ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس عرصے میں اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آچکا تھا "لیکن تم نے غیر ضروری کرتب دکھاکر سارا کھیل بگاڑ دیا اور اب میں اس لڑکی سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ تم نے میرے عقیدت مندوں کی توہین کی ہے۔ میرے لئے حسین سے حسین لڑکیوں کی کمی نہیں۔ ہمیشہ میرے اردگرد حسین اور خوب صورت جسموں کے ہجوم رہتے ہیں لیکن تم نے میری موجودگی میں جو جسارت کی ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ...."

دلال بنرجی کا بقیہ فقرہ میں نہ سن سکا۔ اس لئے کہ ہمزاد نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

"اس کے ساتھی رضیہ کو عمارت کے پچھلے دروازے سے نکال کر فٹن کی طرف لے جارہے ہیں۔ پانی سر سے اونچا ہورہا ہے اس لئے مجھے کچھ کرنے کی اجازت دیجئے' آپ اب تک دلال بنرجی کے بارے میں بہت کچھ اندازہ قائم کرچکے ہوں گے۔"

ہمزاد کی بات سن کر میں اچھل پڑا اس کا مطلب یہ تھا کہ دلال بنرجی مجھے باتوں میں الجھا کر رضیہ کو اڑا لے جانا چاہتا تھا۔ میں ایک دم غصے سے اٹھا اور دلال بنرجی کو مخاطب کیا "اب تک میں تمہاری لن ترانیاں سنتا رہا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اب سنو کہ تم جیسے طفل مکتب میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔ تم مجھے دھوکہ دے کر رضیہ کو اڑا لے جانا چاہتے تھے اور اس لئے تم نے اپنے گرگوں کو اندر بھیجا تھا" میری بات سن کر دلال بنرجی زور سے چونک پڑا۔ پھر ایک دم نہ جانے کیا ہوا کہ سارے فانوس بجھ گئے اور کمرے میں گھپ اندھیرا ہوگیا۔ میں صرف اتنا دیکھ پایا تھا کہ دلال بنرجی نے نظر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا تھا۔ پھر میں نے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔

"ہمزاد" میں تقریباً چیخ پڑا۔

"مطمئن رہیں رضیہ میرے پاس ہے اور وہ چاروں پچھلی گلی میں بے ہوش پڑے ہیں۔ خاموشی سے نکل چلئے" ہمزاد کی آواز سنائی دی جسے صرف میں ہی سن سکا تھا۔

پورے کمرے میں عجب افراتفری کا عالم تھا۔ نہ جانے میں کس کس سے ٹکراتا ہوا ہمزاد کی رہبری میں اندرونی دروازے کی طرف بڑھا اس نے ادھر ہی سے چلنے کو کہا تھا۔ عمارت کا اندرونی حصہ تاریک نہیں تھا۔ میں نے ممتاز بیگم کو سراسیمگی کے عالم میں ایک کمرے سے نکلتے دیکھا اس کے ہمراہ وہ دونوں اشخاص بھی تھے جنہوں نے میرے لئے اس عمارت کا دروازہ کھولا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ان دونوں کے ہاتھ ان کی جیبوں میں گئے پھر وہ دونوں چاقو لہراتے ہوئے مجھ پر جھپٹے۔ ان دونوں نے شاید رضیہ کے جسم کو فضا میں بغیر کسی سہارے کے تیرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ بھی بغیر کچھ کہے سنے ممتاز بیگم کی طرح بے ہوش ہوجاتے۔ ہمزاد آگے بڑھتے بڑھتے پلٹا۔ پھر نہ جانے اس نے کیا کیا کہ وہ دونوں آپس میں ٹکرا کر چیخ پڑے پھر وہ باقاعدہ بھڑ گئے اور میں اطمینان کے ساتھ ہمزاد کے پیچھے پیچھے عمارت کے پچھلے زینے سے اترنے لگا۔ زینہ اترتے ہوئے میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا "کیا رضیہ کو ہوش میں نہیں لایا جاسکتا؟"

"اس وقت رضیہ کا ہوش میں آنا خود اس کے لئے خطرناک ہے" ہمزاد نے جواب دیا۔

"لیکن اب ہماری منزل کہاں ہوگی؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"آپ کو یہاں سے تمنا ذکریا اسٹریٹ پہنچنا ہے غالباً آپ وہ فلیٹ نہ بھولے ہوں گے جس میں آپ کلکتہ چھوڑنے سے پہلے تک تھے؟"

"ہاں مجھے یاد ہے مگر کیا وہ اب تک خالی پڑا ہے؟"

"جی ہاں" ہمزاد نے کہا اب وہ نیم تاریک گلی میں پہنچ چکا تھا' گلی سنسان تھی' پھر وہ بولا "میں چلتا ہوں' آپ آیئے۔"

اس وقت میں ہمزاد کی مصلحت نہ سمجھ پایا تھا لیکن اس کے روانہ ہونے کے بعد میری سمجھ میں خود بہ خود سب کچھ آگیا چلتے وقت اس نے مجھے محتاط رہنے کی تنبیہہ کی تھی۔ وہ خود بھی احتیاط برت رہا تھا۔ اس لئے وہ تنہا رضیہ کو لے گیا تھا میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ رضیہ کے جسم کو لے کر بلند ہونا شروع ہوا اور پھر چند لمحوں میں میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ہمزاد کے تنہا جانے کا جواز میری نظر میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ وہ میری شخصیت کو سامنے لانا نہیں چاہتا تھا اگر وہ رضیہ کے جسم کو اٹھائے ہوئے میرے ساتھ ساتھ چلتا تو لوگوں کا میری طرف متوجہ ہوجانا لازمی تھا۔ کیونکہ ان کے لئے بہرحال یہ منظر عجیب اور پراسرار ہوتا۔

میں بطور احتیاط اس گلی سے نکل کر فوراً سڑک پر نہیں نکلا بلکہ اسی گلی سے ملحق ایک اور گلی میں داخل ہوگیا اور پھر اس گلی سے نکل کر ایک تیسری گلی میں۔ میں گلیوں گلیوں اس جگہ سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اور پھر سڑک پر آکر کسی سواری کے ذریعے ذکریا اسٹریٹ پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ گلیاں میرے لئے اجنبی تھیں چوتھی گلی کے اختتام پر میں چکرا گیا۔ کیونکہ وہ گلی آگے سے بند تھی گھنگھروؤں کی چھن چھن اور طبلے کی تھاپ برابر میرا پیچھا کررہی تھی۔ یہ تمام علاقہ بھو بازار ہی کا تھا۔ گلیاں نیم تاریک تھی مگر بالا خانے روشنی میں نہائے ہوئے تھے۔ دریچوں میں حسین چہرے سجے ہوئے تھے۔ لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ ہر شخص اپنی دھن میں مگن تھا کسی نے اب تک مجھے مخاطب کرنے کی جرات نہیں کی تھی اور نہ ہی اب تک میں کسی سے ہمکلام ہوا تھا۔ لیکن اب راستہ بھولنے کی صورت میں مجھے کسی نہ کسی سے بات ضرور کرنی تھی۔ میرے قریب سے ایک متوسط عمر شخص گزرا تو میں چلتے چلتے رک کر اس کے سامنے آگیا لیکن اس چہرے پر نظر پڑتے ہی میں کچھ دیر کے لئے چکرا کر رہ گیا وہ بھی مجھے دیکھ کر چونکا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آئے تھے۔ وہ چہرہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا مگر مجھے فوراً کچھ بھی یاد نہ آسکا۔ پھر اس شخص کی زبان سے ایک ایسا لفظ ادا ہوا جسے سن کر مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔

"ظل الرحمٰن آپ؟"

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس شخص کا تعلق مجاہدین کے گروہ سے ہے اور اس شخص کو میں نے مجاہدین کے زمیں دوز ٹھکانے میں دیکھا تھا۔ ایک ایک کرکے مجھے سب کچھ یاد آگیا۔

یہی شخص تھا جس نے مجھ سے عہد نامے پر دستخط کرائے تھے۔ مگر اس کا نام اب تک مجھے یاد نہ آسکا تھا۔

"اس طرح سرعام کھڑے ہونا غلط ہے۔ آپ میرے پیچھے پیچھے آیئے۔ آپ سے بہت کچھ پوچھنا ہے؟ یہیں قریب ہی ہمارا ایک ٹھکانا موجود ہے" اس شخص نے سرگوشی کی "ہم سرحد کے حالات جاننے کے لئے بے چین ہیں۔ وہاں سے جو خبریں مل رہی ہیں وہ بہت ہولناک ہیں۔"

آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میری ملاقات اس جگہ انگریزوں کے خلاف کام کرنے والی خفیہ تنظیم کے کسی فرد سے ہوجائے گی۔ میں الجھ کر رہ گیا تھا ایک بات تو میں فوری طور پر سمجھ گیا تھا کہ یہاں کے لوگوں کو اس بات کا قطعی علم نہیں ہوسکا ہے کہ میں مجاہدین سے الگ ہوچکا ہوں اور میں نے سرحد میں کیا کیا ہے؟ اور اسی لئے وہ میرے قتل سے بھی بے خبر ہیں ورنہ یہ شخص مجھے دیکھتے ہی خوف زدہ ہوکر بھاگ کھڑا ہوتا۔ شاید گلی کی نیم تاریکی میں وہ شخص اس بات پر بھی غور نہیں کرسکا تھا کہ میرے پاس بیساکھیاں نہیں ہیں۔ میرے بارے میں ان لوگوں کی لاعلمی کا صرف ایک ہی سبب ہوسکتا تھا کہ مجاہدین انگریزوں سے اس درجہ الجھے ہوئے تھے کہ چھوٹے موٹے معاملات ان کی نظر میں اتنی اہمیت کے حامل نہیں تھے اور ایسی صورت میں جب کہ ان کی دانست میں مجھے قتل کیا جاچکا تھا تو میری طرف سے مقامی تنظیموں کو محتاط کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس شخص سے بہرحال مجھے پیچھا چھڑانا تھا۔ اور اس کی میری نظر میں دو ہی ترکیبیں تھیں یا تو میں قطعی اجنبی بن جاتا اور اسے پہچاننے ہی سے انکار کردیتا یا کسی طرح اسے جل دے کر نکل جاتا مگر دونوں ہی ترکیبوں میں خامی تھی۔ میرے چہرے کے تاثرات سے اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ میں نے بھی اسے پہچان لیا ہے اس لئے وہ کبھی اس بات پر یقین نہ کرتا کہ میں وہ نہیں جو وہ سمجھ رہا ہے۔ دوسری ترکیب اس طرح بے معنی تھی کہ اس کا تعلق اس گروہ سے تھا جو برسر اقتدار ظالم اور عیار حکمرانوں سے نمٹ رہا تھا۔ اسے جل دینا اتنا آسان ہرگز نہیں تھا۔ چند ہی لمحوں میں' میں نے آخر کار ایک فیصلہ کرلیا آئندہ کے لئے بھی میرے لئے یہی راستہ محفوظ راستہ تھا۔

"میں ..... میں نے تمہیں پہچانا نہیں ...." میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑدیں۔

"میرا نام امین اللہ ہے' وقت ضائع نہ کیجئے۔ یہاں ہم کسی خطرے سے بھی دوچار ہوسکتے ہیں" اس نے سرگوشی کی۔

میں اس کے باوجود وہیں کھڑا رہا تو وہ پھر بولا "کیا واقعی آپ

مجھے بھول گئے ہیں۔ میں وہ ہوں جس نے آپ کے لئے عہد نامہ تیار کیا تھا۔ وہ عہد نامہ جس پر آپ نے اپنے خون سے دستخط کئے تھے اور ....." اتنا کہہ کر وہ نہ جانے کیوں خاموش ہوگیا اس کی تیز نظریں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اب اس بات کو نوٹ کرچکا ہے کہ میں معذور نہیں ہوں اور نہ میرے پاس بیساکھیاں ہیں۔ میں نے اس کے چہرے پر تذبذب دیکھ کر فوراً موقعے سے فائدہ اٹھایا۔

"عزیزم! تم یقیناً کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہو۔ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور تمہارا تعلق کس تنظیم سے ہے دراصل....."

"لیکن ..... لیکن .... تمہاری آواز ..." اس نے میری بات کاٹ کر الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں نظر آرہی تھیں جیسے وہ سخت الجھن کا شکار ہو "اگر .... اگر تم وہ نہیں ہو جو میں نے تمہیں سمجھا تھا تو وہ سب کچھ بھول جاؤ جو میں نے تم سے ....."

اس کا فقرہ مکمل نہ ہوپایا تھا کہ گلی تیز سیٹیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ وہ ایک دم اچھل کر بھاگا اور نہ جانے مجھے کیا سوجھی کہ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑ لیا۔ ہم دونوں آگے پیچھے ایک پتلی سی گلی میں تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ وہ میرے آگے آگے تھا' ایک دم وہ بھاگتے بھاگتے پلٹا اور اسی وقت میری نظر بھی گلی کے سرے پر پہنچ گئی کچھ سپاہی تیزی سے گلی میں گھس رہے تھے گلی کافی لمبی تھی۔ جیسے ہی وہ پلٹا میں نے بھی اپنی سمت تبدیل کرلی تھی۔ اب صورت یہ تھی کہ میں آگے آگے دوڑ رہا تھا میرے پیچھے وہ تھا اور اس کے پیچھے پولیس۔ گلی کے دوسرے سرے تک پہنچتے پہنچتے ہمارے اور پولیس کے درمیان کافی فاصلہ برقرار رہا تھا لیکن جوں ہی بھاگتے بھاگتے میری نظر سامنے اٹھی میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ اس طرف سے بھی راستہ بند کیا جاچکا تھا۔ میں بغیر وقت ضائع کئے تیزی سے مڑا۔ مجھے خود سے چند گز کے فاصلے پر پولیس والے نظر آئے مگر امین اللہ غائب تھا میں دونوں طرف سے گھر چکا تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے بغیر سوچے سمجھے ایک مکان کی نیم تاریک دباری میں چھلانگ لگادی اور مکان میں گھستے ہی اندر سے دروازہ لگادیا۔

"دوڑو! پکڑو کا شور میری سماعت سے ٹکرا رہا تھا۔ میں دباری میں رکا نہیں اور تیزی سے مکان کے اندر داخل ہوگیا۔ دباری عبور کرکے میں مکان کے آنگن میں آگیا۔ میری نظریں تیزی سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ عین اسی وقت میں نے دروازے پر زور زور کی دستکیں سنیں۔

"دروازہ کھولو ورنہ توڑ دیا جائے گا" کسی کی گرج دار آواز گونجی۔

اسی وقت ایک کمرے کا پردہ ہٹا اور ایک ادھیڑ عمر عورت ہاتھ میں لالٹین تھامے باہر نکلی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے ہاتھ سے لالٹین چھوٹ گئی اور منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ مجھے جس چیز کی تلاش تھی وہ کہیں نظر نہ آئی۔ میں متوقع تھا کہ آنگن میں کوئی نہ کوئی زینہ ہوگا جس کے ذریعے میں اس مکان کی چھت پر پہنچ کر کسی قریبی مکان کی چھت پر چھلانگ لگادوں گا مجھے اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔ آنگن میں صرف ایک نیم کا پیڑ نظر آرہا تھا۔ میں سخت گھبرایا ہوا تھا۔ دروازے پر اب ضربیں لگائی جارہی تھیں اور ادھیڑ عمر خاتون غالباً خوف سے بے ہوش ہوچکی تھی۔ گھر میں شاید وہ تنہا تھی۔ چرچر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ دروازہ شاید اب ٹوٹنے کے قریب تھا۔ میں بری طرح پھنس چکا تھا۔ اور اب اس لمحے کو کوس رہا تھا جب میری ملاقات امین اللہ سے ہوئی تھی۔ حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کرلی تھی کہ پولیس مجھے بھی امین اللہ کا ساتھی سمجھنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ یہ تو میرے علم ہی میں تھا کہ انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے والی مجاہدین کی خفیہ تنظیم کے لئے اب زمین تنگ ہوچکی تھی۔ ان کے سارے ٹھکانے اور تنظیم کے بیشتر افراد حکومت کی نظر میں آچکے تھے۔ غالباً امین اللہ بھی انہیں میں رہا ہوگا۔ اور اس کے ذریعے وہ اس ٹھکانے تک پہنچنا چاہتے ہوں گے جس کا ذکر امین اللہ نے مجھ سے بھی کیا تھا۔

ایک زوردار آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ لکڑی کا بوسیدہ دروازہ ٹوٹ کر اندر گرا تھا۔ خطرے کے فوری احساس نے مجھے کچھ کرگزرنے پر مجبور کردیا۔ میں تیزی سے نیم کے پیڑ کی طرف لپکا اور بندروں کی طرح پیڑ پر چڑھتا چلا گیا۔ اسی وقت ایک دھماکہ ہوا کسی سپاہی نے بندوق چلائی تھی۔ گولی سنسناتی ہوئی شاخوں کے درمیان سے گزر گئی۔

"وہ پیڑ پر چڑھ گیا ہے" کسی نے کہا "میں نے اسی پر فائر کیا تھا۔"

میں تیزی سے ایک موٹی سی شاخ سے چمٹا ہوا اوپر کھسک رہا تھا۔ آنگن میں تاریکی تھی اور پیڑ خاصا گھنا تھا اس لئے امید تھی کہ وہ مجھے نہ دیکھ پائیں گے۔ میں اس شاخ کے سرے تک پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ اس شاخ کا سرا عمارت کی چھت تک معلوم ہوتا تھا۔

"مکان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لو۔ جاؤ جلدی کرو۔ ہم اس پیڑ پر چڑھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ چھت پر چڑھ چکا ہو" میں نے سنا۔ وہ جو کوئی بھی تھا یقیناً ذہین شخص تھا اس لئے کہ

جو کچھ میں نے سوچا تھا وہی اس کے ذہن میں بھی آگیا تھا۔

اب میرے ہاتھ چھت کی کگر سے چھونے لگے تھے۔ میں نے اپنے جسم کو سمیٹا اور ہاتھوں پر زور دے کر اوپر اٹھنے کی کوشش کی۔ میں پوری کوشش کر رہا تھا کہ وہ میری نقل و حرکت سے باخبر نہ ہو جائیں۔ ورنہ ممکن تھا کہ ان میں سے کوئی دوبارہ فائر کر دیتا۔ میں انہیں کسی قسم کے شبے میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ وہ معمولی فاصلہ طے کیا تھا جو عام حالات میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہ لیتا۔ میں پیڑ پر سے سینے کے بل چھت پر رینگ گیا اور اسی وقت پیڑ کی شاخیں زور سے ہلیں۔ غالباً پولیس والے بھی پیڑ کے ذریعے اوپر چڑھ رہے تھے۔ چھت سپاٹ تھی میں تیزی سے رینگتا ہوا چھت کے دوسرے سرے تک پہنچا اور نیچے گلی میں جھانکا۔ گلی میں پولیس والوں کی بھاری تعداد موجود تھی اور آس پاس کے مکانوں والے سہمے ہوئے اپنے اپنے گھروں کے دروازوں سے جھانک رہے تھے۔

مجھے اس صورت حال تک پہنچنے میں کچھ زیادہ عرصہ نہیں لگا تھا۔ حالات بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ ہمزاد کو مجھ سے جدا ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا میں نے اب تک دانستہ اسے طلب نہیں کیا تھا اور اس کی مدد سے گریز کیا تھا کیونکہ میرے علم میں تھا کہ وہ رضیہ کے بے ہوش جسم کو لے کر گیا ہے اور رضیہ کے جسم کو بحفاظت زکریا اسٹریٹ والے فلیٹ میں پہنچانا بے حد ضروری تھا اور اس صورت میں تو اس کی مکمل حفاظت کی اور بھی ضرورت تھی جب کہ دلال بنرجی سے میری ٹھن چکی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق ہمزاد کو اب تک اپنے کام سے فارغ ہو جانا چاہئے تھا اور اب میں اس نازک صورت حال سے دوچار تھا کہ ہمزاد کی مدد کے بغیر پولیس کے چنگل سے بچ نکلنا میرے لئے تقریباً ناممکن ہوگیا تھا۔ اب تک جس حد تک جدوجہد ممکن تھی میں کر چکا تھا اور اب پوری طرح پھنس چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ امین اللہ فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا تھا یا نہیں لیکن پولیس اب ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑگئی تھی۔ اس بات سے اندازہ ہوتا تھا کہ امین اللہ انہیں جل دے کر نکل گیا ہے اور اب پولیس والے مجھے کسی قیمت پر فرار نہیں ہونے دینا چاہتے۔ میرے پاس اب صرف چند لمحے تھے جن میں مجھے کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ آیا میں ہمزاد کو طلب کروں یا نہیں؟ دوسری صورت میں پولیس کے ہتھے چڑھ جانا یقینی تھا۔ جو میں کسی طرح گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ہمزاد کو طلب کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر اسے پکارنے ہی والا تھا کہ چھت پر ایک سایہ سا لہرایا۔

"وہ رہا۔" کوئی چیخا۔

آنے والا تنہا تھا اور اس کے ہاتھ میں بندوق نہیں تھی۔ شاید اس نے ضرورت سے زیادہ نڈر ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ اب وقت ضائع کرنا فضول تھا۔ ایک طرف میں نے ہمزاد کو پکارا اور دوسری طرف اچانک' آنے والے پر چھلانگ لگادی۔ وہ غالباً اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ گرا اور میں اس کے اوپر چھا گیا۔ لیکن جسمانی طور پر وہ مجھ سے قوی تھا۔ وہ فوراً ہی سنبھل گیا اور اس کا دایاں ہاتھ چل گیا مجھے اپنی کنپٹی پر پہاڑ ٹوٹتا محسوس ہوا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے تین چار افراد کو یکے بعد دیگرے چھت پر کودتے دیکھا۔

"نکل کے جانے نہ پائے" آنے والوں میں سے کوئی چیخا اور میرا ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا تھا۔ میں نے لہرا کر گرنے سے پہلے تین چار تیز چیخیں سنیں اور پھر مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ کیونکہ میں بے ہوش ہو چکا تھا۔

دھندلی دھندلی سی روشنی میں' میں نے آنکھیں کھولیں۔ میں نے اپنے ماتھے پر کسی ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔

"ہمزاد!" میں نے اوپر نظر اٹھائی۔

"غالباً مجھے پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ میں معذرت خواہ ہوں لیکن...." ہمزاد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

میں ایک آرام دہ مسہری پر دراز تھا اور سامنے طاق میں لالٹین روشن تھی۔ مگر اس کی لو بہت مدھم تھی۔ میں نے ہمزاد کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "شاید تم نے دانستہ روشنی کم رکھی ہے تاکہ کسی قسم کا شبہ نہ ہو کہ یہاں کوئی موجود ہے۔" یہ کہہ کر میں نے کمرے کا جائزہ لیا اور چونک پڑا۔

"جی ہاں" ہمزاد کی آواز سنائی دی مگر میں نے اس کا جواب سنا ان سنا کر کے بے تابی سے پوچھا۔

"رضیہ کہاں ہے؟"

"وہاں" جہاں صرف آپ جا سکتے ہیں۔ میں نہیں۔ وہ میری دسترس سے نکل چکی ہے۔ میں اس لئے اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ مجھے جو خدشہ تھا آخر کو وہی ہوا۔ دلال بنرجی اپنا کام کر گیا۔ اگر مجھے بروقت آپ کی مدد کے لئے نہ جانا پڑتا تو شاید وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پاتا۔ ہمزاد نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے تمہاری باتیں الجھا رہی ہیں تفصیل سے بتاؤ کیا ہوا؟ اور اب کیا کرنا ہے" میں بے تابی سے بولا۔

"رضیہ اس وقت دلال بنرجی کی عبادت گاہ میں ہے۔ وہ عبادت گاہ جو خبیث روحوں کا مسکن ہے اور جہاں پاکیزہ ارواح داخل نہیں ہو سکتیں۔ وہاں کوئی غیر مادی وجود نہیں جا سکتا۔ سوائے ان وجودوں کے جنہیں شیطانی وجود کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو آپ کے علم میں ہے کہ میرا تعلق پاکیزہ ارواح سے ہے اور اسی لئے میں ناپاکی کی حالت میں خود آپ کے پاس تک نہیں آسکتا۔ اس لئے میرا وہاں پہنچنا اور رضیہ کو وہاں سے نکال کر لانا ناممکن ہے۔ لیکن آپ وہاں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور میں آپ کے جسم میں ایسی قوتیں بیدار کر سکتا ہوں کہ شیطانی ارواح آپ پر اثر انداز نہ ہوں۔ دلال بنرجی کا کوئی نادیدہ اور پراسرار حملہ آپ کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے....."

"وہ عبادت گاہ کہاں ہے؟" میں نے ہمزاد کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"ہگلی کے کنارے۔ آبادی سے کچھ فاصلے پر۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔ "آپ وہاں جا سکتے ہیں آپ کو اس قابل بنایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن وہاں پہنچ کر آپ کو بے انتہا محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ میں آپ کو اس بات کی ضمانت تو دے سکتا ہوں کہ آپ کی زندگی ہر طرح کے خطرے سے بچی رہے گی۔ لیکن اسی صورت میں جب آپ اپنے ہوش و حواس پوری طرح برقرار رکھیں گے اور دلال بنرجی کے کسی فریب کا شکار نہ ہو جائیں۔ حقیقی طور پر میں آپ کے جسم میں اتنی قوت بھی پیدا کر سکتا ہوں کہ آپ بیک وقت کئی طاقتور افراد کا تنہا مقابلہ کر سکیں لیکن یہ قوت عارضی ہوگی۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ میں ابھی اور اسی وقت وہاں جانے کے لئے تیار ہوں۔ اس سے پہلے کہ دلال بنرجی رضیہ کا دامن عصمت تار تار کر سکے میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ پھر آپ ہی آپ میں کسی خیال میں کھو گیا۔

"آپ ٹھیک سوچ رہے ہیں" ہمزاد بولا۔ "رضیہ کو یہاں سے اغوا ہوئے کم از کم آدھا گھنٹہ گذر چکا ہے اور یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ جسے بہرحال قبول کرنا ہی پڑے گا۔"

"لیکن.... لیکن اگر ایسا ہوا تو میں اس سے بہت سخت انتقام لوں گا۔ رضیہ پر صرف میرا حق تھا اور میرا حق ہے۔ کیا... کیا تم پتہ نہیں لگا سکتے کہ میں نے جو کچھ سوچا ہے' مجھے جو کچھ خوف ہے' وہ صحیح ہے یا غلط...." میں ایک دم جوش میں آکر ٹھنڈا ہوتا چلا گیا۔

"میری آنکھوں نے دیکھا کہ رضیہ دلال بنرجی کے سینے سے لگی ہوئی ہے اور اس سے زیادہ دیکھنے کی تاب میں نہ لا سکا۔" ہمزاد کی آواز میں دکھ تھا۔

میں جو کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا وہ مجھے معلوم ہو چکا تھا۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ میں رضیہ سے دستبردار ہو جاتا' اسے بھول جاتا' اس کی مظلومیت کو نظرانداز کر دیتا۔ اسے دلال بنرجی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا۔ یہ میری عزت نفس کے خلاف تھا۔ یہ میری انا کی شکست تھی۔ میرا خون کھول اٹھا میں بے چین ہو گیا۔ میرا اضطراب بڑھتا چلا گیا۔

"میں آج ہی رات بلکہ ابھی وہاں جانا چاہتا ہوں۔" میں نے ہمزاد کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"آپ ابھی کچھ دیر قبل ایک ذہنی جھٹکے سے دوچار ہوئے ہیں۔ نیا جسم حاصل کرنے اور اس کے ساتھ مکمل ہم آہنگی پیدا کرنے کے بعد یہ آپ کا پہلا دن ہے۔ آپ کو احتیاط کی ضرورت ہے اگر آپ ایک رات اور صبر کر سکیں تو زیادہ بہتر ہے ورنہ اگر آپ آج ہی رات اور ابھی وہاں پہنچنا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں آپ کو چند لمحوں میں اس قابل بنا دوں گا کہ دلال بنرجی کا کوئی حملہ آپ پر کارگر نہ ہو سکے" ہمزاد نے مجھے مشورہ دیا۔

میرا اضطراب مصلحت کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ہرچند کہ میں اس بات سے بھی بخوبی واقف تھا اور اس کا عملی تجربہ بھی مجھے کئی بار ہو چکا تھا کہ ہمزاد کے مشورے ہمیشہ میرے ہی حق اور مفاد میں ہوتے ہیں۔ مگر ہمزاد بہرحال ایک غیر انسانی وجود تھا۔ وہ شاید انسان کے جذبے' احساس' اس کی محبت' اس کی رقابت' اس کے حسد' اس کے رشک' اس کے الم' اس کی مسرتوں اور ان عوامل کا مکمل طور پر اندازہ نہیں لگا سکتا تھا جن سے انسانی خمیر اٹھا ہے۔ انسان جو جان بوجھ کر کبھی کبھی گھاٹے کا سودا بھی کر لیتا ہے۔ کبھی وہ سب کچھ سمجھتے بوجھتے لاعلم اور بے خبر بن جانا چاہتا ہے۔ اور مجھ جیسی سیماب صفت طبیعت کا انسان تو کچھ اور ہی جذبے رکھتا تھا۔ وہ دور ہی ایسا تھا۔ وہ دن ہی ایسے تھے۔ جب خطروں سے کھیلنے میں لطف آتا تھا۔ جب پر سکون زندگی پر موت کا گمان ہوتا تھا۔ جب ہر لمحہ ایک نیا ہنگامہ کرنے کو جی چاہتا تھا۔ اس وقت بھی ہمزاد کے مشورے نے مجھے کچھ دیر کے لئے عقل کی پیروی کی ترغیب دی مگر میں نے اپنی پوری زندگی میں زیادہ تر عقل پر دل کو ترجیح دی ہے۔ دل جو میرے لئے ان دیکھی تباہیاں لایا۔ دل جس نے مجھے ذلت و رسوائی سے ہمکنار کیا۔ دل جس کی خاطر میں نے ہر دکھ اپنا لیا۔ دل جس کی ہر صدا پر میں نے لبیک کہا۔ اس دل نے مجھ سے کہا کہ میں ہمزاد کا مشورہ قبول نہ کروں سو میں نے ایسا ہی کیا۔

"میرا فیصلہ اپنی جگہ اٹل ہے۔ یہ رات یوں ہی نہیں گزرے گی۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔

پھر چند ہی لمحوں میں جیسے میرے پورے وجود کو کسی نے روشنیوں میں نہلا دیا۔ میں نے اپنے پورے جسم میں بجلی کی سی رو گذرتی محسوس کی۔ ہمزاد مجھ سے بغل گیر تھا اور جب وہ مجھ سے جدا ہوا تو میں نے اپنے جسم میں ایک عجیب سی قوت کا احساس کیا۔

فلیٹ کا دروازہ آہستگی سے کھلا اور اسی طرح بند ہو گیا۔ میں بلڈنگ کے اوپری زینے پر چڑھ رہا تھا۔

"میں اس عبادت گاہ کے احاطے سے باہر آپ کا منتظر رہوں گا۔ میں اب آپ کی طرف سے مطمئن ہوں لیکن ایک بار پھر آپ کو یہ تلقین کروں گا کہ آپ وہاں داخل ہو کر محتاط رہیں گے اور رضیہ کو وہاں سے نکال کر جلد سے جلد اس عبادت گاہ کی حدود سے باہر لے آئیں گے۔ اس کے بعد کوئی طاقت ایسی نہیں جو ہماری راہ میں حائل ہو سکے" ہمزاد نے چھت پر پہنچ کر کہا۔

شہر ابھی پوری طرح سویا نہیں تھا اور کلکتے کی راتیں تو ہمیشہ جاگتی ہیں۔ ہمزاد مجھے کافی بلندی تک لے گیا تاکہ لوگوں کی نظریں مجھ پر نہ پڑ سکیں۔ اس نے مجھے بے ہوش نہیں کیا تھا۔ میرے لئے اب یہ کوئی نیا تجربہ نہیں تھا۔ اب میں کسی قدر اس کا عادی ہو چکا تھا۔ شہر کی عمارتیں چھوٹے چھوٹے کھلونوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ مشکل سے ایک منٹ گذرا ہو گا کہ میری سماعت سے ہگلی کی پر شور لہروں کی آواز ٹکرائی۔

"ہم پہنچ چکے ہیں۔" ہمزاد نے مجھے نرم ریت پر اتار دیا۔ میرے بائیں طرف ہگلی بہہ رہی تھی اور دائیں طرف کچھ فاصلے پر ایک بڑی سی عمارت کا دھندلا سا ہیولا نظر آ رہا تھا۔

"ممکن ہے وہ آپ کی آمد سے باخبر ہو جائے۔ لیکن وہ آپ کو عبادت گاہ میں داخل ہونے سے نہیں روک سکے گا۔" ہمزاد نے بتایا۔

"لیکن کس طرح؟ اگر عبادت گاہ کے دروازے بند ہوئے تو؟" میں نے جواب دیا۔

"اس پوری عبادت گاہ میں کوئی دروازہ نہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"اور غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں دلال بنرجی کی اجازت کے بغیر کسی کے داخل ہونے کا سوال ہی نہیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے' وہ ایسی شیطانی قوتوں کا مالک ہے کہ دروازہ نہ ہونے کے باوجود کوئی شخص یہاں داخل نہیں ہو سکتا۔ شیطانی ارواح اسے اس وقت تک اندر داخل نہیں ہونے دیں گی۔ جب تک خود دلال بنرجی کا ایما شامل نہ ہو لیکن آپ کا

معاملہ برعکس ہے وہ آپ کو نہیں روک پائے گا۔" ہمزاد نے مجھے تسلی دی۔

مجھے یہ بتاتے ہوئے کوئی عار نہیں کہ جب میں ہمزاد سے رخصت ہو کر اس پراسرار عبادت گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو میرے پاؤں میں لرزش تھی۔ مگر جلد ہی میں نے خود کو سنبھال لیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب میں تن تنہا کوئی معرکہ انجام دینے جا رہا تھا۔ لیکن میرے دل کو اس امر سے تقویت بھی تھی کہ میری پشت پناہی کے لئے ہمزاد موجود ہے۔ میں لاعلم تھا کہ میں اس پراسرار عبادت گاہ میں پہنچ کر کن حالات سے دوچار ہوں گا۔ اسی لئے میرا دل پر جوش ہونے کے ساتھ ساتھ وسوسوں اور اندیشوں سے بھی لبریز تھا۔ چاند بادلوں کی اوٹ سے نکلا تو مجھے اس عمارت کے کھنڈر نما نقوش نظر آئے۔ اس جگہ عجیب سی ویرانی برس رہی تھی۔ مکمل سکوت اور ویرانی' جیسے وہاں زندگی کے آثار ہی نہ ہوں۔ جیسے جیسے میں اس عمارت سے قریب ہوتا گیا۔ میں نے اپنے وجود پر ایک بوجھ سا محسوس کیا مگر میرے قدم آگے ہی بڑھتے رہے۔ پھر جیسے ہی میں نے ایک نیم شکستہ دیوار عبور کی ایک بھرپور چیخ نے میرے سارے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ چیخ میرے اعصاب پر بجلی بن کر گری اور میں اپنی بھرپور قوت سے اس کھنڈر نما عمارت کی طرف دوڑا جو مجھ سے اب صرف چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ میں اس چیخ کو پہچان چکا تھا۔

"رضیہ! رضیہ! میں آ رہا ہوں" میں چیخا۔

جیسے ہی میں ان کھنڈرات میں داخل ہوا تو ایک دم تیز روشنی میں نہا گیا۔ میرے قدم رک گئے میں مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک ایسا ہی منظر تھا۔ اتنا حسن بیک وقت میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چند لمحے پہلے کی کیفیت جیسے میرے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ گئی۔ میں جیسے سب کچھ بھول گیا۔ پھر میری سماعت سے ایک دلکش مدہم لے ٹکرائی ایک ایسی لے جو بہت سے سازوں کی ہم آہنگی کا نتیجہ تھی۔ جلترنگ اور ستار کی ملی جلی سی آواز۔ اس لے کے ساتھ ہی وہ جسم حرکت میں آ گئے جو سنگ مرمر کے ایک حوض کے کنارے نیم دراز تھے۔ حوض کے اردگرد سرخ گلابوں کی مہک میرے حواس کو مسخر کر رہی تھی۔ نہ جانے میں کب اور کس طرح نرم نرم ہری گھاس پر نیم دراز ہو گیا اور ان قیامتوں نے مجھے گھیر لیا۔ رنگ و نکہت کا ہجوم مجھے اپنے گھیرے میں لے چکا تھا۔

میں نہ جانے کن دنیاؤں میں سفر کر رہا تھا۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر دو گلاب کی پنکھڑیاں محسوس کیں اور ایک بے نام سا نشہ میرے سارے وجود پر چھاتا چلا گیا۔ باریک پیرہنوں کی سرسراہٹوں کے ساتھ میری وحشتیں بڑھتی گئیں۔ مجھے یاد ہے کہ کسی سرو قد کے نازک ہاتھوں میں ایک صراحی تھی۔ پھر چند لمحے بعد ایک بلوریں گلاس میرے ہونٹوں سے لگا تو مجھے ابکائی سی محسوس ہوئی مگر میں وہ بڑھا ہوا ہاتھ نہ جھٹک سکا۔ ایک گرم آگ میرے سینے میں اتر گئی "شراب" میں نے سوچا۔ مگر اب وقت گذر چکا تھا۔ میرے کان کی لویں گرم ہو گئیں۔ بہتی ہوئی ہواؤں کی ہلکی ہلکی تھپکیوں نے مجھے لذت و سرور کی نئی وادیوں میں گم کر دیا۔ زندگی میں پہلی بار میں لذت مئے سے آشنا ہوا تھا۔ لیکن اگر مجھے اس وقت شراب نہ بھی پلائی جاتی تو شاید میں نشے سے نہ بچ سکتا۔

خواب اور بیداری' بیداری اور خواب' خوشبو اور رنگ' نشہ' دہرا نشہ' میں انہیں کے درمیان وقت کی ناپیدا کنار وسعتوں میں نہ جانے کب تک اپنا وجود بھولا رہا۔ نشہ پیہم نشہ' شراب کا نشہ میں اس نشے میں کھو گیا۔ میں اس پراسرار عبادت گاہ میں کیوں آیا تھا؟ اور مجھے یہاں آ کر کیا کام انجام دینا تھا' مجھے کچھ بھی یاد نہ رہا۔ اگر زمینی جنت کا تصور کیا جا سکتا ہے تو ہاں میں نے وہ شب و روز جنت میں بسر کئے۔ ایک سا موسم' ایک سی کیفیت' ایک نہ ختم ہونے والی لذت' وقت جیسے اپنی جگہ ٹھہر گیا ہو' جیسے گردش روز و شب ختم ہو چکی ہو' جیسے زندگی صرف راحت ہی راحت ہو' کیف ہی کیف ہو' نشہ ہی نشہ ہو' لذت ہی لذت' رنگ ہی رنگ' خوشبو ہی خوشبو ہو۔

مجھے یاد ہے کہ وہ نشے کے ٹوٹنے کی سی کیفیت تھی اور میں متوقع تھا کہ حسب معمول میں پھر لذتوں میں ڈوب جاؤں گا۔ میرے ہونٹوں سے پھر کوئی شراب آ لگے گی لیکن اس دن ایسا نہیں ہوا۔ وہ ہلکی ہلکی سازوں کی لے ایک دم ختم ہو گئی جس کی میری سماعت عادی ہو چکی تھی۔ خوشبوئیں نہ جانے کہاں روپوش ہو گئی تھیں۔ رنگ نہ جانے کدھر بکھر گئے۔ میں نے گھبرا کر دھندلائی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔

"میں اپنے باغ میں باسی پھول رکھنے کا عادی نہیں ہوں۔ اب تم اسے لے جا سکتے ہو" اس گونج دار بھاری آواز نے جیسے مجھے خوابوں کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں کھینچ لیا۔ میں ایک دم اچھل کر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے حوض کے کنارے دلال بنرجی اپنے مخصوص لباس میں کھڑا ہوا تھا اور اس کے پیروں کے پاس ایک لڑکی کا جسم پڑا تھا۔ جس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ میری رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ میرا جی چاہا کہ میں دلال بنرجی کی گردن دبا دوں "انتقام" میرے ذہن میں ایک لفظ گونجا اور اسی وقت وہ پھر بولا۔

"میں نے کبھی اپنے مہمانوں کی خاطر میں کمی نہیں کی۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس پورے ایک ہفتے میں زندگی کی ان مسرتوں سے ہمکنار رہوئے ہوگے جن کا کبھی تم نے تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ دشمن نانا بہت آسان ہے مگر دوست بہت مشکل سے بنتے ہیں۔ تم نے جھے بحیثیت دشمن قبول کیا تھا اور دیکھ لو کہ میں نے اپنی دشمنی کا رض ادا کردیا" یہ کہہ کر اس نے اپنے پیروں پر پڑے ہوئے جسم لو ٹھوکر لگائی۔ لڑکی کا چہرہ میری طرف ہوگیا وہ بے ہوش ی۔ میرا اندازہ قطعی درست تھا وہ رضیہ ہی تھی۔ اس نے رضیہ کے جسم پر جس حقارت سے ٹھوکر لگائی تھی اس نے میرے تن ن میں آگ لگادی اور بغیر سوچے سمجھے اس پر جھپٹ پڑا مگر نہیں تو مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"پھر کوشش کرو شاید اس بار تم میرا جسم چھو سکو" اس نے ے چڑایا اور میں غصے سے پاگل ہو کر پھر اس پر ٹوٹ پڑا۔

"میں چاہوں تو اسی طرح تمہیں تھکا تھکا کر مار سکتا ہوں ن میں بے مصرف کاموں میں وقت ضائع نہیں کرتا۔" دلال ی پھر بولا "میں جارہا ہوں مجھے اس عمارت میں ڈھونڈ کر اپنا ت ضائع نہ کرنا اس لئے کہ تمہیں یہاں اب میری پرچھائیں ، نہ مل سکے گی" یہ کہہ کر وہ تیزی سے ایک طرف بھاگا۔ میں بھی اس کا پیچھا کرنے میں دیر نہیں کی تھی لیکن چند ہی لمحوں وہ میری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ اسی لمحے مجھے بے ہوش ہہ کا خیال آیا اور میں تیزی سے اس طرف لوٹا جہاں اسے ڑا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں میں وہ جگہ نہ بھول جاؤں۔ لیکن نے وہ جگہ ڈھونڈ نکالی اس کا جسم ابھی تک بے سدھ پڑا تھا۔ نے نبض ٹٹولی پھر دل کی دھڑکن محسوس کی اور اسے اپنے ڑں پر اٹھالیا۔ اب میں ان کھنڈرات سے باہر نکلنے کے لئے تھا۔ دلال بنرجی کی طرف سے مجھے فی الحال کسی نئے ہنگامے یا ٹ کی توقع نہیں تھی اس لئے کہ خود اس نے مجھے رضیہ کو جانے کی اجازت دی تھی۔ میں پورے ایک ہفتے کے بعد اس رار عبادت سے باہر آرہا تھا۔ خجل خجل، بجھا بجھا اور تھکا تھکا ے میں نے اپنا سب کچھ کھو دیا ہو، جیسے میں اپنی عزت س کا لاشہ خود اپنے ہاتھوں پر اٹھائے اس عمارت سے باہر ہا تھا۔ آخر مجھے ہو کیا گیا تھا؟ ہمزاد نے مجھے وہاں داخل سے پہلے تنبیہہ کی تھی کہ میں محتاط رہوں مگر میں محتاط نہ مجھ پر انسانی کمزوری غالب آگئی۔ میں حسن کے آگے سب ھول بیٹھا۔ میں دلال بنرجی کے فریب کا شکار ہوگیا اور وہ بچھ کر گزرا جو وہ چاہتا تھا۔ اس نے میری حسن پسندی کی یا کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اس لئے کہ اتنا تو وہ بھی جان چکا ہوگا کہ اس کا کوئی پراسرار حملہ مجھ پر کارگر نہیں ہوگا اسی لئے اس نے دوسرا حربہ استعمال کیا تھا۔ اس بات کا اندازہ تو مجھے بھی تھا کہ دلال بنرجی جیسے شخص کے لئے لڑکیاں کوئی مسئلہ نہیں ہوسکتیں۔ ہرچند رضیہ بہت خوب صورت سہی لیکن اس کے پاس بھی کم حسین لڑکیاں نہیں تھیں۔ اس صورت میں رضیہ کے لئے بے تاب ہونا نہ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ پھر اس نے رضیہ کو کیوں حاصل کیا؟ اس سوال کا جواب میرے ذہن میں صرف یہی تھا کہ وہ مجھے نیچا دکھانا چاہتا تھا مجھے ذلیل اور بے عزت دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے افضل ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ پراسرار قوتوں کا مالک ہے، وہ مجھے شکست دے سکتا ہے، رسوا کرسکتا ہے، میری انا کی دھجیاں بکھیر سکتا ہے اور اس نے یہی کیا بھی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکا تھا اور اس نے عملی طور پر ثابت کردیا تھا کہ میں اس کے مقابلے میں بہت حقیر ہوں۔ روحانی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی۔ اور یہ حقیقت اس قدر تلخ تھی کہ میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ میں جب تھکے تھکے قدموں سے رضیہ کا بے ہوش جسم اٹھائے اس پراسرار عبادت گاہ سے باہر آیا تو میں بے انتہا ملول تھا۔

"آپ آگئے .... آگئے آپ" عمارت سے باہر آتے مجھے ہمزاد کی بے تابانہ آواز سنائی دی۔

"ہاں میں آگیا۔ میں لوٹ آیا۔ میں اپنی غیرت کا جنازہ اٹھائے ہوئے لوٹ آیا ہوں" میری آواز بھرا گئی۔ اس وقت واقعی میرا دل اس قدر اداس تھا کہ اگر کوئی ایسا ہوتا جس کے سینے سے لگ کر میں پھوٹ پھوٹ کر رو سکتا تو اتنا روتا کہ روح کی ساری کثافت آنسوؤں میں بہہ جاتی مگر ہمزاد تو ایک غیر انسانی وجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ میرے ہر دکھ میں شریک تھا۔ وہ نفس نفس میرے ساتھ تھا وہ میرا ہی سایہ تھا لیکن اس کے اور میرے درمیان وہ فرق بہرحال تھا جو ایک مادی اور غیر مادی وجود میں لازمی ہے۔

اس رات ہمزاد مجھے اور رضیہ کو ذکریا اسٹریٹ والے فلیٹ میں لے آیا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد رضیہ بھی ہوش میں آگئی تھی۔ اس نے ہوش میں آتے ہی بھونچکا ہو کر مجھے دیکھا اور اس کے منہ سے حیرت واستعجاب کے سبب چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کچھ دیر وہ مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ مجھے ہمزاد کے ذریعے اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوچکا تھا لیکن اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے میں نے اس سے وہ باتیں دریافت کیں جو اس کے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھیں مگر وہ خاموش رہی۔ وہ سسکتی رہی پھر

اس نے اپنا چہرہ اٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے .... مجھے اپنا بچہ یاد آرہا ہے۔ مجھے میرا بچہ لادو۔"

"گھبراؤ مت سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا" میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں کہاں ہوں؟" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں سوال کیا۔ تم میری امان میں ہو اور اب تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا" میں نے جذباتی لہجے میں جواب دیا پھر کچھ سوچ کر بولا "چند مصلحتوں کے سبب میں تمہیں اور تمہارے بچے کو لے کر فوراً اپنی دنیا میں نہیں لوٹ سکتا ہمیں کچھ دن یہیں تمہاری دنیا میں گزارنے ہیں اور مجھے تم پر بھروسہ ہے کہ تم صبر سے کام لوگی۔"

"صبر" وہ بڑبڑائی "میں نے اب تک بہت صبر کیا ہے مگر اب میری قوت برداشت جواب دے چکی ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں نے تمہاری خاطر کتنے صبر آزما دن گزارے ہیں۔" اس کے بعد وہ ان واقعات کو بیان کرنے لگی جب وہ مجھ سے جدا ہوئی تھی وہ کہہ رہی تھی۔

"سرفراز کو قتل کرنے کے بعد مجھ پر ایک عجیب سی وحشت سوار ہوگئی تھی میں باوجود کوشش کے خود پر قابو نہ رکھ سکی اور جب میری آنکھوں نے وہ بھیانک منظر دیکھا کہ تمہارا سر اس کے کٹے ہوئے گلے کے ساتھ ہم آہنگ ہو رہا ہے تو میں قطعی حواس کھو بیٹھی۔ میں اتنی خوف زدہ ہوئی کہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی لیکن ابھی میں نے چند قدم کا فاصلہ طے کیا تھا کہ مجھ پر بیک وقت تین چار آدمی جھپٹے۔ میرے منہ سے چیخ نکل گئی لیکن ان میں سے کسی نے اپنا بھاری اور مضبوط ہاتھ میرے منہ پر جمادیا اور مجھے سانس بھی لینا دوبھر ہوگیا۔ میرا دم گھٹنے لگا اور میں بے ہوش ہوگئی۔ مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو رسیوں میں جکڑا ہوا پایا اور میرے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ اسی حالت میں، میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہی وہ لوگ سخت وحشی اور درندے تھے۔ وہ میرے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے مجھے مارتے۔ میرے جسم پر اب تک ان کی مار کے نشان باقی ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ کوئی تہ خانہ تھا جہاں مجھے رکھا گیا تھا۔ اس جگہ دن اور رات کی تمیز کرنا مشکل تھا۔ ایک بار ان تین کے علاوہ دو اجنبی چہرے بھی دکھائی دئے۔ میں صرف اتنا سن پائی تھی کہ انہیں سودا منظور ہے۔ اس کے بعد مجھے ان دو اجنبیوں کے سپرد کردیا گیا۔ پھر نہ جانے انہوں نے مجھے کیا پلایا کہ میں اپنے حواس کھو بیٹھی۔ مجھے احساس ہے کہ میں نے ٹرین میں بھی سفر کیا لیکن میں اس قابل نہیں تھی کہ زبان سے ایک لفظ بھی ادا کرسکتی۔ مجھے جب بھی ہوش آتا، کوئی دوا سی پلادی جاتی جسے اپنی نقاہت اور کمزوری کے سبب میں پینے پر مجبور تھی۔ وہ دونوں اجنبی بری طرح مجھ پر مسلط تھے۔ پھر یہ عرصہ بھی گزر گیا۔ مجھے مکمل طور پر ہوش آگیا۔ اب میں ایک نہایت آرام دہ بستر پر تھی اور مجھے جس کمرے میں رکھا گیا تھا وہ بھی نہایت عمدہ اور سجا ہوا تھا۔ میری سماعت سے مختلف سازوں کی آوازیں ٹکرائیں۔ میں بہت دن نہ سمجھ پائی کہ میں ایک طوائف کے کوٹھے پر ہوں۔ پھر جب میری جسمانی حالت اچھے کھانے، نگہداشت اور دواؤں سے بالکل بہتر ہوگئی تو مجھے ایک شام بتایا گیا کہ مجھے رقص کی تربیت حاصل کرنی ہے۔ میں نے صاف انکار کردیا۔ پہلے انہوں نے مجھے ڈرایا دھمکایا مگر میں راضی نہ ہوئی۔ پھر اس عورت نے مجھے خوشامد درآمد کرکے رام کرنے کی کوشش کی۔ جسے سب ممتاز بیگم کہتے تھے۔ لیکن اب میں سب کچھ سمجھ چکی تھی۔ نجمہ اور آسیہ سے مجھے سب کچھ معلوم ہوچکا تھا۔ کبھی وہ دونوں بھی میری طرح یہاں لائی گئی تھیں۔ انہوں نے مجھے بہلانے کی پوری کوشش کی لیکن میں اپنے فیصلے پر قائم رہی۔ پھر اب سے کچھ دن پہلے ایک رات ممتاز بیگم کے ہمراہ میں نے ایک عجیب شخص کو دیکھا جو اپنے جسم پر ریشمی گیروا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔ ممتاز بیگم نے مجھ سے کہا کہ وہ شخص ایک بہترین وید ہے اور میری صحت وتندرستی کے لئے کچھ دوائیں تجویز کرنے آیا ہے۔ ممتاز بیگم نے ایک کٹورے میں اس شخص کے سامنے پانی رکھا اور اس نے اپنے لبادے میں ہاتھ ڈال کر کوئی ڈبیہ نکالی اور اس میں سے کچھ سفوف پانی میں ڈال کر مجھے پینے کو دیا۔ اسی وقت ممتاز بیگم نے اپنے ایک گرگے بنے میاں کو کسی سبب آواز دی۔ دور سے بنے میاں کی آواز آئی اور وہ اجنبی چونک پڑا۔ اس نے وہیں سے چیخ کر کسی کو مخاطب کیا۔ اسے نہ روکو، اسے اندر آنے دو۔ میں اس کا بے معنی سا فقرہ سن کر کچھ بھی نہ سمجھ پائی اس عرصے میں وہ کٹورا میری طرف بڑھا چکا تھا "پی جاؤ!" اس کے آواز میں حکم تھا، ایک ایسا حکم جسے خواہش کے باوجود میں نہ ٹال سکی۔ پانی پیتے ہی میں نے جسم کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا اور میرے ذہن پر نیند کا سا غبار چھانے لگا۔ میں نے اپنا سر گھٹنوں میں دے لیا پھر مجھے یاد نہیں کیا ہوا شاید میری آنکھ لگ گئی تھی اور میں ایک بڑا عجیب سا خواب دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میں رقص کررہی ہوں اور اس رقص میں مجھے لذت محسوس ہو رہی تھی۔ پھر نہ جانے کتنی دیر میں اسی عالم میں محو رقص رہی۔ میں اپنے جسم میں تھکن محسوس کررہی تھی۔ جیسے کوئی نادیدہ قوت مجھے متحرک کئے ہوئے

تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ خواب بکھر گیا۔ اب پھر ہر طرف اندھیرا تھا۔ ایک لامتناہی اندھیرا۔ پھر اسی اندھیرے سے ایک روشنی کی کرن پھوٹی اور ایک چہرے کے گرد طواف کرنے لگی۔ وہ اس اجنبی کا چہرہ تھا۔ شاید اب میں کوئی دوسرا خواب دیکھ رہی تھی۔

پھر...... مجھے آپ یاد آئے۔ میں نے آپ کی امانت میں خیانت کی تھی مگر نہیں وہ تو صرف خواب تھا میں لذتوں میں کھو گئی۔ خواب در خواب ایک ہی چہرہ۔ میں ہلکان ہو گئی۔ میں اس خوابوں کے جال سے نکلنا چاہتی تھی۔ مگر ان خوابوں کا سلسلہ ایک طویل اندھیرے پر ختم ہوا اور جب میری آنکھ کھلی تو میں نے آپ کو اپنے قریب پایا" رضیہ اپنی سرگزشت سنا کر خاموش ہو گئی۔

میں رضیہ کی باتیں سن کر بہت دیر خاموش خاموش سا رہا۔ میں نے اپنے اندر اتنی اخلاقی جرات محسوس نہ کی کہ اسے بتا سکتا کہ جسے اس نے خواب سمجھا تھا وہ خواب نہیں حقیقت تھا اور وہ اس دوران دلال بنرجی کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر تھی۔

"سو جاؤ' سو جاؤ رضیہ! تم کافی تھکی ہوئی ہو" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اس طرح غافل ہو گئی جیسے اب اسے اس کی منزل مل چکی ہو۔ اسے اپنے بارے میں کوئی فکر نہ ہو جیسے اسے تحفظ مل چکا ہو۔ شاید اس احساس نے اسے نیند کی پرسکون آغوش میں پہنچا دیا تھا۔

میں رضیہ کو بے سبب سلانا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ہمزاد سے کچھ ضروری گفتگو کر سکوں۔ میں دلال بنرجی کی طرف سے فکرمند تھا۔ دلال بنرجی سے انتقام لینے کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز آ چکی تھی۔ اس کے علاوہ ہمزاد سے مجھے دلال بنرجی کی پراسرار قوتوں کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل کرنا تھیں کہ اسے کس طرح شکست دے جا سکتی ہے۔

"پہلے میں جاننا چاہوں گا کہ آیا تم دلال بنرجی کی پراسرار قوتوں کے سامنے کمزور تو نہیں پڑ جاؤ گے" ہمزاد کو طلب کر کے میں نے سوال کیا۔

"اس میں شک نہیں کہ وہ بہت سی پراسرار قوتوں کا مالک ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی قوتیں ناقابل شکست نہیں ہیں" ہمزاد نے مطمئن لہجے میں جواب دیا' پھر چند لمحے رک کر بولا "ہاں اس کے لئے صرف ایک بات ضروری ہے کہ وہ اپنی پراسرار عبادت گاہ سے باہر ہو۔"

"یعنی اس کا مطلب یہ کہ جب تک وہ اپنی عبادت گاہ کی حدود میں رہے گا تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"تقریباً ایسا ہی ہے" ہمزاد نے کہا "اور یہ ممکن نہیں کہ وہ ہمیشہ وہیں چھپا رہے۔ وہ نمائش پسند شخص ہے اور اس شہر کے اعلیٰ طبقے میں بڑی راہ و رسم رکھتا ہے اور اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے۔ لوگ پرستش کی حد تک اس کی عزت کرتے ہیں اور وہ اس زندگی کا عادی ہو چکا ہے۔ وہ چپکا نہیں بیٹھ سکتا' ہنگامہ اس کی سرشت میں داخل ہے۔"

"ٹھیک ہے میں اس چوہے کا اس کے بل سے نکلنے تک انتظار کروں گا لیکن میں اس سے پہلے اسے بھی اپنی طرح روحانی اذیت میں مبتلا کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ جان لے کہ اس نے کسے چھیڑا ہے۔"

"آپ نے اس ضمن میں جو کچھ سوچا ہے ٹھیک ہے لیکن دلال بنرجی ان لوگوں میں ہے جن کا کوئی جذباتی تعلق کسی سے نہیں ہوتا۔"

"ہوں" ہمزاد کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے اپنا منصوبہ ناکام ہوتا محسوس ہوا۔ کافی دیر سوچنے کے بعد میں نے ہمزاد کو پھر مخاطب کیا "آج کل وہ کسی نہ کسی نئے شکار کو پھانسنے کے لئے یقیناً سوچ رہا ہو گا۔ اگر اس کا وہ شکار اس سے چھین لیا جائے تو؟"

"ہاں یہ ممکن ہے لیکن اس کے بارے میں معلوم کرنا ہو گا" ہمزاد بولا۔

"تو پھر معلوم کرو کہ وہ کون ہے؟ اور ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ دلال بنرجی کے علم میں یہ بات آ جائے کہ اس کے شکار پر ہاتھ ڈالنے والا کون ہے" میں نے تیز سانسوں کے درمیان کہا "کیونکہ میرا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔

ہمزاد نے آنکھیں بند کر لیں اور میں سمجھ گیا کہ وہ میرے لئے معلومات حاصل کر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور بڑبڑایا۔

"سروجنی! رائے بہادر جسونت لال کی نوجوان اور حسین لڑکی .... لیکن ...." وہ پھر کسی سوچ میں کھو گیا۔ میں نے دانستہ دخل اندازی مناسب نہ سمجھی۔ چند لمحے بعد وہ خود ہی بولا "اگر آپ نے آج ہی رات اسے اٹھوا لیا تو کوئی بات نہیں بنے گی۔ آپ کو وہ مقصد حاصل ہی نہ ہو گا جو آپ چاہتے ہیں۔ اس کے لئے آپ کو کل رات تک انتظار کرنا پڑے گا۔"

اس کے بعد ہمزاد نے مجھے آئندہ رات کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور میں پوری طرح مطمئن ہو کر سو گیا۔ فی الحال دلال بنرجی سے انتقام لینے کے لئے یہ بہترین موقع تھا۔

صبح اٹھ کر ہمزاد کے مشورے پر میں سب سے پہلے ان حکیم صاحب سے ملا جن کے فلیٹ میں قیام پذیر تھا۔ پگڑی تو ان کو دی

جا چکی تھی صرف ان مہینوں کے کرائے کا مسئلہ تھا جن میں' میں کلکتے سے غائب رہا تھا۔ حکیم صاحب نے پہلے تو بہت لن ترانی کی اور پگڑی واپس دے کر فلیٹ خالی کرنے کو کہا لیکن جب ان کے کانوں سے روپوں کی کھنک ٹکرائی تو وہ اس طرح بیٹھتے چلے گئے جیسے بتاشے پر کوئی پانی ڈال دے۔ وہ پورا دن میں نے رضیہ کی دلجوئی میں گزارا اور اسے تسلی دی کہ بہت جلد میں اس کے بچے کو بھی یہیں بلا لوں گا جو مجھے بھی بہت عزیز ہے۔ اسی دن میں نے گراں قیمت پر ایک فورڈ کار بھی خرید لی اور ساتھ ہی ایک ڈرائیور کا انتظام بھی کر لیا۔ جو میرے منصوبے میں شامل تھا۔ اس زمانے میں کسی کے پاس کار ہونا بہت بڑی بات تھی صرف نواب زادے' رئیس زادے یا انگریز اعلیٰ حکام تک یہ سواری محدود تھی اور اب مجھے بھی اپنی نئی زندگی کا آغاز ایک ریاست کے رئیس زادے ہی کی حیثیت سے کرنا تھا اور یہ سب کچھ ہمزاد کے مشورے پر ہوا تھا۔

شام کے ساڑھے سات بجے کے قریب میں فلیٹ سے اتر کر کار میں آ بیٹھا۔ ڈرائیور رحمت خاں فوراً مستعد ہو گیا۔ میرے گلے میں ہیرے جواہرات کے ہار تھے اور میری انگلیوں میں انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔

"گرانڈ ہوٹل" میں نے رحمت خاں سے کہا اور کار روانہ ہو گئی۔

ذکریا اسٹریٹ سے کار چیت پور روڈ پر مڑی تو میں نے احتیاطاً شیروانی کی نچلی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ دعوت نامہ ایک بار پھر دیکھا جو ہمزاد نے مجھے دیا تھا۔ اس پر ہز ہائی نس نواب دلاور جنگ بہادر انگریزی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کون ہستی ہیں ہمزاد نے صرف اتنا بتایا تھا کہ میں جس دعوت میں شریک ہونے جا رہا ہوں وہاں داخلے کے لئے دعوت نامہ ضروری ہے اور اس نے ایسے انتظامات کر دئے ہیں کہ اس دعوت میں ہز ہائی نس نواب دلاور جنگ بہادر شریک ہی نہ ہو سکیں گے۔ میں ایک تیر سے دو شکار کرنے کی فکر میں تھا۔ ہمزاد سے مجھے رات کو جو معلومات حاصل ہوئی تھیں انہیں کی روشنی میں یہ تمام منصوبہ بنایا گیا تھا۔ ہمزاد کی اطلاعات کے مطابق کلکتے کے سب سے بڑے اور عالی شان ہوٹل میں آج ایک اہم تقریب تھی۔ بنگال کے انگریز گورنر نے دہلی سے آئے ہوئے چند اعلیٰ سرکاری افسران کے اعزاز میں گرانڈ ہوٹل میں دعوت دی تھی اور اس تقریب کی دلچسپی کے لئے اس میں دلال بنرجی کو بھی بطور خاص مدعو کیا گیا تھا تاکہ وہ مہمانوں کو اپنے پراسرار اور عجیب کمالات دکھا کر محظوظ کرے۔ رائے بہادر جسونت لال کی حسین لڑکی سروجنی بھی اپنے باپ کے ہمراہ اس محفل کو زینت بخش رہی تھی۔ وہ سروجنی جس کے لئے دلال بنرجی نے تمام پروگرام پہلے سے طے کر لیا تھا اسے وہ اسی محفل سے غائب کرانے والا تھا۔ ایک تو اس تقریب کے سبب مجھے یہ موقع مل گیا تھا کہ دلال بنرجی سے اس کی پراسرار عبادت گاہ سے باہر نمٹ سکوں اور اسے بر سر محفل رسوا کر سکوں' اس کے پراسرار علوم کو لوگوں کی نظر میں حقیر ثابت کر دوں۔ دوسرے اس کے شکار سروجنی کو لے اڑوں اور وہ تلملاتا رہ جائے۔ اس تقریب میں انگریز اعلیٰ حکام کے علاوہ شہر کے معززین کو بھی شریک کیا گیا تھا۔ وہ معززین جنہیں انگریز پرست یا انگریزوں کا دست راست کہا جا سکتا تھا۔

میں نے اپنی روانگی سے قبل ہمزاد سے اپنے ایک خدشے کا اظہار کیا تھا کہ اگر نواب دلاور جنگ بہادر شہر کی کوئی اہم شخصیت ہے تو یقیناً انگریز حکام اور دوسرے لوگ اسے پہچانتے ہوں گے اس صورت میں نواب دلاور جنگ بہادر بن کر میرا وہاں شریک ہونا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بات ہمزاد کے مد نظر بھی تھی اور اس نے پہلے ہی سے اس کا تدارک کر لیا تھا۔ تقریب کا آغاز ساڑھے چھ بجے ہونا تھا اور اختتام تقریباً ساڑھے آٹھ بجے۔ میرے لئے اس نے ایسے اوقات مقرر کئے تھے جب تمام لوگ دلال بنرجی کی شعبدہ بازیاں دیکھنے میں مصروف ہوں تاکہ لوگ میری طرف متوجہ نہ ہوں۔ اس وقت ہوٹل کے بیرونی دروازے پر میرا استقبال کرنے کے لئے صرف چند سرکاری افسر رہ جائیں جن کی ڈیوٹی ہی گیٹ پر لگی ہو تاکہ کوئی غیر مدعو شخص اندر داخل نہ ہو سکے۔ اس صورت میں مجھ پر کسی قسم کا شبہ کیا جانا قرین قیاس نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جن لوگوں سے ہوٹل کے گیٹ پر میرا سابقہ پڑنا تھا' اول تو وہ تمام مہمانوں کو پہچانتے نہیں تھے دوئم ان کی اتنی جرات نہیں ہو سکتی تھی کہ گورنر کے مہمان کو کسی شبے کی بنا پر روک سکیں۔ ہمزاد نے جب تمام صورت حال سے مجھے آگاہ کر دیا تو میں مطمئن ہو گیا اور میرے دل سے تمام خدشات ختم ہو گئے۔ پروگرام کے مطابق مجھے ٹھیک ساڑھے سات بجے ہوٹل پہنچنا تھا۔ یہ ایک ایسا ہوٹل تھا جس میں عام حالات میں کوئی بھی ہندوستانی نہیں گھس سکتا تھا۔ یہ صرف انگریزوں کے لئے مخصوص تھا بس خاص خاص تقریبات کے موقعوں پر صرف چند گنے چنے ہندوستانیوں کو یہاں داخل ہونے کی اجازت تھی اور یہ تقریب بھی کچھ اسی نوعیت کی تھی۔

پروگرام کے مطابق مجھے ٹھیک ساڑھے سات بجے ڈرائیور رحمت خاں نے ہوٹل کے د... زے پر پہنچا دیا۔ کار روک کر وہ اپنی نشست سے اترا اور میرے لئے کار کا پچھلا دروازہ کھول

دیا۔ میں نہایت سکون واطمینان سے اترا اور ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھا۔ مجھے دیکھ کر دروازے پر کھڑے ہوئے تین افراد آگے بڑھے اور انہوں نے نہایت مودب لہجے میں دعوت نامہ طلب کیا۔ وہ تینوں ہی ہندوستانی تھے، دعوت نامے پر نظر پڑتے ہی ان کی ایڑیاں بج اٹھیں۔ ان تینوں ہی نے مجھے سیلوٹ کیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ نواب دلاور جنگ کے صورت آشنا نہیں رہے ہوں گے مگر انہوں نے اس کا نام ضرور سنا ہوگا ورنہ وہ میرا اس قدر احترام کے ساتھ استقبال نہ کرتے۔ ان میں سے ایک میری راہنمائی کے لئے ساتھ ہولیا اور بہت جلد مجھے ہال تک پہنچا دیا گیا جہاں مہمان جمع تھے۔ مگر ہال میں داخل ہوتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا پروگرام کے مطابق اس وقت ہال کے اسٹیج پر دلال بنرجی کو ہونا چاہئے تھا۔ میں نے ہال کے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے پاکٹ واچ نکالی ساڑھے سات بج چکے تھے۔ میری رہنمائی کرنے والا افسر واپس ہوگیا اور اب دو نوجوان جو نشستوں کے درمیان ٹہل رہے تھے میری طرف بڑھے زیادہ تر نشستیں پر ہوچکی تھیں لیکن اس کے باوجود کچھ نشستیں اب بھی خالی تھیں۔ ان دونوں نے بھی میرا پرتپاک انداز میں استقبال کیا اور ایک خالی نشست تک مجھے پہنچا کر واپس ہوگئے۔ یہ غالباً چوتھی رو تھی میرے بیٹھنے کے بعد وہ رو مکمل ہوگئی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کوئی مجھے مخاطب نہ کرلے اس لئے میں بغیر دائیں بائیں دیکھے دوسرے لوگوں کی طرح اسٹیج کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کا پردہ اب تک گرا ہوا تھا۔ میں نے ہال میں داخل ہونے کے بعد جو بات محسوس کی وہ یہ تھی کہ لوگوں کے چہروں پر ایک عجیب سی بے زاری ہے نہ جانے کیوں۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ پروگرام کے مطابق اب تک دلال بنرجی کو اسٹیج پر آجانا چاہئے تھا جبکہ پندرہ منٹ سے زیادہ وقفہ گزر چکا تھا۔ میں کچھ مضطرب سا اپنی نشست پر بیٹھا تھا اور آنے والے لمحات کے تصور میں گم تھا کہ میں نے اپنے دائیں ہاتھ پر کسی ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا اور میں چونک پڑا میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میرے برابر دائیں نشست پر بیٹھنے والا شخص امین للہ ہوگا۔

"ظل الرحمٰن! مجھے تم سے نہایت اہم اور ضروری بات کرنی ہے، میرے ساتھ کچھ دیر کے لئے باہر آؤ" اس نے میری طرف جھکتے ہوئے اتنے مدہم لہجے میں سرگوشی کی کہ صرف اس کی بات میں ہی سن سکوں۔ اس شخص کے سبب ایک بار میں سخت الجھن اور پریشانی کا شکار ہوچکا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ اسے پھر پہچاننے سے انکار کردوں یا سختی سے جھڑک دوں مگر اس وقت صورت ایسی تھی کہ میں خود ہر طرح غیر محفوظ سا تھا اور پہچان لئے جانے کے بعد تو میں اور بھی غیر محفوظ ہوگیا تھا۔ میرے لئے کوئی بھی ہنگامہ کھڑا ہوسکتا تھا اس لئے میں نے بہتری اسی میں سمجھی کہ اس کی ہدایت پر عمل کروں۔ میں اس کے نشست چھوڑنے کے چند لمحے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ ہال سے باہر نکل کر وہ ایک نیم تاریک سی راہداری میں پہنچ کر رک گیا جو اس وقت سنسان تھی۔

"ہم پر ایسا ہی وقت پڑا ہے کہ لوگ ہمیں پہچاننے سے انکار کردیں لیکن ظل الرحمٰن اپنے لہو کی تحریر کو نہیں جھٹلانا چاہئے۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہنا شروع کیا "میں کل بھی تمہیں پہچان گیا تھا اور آج بھی پہچان چکا ہوں اور کل سے اب تک ہم نے اس بات کی تصدیق بھی کرلی ہے کہ تم وہی ہو جو ہم نے سمجھا اور پہچانا ہے کیونکہ تم اسی فلیٹ میں قیام پذیر ہو جہاں پہلے تھے۔ تم میں فرق اتنا ہوا ہے کہ اب تم نے بیساکھیوں کا سہارا لینا چھوڑ دیا ہے لیکن یہ بہت معمولی فرق ہے۔ بعد میں میں نے غور کیا تو خود اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ تم نے اپنی ٹانگ کا علاج کرالیا ہوگا۔" امین اللہ کہے جارہا تھا اور میں لاجواب سا بالکل کسی مجرم کی طرح اس کے روبرو کھڑا تھا "ممکن ہے کہ مسلسل شکستوں نے تمہاری ہمت پست کردی ہو اور اب تم ہمارا ساتھ نہ دینا چاہتے ہو لیکن ایک بار امیر عبدالرحمٰن تم سے ملنا چاہتے ہیں اور اس وقت تک وہ تمہارے فلیٹ تک پہنچ چکے ہوں گے۔ تمہارا اس تقریب میں شرکت کرنا یوں بھی خطرناک ہے۔ تمہیں یہاں سے فوراً روانہ ہوجانا چاہئے۔ کیونکہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تفصیلات کا یہ وقت نہیں ہے بولو! کیا تمہیں میری بات منظور ہے؟"

امین اللہ کی باتوں نے مجھے سخت الجھن میں گرفتار کردیا۔ اس تقریب میں شرکت کرنا میرے لئے کیوں خطرناک ہوسکتا تھا؟ اس وقت میں قطعی سمجھ نہ پایا اور میں نے سوچا کہ وہ مجھے یہاں سے رخصت کرنے کے لئے بہانہ تراش رہا ہے۔ مجھے اب ذہنی طور پر مجاہدین سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اور میں ان سے پیچھا چھڑا لینا چاہتا تھا۔ امین اللہ بہرحال اس مقصد سے بے خبر تھا جس کے لئے میں یہاں آیا تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اب یہ تو ممکن نہیں کہ میں قطعی اجنبیت کا اظہار کروں اور پہلے کی طرح اسے پہچاننے سے انکار کردوں۔ بہتری اسی میں ہے کہ میں اس کے سامنے اجنبی نہ بنوں لیکن ساتھ ہی ساتھ میں اس کا یہ مشورہ بھی ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا کہ یہاں سے فوراً اپنے فلیٹ کے لئے روانہ ہوجاؤں۔ ان تمام باتوں پر میں نے چند ہی لمحوں

میں تیزی کے ساتھ غور کیا اور اسے مخاطب کرکے کہا۔

"امین اللہ میں واقعی ایک دم تمہیں نہیں پہچان پایا تھا اس لئے میں نے تم سے اپنی شخصیت چھپائی تھی۔ لیکن اب میں تمہیں پہچان چکا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی میں نے امین اللہ کے چہرے پر اطمینان کے آثار دیکھے۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میری اس تقریب میں موجودگی ضروری ہے اور ایسا کیوں ہے یہ تمہیں بعد میں معلوم ہوجائے گا۔ فی الحال میں معذرت خواہ ہوں کہ تمہارے مشورے پر عمل نہیں کرسکتا۔ میں کسی اور وقت امیر عبدالرحمٰن سے رابطہ قائم کرلوں گا۔"

"میرا فرض آپ تک پیغام پہنچانا تھا سو میں نے پورا کردیا۔ لیکن ایک بار پھر میں کہوں گا کہ آپ چاہے امیر سے اس وقت ملنا چاہیں یا نہ چاہیں اس جگہ سے جلد ازجلد دور ہوجائیں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں" امین اللہ نے اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس کو درست کرتے ہوئے ایک بار پھر کہا۔

"اپنے اچھے برے کو سمجھنے کی اہلیت مجھ میں بھی ہے امین اللہ! تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ امیر عبدالرحمٰن کو مجھ پر کتنا بھروسہ تھا۔" اس مرتبہ میری آواز میں کسی قدر سختی تھی کیونکہ اس کی مسلسل ایک ہی رٹ سے میں جھنجھلا گیا تھا۔

امین اللہ نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور ایک دم تیزی سے مڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ہال کی طرف بڑھ گیا۔ نہ جانے وہ میرے لہجے سے خفا ہوگیا تھا یا اسے ہال میں پہنچنے کی جلدی تھی۔ کچھ دیر بعد ہم دونوں ہی اپنی نشستوں پر واپس آچکے تھے لیکن پردہ اب بھی گرا ہوا تھا اور پورے ہال میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ لوگ دلال نبرجی کو برا بھلا کہنے لگے تھے کہ وہ اب تک نہیں پہنچا تھا۔ مجھے اپنی نشست پر بیٹھے چند منٹ گزرے ہوں گے کہ اچانک اسٹیج کا پردہ اٹھ گیا۔ میں نے گھڑی دیکھی پورے آٹھ بج چکے تھے۔ جبکہ اس پروگرام کو سات بجے شروع ہوجانا تھا۔ میری نظر اسٹیج پر پڑی۔ دلال نبرجی اپنے مخصوص لباس میں اسٹیج پر موجود تھا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

"میں وقت پر آگیا ہوں امید ہے کہ آپ کو انتظار کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی ہوگی۔" دلال نبرجی نے بلند آواز میں کہا۔

"تمہیں سات بجے آنا تھا اور اب آٹھ بج رہے ہیں۔" کوئی جھنجھلا کر چیخا۔

"آپ اپنی گھڑی پھر دیکھئے اس وقت سات ہی بج رہے ہیں۔ اس وقت ٹھیک سات بجے ہیں۔" دلال بنرجی کی آواز گونجی۔ اسی وقت میرے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے اپنی گھڑیاں دیکھیں۔ ان کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے۔ میں نے بھی اپنی پاکٹ واچ نکالی اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اس میں واقعی سات بج رہے تھے۔ چند ہی لمحے بعد پورا حال تالیوں سے گونج اٹھا۔ دلال بنرجی اپنا پہلا کرتب دکھا چکا تھا۔ پھر اسٹیج کے دائیں بائیں سے اس کے دو ساتھی اس جیسے لباس میں نمودار ہوئے اور اسٹیج سے اتر کر ہال میں آگئے۔

"آپ لوگوں کی گھڑیوں میں کچھ خرابی ہے اس لئے انہیں میرے ساتھیوں کے سپرد کردیجئے یہ کچھ دیر بعد آپ کو واپس مل جائیں گی۔" دلال بنرجی نے لوگوں کو مخاطب کیا۔

لانبے پیلے لبادوں میں ملبوس دلال نبرجی کے ساتھی تمام ہال میں لوگوں سے ان کی گھڑیاں جمع کرتے رہے پھر وہ اسٹیج پر چلے گئے۔ دلال بنرجی نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا اور اسٹیج کے دائیں طرف سے ایک ساتھی ہتھوڑا اور ایک بڑا طشت لے کر نمودار ہوا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے حاصل کی ہوئی تمام گھڑیاں اس طشت میں ڈال دیں اور ایک دم ان پر ہتھوڑا برسانے لگا۔

"ارے! ارے۔" کئی لوگوں کے منہ سے بلند آوازیں نکلیں۔ غالباً یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی گھڑیاں دی تھیں۔ لیکن ان آوازوں کا دلال نبرجی پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے کام میں مشغول رہا۔ پھر اس کے وہی دونوں ساتھی وہ طشت اٹھا کر تمام ہال میں گھومے۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کی گھڑیاں ہتھوڑے کی ضربوں سے ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہوچکی ہیں۔ دلال نبرجی کے ساتھی وہ طشت لے کر پھر اسٹیج پر چلے گئے۔ طشت اسٹیج پر رکھ کر اس پر کپڑا ڈھک دیا۔ پھر چند لمحے وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا اور طشت پر سے کپڑا کھینچ لیا۔

"اب آپ لوگوں کی گھڑیاں ہمیشہ صحیح وقت دیں گی۔ میرے ساتھی آپ کی گھڑیاں لے کر آپ تک پہنچ رہے ہیں۔ آپ اپنی گھڑیاں لے سکتے ہیں۔" دلال بنرجی کے ان فقروں کے ساتھ ہی اس کے ساتھی پھر اسٹیج کی سیڑھیاں اترنے لگے اور جیسے ہی لوگوں کی نظر طشت پر پڑی پورا ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔

کچھ ہی دیر میں اس کے ساتھی پھر اس تک پہنچ گئے۔ میں اب اسی تلاش میں تھا کہ کب مجھے کوئی ایسا موقع ملے کہ میں اس کی کسی پراسرار قوت کو بے کار کرکے اسے رسوائی سے ہمکنار کردوں۔ اب تک اس نے جو کچھ کیا تھا وہ میرے لئے اچانک اور غیر متوقع تھا۔ میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے ورنہ میں فوراً ہمزاد کو طلب کرکے اس کا پورا منصوبہ چوپٹ کر دیتا۔ اب میں سنبھل کر بیٹھ چکا تھا اور اپنے دل میں پوری طرح

یہ ارادہ کرچکا تھا کہ اس مرتبہ میں اسے کوئی کرتب بازی نہیں کرنے دوں گا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کسی تیسرے کرتب کے لئے تیاری کر رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں اب ایک تیز چمکتی ہوئی تلوار تھی۔ مجھ سمیت ہال میں موجود تمام لوگ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے اور عین اسی وقت میں اپنی نشست سے اچھل پڑا۔ وہ ایک تیز دھماکے کی آواز تھی۔ میں نے اس سے پہلے صرف اتنا محسوس کیا تھا کہ میری نشست کے برابر بیٹھے ہوئے امین اللہ نے اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی تھی جس پر میں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ پھر امین اللہ نے اچانک اپنی نشست سے اٹھ کر وہ چیز پہلی صف کی طرف اچھال دی تھی جہاں گورنر اور اس کے مہمان بیٹھے تھے۔ وہ غالباً کوئی خطرناک آتش گیر مادہ تھا۔ اگلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے جسموں کے چیتھڑے اڑ گئے ہال میں ایک دم ہنگامہ مچ گیا۔ افراتفری اور بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔ اسی وقت کسی نے چیخ کر کہا۔

"ہال کے تمام دروازے بند کردو۔ کوئی ایک شخص بھی باہر نکل کر نہیں جائے گا۔" چیخنے والے کا تعلق یقیناً ان افسران میں سے رہا ہوگا جن کے سپرد اس تقریب کے حفاظتی انتظامات تھے۔ چند ہی لمحوں میں ہال کے دروازے بند کردیئے گئے۔ کوئی ایک شخص بھی ہال سے باہر نہیں نکل سکا تھا۔ میں نے گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف کا جائزہ لیا لوگ اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ہال میں عجیب شور اور ہنگامہ برپا تھا۔ اسٹیج کا پردہ گر چکا تھا اور دلال بنرجی نہ جانے کہاں روپوش ہوگیا تھا۔

اب میں سمجھ چکا تھا کہ امین اللہ کیوں بضد تھا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ اس کی نظر میں اب تک میں اسی کا ایک ساتھی تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ میں بھی یہاں پھنس کر رہ جاؤں مگر وہ اس بات سے لاعلم تھا کہ اب اس کی اور میری منزلیں جدا جدا ہیں۔ امین اللہ کا مقصد بنگال کے گورنر اور اس کے مہمانوں کو ختم کرنا تھا۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکا تھا۔ اگلی صف کی طرف دستی بم پھینکتے ہی غالباً وہ ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر کھسک لیا تھا کیونکہ وہ مجھے اپنی دائیں طرف والی نشست پر نظر نہیں آرہا تھا اور نہ ہی آس پاس کہیں اس کا پتا تھا۔ شاید وہ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش میں رہا ہو۔ لیکن دھماکا ہونے کے صرف چند لمحوں بعد ہی ہال کے تمام دروازے [illegible] گئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ شاید امین اللہ فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہوگا۔ میں عجیب تذبذب [illegible] الجھن میں گرفتار تھا۔ حالات بالکل غیر متوقع طور پر بدل گئے تھے۔ اب خود میرے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہاں سے فرار ہونے کا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اب ایک ایک مہمان کی تلاشی لی جائے گی اور اس صورت میں میرے لئے اپنی شخصیت چھپانا مشکل ہوجائے گا۔ میری جیب میں ہزہائی نس نواب دلاور جنگ بہادر کا دعوت نامہ تھا۔ نواب دلاور جنگ جو بھی رہا ہو اس سے اعلیٰ حکام کا واقف ہونا لازمی تھا۔ اور تمام ہی اعلیٰ حکام اس ہال میں موجود تھے۔

"افسران کے علاوہ تمام معزز ہم وطنوں کو یہاں سے بغیر کسی روک ٹوک جانے کی اجازت ہے۔" میں نے ایک انگریز افسر کو اسٹیج پر دیکھا جس نے انگریزی زبان میں یہ الفاظ ادا کئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انگریزوں کو شبے سے بالاتر سمجھا گیا تھا اور صرف ہندوستانیوں کو روکا جانے والا تھا کیونکہ وہ ایک غلام قوم کے افراد تھے۔ میں انگریزوں کے تعصب پر کھول اٹھا۔ کیونکہ اس تقریب میں انگریز افسران کے علاوہ بھی دوسرے انگریز بھی افراد موجود تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً ایک چوتھائی ہال خالی ہوگیا۔ اب ہال میں صرف انگریز حکام اور ہندوستانی رہ گئے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ ان میں سے کسی نے انگریزوں کے اس متعصبانہ رویئے پر صدائے احتجاج بلند نہیں کی تھی حالانکہ اس ہال میں جو لوگ موجود تھے وہ معمولی حیثیت کے مالک نہیں تھے۔

اگلی صف کے اردگرد ایک دائرے کی شکل میں افسران مستعد کھڑے تھے اور اس صف کے پیچھے والی دو صفوں کو بھی انہوں نے خالی کرالیا تھا۔ ہال کے تمام دروازے ابھی تک بدستور بند تھے اور صدر دروازے پر مسلح پہرے داروں کا ہجوم تھا جن میں اکثریت انگریزوں کی تھی۔ ان کی بندوقوں کی نالیاں ہال میں موجود لوگوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ نہ جانے کیوں مجھے خود سے زیادہ امین اللہ کی فکر تھی۔ مجھے تو بہرحال ہمزاد کی پراسرار قوتوں کی مدد حاصل تھی لیکن امین اللہ قطعی بے سہارا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ امین اللہ بھی میری ہی طرح کسی کا دعوت نامہ لے اڑا ہوگا اور جب دعوت ناموں کی جانچ پڑتال ہوگی تو وہ بہت آسانی کے ساتھ دھرلیا جائے گا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ میری طرح دوسرے لوگوں نے اسے اگلی صف کی طرف کوئی چیز پھینکتے ہوئے دیکھ لیا ہو یہ صورت حال اس کے لئے اور بھی خطرناک تھی۔ میں انہیں خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ ایک دم اچھل پڑا۔ میری آنکھوں نے ایک ایسا ہی منظر دیکھا تھا۔ اسٹیج پر اس وقت دلال بنرجی اور اس کے چیلے نظر آرہے تھے۔ مگر میرے

چونکنے کا سبب یہ نہیں تھا بلکہ میں نے ان لوگوں کے ہمراہ امین اللہ کو بھی دیکھا تھا جسے ان لوگوں نے بری طرح جکڑ رکھا تھا۔

"یہ اسٹیج کے پچھلے دروازے سے بھاگنے کی کوشش میں تھا مگر میں نے اسے عین وقت پر پکڑ لیا۔" دلال بنرجی کی آواز ہال میں گونجی اور اس آواز کے ساتھ ساتھ ہی کئی انگریز افسران اسٹیج کی طرف لپکے۔

"میری پراسرار قوتیں کہتی ہیں کہ گورنر اور ان کے مہمانوں کا قاتل یہی ہے۔" دلال نبرجی کی آواز پھر سنائی دی۔

"یہی ہے۔ یہی ہے۔" ہال میں موجود لوگوں میں سے کئی افراد چیخے۔

میرے خیال کے مطابق یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے امین اللہ کو دستی بم پھینکتے دیکھ لیا تھا۔ امین اللہ نے فرار ہونے کے لئے یقیناً ذہانت کا ثبوت دیا تھا اگر دلال نبرجی آڑے نہ آگیا ہوتا تو وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا ہوتا۔ انگریز افسران اسٹیج پر پہنچ چکے تھے۔

"قاتل نے تنہا یہ کارنامہ انجام نہیں دیا یہاں اسی ہال میں اس کا ایک ساتھی اور بھی موجود ہے۔" دلال بنرجی کی آواز سن کر میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس کی آواز کے ساتھ ہی تمام ہال میں سناٹا چھا گیا۔ اب خاموش رہنے کا وقت گزر چکا تھا۔ مجھے اپنے فوری بچاؤ کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ دلال بنرجی مجھے پھنسوانے کے چکر میں ہے۔ میں نے بغیر وقت ضائع کئے ہمزاد کو طلب کرلیا اور اسی وقت دلال بنرجی چیخا "اس کا ساتھی وہ رہا۔" اس کی انگلی میری طرف اٹھی تھی لیکن اتنے لوگوں کے ہجوم میں مجھے ایک دم پہچان لیا جانا ممکن نہیں تھا۔ اس بات کو غالباً دلال بنرجی نے بھی محسوس کرلیا تھا۔ اسی لئے وہ انگریز افسران کے ہمراہ اسٹیج سے اتر رہا تھا۔ لیکن وہ ابھی سیڑھیاں اتر کر ایک قدم ہی چلا ہوگا کہ تمام ہال اچانک تاریکی میں ڈوب گیا اور اس کے ساتھ ایسا معلوم ہوا جیسے ہال کے تمام دروازے خود بہ خود کھل گئے ہوں۔

"دوڑو! پکڑو! بھاگو! خبردار کوئی ہال سے باہر نہیں نکلے گا۔" شور بلند ہوتا رہا۔ میں نے اپنے دائیں ہاتھ پر ایک نادیدہ گرفت محسوس کی۔

"نکل چلئے۔" ہمزاد کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

اندھیرے میں لوگ ایک دوسرے سے الجھے ہوئے چیخ رہے تھے۔ چیخ و پکار، بھاگ دوڑ، شور، ہنگامہ۔ میں بہت جلد ہال سے نکل کر مختلف راہداریوں سے گزرتا ہوا ہوٹل کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اس چھوٹی سی گلی میں میری کار پہلے ہی سے موجود تھی۔ میرا ڈرائیور رحمت خان اسٹیئرنگ پر مستعد بیٹھا تھا۔ میں نے بغیر کچھ کہے سنے جلدی سے کار کا دروازہ کھولا اور اگلی نشست پر بیٹھتے ہی بولا "چلو!"

کار روانہ ہوگئی۔ ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ دوبارہ گرانڈ ہوٹل کے صدر دروازے کے سامنے سے گزری میں نے کنکھیوں سے دیکھا ہوٹل کے دروازے پر مسلح پولیس فورس موجود تھی۔ کار اب "قلوپطرہ" کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

"تم پچھلے دروازے کی طرف کس طرح آگئے؟" میں نے بے خیالی میں اپنے ڈرائیور رحمت خان سے پوچھا۔

"حضور کچھ دیر پہلے آپ ہی نے تو مجھے حکم دیا تھا کہ میں کار لے کر پچھلے دروازے پر آجاؤں۔" رحمت خاں نے متعجب لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں بھول گیا تھا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ دراصل مجھے اس سے یہ سوال ہی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ تمام چکر یقیناً ہمزاد نے چلایا ہوگا۔ رحمت خاں نے میری نہیں ہمزاد کی آواز سنی ہوگی اور وہ ہوٹل کے پچھلے دروازے پر کار لے آیا ہوگا۔ اس کے علاوہ کچھ اور ممکن نہیں تھا۔ بعد میں اس خیال کی تصدیق ہمزاد سے بھی ہوگئی تھی۔ ہمزاد ہال میں ہونے والے ہنگامے سے واقف ہوچکا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ اب کچھ دیر بعد ہی اسے طلب کیا جانے والا ہے اس لئے اس نے پہلے ہی سے فرار کا منصوبہ تیار کرلیا تھا۔

کار اب دھرم تلے کو پیچھے چھوڑتی ہوئی لوئرچیت پور روڈ پر دوڑ رہی تھی۔ وہ کسی لڑکی کے کراہنے ہی کی آواز تھی جس نے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں نے ایک دم مڑ کر کار کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر ایک قیامت خوابیدہ تھی۔ سرخ ساری میں اس کے جسم کا گلابی رنگ جیسے باہر چھلکا پڑ رہا تھا۔ ابھرے ابھرے ہونٹ، دراز پلکیں، ساون کی گھٹاؤں جیسے بال۔ میں اسے دیکھ کر چکرا گیا۔ آخر وہ کون تھی؟ اور میری کار میں کس طرح آگئی؟ رحمت خاں لڑکی کی کار میں موجودگی سے اس طرح لاتعلق تھا جیسے اسے لڑکی کے بارے میں کوئی علم ہی نہ ہو۔ لڑکی کی کراہ یقیناً اس کی سماعت سے بھی ٹکرائی ہوگی لیکن اس نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ میرے لئے یہ الجھا دینے والی بات تھی۔ مگر اب میں رحمت خاں سے کسی قسم کا سوال کر کے اسے شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا، اس سے پہلے کہ میں ہمزاد سے تفصیلی گفتگو نہ کرلوں۔ اس لڑکی کے بارے میں ہمزاد ہی مجھے معلومات فراہم کرسکتا تھا۔ لڑکی غالباً بے ہوش یا نیم بے ہوش تھی۔ اس لڑکی کو لے کر بہرحال مجھے اپنے فلیٹ پر ہی

جاتا تھا اور وہاں رضیہ موجود تھی۔ وہ میرے ہمراہ کسی دوسری لڑکی کا وجود کس طرح برداشت کر سکتی تھی؟ میری الجھن کا ایک سبب یہ بھی تھا اور یہ سبب ایسا تھا جس کا بظاہر کوئی حل فی الحال میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کار رفتہ رفتہ اب ذکریا اسٹریٹ کے قریب ہوتی جارہی تھی۔ میں نے رحمت خاں سے کہا تھا کہ کار عمارت کے پچھلے دروازے پر روکے اور میری ہدایت پر اب وہ کار اسی پتلی سی گلی میں موڑ رہا تھا جس میں اس عمارت کا پچھلا دروازہ تھا۔ گلی ویران تھی۔

"اب تم جاسکتے ہو رحمت خاں۔" کار رکتے ہی میں نے دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے کہا۔

رحمت خاں معنی خیز نظروں سے کار کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ غالباً اسے توقع تھی کہ میں اس بے ہوش لڑکی کو اپنے فلیٹ تک پہنچانے کے لئے اس کی مدد لوں گا۔ رحمت خاں ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر کار سے اتر کر ایک طرف چل دیا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں نے ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"یہ سب کیا تماشا ہے؟" میں نے ہمزاد کے آتے ہی سوال کیا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" ہمزاد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ لڑکی کون ہے؟ اور میری کار میں کہاں سے آگئی؟" میں نے دوبارہ سوال کیا۔

"آپ نے دلال بنرجی سے انتقام لینے کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا؟" ہمزاد نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر ایک لمحے رک کر خود ہی بولا "یہ سروجنی ہے۔ رائے بہادر جسونت لال کی لڑکی اور دلال بنرجی کی محبوبہ۔"

"سروجنی۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "لیکن ..... لیکن... کس طرح ہو گیا یہ سب کچھ۔"

"یہاں اس حالت میں آپ کا زیادہ دیر کھڑا رہنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ آپ اوپر اپنے فلیٹ میں چلئے۔ میں اسے لے کر آتا ہوں۔ اس کے بعد آپ مجھ سے جو کچھ دریافت کریں گے وہ آپ کو تفصیل کے ساتھ بتادوں گا۔" ہمزاد نے مشورہ دیا۔

"لیکن فلیٹ میں رضیہ بھی ہوگی اور وہ سروجنی کی موجودگی....."

"میں اس کا انتظام پہلے ہی کر چکا ہوں۔" ہمزاد نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"یعنی؟" میں نے ہمزاد کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گی۔"

ہمزاد سے یہ فقرہ سن کر میں تیزی سے زینہ چڑھنے لگا۔ فلیٹ کا دروازہ میں باہر سے لگا گیا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ رضیہ صبح سے پہلے بیدار نہیں ہوگی میں نے نہایت احتیاط سے فلیٹ کا تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ میرے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی ہمزاد بھی داخل ہوا۔ فلیٹ میں اندھیرا تھا۔ میں نے نہایت احتیاط سے اندر سے دروازہ بند کرنے کے بعد ہمزاد کو لالٹین روشن کرنے کے لئے کہا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ کمرہ لالٹین کی مدھم روشنی سے جیسے بیدار ہو گیا۔ یہ فلیٹ تین کمروں پر مشتمل تھا۔ رضیہ اندرونی کمرے میں تھی۔ ہمزاد نے سروجنی کو بیرونی کمرے ہی میں مسہری پر لٹا دیا تھا۔ وہ اب تک بے ہوش تھی۔

"ہاں اب شروع ہو جاؤ۔" میں نے آرام کرسی پر نیم دراز ہوتے ہی ہمزاد سے کہا۔

"بروقت میں نے جو کچھ کیا اس کے سوا کوئی اور صورت وہاں سے بچ نکلنے کی نہیں تھی۔" ہمزاد نے مجھے بتانا شروع کیا۔ "جیسے ہی دھماکا ہونے کے بعد ہال کے دروازے بند کرائے گئے، میں نے رحمت خاں کو حکم دیا تھا کہ وہ کار لے کر ہوٹل کے پچھلے دروازے پر پہنچ جائے۔ رحمت خان نے صرف میری آواز سنی تھی اور وہ یہی سمجھا تھا کہ اسے حکم دینے والے آپ ہیں۔ اسی وقت میں نے اس سے کہا تھا کہ ابھی کچھ دیر بعد میں ایک لڑکی کو لانے والا ہوں اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اس لئے رحمت خاں کار کا پچھلا دروازہ کھلا رکھے۔ پھر جیسے ہی آپ نے مجھے طلب کیا میں نے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں کے تمام فانوس اور روشنیاں گل کر دیں اور ہال کے تمام دروازے کھول دیئے۔ اس کام میں مجھے بمشکل ایک یا دو سیکنڈ لگے تھے۔ پھر میں نے سروجنی پر ہاتھ صاف کیا۔ اسے بے ہوش کر کے کار میں منتقل کر دیا اور اسی لمحے میں آپ تک پہنچ گیا۔"

ہمزاد نے اتنے کم وقت میں جو کارنامہ انجام دیا تھا۔ وہ یقیناً قابل تعریف تھا۔ ہال کی روشنیاں گل کرنا۔ ہال کے تمام دروازے کھولنا۔ سروجنی تک پہنچ کر اسے اغوا کرنا اور کار میں منتقل کر کے دوبارہ میرے پاس تک پہنچنے میں اس نے صرف چند لمحے صرف کئے تھے۔ ہمزاد کی اس تیز رفتاری کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ ہر چند کہ میرے علم میں پہلے سے تھا کہ ہمزاد کی پراسرار قوتوں میں سے ایک قوت یہ بھی ہے کہ وہ نہایت مختصر وقت میں بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے لیکن اس واقعے سے قبل مجھے اس نوعیت کا کوئی عملی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اب میں سمجھ چکا تھا کہ لڑکی کی کراہ سن کر رحمت خاں میری طرح کیوں نہیں چونکا تھا۔

"لیکن ایک بات ابھی تک تفصیل طلب ہے۔ وہ یہ کہ دلال بنرجی اس بات سے آگاہ ہے یا نہیں کہ میں نے اس کا شکار اس سے چھین لیا ہے۔" میں نے کچھ سوچ کر ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"یہ تو آپ کے علم ہی میں ہے کہ دلال بنرجی وہاں آپ کی موجودگی کے بارے میں باخبر ہو چکا تھا۔ آپ کی وہاں موجودگی اس کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے' یہ بھی وہ جانتا تھا۔ اسی تقریب سے وہ سروجنی کو اغوا کرنا چاہتا تھا۔ آپ کے وہاں ہونے سے لازمی طور پر اس کا ماتھا ٹھنکا ہوگا۔ اسی لئے اس نے جب امین اللہ کو گرفتار کرایا تو لگے ہاتھوں آپ سے جان چھڑانے کے لئے بھی اس نے ایک چال چلی۔ دلال بنرجی اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے یہ جان چکا تھا کہ آپ اس کے شکار پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اسی لئے اس نے پہلے ہی آپ کو راستے سے ہٹا دینا چاہا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہاں سے آپ کے فرار اور سروجنی کی گمشدگی کے بعد دلال بنرجی قطعی طور پر یہ سمجھ جائے گا کہ سروجنی کو آپ لے اڑے ہیں۔"

"تو گویا میں جیت گیا۔ میں نے اس سے اپنا انتقام لے لیا۔" میری آواز خوشی سے کانپنے لگی۔ "مگر نہیں' ابھی کہاں؟ ابھی تو ایک مہم اور باقی ہے۔" میں نے مسہری پر بے ہوش پڑی ہوئی قیامت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب تم جاؤ۔"

"لیکن سنئے مجھے ابھی آپ سے کچھ اور بات بھی....."

"نہیں! اس وقت میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" میں نے ہمزاد کی بات کاٹ دی۔ "مگر ٹھہرو! یہ بتاؤ اسے ہوش کتنی دیر بعد آئے گا؟"

"اب سے دس پندرہ منٹ بعد یہ ہوش میں آجائے گی۔ میں نے اتنی ہی دیر کے لئے اسے بے ہوش کیا تھا مگر میں آپ سے..."

"بس اب تم جاسکتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے محتاط رہنے کی نصیحت کرو گے۔ جاؤ! زندگی ہر گھڑی احتیاط کا نام نہیں ہے۔"

****

یہ کہہ کر میں لڑکی کی طرف متوجہ ہوا جو کہ اب آہستہ آہستہ ہوش میں آرہی تھی۔ یکایک میری سماعت سے ایک گونجدار آواز ٹکرائی۔

"دروازہ کھولو! کھولو دروازہ۔" خطرے کے احساس کے ساتھ ہی مجھے ہمزاد کا خیال آیا اور پھر اسی کے ساتھ یہ ہوش بھی کہ میں اس حالت میں ہمزاد کو طلب نہیں کر سکتا۔ ذہن میں یہ خیال آتے ہی میں تیزی سے غلسخانے کی طرف لپکا۔ کیونکہ اس سے پہلے دو مرتبہ مجھے تقریباً ایسی ہی صورت حال سے سابقہ پڑ چکا تھا اور میں سخت مصیبتوں میں گرفتار ہو چکا تھا۔ میں نے غسلخانے میں پہنچ کر اپنے جسم پر پانی ڈالنے میں دیر نہیں لگائی تھی لیکن جس وقت میں اپنے جسم پر پانی ڈال رہا تھا۔ میں نے فلیٹ کا دروازہ کھلنے اور بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ میں نے جلدی سے الٹے سیدھے کپڑے پہنے اور جب میں کپڑے پہن رہا تھا تو میں نے سروجنی کی کانپتی آواز سنی۔

"وہ...وہ...ادھر... اندر گیا ہے... اندر..... اس طرف۔"

اس آواز کے سنتے ہی میرے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ میں جلدی میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ سروجنی بھی فلیٹ کا دروازہ کھول سکتی ہے اور یقیناً اس نے فلیٹ کا دروازہ کھولا ہوگا۔ ورنہ دروازہ توڑنے میں کچھ دیر تو لگتی اور اگر دروازہ توڑا جاتا تو میں اس کی آواز ضرور سنتا۔

"ہمزاد۔" میرے منہ سے گھبرائی ہوئی آواز نکلی۔ میں نے دانستہ غلسخانے کا دروازہ نہیں کھولا تھا کیونکہ بھاری قدموں کی آوازوں سے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ پولیس کافی تعداد میں میرے فلیٹ کے اندر داخل ہو چکی ہے اور غلسخانے کے باہر بھی وہ لوگ موجود ہیں۔ وہ پورے فلیٹ میں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

"لیٹرین دیکھو۔" کسی نے کہا "وہ ادھر شاید لیٹرین اور غسلخانہ ہے۔"

اور اس وقت ہمزاد میرے پاس پہنچ گیا۔

"وہ کافی تعداد میں ہیں۔" میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بے فکر رہئے اب وہ آپ کو ہاتھ نہیں لگا پائیں گے۔ آپ کا ہمزاد آپ تک پہنچ چکا ہے۔" اتنا کہتے ہی ہمزاد غائب ہو گیا۔

"ارے رے وہ نکل گیا.... دوڑو.... دوڑو وہ فلیٹ کے بیرونی دروازے سے باہر گیلری میں بھاگا ہے۔"

قدموں کی آوازیں اور دور ہو گئیں۔ پھر میں نے تیزی سے سیڑھیاں اترنے کی آوازیں سنیں۔

"نکل کر نہ جانے پائے۔ پیچھا کرو۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

میں نے یہ محسوس کر کے کہ اب فلیٹ میں کوئی نہیں۔ نہایت آہستگی سے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ تیزی سے اندرونی کمرے کی طرف بڑھا جہاں میں نے رضیہ کو چھوڑا تھا۔ وہ بدستور ابھی تک محو خواب تھی۔ وہاں سے مطمئن ہو کر میں بیرونی کمرے کی طرف آیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کمرہ خالی تھا جبکہ میرے خیال کے مطابق وہاں سروجنی کو ہونا چاہئے

تھا۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ ہمزاد لوٹ آیا۔

"میں انہیں بہت دور تک دوڑا آیا ہوں۔ وہ اس وقت ہری روڈ کی گلیوں میں چکراتے پھر رہے ہوں گے لیکن یہاں سے اب فوراً نکل چلئے۔"

"مگر کہاں؟" میں نے ہمزاد کی بات سن کر سوال کیا۔

"کہیں بھی مگر یہاں رہنا اب خطرناک ہے۔ وہ کچھ دیر بعد ہی دوبارہ ہلہ بول دیں گے' کیونکہ وہ یہاں رضیہ کو بھی دیکھ چکے ہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"مگر سروجنی کہاں گئی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ پولیس کے یہاں سے نکلتے ہی خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"کیا یہاں سے فرار ہونے کے لئے رضیہ کو ہوش میں لانا ضروری ہے؟" میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"قطعی!" یہ کہہ کر ہمزاد اندرونی کمرے کی طرف بڑھا۔

رضیہ چند لمحے میں ہوش میں آگئی تھی اور پھر ہمزاد کے مشورے پر میں اسے لے کر عمارت کی پچھلی گلی میں پہنچ گیا۔ جہاں میری کار کھڑی تھی۔

"لیکن مجھے کار چلانا نہیں آتی۔" میں ہچکچایا۔

"آپ اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھئے تو سہی۔ باقی مجھ پر چھوڑ دیجئے۔" ہمزاد نے کہا۔

میں کار کا دروازہ کھول کر ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا اور رضیہ میرے برابر اگلی ہی نشست پر بیٹھ گئی۔ وہ حیران حیران سی مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ مگر اب تک اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے تھے۔ میں نے جیسے ہی کار کا دروازہ بند کیا کار کا انجن جاگ اٹھا۔ میں نے دیکھا کہ ہمزاد کے ہاتھ متحرک تھے پھر کار ایک دھچکے سے آگے بڑھی۔ بظاہر اسٹیرنگ میرے ہاتھوں میں تھا لیکن دراصل ہمزاد کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ڈرائیور کی سیٹ خالی رکھ کر لوگوں کو میری طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کار کی رفتار لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی کار ایک ہوٹل کے سامنے جا کر رکی۔

"آپ اس ہوٹل میں آسانی کے ساتھ ایک ڈبل بیڈ روم حاصل کر سکتے ہیں۔ روپے میں آپ کی جیبوں میں منتقل کر چکا ہوں۔ میں دانستہ آپ کو یہاں کار میں لے کر آیا ہوں تاکہ آپ ایک باحیثیت شخصیت معلوم ہوں۔" ہمزاد نے سرگوشی کی۔

کار رکتے ہی دو تین بیرے کار کی طرف لپکے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ یقیناً کوئی بڑا آدمی ان کے ہوٹل کو زینت بخشنے والا ہے۔ اس زمانے میں کسی کار سے اترنے کے یہی معنی تھے۔

کچھ دیر بعد ہی میں ہوٹل کے ایک آرام دہ کمرے میں پہنچ چکا تھا اور اب میں چاہتا تھا کہ رضیہ جلدی سے پھر سو جائے تو میں ہمزاد کو طلب کروں۔ لیکن رضیہ تھی کہ مجھ پر سوالات کی بھرمار کئے ہوئے تھی۔ جیسے تیسے میں نے اسے مطمئن کر دیا اور سلا دیا۔ میں جلد سے جلد یہ جاننا چاہتا تھا کہ پولیس میرے فلیٹ تک کس طرح پہنچ گئی؟ میں اس عرصے میں صرف اتنا سوچ پایا تھا کہ اس سارے ہنگامے میں یا تو انگریزوں کے خلاف کام کرنے والی خفیہ تنظیم کا ہاتھ ہے یا دلال بنرجی کا۔ یہ امکان بہرحال تھا کہ خفیہ تنظیم کا کوئی فرد پکڑا گیا ہو اور اس نے میرا پتہ دیا ہو۔ مگر یہ صرف ایک قیاس ہی تھا۔ البتہ دلال بنرجی کی طرف سے میں پوری طرح مشکوک تھا۔ وہ اپنا شکار چھن جانے کے بعد خاموش نہ بیٹھا ہو گا۔

"آپ نے جو کچھ سوچا ہے وہ درست ہے۔ اس تمام ہنگامے میں دلال بنرجی کا ہاتھ ہے۔ میں جب آپ سے رخصت ہونے والا تھا تو اسی سلسلے میں آپ کو بتانے والا تھا۔ بلکہ میں آپ کو یہ مشورہ دینے والا تھا کہ یہ جگہ چھوڑ دیں مگر آپ اس وقت سروجنی کے خیال میں اتنے منہمک تھے کہ آپ نے مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہی نہ دی۔" ہمزاد نے میرے طلب کرتے ہی کہنا شروع کیا۔

"مگر یہ سب کچھ ہوا کس طرح؟"

"اعلیٰ حکام کو گرانڈ ہوٹل کے ہنگامے سے نمٹنے میں کافی دیر لگی تھی۔ وہ اس لئے بھی جھلائے ہوئے تھے کہ ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر امین اللہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔" ہمزاد سے امین اللہ کے بارے میں جان کر نہ جانے کیوں مجھے خوشی ہوئی۔ میں اپنے جذبات ہمزاد سے نہ چھپا سکا۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ یقیناً ایک بہادر شخص ہے جس نے اپنی جان پر کھیل کر گورنر اور اس کے مہمانوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔" میں نے جذبات سے بوجھل آواز میں کہا۔

"جب اعلیٰ حکام کو ہوش آیا تو ان کے لئے ایک اور الجھن موجود تھی۔ رائے بہادر جسونت لال کی لڑکی غائب تھی۔ رائے بہادر نے افسران کو تنگ کر کے دکھ دیا کیونکہ وہ بہت بارسوخ آدمی ہے اور وائسرائے تک سے اس کے تعلقات ہیں لیکن اس وقت صورت حال کیونکہ سنگین نوعیت کی تھی۔ گورنر اور اس کے مہمانوں کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس لئے اعلیٰ حکام پوری طرح اس طرف متوجہ تھے اور رائے بہادر کو صرف تسلیوں

پر ٹرخا رہے تھے۔ اس تمام ہنگامے میں دو ڈھائی گھنٹے گزر گئے۔ دلال بنرجی بھی اس وقت تک وہیں موجود تھا۔ وہ رائے بہادر جسونت لال سے ملا اور کہا کہ اگر رائے بہادر چاہیں تو وہ اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے سروجنی کا پتہ چلا سکتا ہے۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ رائے بہادر فوراً راضی ہو گئے۔ پھر دلال بنرجی نے انہیں آپ کے فلیٹ کا پتہ بتا دیا اور یقین دلایا کہ سروجنی کو اغوا کر کے وہیں لے جایا گیا ہے۔ اور وہ وہی شخص ہے جو گورنر اور اس کے مہمانوں کے قاتل کا ساتھی تھا۔ کچھ دیر بعد ہی رائے بہادر جسونت لال کے ذریعے یہ بات اعلیٰ حکام تک پہنچ گئی۔ ممکن تھا کہ اعلیٰ حکام سروجنی کی بازیابی میں اتنی عجلت نہ کرتے مگر یہ جاننے کے بعد کہ آپ کا تعلق قاتل سے ہے وہ فوراً یہاں چڑھ دوڑے اور پھر جو کچھ ہوا اس سے تو آپ واقف ہی ہیں۔" ہمزاد پوری بات بتا کر خاموش ہو گیا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم یہاں بھی خطرے سے باہر نہیں ہیں۔ دلال بنرجی ہماری اس رہائش گاہ سے بھی واقف ہو سکتا ہے۔" میں نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"ہاں اگر وہ چاہے تو یہ ممکن ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "مگر وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ وہ خود آپ کی طرف سے خوف زدہ دکھائی دیتا ہے۔ ورنہ وہ فوراً اپنی پراسرار عبادت گاہ کا رخ نہیں کرتا۔ وہ اب تک اپنی پراسرار عبادت گاہ پہنچ چکا ہو گا تاکہ آپ کا کوئی پراسرار حملہ اس پر کارگر نہ ہو سکے۔"

"چوہا۔" میرے منہ سے نکلا۔ میں ہمزاد سے گفتگو کے دوران یہی سوچ رہا تھا کہ اسے اس کی اس تازہ حرکت کا مزہ چکھاؤں۔ مگر وہ مجھے تلملاتا چھوڑ کر اپنی پناہ گاہ میں پہنچ چکا تھا۔ اس کا شکار چھین کر بھی ابھی میرے انتقام کی آگ سرد نہیں ہوئی تھی۔

"تو کیا اب مجھے پھر اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنا پڑے گا؟" میں نے ہمزاد سے کہا۔

"اب ضرورت بھی کیا ہے۔ آپ اس سے انتقام لے ہی چکے ہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"کیا؟ کیا کہا تم نے؟" میں چیخ پڑا۔ "کیا میرا انتقام پورا ہو گیا! ہرگز نہیں۔ ابھی میرے انتقام کی آگ نہیں بجھی۔ اس نے مجھے جس طرح بے عزت و بے آبرو کیا ہے یہ اس کا بدل ہرگز نہیں۔ قطعی نہیں۔ اور.... اور.... کیا تم اس کی تازہ حرکت بھول گئے۔" میں طیش میں تھا۔ ہمزاد سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ ایسے موقعوں پر عموماً وہ خاموشی اختیار کر لیا کرتا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ اس چوہے کو اس کے بل سے کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔"

"فی الحال آپ آرام کیجئے۔ میں صبح تک سوچ بچار کر کے کوئی نہ کوئی راہ ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔" ہمزاد نے مجھے تسلی دی۔

"ٹھیک ہے تم صبح تک سوچ لو۔ میں کسی قیمت پر اسے معاف کرنے پر تیار نہیں۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

وہ میری چھٹی حس ہی تھی۔ جس نے مجھے خطرے کا احساس دلایا اور میں بیدار ہو گیا۔ آنکھ کھلتے ہی میری نظر ایک سیاہ وجود پر پڑی جو میرے چہرے کے انتہائی قریب تھا اتنا کہ میں اس کے خدوخال واضح طور پر دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ ایک دم مشینی انداز میں میرے ہاتھوں کو حرکت ہوئی اور میں نے اس سیاہ وجود کو پنے چہرے سے دور دھکیل دیا۔ وہ سیاہ وجود رضیہ کے جسم سے ہوتا ہوا مسہری سے نیچے جا گرا۔ غراہٹ کی ایک بھیانک سی آواز نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ یہ غراہٹ کسی بھیڑیئے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔ وہ سیاہ وجود ایک بار پھر اچھلا اور مسہری پر آ رہا۔ اس بار میں اسے دیکھ چکا تھا۔ مجھے اپنے خوف پر خود ہنسی آنے لگی۔ وہ ایک سیاہ بلی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے میرا یہ احساس ختم ہو گیا۔ سیاہ بلی نے میرے چہرے پر چھلانگ لگائی تھی اور اگر میں فوراً اپنا چہرہ ایک طرف نہ کر لیتا تو اس کے تیز اور نوکیلے پنجے میرے چہرے پر نقش و نگار بنا چکے ہوتے۔ میں ابھی بیٹھا ہی تھا کہ بلی نے پھر جست لگائی اور میرے گلے میں جھول گئی۔ اس نے غرا کر میری گردن کی طرف اپنے دانت بڑھائے اور میں کانپ کر رہ گیا۔ میں نے اپنی پوری قوت سے اسے ایک بار پھر دور پھینک دیا لیکن اس کوشش میں میری گردن اور ہاتھوں پر اس کے پنجوں کی خراشیں آ چکی تھیں۔ اب میں سمجھ چکا تھا کہ یہ بلائے ناگہانی میری جان کی درپے ہے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ پورا کمرہ عجیب و غریب اور خوفناک غراہٹوں سے گونج اٹھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک سے دو' دو سے چار اور چار سے چھ سیاہ بلیاں کمرے میں نظر آنے لگیں۔ وہ سب کی سب کبھی تو مجھ پر ایک ساتھ یلغار کرتیں اور کبھی یکے بعد دیگرے۔ میں اب مسہری سے اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔ اور مجھ پر سخت گھبراہٹ طاری تھی۔ ایکبار تو میرے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی۔ میں بال بال بچا تھا۔ مجھ پر بیک وقت تین بلاؤں نے حملہ کیا تھا اور ان میں سے ایک کے تیز دانت میرے نرخرے میں اترتے اترتے رہ گئے تھے۔ میری چیخ نے رضیہ کو بیدار کر دیا۔ وہ پہلے پہل تو کچھ بھی نہ سمجھ پائی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کمرے کے عجیب و غریب منظر کو دیکھتی رہی پھر اس پر نہ جانے کیا وحشت سوار ہوئی کہ اس نے

ایک دم زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔

"رضیہ! رضیہ! کیا کر رہی ہو؟ خود کو سنبھالو!" میں نے بلیوں سے الجھتے ہوئے رضیہ سے کہا۔

مگر میری تنبیہہ کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا غالباً وہ میرے لہو لہان چہرے کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی تھی۔ بلیوں نے پنجے مار مار کر میری صورت بگاڑ دی تھی۔ میری گردن' چہرے اور ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔

****

اس ابتلا میں ہمزاد مجھے بری طرح یاد آرہا تھا لیکن ناپاکی کی حالت میں' میں اسے کس طرح طلب کر سکتا تھا۔ یہ تو میں سمجھ ہی چکا تھا کہ معاملہ یقیناً پراسرار نوعیت کا ہے۔ ورنہ اگر یہ معمولی بلیاں ہوتیں تو اب تک کبھی کی بھاگ چکی ہوتیں۔

اب کمرے کے دروازے پر زور زور کی دستکیں سنائی دے رہی تھیں۔ رضیہ کی چیخیں رنگ لائی تھیں۔ میں بلیوں ہی سے لجھا ہوا تھا کہ رضیہ ایک دم آگے بڑھی اور کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اور اسی کے ساتھ جیسے مجھے ان بلیوں سے نجات مل ئی۔ وہ سب اچانک ہی نہ جانے کہاں روپوش ہو گئی تھیں۔ کمرے کے دروازے پر ہوٹل کا منیجر اور آس پاس کے کمروں الے کھڑے حیرت سے میری ہیت کذائی دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا....؟ کیا آپ چیخیں تھیں۔" منیجر نے رضیہ سے وال کیا۔

"خوفناک بلیاں خوفناک بل....." رضیہ ہکلائی اور ایک دم راکر گری اگر میں فوراً آگے بڑھ کر اسے نہ تھام لیتا تو نہ جانے ں طرح بے سدھ ہو کر گرنے سے اس کے کہاں چوٹ آتی۔ وہ ف کی شدت سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

اب ان لوگوں سے کچھ چھپانا فضول تھا۔ میں نے جو کچھ لزرا تھا انہیں من و عن بتا دیا۔ وہ سبھی حیرت سے میرا ناقابل ین بیان سن رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے کئی کے رے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ منیجر نے بھی اس بات بھانپ لیا۔

"جناب آپ کو یقیناً وہم ہوا ہو گا یا آپ نے کوئی بھیانک اب دیکھا ہو گا۔ ورنہ یہاں دوسری منزل پر بلیاں کہاں سے کتی ہیں آپ کا کمرہ اندر سے بند بھی تھا اور پچھلی دیوار ٹ ہے۔ کھڑکی کے راستے بلیوں کے آنے کا سوال ہی پیدا ں ہوتا۔" منیجر نے کہا۔ وہ غالباً ہوٹل میں قیام پذیر دوسرے راد کے دل سے خوف کم کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ہوٹل نہ چھوڑ یں۔ مجھے منیجر کی بات پر سخت غصہ آیا لیکن میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی کسی نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"اگر ان کا بیان غلط ہے اور بقول آپ کے انہوں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے تو ان کے چہرے' گردن اور ہاتھ پر بلی کے پنجوں کی خراشیں کیوں نظر آرہی ہیں اور پھر اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ انہیں وہم ہوا تھا تو یہ خاتون جو بے ہوش ہوئی ہیں' انہوں نے خوفناک بلیوں کا تذکرہ کیوں کیا تھا؟"

اس شخص نے منیجر کو لاجواب کر دیا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔

"اگر یہاں واقعی بلیاں تھیں تو وہ اب کہاں چلی گئیں؟"

"یہی تو سوچنے کی بات ہے مجھے تو یہ کمرہ آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔" اسی شخص نے اپنی ناک پر عینک جماتے ہوئے معنی خیز انداز میں منیجر کو گھورا۔

ایک قبول صورت نوجوان شخص بول پڑا۔

"سب لوگ اپنے اپنے سوال جواب اور بحث و مباحثے میں لگے ہیں کسی کو نہ تو ان صاحب کے زخمی ہونے کا احساس ہے اور نہ ان خاتون کے بے ہوش ہونے کا۔"

منیجر نے ایک بیرے کو بھیج کر فرسٹ ایڈ کا سامان منگایا اور میں رضیہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اب اسے فرش سے اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی رضیہ کو ہوش آگیا مگر ہوش میں آتے ہی اس نے پھر خوفناک بلیوں کی رٹ لگا دی اور میں نے بمشکل اسے تسلی دی کہ اب کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ لوگوں نے رضیہ کے ہوش میں آنے کے بعد اس سے بھی میرے بیان کی تصدیق چاہی لیکن میں نے انہیں روک دیا اس لئے کہ اس طرح رضیہ کے دوبارہ خوف و دہشت میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ایک صاحب نے میری خراشوں پر بھی ٹنکچر وغیرہ لگایا اور کچھ دیر بعد سبھی لوگ ہم دونوں کو تسلی دے کر رخصت ہو گئے لیکن ان لوگوں کو رخصت ہوئے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میں ایک دم اچھل پڑا۔ میں نے وہی مانوس غراہٹ سنی تھی۔ اب میں بغیر وقت ضائع کئے تیزی سے غسل خانے کی طرف بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے میں نے اپنے تعاقب میں آنے والی چار پانچ بلیوں کے سیاہ ہیولے دیکھ لئے تھے۔ رضیہ میرے اس طرح اچانک بھاگ اٹھنے سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ وہ "کیا ہوا؟ کیا ہوا؟" ہی کہتی رہ گئی اور میں اس عرصے میں غسل خانے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ رضیہ نے غالباً اس غراہٹ کو نظر انداز کر دیا تھا جو میں نے سنی تھی یا ممکن ہے اس نے غراہٹ کو کوئی اہمیت نہ دی ہو۔ اگر میں بھی پوری طرح چوکنا نہ ہوتا تو اس ہلکی سی غراہٹ پر کوئی کان نہ دھرتا لیکن ابھی کچھ دیر پہلے میں

سخت خطرے سے دوچار ہو چکا تھا اس لئے ہلکی سے ہلکی آہٹ اور آواز سننے کے لئے میری سماعت مستعد تھی۔ غسل خانے میں گھستے گھستے ان بلیوں نے مجھ پر حملہ کر دیا مگر اس بار میں پوری طرح ہوشیار تھا۔ میں نے ان کے حملے کی پروا کئے بغیر ایک دم تیزی سے نل کھولا اور پانی کی دھار کے نیچے کپڑوں سمیت بیٹھ گیا۔ میرے جسم پر پانی کی پہلی دھار پڑتے ہی بلیاں غراتی ہوئی غسل خانے سے بھاگیں۔ میں غسل خانے سے نکلا تو سرتاپیر بھیگا ہوا تھا۔ سردی کے احساس سے میرا جسم کانپ رہا تھا۔ میں نے بغیر وقت ضائع کئے ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مصیبت اور دکھ سے دوچار ہوئے لیکن میں مجبور تھا۔" ہمزاد نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"مجھے تمہاری مجبوری کا احساس ہے۔ غلطی میری ہی تھی مجھے اس چوہے کی طرف سے محتاط رہنا چاہئے تھا۔" میں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ ہی دیر میں ہمزاد نے میرے لئے لباس فراہم کر دیا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ مجھ پر یہ پراسرار اور خطرناک حملہ دلال بنرجی نے ہی کیا ہے اور میرے اس خیال کی تائید ہمزاد نے بھی کی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس چوہے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ وہ اپنے بل میں گھسا ہوا ہے۔ اور جب چاہے مجھ پر حملہ کر سکتا ہے۔" میں نے طیش میں آکر ہمزاد سے کہا۔

"مجھے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر جلد انتقامی کارروائی کرے گا۔ دوسرے یہ کہ مجھے اس کی پراسرار قوتوں کا بھی اندازہ تھا۔ اس کی پراسرار قوتیں میرے ہوتے ہوئے آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اگر آپ ناپاکی کی حالت میں نہ ہوتے تو وہ کبھی آپ پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتا۔ اسے بھی آپ کی قوتوں کا اندازہ ہو چکا ہے۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ کو مصیبت میں ڈال دیا۔" ہمزاد بولا۔

"نہ صرف مصیبت میں گرفتار کر دیا بلکہ اگر میں بروقت جاگ نہ جاتا تو وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ اس نے خود مجھے چھیڑا ہے۔ اس نے اپنی موت کو خود دعوت دی ہے میں اسے ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ اس کی روح بھی بلبلا اٹھے۔" میں نے اپنی خراشوں سے اٹھنے والی ٹیسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا "تم نے اس سلسلے میں کچھ سوچا کہ اس چوہے کو اس کے بل سے کس طرح باہر لایا جا سکتا ہے؟" میں نے ہمزاد کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ممکن ہے اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے۔" ہمزاد نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ یہ کہ اس کی پراسرار عبادت گاہ تباہ کر دی جائے۔"

"پھر دیر کس بات کی ہے۔ آج ہی رات بلکہ ابھی تجھے یہ نیک کام انجام دینا چاہئے۔" میں نے بے تابی سے کہا۔

میں ہمزاد سے گفتگو کرنے میں اتنا محو تھا کہ رضیہ کے وجود کو فراموش ہی کر بیٹھا تھا کہ وہ بھی اسی کمرے میں ہے اور اب تک جاگ رہی ہے۔ میں اس وقت چونکا جب رضیہ نے مجھے مخاطب کیا۔

"آپ یہ کس سے باتیں کر رہے ہیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" رضیہ کی کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں ایک لمحے کے لئے چپ رہ گیا۔

"کچھ نہیں کوئی بات نہیں تم سو جاؤ! میں اپنی دنیا کی پراسرار قوتوں سے ہمکلام ہوں۔" میں نے بات بنا دی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تھپتھپانے لگا۔

"سو جاؤ! سو جاؤ! تمہارے اعصاب تھکے ہوئے ہیں تمہیں نیند کی ضرورت ہے۔"

اب میں رضیہ کے سونے سے پہلے ہمزاد سے ہمکلام ہونا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں خاموش ہی رہا۔

رضیہ کسی معصوم بچی کی طرح سمٹ گئی اور تکئے میں منہ چھپا کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہمزاد ابھی تک کمرے میں موجود میرے ہر حکم کا منتظر تھا۔ کچھ دیر میں رضیہ بے خبر سو گئی تو میں بہت احتیاط سے اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف بڑھا تاکہ میری اور ہمزاد کی گفتگو سے اس کی آنکھ دوبارہ نہ کھل جائے۔

"ہاں تو تم یہ کہہ رہے تھے کہ دلال بنرجی کی پراسرار عبادت گاہ کو تباہ کر دیا جائے۔" میں نے دوسرے کمرے میں پہنچ کر آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر کہا۔

"میں یہ انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے یہ غور کر لینا چاہتا تھا کہ اگر کوئی اور سبیل نکل سکے تو بہتر ہے۔" ہمزاد بولا۔

"لیکن اس کی وجہ؟ تم اسے انتہائی قدم کیوں کہہ رہے ہو؟ کیا اب بھی کوئی کسر رہ گئی ہے۔" میرا لہجہ سخت ہو گیا۔

"اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایسا کرنے میں خود میرے وجود کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ میں کچھ عرصے کے لئے قطعی عضو معطل ہو جا کر رہ جاؤں کیونکہ خبیث روحیں آسانی سے تو اپنا مسکن تباہ ہوتے نہیں دیکھیں گی۔ وہ یقیناً مجھ سے برسر پیکار ہوں گی۔ مجھے اتنا یقین تو ہے کہ میں ان پر بھاری پڑوں گا لیکن مجھے بھی کچھ نہ کچھ زک ضرور اٹھانا پڑے گی۔" ہمزاد نے مجھے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"تو کیا تم ان شیطانی اور خبیث روحوں سے خوفزدہ ہو؟" میں نے ہمزاد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، میں اپنی طرف سے خوفزدہ نہیں بلکہ مجھے آپ کی فکر ہے۔ میری غیر موجودگی میں آپ کہیں کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہوجائیں۔ اگر ایسا ہوا تو اس صورت میں میں آپ کی کوئی مدد کرنے کے قابل نہیں رہوں گا۔" ہمزاد نے بتایا۔

"وہ مصیبت تمہاری نظر میں کیا ہوسکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دلال بنہجی کی پراسرار عبادت گاہ تباہ ہونے سے اس کی پراسرار قوتیں بدستور اپنی جگہ موجود رہیں گی۔ صورت یہ ہوگی کہ دلال بنہجی کے وہاں سے باہر آنے کے بعد میں کچھ عرصے کے لئے بیکار رہوں گا۔ آپ اسے باہر اس لئے لانا چاہتے ہیں کہ اس پر میرے ذریعے حملہ کرسکیں۔ وقتی طور پر آپ کا مقصد پورا نہیں ہوگا بلکہ آپ کو اس وقت تک انتظار کرنے پڑے گا جب تک کہ میری پراسرار قوتیں دوبارہ بروئے کار نہ آجائیں۔ اس عرصے میں دلال بنہجی آپ کے لئے مشکلیں کھڑی کرسکتا ہے۔ کیونکہ آپ تو بغیر میرے بے سہارا ہوں گے لیکن اس کی پراسرار قوتیں بدستور اس کے پاس ہوں گی۔" ہمزاد یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

"ہاں یہ بات سوچنے والی ہے۔ وہ اس دوران میں مجھ پر کوئی بھی پراسرار حملہ کرسکتا ہے۔ جس سے بچنا میرے لئے محال ہوگا۔" میں نے رائے زنی کی۔

"نہیں، ایسا نہیں ہے اس کے حملوں کا تدارک بھی ممکن ہے۔ میرا مقصد کچھ اور تھا وہ یہ کہ کہیں وہ آپ کے پیچھے یہاں کی پولیس وغیرہ کو نہ لگادے۔"

"اگر یہ ممکن ہے کہ اس پراسرار حملے مجھ پر کارگر نہ ہوں تو کوئی فکر نہ کرو۔ جو ہوگا میں بھگت لوں گا۔" ہمزاد کی بات سن کر جیسے مجھ میں زندگی آگئی۔

"سوچ لیجئے ابھی اور بہت سی باتیں سوچنے کی ہیں اگر یہی سب کچھ کرنا مقصود ہے تو یہ کل رات بھی ہوسکتا ہے۔" ہمزاد بولا۔

"نہیں اب وقت رائیگاں کرنے سے کچھ حاصل نہیں اس نے مجھ پر آج رات حملہ کیا ہے اس کا جواب اسے آج ہی رات ملنا چاہیئے۔ ہر قیمت پر۔ جب کوئی عملی قدم اٹھایا جاتا ہے تو اس میں سود و زیاں تو ہوتا ہی ہے۔ میں اب مزید سوچنا نہیں چاہتا۔ ممکن ہے کہ ضرورت سے زیادہ احتیاط مجھے بزدل بنادے اور شیخ کرامت بزدل کہلائے جانے سے مرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔" میری آواز جذبات کی شدت سے بھرانے لگی۔

"میں آپ کے حکم سے سرتابی بہرحال نہیں کرسکتا جو آپ کا حکم۔" ہمزاد نے مطمئن لہجے میں کہا "میں آپ کے گرد ایک حصار قائم کئے دیتا ہوں یہ متحرک حصار ہے۔ آپ کو کسی ایک جگہ محدود نہیں ہونا پڑے گا۔ اس حصار میں آپ دلال بنہجی کے ہر دیدہ و نادیدہ حملے سے محفوظ رہیں گے۔"

اس رات ہمزاد نے دلال بنہجی کی پراسرار عبادت گاہ تباہ کرنے کے لئے جانے سے پہلے میرے چاروں طرف ایک تیز چمکیلا حصار قائم کردیا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا یہ حصار دوسروں کو بھی نظر آئے گا تو اس نے بتایا تھا کہ اسے صرف آپ ہی دیکھ سکتے ہیں لیکن اس حصار میں کوئی بھی دیدہ و نادیدہ وجود داخل ہوکر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے مجھے یہ احتیاط رکھنی ہے کہ کسی شخص کے اتنا قریب نہ جاؤں کہ وہ حصار کی زد میں آجائے۔ اس لئے یہ حصار مجھے نظر آتا رہے گا تاکہ میں محتاط رہ سکوں۔ اپنے اردگرد یہ عجیب و غریب پراسرار حصار دیکھ کر مجھے ایک خوشی کا احساس ہوا۔ ہمزاد کے روانہ ہوتے ہی میں نے ایک طویل عرصے بعد اپنے چشم تصور وا کی۔ میں نے دلال بنہجی کا تصور کیا۔ میں خود اپنی آنکھوں سے اس کی پریشانی اور اضطراب کو دیکھنا چاہتا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی دلال بنہجی کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس چہرے پر فکر و تردد کے آثار تھے اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے چاروں طرف مہ وشوں کا ہجوم تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"اشیتا!" وہ چیخا۔

دوسرے ہی لمحے ایک دھوئیں کا سا غبار اس کے سامنے لہرایا اور اس دھوئیں نے ایک سیاہ وجود کی شکل اختیار کرلی۔ دلال بنہجی نے کسی نامانوس سی زبان میں اس سے کچھ کہا جو میں نہ سمجھ پایا اور وہ الفاظ سنتے ہی وہ سیاہ وجود غائب ہوگیا۔ ابھی چند لمحے نہ گزرنے پائے تھے کہ میں نے ایک عجیب شور اور ہنگامہ سنا جیسے سیکڑوں خبیث روحیں بیک وقت چیخ پڑی ہوں۔ اس شور کو سنتے ہی دلال بنہجی ایک طرف اچھل کر بھاگا کچھ دیر بعد ہی وہ ایک بڑی سی بدہیئت مورتی کے سامنے سجدہ ریز تھا اگر وہ کچھ دیر اور اسی طرح پڑا رہتا اور ایک دم چونک کر نہ اٹھ بیٹھتا تو وہ منوں وزنی مورتی اس پر گر کر اس کا کام تمام کردیتی۔ دلال بنہجی کی پراسرار عبادت گاہ منہدم ہورہی تھی اور وہ بے بسی سے تلملانے کے علاوہ کچھ اور نہیں کرپارہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور دوبارہ اپنے تصور کی قوت بروئے کار لاکر ہمزاد کا تصور کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس حال میں ہے اور پھر جیسے ہی اس کا چہرہ میرے سامنے آیا مجھے ایک ذہنی دھچکا سا لگا۔ نہ صرف اس کا چہرہ بلکہ اس کا پورا وجود سیاہ کوئلے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے

اس کے چہرے پر انتہائی کرب اور بے چینی کے آثار نظر آئے جیسے وہ انتہائی روحانی اذیت سے دوچار ہو۔ اس کے سامنے ملبے کا ایک ڈھیر پڑا تھا اور اس ملبے سے ایک سایہ تیزی سے نکل کر ایک طرف دوڑا چلا جارہا تھا۔ اس سائے کے تعاقب میں کئی بلیاں تھیں۔ سیاہ خوفناک بلیاں۔ میرے تصور نے اس سائے کا پیچھا کیا میں اسے قریب سے دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے؟ "دلال بنہجی" میرے منہ سے نکلا۔ "تو وہ یہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔" میں نے سوچا اور اسی کے ساتھ میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ دلال بنہجی کی پراسرار عبادت گاہ تباہ ہوچکی تھی اور اب وہ غالباً اپنے کسی نئے ٹھکانے کی طرف جارہا تھا۔ مگر ایسا ٹھکانا جہاں وہ محفوظ ہوگا۔ جہاں وہ میرے پراسرار حملوں سے نہ بچ پائے گا۔ یہ سوچ کر میرا دوران خون تیز ہوگیا۔

ہمزاد کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور یہ جاننے کے باوجود بھی کہ وہ ممکن ہے اس قابل نہ رہا ہو کہ میرے طلب کرنے پر حاضر ہوسکے اور اس کی پراسرار قوتیں وقتی طور پر مفلوج ہوچکی ہوں۔ میں نے اسے طلب کیا تاکہ اپنے اس خیال کی حقیقت سے آگاہ ہوسکوں کہ آیا وہ واقعی عضو معطل ہوچکا ہے یا اسے کوئی گزند نہیں پہنچی، کوئی ایسی گزند جس نے اس کی قوتوں کو مفلوج کردیا ہو لیکن ہوا وہی جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ ہمزاد میرے طلب کرنے پر نہ آسکا۔ ہمزاد کی غیر موجودگی میں مجھے بہت ہوشیار رہنا تھا۔ ہمزاد کے بارے میں جاننے کے بعد مجھے اب یہ خیال آیا کہ میں نے اس سے یہ تو دریافت ہی نہیں کیا کہ اسے سنبھلنے میں کتنا عرصہ لگے گا۔ بہرحال اب تو وہ جتنے عرصے بھی غائب رہتا مجھے تن تنہا حالات کا مقابلہ کرنا تھا۔

میرے اردگرد چمکیلا حصار قائم تھا اور اس صورت میں میں رضیہ کے پاس بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس لئے میں نے بیرونی کمرے ہی میں آرام کرسی پر نیم دراز ہونے کو غنیمت جانا۔ ابھی کچھ رات باقی تھی اور میری پلکیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تھیں۔ یہ پوری رات سخت ہنگاموں میں گزری تھی۔ میرے اعصاب اب سکون و آرام چاہتے تھے میں آرام کرسی پر نیم دراز ہوتے ہی غافل ہوگیا۔

وہ ایک کربناک چیخ ہی تھی جس نے میرے تمام اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں نے ایک دم گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور میں نے جو کچھ دیکھا کاش وہ میں نہ دیکھتا۔ میرا پہلا عشق، میری پہلی محبت، میری محبوبہ میری کرسی کے قریب کوئلہ بنی پڑی تھی۔ ایک ہی لمحے میں، میں سب کچھ سمجھ گیا۔ یقیناً یہی ہوا ہوگا۔ کاش میں رضیہ کو پہلے ہی محتاط کردیتا۔ کاش میں اسے رات ہی کو بیدار کرکے بتا دیتا کہ وہ میرے قریب نہ آئے۔ اس نے جاگتے ہی مجھے اپنے قریب نہ پاکر مجھے تلاش کیا ہوگا اور پھر وہ اس کمرے تک آئی ہوگی۔ اس نے میرے قریب آکر مجھے جگانے کی کوشش کی ہوگی اور پھر اس کا جو کچھ انجام ہونا تھا وہ ہوگیا۔ چمکیلے حصار نے رضیہ کی زندگی چھین لی۔ نہیں چمکیلے حصار نے رضیہ کی زندگی نہیں میری زندگی چھین لی تھی۔ رضیہ میری زندگی ہی تو تھی۔ وہ حصار جو دشمنوں کے لئے قائم کیا گیا تھا اس نے خود مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس حادثے کے بارے میں، میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ رضیہ مجھ سے اس طرح بچھڑ جائے گی۔ یوں اچانک جدا ہوجائے گی۔

کمرے کا دروازہ نہ جانے کتنی دیر سے پیٹا جارہا تھا مگر میں تو جیسے پتھر کا ہوکے رہ گیا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ کمرے کی کھڑکی سے دھوپ چھن چھن کر آرہی تھی۔ اور رضیہ کے جسم پر آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی۔ وہ بالکل کسی مجسمے کی طرح کمرے کے فرش پر ساکت پڑی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں قطعی یہ نہیں تھا کہ جب لوگوں کو رضیہ کی پراسرار موت کے بارے میں علم ہوگا تو وہ کیا سوچیں گے، کیا قیاس آرائیاں کریں گے اور مجھے کن مشکلوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ میں کھویا کھویا سا کرسی سے اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے باہر لوگوں کا ہجوم تھا مگر نہ معلوم کیوں کسی کی اتنی جرات نہیں ہورہی تھی کہ کمرے میں قدم رکھ سکے۔

"کیا ہوا جناب؟ وہ چیخ کیسی تھی؟ خدانخواستہ کیا پھر آپ پر یا آپ کی بیگم پر ان خوفناک بلیوں نے حملہ کردیا تھا۔" ایک نوجوان نے ہمت کرکے مجھ سے سوال کیا۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے رات میری خراشوں پر ٹنکچر لگایا تھا۔

میں سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ نوجوان نے مجھے خاموش دیکھ کر پھر سوال کیا۔ "آپ کی بیگم تو خیریت سے ہیں؟"

اس کے سوال نے جیسے میری روح میں نشتر چبھو دیا۔ میں تڑپ اٹھا اور میرے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔ اسی وقت شاید کسی کی نظر اندر کمرے میں پڑی۔

"ارے ارے وہ... وہ فرش پر..." وہ شخص ہکلایا۔

اس کے بعد شاید دوسرے لوگوں نے بھی اس شخص کی اٹھی ہوئی انگلی کی سمت دیکھا۔ اس عرصے میں ہوٹل کا منیجر بھی وہاں پہنچ چکا تھا وہ سخت گھبرایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے آتے ہی لوگوں سے دریافت کیا۔

"میں نے سنا ہے کہ اس کمرے سے ابھی کسی عورت کے چیخنے کی آواز آئی تھی کیا یہ صحیح ہے؟"

مگر اس کی بات کا جواب دینے کی کسی نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ سب کی نگاہیں اندر کمرے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ غالباً منیجر نے بھی اندازہ لگالیا کہ صورت حال سنگین ہے۔

"اندر کمرے میں عورت کی لاش ہے۔" کسی نے سرگوشی کی۔

اتنا سننا تھا کہ منیجر وہاں سے تیزی کے ساتھ رخصت ہوگیا۔ میں ابھی تک اسی طرح کمرے کے دروازے میں کھڑا تھا۔ نہ جانے مجھے کیا ہوگیا تھا اگر اس وقت میرے علم میں آنے والے لمحوں کے بارے میں کوئی تصور ہوتا تو یقیناً مجھے اس موقعے سے فائدہ اٹھاکر یہاں سے فرار ہوجانا چاہئے تھا۔ میرے ہوش و حواس جیسے معطل ہو کر رہ گئے تھے۔ رضیہ کی اچانک موت نے مجھے سخت ذہنی صدمے سے دوچار کیا تھا۔ نہ جانے میں کب تک اسی طرح کھڑا رہتا کہ ایک چہرے کو دیکھ کر بری طرح چونک پڑا اور وہ چہرہ دلال نبرجی کا تھا۔ دلال بنرجی دو باوردی انگریز افسران اور دوسرے سپاہیوں کے ہمراہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں موقعے کی نزاکت بھانپ گیا لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ میں کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"یہی ہے۔" کچھ فاصلے سے ہی دلال بنرجی نے انگلی اٹھا کر میری طرف اشارہ کیا۔

"تم بھاگنے کی کوشش نہیں کروگے۔" ایک دیسی پولیس افسر نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مجھ پر ریوالور تان لیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ اس مفرور قاتل کا ساتھی یہی ہے۔" انگریز افسر نے دلال بنرجی کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔ یہ فقرہ اس نے انگریزی میں ادا کیا تھا۔

"بالکل! قطعی یہی ہے۔ میں اسے ہزاروں میں پہچان سکتا ہوں۔" دلال بنرجی نے انگریزی ہی میں جواب دیا۔ اتنا سنتے ہی اس انگریز افسر نے بھی اپنا پستول مجھ پر تان لیا اور اپنے ماتحتوں کو حکم دیا۔ "گرفتار کرلو اسے۔"

لیکن وہ منظر بڑا عجیب تھا جب ایک دیسی افسر اور ایک انگریز افسر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے میرے قریب آئے۔ اچانک ہی ان کے ہاتھوں سے ریوالور چھوٹ گئے اور وہ دونوں چیخ مار کر گر پڑے اور پھر ان دونوں کے جسم کوئلے میں تبدیل ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ لیکن میں اپنی اس فتح پر مسکرا بھی نہ سکا کیونکہ رضیہ کی موت پر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میں نے براہ راست دلال بنرجی کو مخاطب کیا۔

"کل رات تم نے اپنا حشر دیکھ لیا۔ مجھ سے ٹکرانے کے عوض تمہیں اپنی پراسرار عبادت گاہ سے ہاتھ دھونے پڑے۔ دلال بنرجی اگر تم میں ہمت ہے تو مجھ سے براہ راست ٹکراؤ۔ جھوٹے سہارے اور بہانے تلاش نہ کرو! یہ تم بھی جانتے ہو کہ انگریزوں کے خلاف خفیہ تنظیم سے اب میرا کوئی تعلق نہیں۔ پھر ناحق ان لوگوں کو کیوں میرے پیچھے لگاتے ہو۔ میں یہاں سے جارہا ہوں اگر تم یا تمہارے یہ جھوٹے سہارے مجھے روک سکیں تو روک لیں۔ مگر انجام کی ذمے داری تم پر ہوگی۔ اگر تم میں ہمت ہے تو خود میرے قریب آکر دیکھو۔" میری آواز میں چیلنج تھا۔

وہاں موجود لوگ ابھی ان پراسرار موتوں ہی کا معمہ حل نہ کرپائے تھے کہ کسی تیسرے شخص کی موت نے آواز دی۔ وہ بڑے جوش کے ساتھ میری طرف بڑھا تھا لہٰذا اس کا بھی یہی حشر ہوا جو ان سے پہلوں کا ہوچکا تھا۔

"لوگوں کی زندگیوں سے نہ کھیلیں آفیسر!" میں نے اس بار انگریز افسر کو مخاطب کیا مگر غالباً وہ اردو نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک دیسی پولیس آفیسر سے پوچھا کہ میں نے کیا کہا تھا۔ اس آفیسر نے میرا ادا کیا ہوا فقرہ انگریزی میں دہرایا۔ ایک لمحے کے لئے انگریز افسر کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے اور پھر اس کے ساتھ ایک دھماکا ہوا۔ انگریز افسر نے اپنے ریوالور سے مجھ پر فائر کیا تھا لیکن اس کے ریوالور کی گولی حصار سے ٹکراتے ہی پگھل گئی اور وہ آنکھیں پھاڑے اپنے فائر کا حشر دیکھتا رہا۔ پے درپے اس نے کئی بار مجھ پر فائر کئے مگر نتیجہ وہی نکلا۔ اب وہاں موجود لوگوں کے چہروں پر نمایاں طور سے خوف اور دہشت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ ایک ایک کرکے پولیس کے علاوہ تمام لوگ وہاں سے کھسک چکے تھے۔ انہوں نے اپنے سامنے تین افراد کو کوئلوں کے مجسموں میں تبدیل ہوتے دیکھا تھا اور پھر ریوالور کی گولی کا حشر دیکھ کر تو وہ دنگ ہی رہ گئے تھے۔ انہوں نے ایک ناقابل یقین منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اگر کوئی انہیں بتاتا تو شاید وہ کبھی ان باتوں پر یقین نہ کرتے لیکن اپنی آنکھوں دیکھے کو کس طرح جھٹلا سکتے تھے۔

میں نے اب وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور تیزی سے اندر کمرے کی طرف بڑھا۔ میں یہاں اس حال میں رضیہ کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی لاش اپنے ہاتھوں پر اٹھائی اور کمرے سے باہر نکلا۔ پولیس والے مجھے دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے اور فوراً ادھر ادھر سمٹ گئے جیسے میرے قریب ہوتے ہی وہ بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ میں نے

دیکھا کہ ایک پولیس والا میرے حصار کی زد میں آنے والا ہے۔

"دور ہٹ جاؤ! ورنہ تمہاری موت کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔" میں نے چیخ کر کہا۔

میری آواز سنتے ہی جیسے ان سب میں زندگی آگئی وہ مجھ سے چند گز کے فاصلے پر کھڑے ہوگئے۔

"ڈرو مت! اسے پکڑلو۔ یہ بھاگنے نہ پائے۔" ایک انگریز افسر دہاڑا لیکن کسی پولیس والے کے کان پر جوں نہ رینگی وہ سب مجھ سے خوفزدہ ہوچکے تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے جبکہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں کے سامنے تین موتیں دیکھی تھیں۔

میرے جذبات اس وقت بڑے عجیب تھے۔ میرے ہاتھوں پر رضیہ کی لاش تھی اور میرے چاروں طرف بے بس پولیس اور ان کے ہمراہ میرا دشمن جاں دلال بنرجی تھا جس کے چہرے سے اب حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ غالباً اسے مجھ سے اتنی زبردست پراسرار قوتوں کی توقع نہیں تھی۔

میں بڑے اطمینان اور سکون سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا اور میرے پیچھے پیچھے کچھ فاصلہ دے کر انگریز پولیس افسران اور ان کے پیچھے دوسرے سپاہی بڑھے۔ زینوں سے اتر کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے لیکن میں اپنے دل میں کچھ اور ہی فیصلہ کرچکا تھا۔ میں نے طے کیا تھا کہ جب تک رضیہ کے جسم کو زمین کے سپرد نہیں کردوں گا ہرگز کسی کے روکے نہیں رکوں گا۔ میں ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ قریب سے گزرتی ہوئی ایک گھوڑا گاڑی والے کو میں نے آواز دے کر روکا۔ اور جب گاڑی رک گئی تو میں رضیہ کی لاش اٹھائے اس میں بیٹھ گیا۔

"قبرستان چلو!" میں نے گھوڑا گاڑی والے سے کہا۔

گھوڑا گاڑی چل دی۔ میں نے دیکھا کہ پولیس کی ایک وین اور ایک جیپ بھی اس گھوڑا گاڑی کے تعاقب میں ہے۔ ہوٹل سے باہر آتے ہوئے لوگوں نے مجھے حیرت سے دیکھا تھا۔ پولیس لوگوں کو منتشر نہ کردیتی تو میرے ارد گرد ہجوم لگ جاتا۔ لوگ حیرت میں ڈوبے ہوئے مجھے گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے میرے تعاقب میں پولیس کی گاڑیاں دیکھیں۔

آبادی سے کچھ دور نکل آنے کے بعد اچانک ایک پولیس کار گھوڑا گاڑی کے سامنے آکر رک گئی۔ اور اس میں سے کسی نے چیخ کر گھوڑا گاڑی والے سے گاڑی روکنے کے لئے کہا۔ گھوڑا گاڑی والے نے راسیں کھینچیں اور گاڑی رک گئی۔ غالباً پولیس والے یہ چاہتے تھے کہ میں آبادی سے نکل جاؤں تو وہ مجھ سے نمٹیں تاکہ اس ہنگامے کا شکار دوسرے لوگ نہ ہوسکیں۔

پولیس وین اور جیپ بھی رک گئی اور اس میں سے پولیس والے کود کر باہر نکل آئے۔ گھوڑا گاڑی والے کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو گاڑی سے نیچے اتر آؤ۔" کوئی پولیس افسر چیخا۔

"تم لوگ مجھے روک کر اچھا نہیں کررہے ہو۔ اگر میں گاڑی سے نیچے اتر آیا تو یہ تمہارے ہی حق میں برا ہوگا۔" میں نے بھی اسی طرح چیخ کر جواب دیا میرے لہجے میں دھمکی تھی۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ میری دھمکی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ بدستور گھوڑا گاڑی کو گھیرے میں لئے رہے۔ میں نے یہ دیکھ کر پھر بلند آواز میں کہا۔

"قہر درویش بر جان درویش!" میں نے رضیہ کے مردہ جسم کو گھوڑا گاڑی میں ڈالا اور نیچے کود پڑا۔ میرے نیچے آتے ہی بیک وقت کئی دھماکے ہوئے۔

"اگر تم اپنی گولیاں اسی طرح ضائع کرنا چاہتے ہو تو کرتے رہو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن مجھے یہاں زیادہ دیر روک کر غصہ نہ دلاؤ۔" میں نے تیز آواز میں کہا مگر ان پر تو شاید جنون سوار ہوچکا تھا۔ انگریز افسر نے چیخ کر حکم دیا "فائر" گولیوں کی باڑھ پھر چلی اور پھر ناکارہ ہوگئی۔

"اچھا تو پھر سنبھلو! اب تک تو مجھ پر حملے کرتے رہے اب میرا وار سہو۔" یہ کہہ کر میں تیزی سے ان کی اٹھی ہوئی بندوقوں کی طرف لپکا۔ فائر پھر ہوئے مگر ان کا حشر بھی مختلف نہیں ہوا تھا۔ میں اب ان کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اور پھر وہ انگریز افسر جو اپنی کار کے قریب کھڑا ہوا فائر کرنے کا حکم دے رہا تھا میرے حصار کی زد میں آگیا۔ ایک چیخ بلند ہوئی۔ دوسرے لمحے وہ کوئلہ بنا میرے قدموں پر پڑا ہوا تھا۔ میں نے حقارت سے اس کی لاش کو ٹھوکر ماری اور دوسروں کی طرف بڑھا۔ ان کی ٹولی بیس پچیس افراد پر مشتمل تھی۔ مگر اب ان میں دلال بنرجی نظر نہیں آرہا تھا وہ غالباً ہوٹل ہی سے لوٹ گیا تھا ان میں سے جو بھی میرے قریب آکر حصار کی زد میں آتا چیخ کر موت کے منہ میں پہنچ جاتا۔ جب ان کی تعداد تیزی سے گھٹنے لگی تو وہ بوکھلا اٹھے۔ اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر وہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ اپنی کاریں اور وین بھی وہیں چھوڑ کر پیدل ہی ایک طرف چیختے ہوئے بھاگ گئے۔ کچھ دیر میں میدان صاف ہوچکا تھا۔ اب میں گھوڑا گاڑی کی طرف پلٹا اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ گھوڑا گاڑی والا بھی غائب ہوچکا تھا۔ میں نے ادھر ادھر نظریں گھما کر اسے تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں تھا۔ اس تلاش و جستجو کا ایک

بہتر نتیجہ ضرور برآمد ہوا، مجھے وہاں سے کچھ فاصلے پر دائیں طرف ایک قبرستان کے سے آثار نظر آئے۔ میں نے رضیہ کا جسم پھر اپنے بازوؤں پر اٹھایا اور اس طرف بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد میں قبرستان میں پہنچ چکا تھا۔ ہر طرف ایک عجیب سی سوگواری اور ویرانی مسلط تھی۔ کچھ دور مجھے ایک نیم پختہ سا کمرہ بنا نظر آیا جو یقیناً گورکن کے لئے بنایا گیا تھا۔ میں رضیہ کا جسم اٹھائے اسی طرف چل دیا۔ میں نے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد ہی ایک متوسط عمر کا شخص باہر نکلا اور مجھے اس طرح ایک لڑکی کی لاش اٹھائے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شک و شبے کے سائے سے لہراتے دکھائی دیئے۔

"مجھے اس لڑکی کو یہاں دفن کرنا ہے۔" میں نے اس کی حیرت اور شک و شبے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن کفن اور....."

"اسے انہیں کپڑوں میں دفنانا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لیکن.... لیکن...." وہ پھر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

میں نے رضیہ کی لاش ایک پختہ قبر پر رکھی اور جیب میں ہاتھ ڈال کر جتنے روپے بھی ہاتھ میں آسکے گورکن کی طرف بڑھا دیئے۔

"لو یہ تمہاری اجرت ہے۔"

اتنے سارے روپے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے ساری زندگی ایک میت کے کفن دفن کے اتنے روپے نہیں ملے ہوں گے۔ میں نے روپے اس کی طرف اچھال یئے۔

"میں ابھی آیا..... ابھی آیا....." وہ روپے لے کر اندر کمرے میں چلا گیا۔

کچھ دیر بعد جب وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں کدال اور پھاوڑا ظر آرہا تھا۔ اس نے بہت تیزی دکھائی۔ بہت جلد قبر تیار ہوگئی ور میرے کچھ مزید روپے دینے پر اس نے اپنے ہی پاس سے نتوں کا انتظام بھی کردیا تھا۔ میں نے تن تنہا رضیہ کی لاش قبر میں تاری۔ گورکن نے میرا ہاتھ بٹانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے تی سے اسے دور رہنے کی تاکید کردی تھی کیونکہ میں اس غریب ں زندگی لینا نہیں چاہتا تھا۔ جب میں رضیہ کی لاش قبر میں اتار کا تو میری آنکھیں پھر بھر آئیں۔ مجھے آبدیدہ دیکھ کر گورکن تسلی ینے لگا۔ اب وہ تختے لگا رہا تھا۔

کچھ دیر میں قبر بند ہوگئی۔ رضیہ کے جسم کو میں نے اپنی اہش کے مطابق سپرد خاک کردیا تھا کیونکہ میں اس کی لاش کی بے حرمتی نہیں چاہتا تھا۔ نہ جانے کیا سوچ کر میں اس کی قبر ہی کے پاس بیٹھ گیا اور گورکن سے جانے کے لئے کہا۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھا مگر جب میں نے اس سے سختی سے جانے کے لئے کہا تو وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ مجھے عجیب عجیب سی نظروں سے پلٹ پلٹ کر دیکھتا جارہا تھا۔ ہاں مجھے اب تک یاد ہے کہ میں رضیہ کی قبر پر جی بھر کے رویا تھا۔ رضیہ کے جدا ہوجانے کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ مجھے اس سے کتنی شدید محبت تھی۔ جس طرح عورتیں اپنی زندگی میں پہلی بار آنے والے مرد کو نہیں بھولتیں شاید یہی حال کچھ مردوں کا بھی ہے وہ بھی اپنی زندگی میں پہلی بار آنے والی عورت کو نہیں بھولتے اور کوئی بھولے نہ بھولے میرا احساس یہی تھا۔

****

مجھے اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہوگئی۔ مجھے ہمزاد کا خیال آیا۔ خدا معلوم وہ کتنے دن کے لئے بیکار ہو کر رہ گیا تھا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ "میں ہمزاد کو طلب نہیں کرسکتا لیکن کم از کم اسے دیکھ تو سکتا ہوں کہ وہ کس حال میں ہے۔" اس خیال کے ساتھ ہی میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنے تصور کی قوت آزمانے لگا۔ میں نے ہمزاد کا تصور کیا اور اس کا چہرہ میرے سامنے آگیا۔ مگر اب اس کے چہرے پر اس قدر کرب و اذیت کے آثار نہیں تھے۔ جتنے رات کے وقت تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر اطمینان سا ہوا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں اور میری طرف سے فکر مند ہیں۔ آپ کو یہ سن کر شاید خوشی ہو کہ میں آج رات تک ٹھیک ہوجاؤں گا۔"

ہمزاد کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ "میری غیر موجودگی میں آپ پر جو کچھ گزر گئی میں اس سے بھی واقف ہوں مگر میں صرف آپ کے بارے میں جان سکتا تھا آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ میری حالت اس وقت قطعی اس شخص کی سی ہے جو سب کچھ دیکھ اور سن سکتا ہو مگر اپنے جسم کو حرکت نہ دے سکے۔"

میں نے آنکھیں کھول دیں مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا کرچکا تھا۔ پھر وہ سارا دن میں نے وہیں قبرستان میں پڑے پڑے گزار دیا۔ میں ہمزاد کے آنے سے پہلے قبرستان سے جانا نہیں چاہتا تھا اور میں جاتا بھی تو کہاں جاتا؟ ہمزاد کے بغیر قدم قدم پر میرے لئے دشواریاں اور مصیبتیں کھڑی ہوسکتی تھیں۔ مجھے رہ رہ کر دلال بنر جی پر غصہ آرہا تھا نہ اس سے ٹکراؤ ہوتا نہ مجھے حصار کھینچنے کی ضرورت پیش آتی اور نہ اس قاتل حصار کا شکار رضیہ کو ہونا پڑتا۔ گویا میری نظر میں ایک طرح سے رضیہ کا قاتل دلال بنرجی

ہی تھا۔ مجھے اس سے بھرپور انتقام لینے کے لئے ہمزاد کا بے چینی سے انتظار تھا۔ میں ہمزاد کے آتے ہی اس سے نمٹ لینا چاہتا تھا۔ قبرستان میں جب ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تو وہاں میرا جی گھبرانے لگا اب کچھ بھوک بھی محسوس ہونے لگی تھی کیونکہ صبح سے مجھے اتنی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ کچھ کھا سکتا۔ میں بہت احتیاط سے قبروں کے درمیان سے گزرتا ہوا قبرستان سے باہر آگیا۔ میرا اضطراب لحہ بہ لحہ بڑھتا جارہا تھا۔ نقاہت اور بھوک سے میرا برا حال تھا کہ میں نے اپنے قریب ہمزاد کا سایہ محسوس کیا۔

"تم آگئے؟" میں نے خوشی سے بھرپور آواز میں کہا۔

"ہاں اب میں قطعی ٹھیک ہوں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"سب سے پہلے میرے لئے خوراک کا انتظام کرو۔ مجھے سخت بھوک محسوس ہو رہی ہے۔" یہ کہہ کر میں ایک قریبی پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا چند لمحوں بعد ہی میرے سامنے بہترین کھانا چنا ہوا تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور کھانے سے فراغت پاتے ہی ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"معلوم کرو کہ اس وقت دلال بنرجی کہاں ہے؟"

"میں پہلے ہی معلوم کرچکا ہوں۔ وہ اس وقت اپنی ٹالی گنج والی حویلی میں ہے۔" ہمزاد نے فوراً جواب دیا۔

"پھر ہم یہاں سے سیدھے وہیں چلیں گے۔ اور اب اگر تم چاہو تو یہ حصار ختم کرسکتے ہو یہ قاتل حصار جس نے مجھ سے میری رضیہ کو چھین لیا۔ مجھے اس سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔"

"کچھ دیر اور صبر کیجئے کیونکہ آپ کے خوف سے دلال بنرجی خود ایک حصار میں قید ہو کر بیٹھا ہے اور اس کے حصار میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کے گرد یہ حصار قائم رہے۔ اس کی موجودگی میں اس کا حصار بے کار ہوجائے گا۔" ہمزاد نے مجھے سمجھایا۔

مشکل سے ایک منٹ گزرا ہوگا کہ ہمزاد مجھے ٹالی گنج لے آیا۔ وہ سیدھا دلال بنرجی کی حویلی میں اترا تھا جس کے ایک کمرے میں مجھے روشنی نظر آرہی تھی۔ میں ہمزاد کے ہمراہ اس حویلی کے آنگن میں تھا۔

"وہ اس طرف ہے۔" ہمزاد نے ادھر اشارا کیا جدھر روشنی نظر آرہی تھی۔

میں ہمزاد کے ساتھ ادھر ہی بڑھا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا لیکن ہمزاد کے ایک اشارے نے دروازے کے دو ٹکڑے کردیئے۔

سامنے ہی مجھے دروازے کی طرف پشت کئے دلال بنرجی نظر آیا جسے میں نے اس کے مخصوص لباس سے پہچان لیا۔ اس کے چاروں طرف سیاہ بلیاں حلقہ بنائے بیٹھی تھیں۔ دروازہ ٹوٹنے کی آواز پر میں نے اس کے جسم میں جنبش محسوس کی تھی لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

"دلال بنرجی! ادھر دیکھو! تمہاری موت تم تک پہنچ چکی ہے۔"

ابھی میرے فقرے کی گونج ختم نہیں ہوئی تھی کہ وہ اچانک پلٹا اور اسی کے ساتھ ہی وہ کمرہ تیز قسم کی غراہٹوں سے بھر گیا۔ ان تمام بلیوں نے بیک وقت مجھ پر حملہ کردیا تھا جو اس کے ارد گرد حلقہ بنائے بیٹھی تھیں۔ لیکن جیسے ہی وہ میرے حصار میں داخل ہوئیں ان کے گلوں سے عجیب و غریب دہشتناک آوازیں نکلیں اور ان کے جسم کوئلہ بن گئے۔ پھر اچانک ہی دلال بنرجی اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھ سے کچھ فاصلے پر سجدہ ریز ہوگیا۔ "میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں۔ میں تمہاری عظمت کو سجدہ کرتا ہوں تم جیت گئے اور دلال بنرجی تم سے ہار گیا۔" وہ سجدے میں پڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا تیری وجہ سے رضیہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئی۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"میں تم سے اپنی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔ میں ہمیشہ تمہارا غلام اور وفادار رہوں گا۔ دلال بنرجی گھگھیا رہا تھا۔

آج تک میرے کسی دشمن نے میرے روبرو اس طرح اپنی شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ میں نے اس لمحے اپنے نفس کو کچھ مخمور سا محسوس کیا۔ مجھے اس پر رحم تو نہیں آیا تھا لیکن میں نے اپنے غرور اور تکبر کی خاطر اس کی زندگی بخش دی۔

"جا ہم نے تجھے زندگی دی۔" میں نے غرور سے کہا۔

"میں تمہیں آج سے اپنا گرو مانتا ہوں۔ گرو دیو مجھے اپنے پاؤں چھونے کی اجازت دو۔" دلال بنرجی کی آواز میں بلا کی عقیدت تھی۔

"ہمزاد! میرے اطراف سے حصار ہٹالو۔ میں اس حقیر کیڑے کی یہ آرزو ضرور پوری کروں گا۔" میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

ہمزاد میرے قریب آیا اور اس نے اپنے ایک ہاتھ کو گردش دی مجھے بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے ہمزاد نے اس چمکیلے حصار کو کسی رسی ہی کی طرح لپیٹ لیا ہو اور پھر چمکیلی رسی اس کے ہاتھوں سے غائب ہوگئی۔

"اب تم اپنی تمنا پوری کرسکتے ہو حقیر کیڑے!" میں نے حقارت سے دلال بنرجی کو مخاطب کیا۔

وہ میرے الفاظ سنتے ہی میرے پاؤں پر آگرا اس نے میرے پاؤں چھوئے۔ میرے پاؤں پر اپنا سر رکھا اور ایک بار پھر رحم کی بھیک مانگی اور اپنی غلطیوں اور گستاخیوں کی معافی بھی۔

"ہم تجھے معاف کر چکے ہیں۔ ہر چند کہ تو اس قابل نہیں تھا۔ اٹھ! اب ہم جانا چاہتے ہیں۔" میں بولا۔

"نہیں! نہیں آپ اب یہاں سے کہیں نہیں جاسکتے۔ میں زندگی بھر آپ کی خدمت کروں گا۔ میں نے آپ کو اپنا گرو کہا ہے۔" دلال بنرجی نے میرے پاؤں پکڑ لئے۔

میں نے کچھ پس و پیش کے بعد اس کی بات مان لی۔ مجھے یوں بھی ایک ٹھکانے کی تلاش تھی۔ اس نے اپنی حویلی کا ایک بڑا حصہ میرے سپرد کر دیا اور پھر اس رات کے بعد وہ حویلی خوشیوں اور مسرتوں کا مرکز بن گئی۔ میرے لئے ہر شب حسین اور رنگین تھی۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں جتنا عیش ان دنوں کیا تمام عمر نہیں کیا۔ اب میں دلال بنرجی کی صحبت میں شراب کا عادی بھی ہو چکا تھا۔

دلال بنرجی ہی کے توسط سے اب میں کلکتے کے اعلیٰ طبقے تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ وہ سب سے میرا یہی تعارف کراتا تھا کہ میں اس کا گرو ہوں۔ لوگ اس سے زیادہ میری عزت کرنے لگے تھے اور میں بھی اب کلکتے کی اعلیٰ سوسائٹی کے لئے ایک لازمی جزو بن چکا تھا۔ میں اپنے ہمزاد کے ذریعے لوگوں کی عقلیں گم کر دیتا۔ ایک بار پھر میرا وہی دور لوٹ آیا تھا جو کبھی بدایوں میں تھا۔ جب لوگ عقیدت و احترام سے میرے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔ بڑے بڑے اعلیٰ حکام میرے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔

دن بڑے سکون اور راتیں نہایت عیش میں گزر رہی تھیں کہ ایک بار مجھے بر سر محفل سخت شرمندگی کا شکار ہونا پڑا۔ وہ اعلیٰ حکام کی ایک محفل تھی جس میں انگریز افسران بھی شریک تھے اور کچھ نئے مہمان بھی وہاں موجود تھے۔ جو دہلی سے آئے تھے۔ اس محفل میں بطور خاص مجھے مدعو کیا گیا تھا تاکہ میں اپنی پراسرار قوتوں کا مظاہرہ کروں۔ مہمانوں میں سے کسی نے مجھ سے فرمائش کی کہ وہ اس وقت لندن کے ایک ہوٹل کی چائے پینا چاہتا ہے مگر برتن اسی ہوٹل کے ہونے چاہئیں جس کا نام لیا تھا۔ یہ میرے لئے ایک معمولی بات تھی۔ میں نے ہمزاد کو طلب کیا مگر خلاف معمول وہ کافی دیر تک نہ آیا۔ جب کہ میں ے مہمانوں سے کہا تھا کہ ان کی خواہش پوری ہونے میں ایک منٹ بھی نہیں لگے گا اور مجھے پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ تمام حاضرین کی نظریں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اور میرے چہرے پر شرمندگی سے پسینے کے قطرات چمکنے لگے تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد بار بار طلب کرنے کے بعد ہمزاد آیا۔ میں نے اس وقت اس سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور فوراً اسے چائے لانے کا حکم دیا۔ چائے لانے میں بھی اس نے پندرہ منٹ سے زیادہ لگا دیئے۔ میں نے کسی نہ کسی طرح بات بنا کر اپنی شرمندگی دور کر دی اور بمشکل اپنی عزت کو بچا پایا۔

حویلی پہنچتے ہی میں نے ہمزاد کو پھر طلب کیا۔ میں سخت برہم تھا۔ لیکن اس مرتبہ بھی وہ کافی دیر میں آیا۔ میں اس کے آتے ہی برس پڑا۔

"آخر اب یہ تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔ میں تمہارا یہ تساہل اور کوتاہی ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"آپ جتنا چاہیں مجھ پر خفا ہولیں آپ کو حق ہے۔ لیکن میری ایک بات سن لیں صرف....."

"میں ایک لفظ سننا نہیں چاہتا۔ تمہاری کوئی بہانے بازی نہیں چلے گی۔ دفع ہو جاؤ۔ آئندہ میں تمہیں قطعی معاف نہیں کروں گا۔" میں نے سخت غصے کے عالم میں کہا۔

"مگر میری بات تو سن لیجئے۔" ہمزاد بولا۔

"چلے جاؤ!" میں حلق کے بل چیخا۔

اور اس کے جاتے ہی میں دلال بنرجی کے کمرے کی طرف چل دیا۔ وہ مجھے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور حسب معمول میرے پیر چھوئے۔

"شراب لاؤ!" میری آواز میں اب تک تلخی تھی۔

"کیا گرو دیو کچھ خفا ہیں۔" دلال بنرجی نے نرمی سے پوچھا۔

"بکواس مت کرو۔ جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔" میں چیخا۔

کچھ دیر میں شراب نے میرا سارا غصہ اتار دیا۔

میرے ذہن سے وہ واقعہ محو ہو چکا تھا کہ پھر ایک ایسا ہی موقع آیا اس بار ہمزاد نے مجھے ذلیل کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں اپنے عقیدت مندوں کی خواہش پوری نہیں کر سکا تھا اور تقریباً ایک گھنٹے ہمزاد کے آنے کا انتظار کرنے کے بعد طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ حویلی پہنچ کر میں برابر اسے طلب کرتا رہا اور تقریباً آدھی رات کے قریب وہ آسکا۔ غصے سے میرا برا حال تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا ہمزاد خود بول اٹھا۔

"اگر آپ نے اب بھی میری بات نہ سنی تو سخت پچھتائیں گے۔ میرے اور آپ کے درمیان جو رابطہ ہے وہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔ ہم دونوں سخت قسم کے خطرے سے دوچار ہیں۔"

میں ہمزاد کی بات سن کر خاموش رہا اور اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ ہمزاد نے جو کچھ کہا تھا اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

ہمزاد کو اور مجھے کس قسم اور کس کی طرف سے خطرہ ہو سکتا ہے۔ میں سوچنے لگا۔

"بتاؤ کس قسم کا خطرہ ہے ہمیں۔" میری برہمی ابھی تک برقرار تھی۔

"کوئی پراسرار قوت میرے اور آپ کے درمیان رابطے کو منقطع کرنا چاہتی ہے۔ جب آپ مجھے طلب کرتے ہیں وہ پراسرار قوت راستے میں حارج ہو جاتی ہے اور میں بمشکل اس سے جان چھڑا کر آپ تک پہنچ پاتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قوت دن بہ دن مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔" ہمزاد نے مجھے خطرے سے آگاہ کیا۔

"یہ پراسرار قوت کس کے اشارے پر چل رہی ہے۔" میں اب معاملے کی نوعیت سمجھنا چاہتا تھا۔ اس لئے میری آواز دھیمی تھی۔

"یہ میں اب تک اس لئے معلوم نہ کر سکا کہ مجھے اس سے نمٹ کر آپ تک پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے اگر مجھے اس کا تعاقب کرنے کا موقع مل جائے تو سب کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔" ہمزاد نے تجویز پیش کی۔

"یہ تو سخت خطرے کی بات ہے۔" میں کچھ دیر سوچ کر بولا "ٹھیک ہے تم جاؤ! میں ابھی کچھ دیر بعد تمہیں پھر طلب کروں گا۔ اس بار بھی یقیناً وہ پراسرار قوت تمہیں روکے گی! تم میرے پاس آنے کے بجائے اس کا تعاقب کرو گے۔ اور حقیقت جاننے کے بعد فوراً مجھ تک پہنچو گے تاکہ اس کا کوئی تدارک سوچا جاسکے۔" میں نے یہ کہہ کر ہمزاد کو رخصت کر دیا۔

اور اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی اسے پھر طلب کیا مگر وہ نہ آیا اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ پراسرار قوت ہمزاد کی راہ میں حائل ہو چکی ہے۔ صبح تک میں کمرے میں بے چینی سے ٹہلتا رہا مگر ہمزاد اب تک لاپتہ تھا۔ مجھے اس نئے خطرے نے سخت مضطرب و بے چین کر دیا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ کہیں واقعی میرے اور ہمزاد کے درمیان رابطہ منقطع تو نہیں ہو گیا' کہیں میرا نادیدہ دشمن اپنے مقصد میں کامیاب تو نہیں ہو گیا؟ اگر خدانخواستہ ایسا ہو جاتا تو یہ میرے لئے سخت ہولناک ثابت ہوتا۔ ہمزاد سے بچھڑ کر میرا وجود بے معنی سا ہو کر رہ جاتا۔ ہمزاد میری عادت بن چکا تھا بغیر اس کے زندگی گزارنے کا میں اب تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے اتنی دیر لگا دینے نے مجھے طرح طرح کے اندیشوں اور واہموں کا شکار کر دیا.... سکون کے کچھ دن گزرنے کے بعد ایک بار پھر میری زندگی خطرات میں گھر چکی تھی۔ وہ جو میرے اور ہمزاد کے درمیانی رابطے کو منقطع کرنا چاہتا تھا یقیناً اس رابطے کے ختم ہو جانے پر میری زندگی کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ وہ مجھے اسی طرح تو نہ چھوڑ دے گا۔ صبح ہو چکی تھی مگر میرا اضطراب ختم نہ ہوا تھا۔ اس دن خلاف معمول صبح ہی صبح دلال بنرجی بھی اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا تھا۔ حالانکہ میرے علم میں تھا کہ وہ ہر روز صبح اٹھ کر ایک قریبی مندر میں پوجا کرنے جاتا تھا اور اس صورت میں اس کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہوتا تھا۔ لیکن میں اپنی کھڑکی سے اس کے کمرے کا دروازہ دیکھ رہا تھا جو ابھی تک اندر سے بند تھا۔ کچھ دیر کے لئے میری توجہ اس طرف گئی اور میں ایک بار پھر اپنے خیالوں میں الجھ کر رہ گیا۔ نہ جانے کتنی دیر میں اسی اضطراب اور بے چینی میں ٹہلتا رہا کہ میں نے اپنی پشت پر ایک سایہ لہراتے دیکھا۔ میں تیزی سے مڑا۔ ہمزاد میرے روبرو تھا۔

"کیا تم نے معلوم کر لیا کہ وہ کون ہے؟" میں نے بغیر کسی تمہید کے بے ساختہ پوچھا۔

"ہاں! شاید آپ کو وہ نام سن کر دکھ ہو مگر حقیقت بہرحال اپنی جگہ ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"کسی تمہید کی ضرورت نہیں مجھے اس کا نام بتاؤ!"

"آپ کا دشمن آپ کے بہت قریب ہے...دلال..."

"دلال بنرجی!" میں حیرت زدہ ہو کر چیخ پڑا۔ اور ہمزاد کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا پھر میں تقریباً دوڑتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

"میں ابھی اسے سمجھتا ہوں۔"

"سنئے! سنئے! ٹھہریئے!" ہمزاد کہتا رہا مگر میں اس وقت تک کمرے سے نکل کر صحن میں پہنچ چکا تھا۔ اور غصے کے مارے مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا۔

میں نے دلال بنرجی کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر ایک زوردار ٹھوکر ماری اور میرے جسم کا توازن بگڑتے بگڑتے رہ گیا۔ کیونکہ خلاف معمول دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ میں نے تو یہ سوچ کر ٹھوکر ماری تھی کہ دروازہ بند ہو گا۔ ہمزاد بھی میرے ساتھ ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ کمرے کے فرش پر دلال بنرجی آنکھیں بند کئے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا رہا تھا۔ دروازے پر پڑنے والی ٹھوکر بھی شاید اس کے استغراق میں خلل انداز نہ ہو سکی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں اور اس کا جسم کسی سردی کھائے ہوئے

بچے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے اور تم آ گئے۔ تم نے دلال بنرجی کو غلط سمجھا تھا۔ دلال نے جھکنا نہیں جھکانا سیکھا ہے۔ یہ میرا آخری حربہ تھا اور میں طے کر چکا تھا کہ اگر اس میں بھی ناکام رہا تو....." اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اپنے دونوں ہاتھ اس طرح بلند کئے جیسے مجھ پر جست لگانا چاہتا ہو لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ میری آنکھوں نے ایک اور ہی حیرت انگیز منظر دیکھا۔ دلال بنرجی کے جسم سے شعلے اٹھنے لگے تھے۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتا وہ تیزی سے دوڑتا ہوا میرے جسم سے لپٹ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے وجود کو کسی دہکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا گیا ہو۔

"ہمزاد!" میں چیخ پڑا۔

وہ صرف چند ہی لمحے تھے مگر ان کی اذیت اور کرب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ ہمزاد تیزی سے بڑھا اور دوسرے ہی لمحے دلال بنر جی کا جہنمی جسم مجھ سے جدا ہو چکا تھا۔ لیکن مجھے اب تک اپنا جسم اس طرح لگ رہا تھا جیسے اسے دہکتی ہوئی سلاخوں سے داغا جا رہا ہو۔ میں اپنے بے ساختہ چیخوں پر قابو نہ رکھ سکا۔ دلال بنرجی کا جسم کمرے کے فرش پر پڑا دھڑا دھڑ جل رہا تھا مگر تعجب خیز بات یہ تھی کہ اب تک میں نے اس کی کوئی چیخ نہ سنی تھی۔

ہمزاد سے میری حالت چھپی ہوئی نہیں تھی اور وہ مجھے دلاسہ دے رہا تھا۔

"صرف کچھ دیر..... بس کچھ دیر اور پھر آپ اس عذاب سے نجات پا جائیں گے۔ جب تک دلال بنرجی کا جسم ٹھنڈا نہیں ہو جاتا مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو اس اذیت سے نہیں نکال سکتا۔"

یہ کہہ کر ہمزاد دلال بنرجی کے سلگتے ہوئے جسم کے قریب پہنچا اور دلال بنرجی کے جسم پر اس کا سایہ پڑتے ہی دفعتاً اس کا جسم بھڑک اٹھا اور اسی لمحے میرے منہ سے پھر چیخ نکل گئی۔ تکلیف و اذیت اب میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ پھر جوں جوں دلال بنرجی کا جسم ٹھنڈا ہوتا گیا میری جسمانی اذیت بھی کم ہوتی چلی گئی۔ وہ تکلیف کے ختم ہو جانے کا احساس تھا یا کچھ اور کہ یکبارگی میرا جسم لہرایا اور ذہن پر تاریکیوں کا غبار سا چھا گیا۔

ہوش آنے پر میرا سب سے پہلا احساس یہ تھا کہ میں سخت مجروح ہوں۔ میرا جسم جگہ جگہ سے بری طرح جھلسا ہوا تھا۔ خصوصاً جسم کا زیریں حصہ بے انتہا متاثر ہوا تھا۔ میرے جسم پر جو کپڑے تھے وہ پہلے ہی جل چکے تھے لیکن اب مجھے اپنے جسم پر کپڑے دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے آنکھیں کھول کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ یہ جگہ میرے لئے اجنبی تھی۔ میرے قریب ہی ہمزاد بھی موجود تھا۔ میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"دلال بنرجی کی گمشدگی کے بعد آپ کا وہاں رہنا آپ کے لئے شکوک و شبہات کو جنم دے سکتا تھا۔ اس لئے میں آپ کو وہاں سے لے آیا۔" ہمزاد نے میری نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟ کیا اب ہم کلکتے میں نہیں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ کلکتے ہی میں ہیں۔ آپ اس وقت بلگچھیا کے ایک غیر آباد مکان میں ہیں۔ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ آسیب زدہ ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"تو کیا واقعی یہ حقیقت ہے؟" میری دلچسپی بڑھ گئی۔

"قطعی نہیں۔ بلکہ دانستہ طور پر کچھ لوگوں نے اسے آسیب زدہ مشہور کر دیا تھا تاکہ یہاں کوئی نہ رہے اور اس واقعے کو اب کئی برس گزر چکے ہیں۔"

"اس مکان کو آسیب زدہ مشہور کرنے سے ان کا کیا مقصد تھا؟"

"جیسا کہ میں نے عرض کیا' وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی یہاں رہے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس مکان میں کچھ غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث رہتے تھے۔"

"تو کیا اب بھی وہ لوگ یہاں رہتے ہیں؟" مجھے تشویش ہوئی۔

"نہیں' کئی سال سے یہاں کوئی نہیں آیا کیونکہ وہ لوگ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

ہمزاد کی یہ بات سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ میں اس جگہ محفوظ ہوں۔ پھر مجھے گزشتہ واقعات ایک ایک کر کے یاد آتے گئے۔ دلال بنرجی واقعی ایک خطرناک دشمن تھا۔ اس کا تعلق ان لوگوں میں سے تھا جو پیچھے سے وار کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مجھ سے شکست کھا کر اس نے دوسری راہ اختیار کی تھی۔ بظاہر وہ میرا فرمانبردار بن گیا تھا مگر اندر ہی اندر وہ میری تباہی کا سامان کر رہا تھا۔ اور اگر عین وقت پر ہمزاد مجھے اس کی ریاکاریوں سے آگاہ نہ کر دیتا تو نہ جانے مجھے کن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ پھر اچانک مجھے کیا خیال آیا کہ میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"دلال بنرجی کی جلی ہوئی لاش کیا ابھی تک اس کی کوٹھی میں پڑی ہے۔"

"نہیں اسے میں نے ٹھکانے لگا دیا ہے تاکہ کوئی نئی الجھن

کھڑی نہ ہو۔ اگر آپ اس وقت اتنی جلدبازی سے کام نہ لیتے تو آپ کو تکلیف و اذیت سے نہ گزرنا پڑتا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"ہاں مجھے یاد ہے کہ تم نے مجھے روکا تھا مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔" میں نے کہا۔

"خیر!..... اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"کلکتے سے اب میرا دل اوب گیا ہے۔ مجھے کہیں اور لے چلو!"

"کہاں؟"

"کہیں بھی..... کسی نئے شہر میں۔ کیوں نہ دہلی ہی چلا جائے۔"

"جو آپ کا حکم ہو۔"

اور پھر ایک رات میں خاموشی کے ساتھ کلکتے سے دہلی جا پہنچا۔ وہ رات میں نے درگاہ نظام الدین میں بسر کی اور صبح ہوتے ہی میں مکان کی تلاش میں جامع مسجد کے گرد و نواح میں نکل گیا۔ میں نے اپنا نام وہاں وراثت علی ظاہر کیا تھا۔ اور اپنا تعلق نوابین لکھنؤ سے ظاہر کیا تھا۔ روپیہ جیب میں ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ بہت جلد مجھے جامع مسجد کے قریب ایک بڑا سا مکان مل گیا۔ میں نے اب اپنا حلیہ کسی قدر تبدیل کرنے کے لئے اپنے چہرے پر داڑھی مونچھوں کا اضافہ کر لیا تھا۔ اور اب مجھے بیک نظر پہچان لئے جانے کا امکان نہیں رہا تھا۔ یہ سب کچھ میں نے احتیاطاً کیا تھا۔ میں کچھ دن نہایت خاموشی کے ساتھ بسر کرنا چاہتا تھا۔ ہرچند کہ ایسا کرنے میں مجھے اپنے اوپر بہت جبر کرنا پڑا۔ ایک مہینہ گزرا تھا کہ میں نے آہستہ آہستہ پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے اور پھر کچھ ہی دن میں میری شہرت پھیلنے لگی۔ لوگ مجھے ایک خدا رسیدہ بزرگ کی حیثیت سے پہچاننے لگے تھے۔ میں نے اب لوگوں کو باقاعدہ اپنا مرید بنانا شروع کر دیا تھا۔ میرا حلقہ دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا۔ ہمزاد کی پراسرار قوتوں سے کام لے کر میں لوگوں پر اپنا رعب بٹھا دیتا تھا اور وہ سمجھنے لگتے تھے کہ میں کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہوں۔ میں نے ایک بار پھر اپنی تسکین انا کا سامان کر لیا تھا۔ عقیدت مندوں اور مریدوں میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ انہیں میں جمیلہ بھی تھی۔ اس کی عمر تیس سال کے قریب تھی مگر ابھی تک وہ بے اولاد تھی اور اسے اولاد کی بے انتہا تمنا تھی۔ اسی لئے وہ میری مرید ہوئی تھی۔ اس کی شادی ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا مگر وہ اب تک اولاد سے محروم تھی۔ میں نے لاکھ چاہا کہ جمیلہ کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دوں مگر اس میں کامیاب نہ ہوا۔ ایک رات میں نے جمیلہ کو ہمزاد کے ذریعے سے اٹھوا لیا۔ جمیلہ بیدار ہوئی تو خود کو میرے مکان میں دیکھ کر سخت حیرت زدہ اور پریشان ہوئی۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر کے پہلو میں سوئی تھی۔

"جمیلہ! تجھے اولاد کی شدید خواہش ہے یہ تو ہمیں بتا چکی ہے۔ اس بات پر حیران نہ ہو کہ تو یہاں کس طرح پہنچ گئی۔ یہ ہمارے لئے ایک معمولی سی بات ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تیری آرزو پوری ہو جائے۔" میں یہ کہہ کر اس کی طرف بڑھا۔

عورت کوئی بھی ہو اور کیسی بھی ہو مرد کے ان تیوروں کو اچھی طرح پہچانتی ہے۔

جمیلہ بستر پر ٹھٹک کر رہ گئی۔

"نہیں..... نہیں..... میں اس کے لئے کوئی گناہ نہیں کر سکتی۔" وہ میرا ارادہ بھانپ کر سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

لیکن اس کی منت سماجت نے میرے اوپر کوئی اثر نہیں کیا مجھ پر تو شیطان سوار ہو چکا تھا۔

اس کے بعد میں نے جمیلہ کو ہمزاد کے ذریعے اس کے گھر پہنچا دیا تھا۔

میں نئے نئے شکار کرتا رہا اور دن ہفتوں' ہفتے مہینوں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ دہلی میرے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ ثابت ہوا تھا۔ یہاں میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ بغیر کسی خوف خطر اور پریشانی کے گزار دیا۔ اور پھر سالوں گزر جانے کے بعد ایک دن میری نظر ایک سجیلے سے نوجوان پر پڑی۔ اس کی عمر مشکل سے سولہ سترہ ہو گی۔ نہ جانے میرے دل کے کسی گوشے سے ایک دم یہ آواز آئی کہ اب خود میرا بیٹا بھی اسی عمر کا ہو گا۔ وہ جو رضیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ رضیہ کے بطن سے پیدا ہونے والے اس بچے سے مجھے کچھ قدرتی طور پر محبت تھی۔ رضیہ کے انتقال کو تقریباً چودہ پندرہ سال گزر چکے تھے۔ اس کی جدائی کا زخم میرے سینے میں تازہ تھا۔ رضیہ کے انتقال کے وقت میرے بچے کی عمر میرے اندازے کے مطابق دو سال تھی اس حساب سے اب وہ بھرپور نوجوان ہونا چاہئے تھا۔ وہ پورا دن سخت عذاب میں گزرا اور جب میں رات کو سونے کے لئے لیٹا تو بھی اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹکنے میں کامیاب نہ ہوا۔ وہ جس کے نام تک سے میں ناآشنا تھا اور جس کا نام جاننے کی کبھی میں نے کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اس رات مجھے اس کے بارے میں جاننے کی خواہش پیدا ہوئی کہ وہ کس حال میں ہے؟ میں نے ہمزاد کو طلب کیا۔

"تم رضیہ کو تو نہ بھولے ہو گے؟" میں نے ہمزاد کو دیکھتے

ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"یہ آج اچانک آپ کو رضیہ کیوں یاد آگئی۔ اچھا سمجھا۔" ہمزاد میری آنکھوں میں دیکھ کر معنی خیز انداز میں سرہلانے لگا۔

"کیا سمجھے؟" میں نے پوچھا۔

"آپ سخاوت کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہیں۔" ہمزاد نے کہا۔

"کون سخاوت؟" میں نے الجھ کر کہا۔

"اس کا نام سخاوت ہے۔ وہ جو رضیہ کے بطن سے پیدا ہے' اسی کا ذکر ہے نا؟"

"ہاں وہی۔ تو میرے بیٹے کا نام سخاوت ہے؟" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں! میں صبح آپ کو اس کے بارے میں سب کچھ بتادوں گا۔ فی الحال آرام سے سوجائیے!"

****

صبح ہوتے ہی مجھے سخاوت کے بارے میں ہمزاد سے جو کچھ معلوم ہوا اس نے میرے ذہن کو کئی الجھنوں میں گرفتار کر دیا۔ ہمزاد نے سخاوت کے بارے میں پہلی بات تو یہ بتائی تھی کہ وہ نہایت غربت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسے اپنی ماں اور نامعلوم باپ سے سخت نفرت ہے۔ جنہوں نے اس کی زندگی میں زہر گھول دیا۔ اور اسے معاشرے میں کوئی عزت نہ مل سکی۔ سب اسے ایک حرامی بچے کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ وہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب اس کوشش میں تھا کہ وہ منحوس شہر ہی چھوڑ دے اور کسی ایسے شہر میں جا کر رہنے لگے جہاں کوئی اسے حرامی بچہ نہ سمجھے جہاں اسے کوئی نہ پہچانے۔ لیکن اس کی غربت آڑے آجاتی ہے کہ وہ کہیں اور جا کر کیا کرے گا۔ بدایوں میں تو پھر بھی اس کے نانا اور نانی اب تک کسی طرح اس کے اخراجات برداشت کرتے رہے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اس کی طرف سے جس بات نے مجھے سب سے زیادہ تشویش میں مبتلا کر دیا تھا وہ کچھ اور ہی تھا۔ سخاوت اس کم عمری کے باوجود ایک لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو چکا تھا۔ آخر تھا بھی کس کا بیٹا؟ خون کس کا تھا؟ اس کا مزاج یقیناً ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ سخاوت اور اس لڑکی کے درمیان غربت کی دیوار حائل تھی۔ اسی لئے اس رشتے کے ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا لیکن معاملہ یک طرفہ نہیں تھا۔ وہ لڑکی بھی اس کے عشق میں گرفتار ہو چکی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ سخاوت کے ہمراہ اپنے گھر والوں سے بغاوت کر کے بھاگنے تک پر آمادہ ہو چکی تھی۔ لیکن میرے علم میں آنے کے بعد اب ایسا ہونا سخت ترین گناہ تھا۔ کیونکہ سخاوت اس بات سے قطعی ناآشنا تھا کہ وہ خود اپنی سوتیلی بہن کے بارے میں غلط تصورات رکھتا ہے۔

دردانہ' سخاوت کی سوتیلی بہن تھی۔ اس بات سے اس دنیا میں صرف میں ہی آگاہ تھا کیونکہ ہمزاد نے مجھے سب کچھ بتادیا تھا۔ ہمزاد کی اطلاعات کے مطابق دردانہ میرے ہی نطفے سے تھی۔ میں خود بھی پہلی بار یہ جان کر حیرت زدہ رہ گیا تھا کہ میرٹھ کے نواب صاحب کی نوعمر و حسین لڑکی نرگس میری بچی کی ماں بن چکی تھی۔ اور جب وہ حاملہ تھی تو میرٹھ کے نواب صاحب نے رسوائی کے خوف سے اسی دوران بدایوں کے ایک غریب شخص افضال احمد سے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ نکاح میں انہوں نے افضال احمد کو بہت سی جائیداد اور روپیہ بھی دیا تھا تاکہ وہ نرگس کی ناجائز اورلاد کا جائز باپ بن سکے۔ افضال احمد سب کچھ جانتے بوجھتے راضی ہوگیا تھا۔ یہ سب کچھ میرٹھ کے نواب صاحب کے طفیل تھا۔ دردانہ بظاہر افضال احمد کی بیٹی تھی مگر دراصل وہ میرا خون تھا اور سخاوت بھی میرے ہی نطفے سے پیدا تھا۔ ایسی صورت میں ان دونوں کا نکاح ایک گناہ عظیم تھا۔ میں لاکھ گنہگار تھا مگر میری روح اس گناہ پر آمادہ نہ ہوئی کہ میں سب کچھ جانتے بوجھتے خاموشی اختیار کرلوں۔

اس سے پہلے کہ دردانہ اور سخاوت کوئی غلط قدم اٹھائیں مجھے کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ میں اسی دن دہلی سے بدایوں کے لئے روانہ ہوگیا۔ وقت کی گرد وباد نے گزشتہ پندرہ بیس سال میں میرے چہرے میں خاصی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے کوئی بھی اب بدایوں میں نہ پہچان پائے گا۔ اور ہوا بھی وہی۔ میں اپنے کئی جاننے والوں کے قریب سے گزرا مگر کوئی مجھے دیکھ کر نہ ٹھٹکا اور نہ رکا۔ میں مطمئن ہو کر رضیہ کے گھر کی طرف بڑھ گیا۔ شام کا وقت تھا اور چراغ روشن ہونے لگے تھے۔ ہمزاد کو احتیاطاً میں نے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ دفعتاً ایک موڑ مڑتے ہوئے ہمزاد نے مجھے مخاطب کیا۔

"وہ دیکھئے.... وہ ادھر... وہ گھر سے نکل رہا ہے... وہی ہے سخاوت۔"

میں نے ہمزاد کی بتائی ہوئی سمت میں دیکھا۔ ایک خوبرو نوجوان ایک مکان کی ڈیوڑھی عبور کر کے باہر آرہا تھا۔ میں اسی جگہ رک گیا۔ کیونکہ وہ اسی سمت آرہا تھا۔ پھر وہ جیسے ہی میرے قریب پہنچا میں نے اس سے کہا۔

"سنو میاں! غالباً تمہارا نام سخاوت ہے۔" وہ مجھ اجنبی سے اپنا نام سن کر چونکا اور حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں بڑی معصومیت اور بھولا پن تھا۔ مجھے اپنا عہد جوانی یاد آگیا۔

میرا جی چاہا کہ اسے بڑھ کر اپنے سینے سے لگالوں مگر میں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا۔

"فرمائیے!" وہ کہہ رہا تھا۔

"مجھے تم سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنی ہیں کیا تم کچھ وقت دے سکو گے؟"

"چلئے!" وہ ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔

پھر میں اسے لے کر بستی سے کچھ دور ایک پرانے مقبرے پر پہنچ گیا۔ وہ مجھے کچھ الجھا الجھا سا دکھائی دے رہا تھا۔

میں نے مقبرے کی سیڑھیاں پر بیٹھتے ہوئے پرسکون لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اپنی موجودہ زندگی سے خوش نہیں ہو کیونکہ تم ایک تو اس شہر سے بیزار ہو جہاں کوئی تمہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور اس کے کچھ اسباب ہیں جن سے میں آگاہ ہوں لیکن میں دانستہ ان اسباب کا ذکر کر کے تمہارا دل نہیں دکھانا چاہتا۔ دوسرے تم غربت کا شکار ہو اور تیسرے تمہارا دل کسی کے عشق میں گرفتار ہے۔ کیوں؟ کیا میں نے کچھ غلط کہا؟" میں نے سخاوت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ پھر وہ گلا صاف کر کے بوجھل سے لہجے میں بولا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں اور مجھے کس طرح جانتے ہیں مگر آپ نے جو کچھ کہا ہے اس کا ایک ایک لفظ سچا ہے۔ ممکن تھا کہ میں اپنی اس ذلت آمیز زندگی کو ختم کرلیتا مگر کسی نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اس نے مجھے جینے کا حوصلہ دیا وہ میرے بارے میں سب کچھ جان کر بھی میری ہے۔ اس دنیا میں صرف وہی ہے جس نے مجھ سے نفرت نہیں کی۔"

"تمہاری مراد دردانہ سے ہے؟"

سخاوت میرا جملہ سن کر اچھل پڑا۔

"تو آپ اس کا نام بھی جانتے ہیں؟"

"نہ صرف نام بلکہ اس کے حسب نسب سے بھی واقف ہوں۔ مگر خیر جانے دو ان باتوں کو مجھے تم سے کچھ اور باتیں کرنی ہیں۔ تم میری باتوں کا جواب دیتے جاؤ۔ اگر تم نے میرے کہنے پر عمل کیا تو تمہاری زندگی بدل سکتی ہے۔"

"سچ!" اس نے خوش ہو کر نہایت بھولپن سے کہا۔

"ہاں قطعی سچ! لیکن اس کے لئے مجھے تمہیں یقین دلانا ہوگا کہ میں تم سے جو کچھ کہوں گا تم اس پر عمل کرو گے۔" میں نے کہا۔

"میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ اپنے محسن اور کرم فرما کی کوئی بات نہ ٹالوں۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ اور پرجوش بھی۔

"پھر سوچ لو! کہیں تمہیں اپنے کہے ہوئے الفاظ پر شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ یہ جان لو کہ تم جس قدر دولت کی خواہش کرو گے تمہیں فراہم کر دی جائے گی بلکہ اس کا کچھ عملی ثبوت میں تمہیں اس وقت بھی دے سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ہمزاد کو اشارہ کیا۔ وہ پہلے ہی تیار تھا۔ چند ہی لمحے بعد ہمزاد نے اس کے سامنے روپوں کا ڈھیر لگا دیا۔ سخاوت حیرت سے آنکھیں پھاڑے روپوں کے ڈھیر کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک اتنے سارے روپے کہاں سے آگئے۔ جبکہ ابھی کچھ دیر پہلے زمین کا وہ حصہ خالی تھا جہاں اس وقت روپوں کا ڈھیر تھا۔

"یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ اس سے دوگنے چوگنے جتنے تم کہو۔ تم شہزادوں کی سی زندگی گزارو گے اور لوگ تمہاری زندگی پر رشک کریں گے۔ پھر نہ جانے کس طرح میرے منہ سے وہ جملہ نکل گیا جس کے لئے مجھے بعد میں پچھتانا پڑا۔ میں نے کہا تھا۔

"لوگ تم پر رشک کریں گے کیونکہ تم ایسے ہی باپ کے بیٹے ہو۔"

یہ جملہ سنتے ہی جیسے کسی نے اس کی زخمی روح پر ضرب کاری لگادی وہ ایک دم اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا اور میرے بالکل قریب آگیا۔

"کیا تم اس کمینہ خصلت اور ذلیل ہستی سے واقف ہو؟ بولو! جواب دو۔" اس پر جیسے جنون سوار ہوگیا۔ "تمہیں بتانا پڑے گا۔ کیونکہ ابھی تم کہہ چکے ہو کہ میں ایسے ہی باپ کا بیٹا ہوں۔ تم بولتے کیوں نہیں۔" اس نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔

"سخاوت!" میری آواز بھرا گئی۔ "سکون سے بیٹھو! جذبات میں نہ بہو۔"

مگر میرے جملوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر بس ایک ہی رٹ لگائے رہا۔

"مجھے اس کا نام بتادو۔ جس نے روز اول ہی سے محرومیاں اور ذلتیں میری تقدیر کر دیں بتاؤ وہ کون ظالم تھا۔ وہ کون سفاک اور بے رحم تھا۔ میں اس کا نام جاننے کے لئے بے چین ہوں۔ میں اس کا خون پینے کے لئے مضطرب ہوں۔ مجھے اس سے انتہائی نفرت ہے۔"

اچانک اس عذاب سے بچنے کے لئے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بیٹے! وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے مگر مرنے سے پہلے اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ اور آج اسی لئے میں تمہارے پاس

آیا ہوں.... اور...“

”تو وہ مرگیا.... مرگیا.... مرگیا۔“ وہ پاگلوں کی طرح بڑبڑایا اور پھر نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ باپ جس سے اسے سخت نفرت تھی اس کی موت کی خبر نے اسے رنجیدہ اور اداس کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کا جی سنبھلا تو میں نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

”اپنے مرنے سے پہلے اس نے اپنے سارے راز میرے سینے میں منتقل کر دیئے تھے اور مجھ پر کچھ ذمے داریاں بھی عائد کر دی تھیں۔ میں انہیں ذمے داریوں کو پورا کرنے یہاں آیا ہوں۔“ میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر بمشکل کہا۔ عجیب صورت حال تھی کہ میں اپنی اولاد کو خود یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں اس کا باپ ہوں۔

”مجھے اس نے تمہارے بارے میں بتایا تو میں نے اپنے طور پر تمہارے بارے میں تمام معلومات حاصل کرلیں اور جب میں نے اسے یہ معلومات حاصل کر کے بتایا کہ اس کا بیٹا اس طرح ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہے تو اسے سکتہ سا ہوگیا اور پھر اس نے مجھے جو کچھ بتایا وہ بڑا ہولناک تھا۔ اس کے دوسرے دن وہ انتقال کر گیا اور میں فوراً یہاں چلا آیا تاکہ اپنی ذمے داریاں پوری کرسکوں۔“ میں یہ کہہ کر اس کے بولنے کا منتظر رہا مگر وہ جب خاموش رہا تو میں نے اس سے پھر سوال کیا۔

”کیا تم ایک بہتر اور خوش حال زندگی گزارنے کے خواہش مند ہو؟ کیا تم یہ شہر چھوڑنا چاہتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو اس کے لئے تمہیں صرف ایک قربانی دینی ہوگی۔“

”قربانی؟ کیسی قربانی؟ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ وہ کافی دیر بعد بولا۔

”تمہیں اس کے لئے دردانہ کو چھوڑنا پڑے گا۔“ آخر میں اصل بات پر آ ہی گیا۔

”نہیں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔“ وہ بے حد جذباتی لہجے میں بولا ”مجھے آپ کی دولت نہیں چاہئے۔ مجھے خوشحال زندگی سے بڑھ کر اپنی یہی زندگی پسند ہے۔ میں ذلت بھری زندگی گزار سکتا ہوں۔ میں فاقے کرسکتا ہوں میں ہر دکھ جھیل سکتا ہوں مگر دردانہ سے بے وفائی نہیں کرسکتا۔ اس کا دل نہیں توڑ سکتا۔“ یہ کہہ کر وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

”سنو صاحب زادے جذباتی نہ بنو۔ میں جو کچھ جانتا ہوں اگر وہ تمہیں بھی بتادوں تو شاید تم وہ تلخ حقیقت برداشت نہ کرسکو۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ بغیر کچھ جانے مجھ پر بھروسہ کر کے جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔“

”آپ اگر کہتے کہ میں زندگی پر موت کو ترجیح دوں تو ممکن ہے میں مان لیتا مگر مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتا۔“

”تو پھر وہ تلخ حقیقت سننے کے لئے تیار ہو جاؤ جو میں تم سے چھپانا چاہتا تھا۔ تمہارے مرحوم باپ کے کہنے کے مطابق تمہاری اور دردانہ کی رگوں میں ایک ہی خون دوڑ رہا ہے۔ دردانہ تمہاری سوتیلی بہن ہے۔“

”نہیں۔“ سخاوت چیخ پڑا۔ ”یہ جھوٹ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔“

”ایسا ہی ہے برخوردار ورنہ مجھے کوئی فائدہ نہیں تھا کہ میں دو دلوں کے درمیان دیوار بنتا۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں تو اپنے ہی خاندان کے بوڑھوں سے دریافت کرلو کہ افضال احمد کے یہاں چوتھے مہینے ہی دردانہ کیسے پیدا ہوگئی؟ اس وقت اس بات پر بہت شور ہوا تھا مگر میرٹھ کے نواب صاحب کی امارت آڑے آگئی۔ افضال احمد کے پاس دولت آتے ہی لوگوں کے منہ بند ہو گئے اور رفتہ رفتہ لوگوں نے اس واقعے کو بھلا دیا۔“

سخاوت میری باتیں سن کر بہت دیر گم سم بیٹھا رہا پھر نہ جانے کیوں اس کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔

”میں تمہیں ایک بڑے گناہ سے بچانے آیا ہوں بیٹے! یہ تمہارے باپ کی آخری خواہش تھی کہ میں ایسا نہ ہونے دوں اور کسی بھی طرح تمہیں اس بات پر آمادہ کرلوں کہ تم دردانہ کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔“ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ واقعی سب کچھ سچ کہہ رہے ہیں؟“ اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہاں!“ یہ کہہ کر میں نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور میں نے ایک عجیب سی کیفیت محسوس کی اب میرے رخساروں پر بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار میری یہ خواہش پوری ہوئی تھی کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے سینے سے لگا سکوں۔

”تو پھر وہی ہوگا جو آپ چاہتے ہیں۔“ اس نے مستحکم لہجے میں کہا۔

”میں.... میں.... میں اسے بھلانے کی کوشش کروں گا۔“

”اور اس کی ایک صورت صرف یہ ہے کہ تم بدایوں چھوڑ دو۔“ میں بولا۔

”مگر میں جاؤں گا کہاں؟“ اس نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔

”تم چاہو تو میرے ساتھ بھی چل سکتے ہو۔ میں دہلی میں رہتا

ہوں یا اگر تم میرے ساتھ رہنا پسند نہ کرو تو کسی بھی شہر میں جا کر از سرنو اپنی خواہش کے مطابق زندگی بسر کرسکتے ہو۔“

سخاوت میرے ہمراہ چلنے پر آمادہ نہ ہوا مگر اس نے بدایوں چھوڑنے کا وعدہ کرلیا۔ میں نے بھی اس وقت تک بدایوں نہیں چھوڑا جب تک وہ وہاں سے روانہ نہیں ہوگیا۔ اس نے بمبئی جانے کا قصد کیا تھا۔ میری بے انتہا ضد پر' اور یہ کہنے پر کہ یہ روپیہ اسی کے مرحوم باپ نے اس کے لئے چھوڑا ہے وہ بمشکل اس بات پر آمادہ ہوا اور وہ روپے لے لئے جو میں نے اسے دیئے تھے۔ وہ اتنی بڑی رقم تھی کہ وہ اپنی پوری زندگی نہایت سکون و اطمینان سے گزار سکتا تھا۔

میں جب بدایوں سے لوٹ کر دہلی پہنچا تو میری روح کا ایک بوجھ ہلکا ہوچکا تھا۔ میں نے ایک بڑے گناہ کو سرزد ہونے سے روک دیا تھا۔ دہلی کے شب و روز نے مجھے پھر اپنالیا۔

وقت تیز رفتاری سے دبے پاؤں گزرتا رہا اور مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ سال پر سال گزرتے رہے۔ میں نکہتوں اور لذتوں میں کھوگیا اور چونکا اس وقت جب مجھے معلوم ہوا کہ سخاوت' میرا اپنا بیٹا سخاوت مرگیا۔ طبعی موت۔ وہ ساٹھ سال کی عمر پاکر مرا تھا۔ اس کی موت کی خبر سن کر میری پلکیں بوجھل ہوگئیں۔ میں اداس ہوگیا۔ اس سے پہلے میں نے اور لوگوں کے مرنے کی خبریں بھی سنی تھیں۔ مگر میرے دل پر اس قدر اثر نہ ہوا تھا۔ ہمزاد نے مجھے بتایا تھا کہ میرٹھ کے نواب صاحب مرگئے اور میں نے کہا تھا خس کم جہاں پاک۔ پھر ہمزاد ہی سے معلوم ہوا تھا کہ رقیعہ کے ماں باپ بھی گزر گئے۔ اس کا بھی میرے دل پر اثر نہ ہوا تھا۔ پھر نرگس کے انتقال کی خبر سن کر بھی میرا پتھر دل نہ پسیجا تھا۔ پھر اس کے بعد دردانہ ایام زچگی میں چل بسی تھی۔ مگر سخاوت کی موت نے میرے دل کو شدید صدمہ پہنچایا تھا۔ اب میری عمر ۹۷ سال ہوچکی تھی۔ اور جسم بھی بوڑھا ہوچلا تھا۔ اب اس جسم میں وہ بات نہیں رہی تھی جو کبھی تھی۔ اب مجھے صحت کی بقا کے لئے طرح طرح کی ادویات کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ میری حالت ہمزاد سے بھی پوشیدہ نہیں تھی۔ ایک دن اس نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں یہ جسم تبدیل کردوں مگر میں قتل کے تجربے سے گزرنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب ادویات بھی رفتہ رفتہ بے اثر ہوتی جارہی تھیں۔ اب میں سنجیدگی سے یہ سوچنے لگا تھا کہ واقعی مجھے ہمزاد کے مشورے پر عمل کر ہی لینا چاہئے۔ زندگی کی یہ بے کیفی مجھے بہرحال گوارا نہیں تھی۔

پھر انہیں دنوں جب میں یہ قصد کرچکا تھا کہ اس بوڑھے جسم سے اپنی جان چھڑالوں گا۔ ایک رات میری روح کانپ اٹھی۔ میری آنکھوں نے ایک طویل عرصے بعد ایسا ہی منظر دیکھا تھا کہ مجھے لرز جانا چاہئے تھا۔ میں سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا ہی تھا کہ اچانک میرے کمرے میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور اس کے ساتھ میری سماعت نے تیز قسم کی سرسراہٹیں اور پھنکاریں سنیں۔ مجھے اپنا جسم اینٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ چند لمحے بعد وہ جھماکا ایک روشن ہیولے میں تبدیل ہوا اور پھر اس ہیولے کے خدوخال واضح ہوئے تو میں چیخ پڑا۔ مہ پارہ کی روح میرے سامنے تھی۔ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ وہ مجھے گھور رہی تھی پھر اس کے ہونٹ ہلے۔

”تم نے مجھے بھلا دیا تھا۔ اپنے ایک ایسے دشمن کو جس کی شرافت نفس نے تمہیں سالہا سال کچھ نہ کہنے پر مجبور رکھا۔ تم نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ بھرپور عیش کے ساتھ گزار دیا اور میں دیکھتی رہی۔ مگر اب جبکہ تم پھر ایک جسم تبدیل کرنے والے ہو میں تم پر ایک آخری وار کرنے آئی ہوں۔ ایک آخری وار جسے تم مرتے دم تک نہ بھلا سکو گے۔ میری خواہش ہے کہ تم مجھے آخری دم تک یاد رکھو اور میں تمہیں اس پر مجبور کرسکتی ہوں۔ تم پر اس آخری وار کے بعد میں تمہاری دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلی جاؤں گی۔ میرا انتقام پورا ہوجائے گا اور پھر میں کبھی نہیں آؤں گی۔ میں وار کرنے سے پہلے تمہیں خبردار کررہی ہوں۔ تم میرا وار تو کیا روک سکو گے بلکہ تم اس سے پہلے یہ بھی نہ جان سکو گے کہ میں تم پر کس قسم کا وار کروں گی۔ مجھے صرف انتظار اس وقت کا ہے جب تک کوئی نیا جسم اپنالو۔ اس کے بعد میں تمہیں صرف یہ بتانے آؤں گی آخری بار کہ میں نے تم پر کیا وار کیا ہے“ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر ان جملوں کے ختم ہوتے ہی وہ چمکیلا غبار بجھ گیا اور میرے جسم کی اینٹھن بھی کم ہوگئی جیسے رسیوں کے بل کھلے ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ میرے جسم پر سانپ لپٹے ہوئے تھے جس کا ایک بار مجھے پہلے بھی تجربہ ہوچکا تھا۔

اس اچانک اور نئی افتاد نے مجھے پریشان کردیا۔ میں واقعی مہ پارہ کی روح کو تو بھول ہی گیا تھا۔ ”آخر وہ مجھ پر کیا نیا وار کرے گی۔“ میں دیر تک یہی سوچتا رہا۔ اور اس رات میں ایک لمحے کو بھی نہ سوسکا۔

****

آج میری زندگی کا آخری دن ہے شمیم نوید! آخری دن۔ اس دن کے بعد کوئی دن ایسا نہیں آئے گا جو اب شیخ کرامت کو زندہ دیکھ سکے۔ جب آج کے دن کی دھوپ ڈھل جائے گی تو شیخ کرامت کی زندگی کا سورج بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو جائے گا۔ ذرا وارڈ سے باہر نکل کر دیکھو کہ دھوپ ابھی کتنی باقی ہے مگر نہیں ٹھہرو۔ اب اس سے فائدہ بھی کیا؟ دھوپ کو بہرحال ڈھلنا ہے' نہ اسے تم روک سکتے ہو نہ میں' تو پھر ہم اس دکھ میں مبتلا کیوں ہوں کہ موت کے سائے تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ تم یقیناً یہ سوچ کر بہت حیران ہو گے کہ مجھے اپنے مرنے کا اتنا یقین کیوں ہے؟ میں یہ کس طرح جانتا ہوں کہ میری ایک سو تیس سالہ زندگی کا یہ آخری دن ہے؟ میں نے تمہارے چہرے پر یہ سوال ڑھ لیا ہے۔ کچھ اور بتانے سے پہلے میں تمہیں اس سوال کا واب دے دینا چاہتا ہوں تو سنو!

آج سے ٹھیک ایک سو سال پہلے جب میں نے ہمزاد کو قابو ں کیا تھا تو اس کے اور میرے مابین دیگر شرائط کے علاوہ ایک ر اہم شرط بھی طے ہوئی تھی اور وہ شرط تھی مدت کے بارے ں۔ ہمزاد نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ میں اسے کتنی مدت کے لئے اپنے قابو میں کر رہا ہوں؟ اس وقت مجھے اس اچانک اور غیر وقع سوال کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے چند لمحے سوچا ر میرے منہ سے نکلا "سو سال" میں نے ان چند لمحوں میں سوچا ا کہ اگر میں زیادہ سے زیادہ بھی زندہ رہا تو یہ مدت میرے لئے فی رہے گی۔ مگر کاش مجھے خبر ہوتی کہ اس عرصہ گاہ حیات میں سو ل کوئی معنی نہیں رکھتے۔ کاش! میں جانتا کہ اس سوال کا اب دے کر میں اپنی زندگی کی حد مقرر کر رہا ہوں۔ کاش! رے علم میں یہ ہوتا کہ میں اتنی مدت ضرور زندہ رہوں گا جتنے صے کے لئے ہمزاد میرے قابو میں رہے گا جیسا کہ مجھے بعد کے بات سے معلوم ہوا۔ کاش! میں باخبر ہوتا کہ سو سال پلک جھپکتے ت جاتے ہیں۔ مگر نہیں اگر میں ہزار سال بھی زندہ رہتا تو شاید رے یہی جذبات و احساسات ہوتے۔ زندگی کی خواہش انسان ، کبھی منہ نہیں موڑتی۔ سو اب میں بھی جینے کی خواہش میں مر ہوں۔ میں نے گزشتہ دو دنوں میں تمہیں اپنی سرگزشت بہت ی کے ساتھ سنائی ہے مگر اس کے باوجود میں نے تمہیں بہت ، اہم واقعات نہیں بتائے اور غالباً وہ واقعات اسی دن کے ، باقی رہ گئے تھے۔ میں نے بے حد اختصار کے ساتھ تمہیں نے بارے میں سب کچھ بتایا ہے اور آج میں تمہیں جو کچھ نے والا ہوں یہ میری زندگی کے آخری سالوں کی کہانی ہے۔

****

میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرا جسم بوڑھا ہو چکا تھا انہیں دنوں مہ پارہ کی روح نے مجھے ذہنی طور پر پریشان کر دیا تھا۔ اس کا انتقام کیا ہو گا؟ آخری انتقام! میں یہ سوچ سوچ کر کانپ جاتا۔ میری آنکھوں نے اپنی زندگی میں وہ منظر دیکھے ہیں کہ بہت کم آنکھوں نے دیکھے ہوں گے۔ میں ایسے انوکھے' عجیب اور پراسرار حالات سے گزرا ہوں کہ شاید کوئی نہ گزرا ہو۔ اس بات کا اندازہ غالباً تمہیں میری سرگزشت سن کر ہو چکا ہو گا۔ لفظوں میں جو کچھ بیان کرنا ممکن تھا میں نے وہ بیان کر دیا مگر مجھے اندازہ ہے کہ شاید لفظ میرا ساتھ نہ دے پائے ہوں اور ان میں وہ تجربات اور واقعات منتقل نہ ہو سکے ہوں جو مجھ پر گزرے ہیں۔ میرے انہیں تجربات و مشاہدات نے مجھے دوسرے عام آدمیوں کی نسبت ایک غیر معمولی ہمت عطا کی تھی ایک ایسی ہمت کہ میں بڑے سے بڑے خطرے کے روبرو ہو کر بھی کبھی جی نہ چھوڑتا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ مہ پارہ کے متوقع انتقام کے بارے میں کافی سوچ بچار کے بعد میں نے اسے ذہن سے جھٹک دینا چاہا۔ میں نے اس سلسلے میں ہمزاد سے بھی رجوع کیا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مہ پارہ کا انتقام کیا ہو گا؟ مگر ہمزاد اپنی تمام تر پراسرار قوتوں کو بروئے کار لا کر بھی یہ نہ معلوم کر سکا کہ مہ پارہ مجھ سے کیا آخری انتقام لینے والی ہے۔ مجھے امید بھی یہی تھی کہ ایسا ہی ہو گا کیونکہ اس سے پہلے بھی مہ پارہ کے سلسلے میں ہمزاد ہمیشہ ناکام ہی ثابت ہوا تھا۔ ہمزاد کی ناکامی کے بعد تو میں نے خود کو حالات کے سپرد کر دیا اور سوچا کہ اب جو بھی ہو سو تقدیر۔ جس نادیدہ حملے کو کسی صورت روکا ہی نہ جا سکتا ہو اس کے بارے میں زیادہ سوچ بچار ہی لاحاصل تھا۔ اس ذہنی کشمکش سے نکل کر میں ایک بار پھر تبدیلی جسم کے لئے بے چین ہو گیا۔

دہلی کی ایک معزز ہستی خاں صاحب عظمت اللہ میرے متعقدین میں شامل تھے۔ انہیں کے ساتھ ان کا پورا خاندان میرا مرید تھا۔ عنایت اللہ انہیں کا لڑکا تھا۔ عنایت کی جسمانی صحت قابل رشک تھی اور چہرے مہرے میں بھی اس کا جواب نہیں تھا۔ جوانی جیسے اس پر ٹوٹ کر برسی تھی۔ چوڑا چکلا سینہ' بھرے بھرے بازو اور مضبوط ہاتھ پیر۔ اس کی عمر مشکل سے سولہ سترہ کے درمیان تھی۔ اس کے اوپری ہونٹ پر ہلکے ہلکے روئیں کا آغاز ہوا تھا۔ عنایت بھی میرے دوسرے مریدوں کی طرح مجھ سے انتہائی عقیدت رکھتا تھا۔ اس کی صحت اور جوانی یقیناً قابل رشک تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب میں نے تبدیلی جسم کے بارے میں سوچا تو عنایت کا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم گیا۔ اس کا نوخیز جسم میری ناآسودہ خواہشوں کی تسکین کے لئے بہترین ثابت

ہو سکتا تھا۔ اب میرے سامنے مسئلہ اپنی چالیس دن کی غیر حاضری کا تھا۔ کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جب میری محفل گرم نہ ہوتی۔ شام ہوتے ہی میرے مکان پر عقیدت مندوں کا ہجوم لگنے لگتا۔ کیونکہ لوگوں سے ملنے کا وقت میں نے یہی مقرر کیا تھا۔ دہلی کے علاوہ دور دراز علاقوں سے بھی لوگ آ کر میرے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے۔ میں نے اس بات پر کافی غور و خوص کے بعد ایک شام برسر محفل کہا۔

اب ہمارا جسم مجاہدوں اور ریاضتوں کے سبب خاصا ضعیف ہو گیا ہے اور اب اس کے لئے نئی قوت و توانائی کی ضرورت ہے۔ ہم چالیس دن کے لئے دہلی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اور جب جو ہم لوٹیں گے تو تم لوگ ہماری کمر جھکی ہوئی نہیں پاؤ گے۔"

میری بات سن کر وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ انہیں میری باتوں پر بھرپور یقین اور بھروسا تھا۔ اس طرح میں نے وہاں سے اپنی چالیس دن کی غیر حاضری کا جواز پیدا کر لیا تھا۔

"ہم ان دنوں چلہ کشی کریں گے اور اس دوران کسی سے ملنا پسند نہیں کریں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم نے یہیں چلہ کشی شروع کر دی تو بھی ہمارے عقیدت مند اور مرید ہم سے ملنے اور ہمارے دیدار کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ اس لئے ہم چالیس دن کے لئے باہر جا رہے ہیں۔ دہلی سے باہر۔ کہاں؟ یہ ہم نہیں بتانا چاہتے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ اگر ہم نے یہ بتا دیا تو لوگ وہاں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

ظاہر ہے کہ میرے کسی بھی عمل پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ محفل برخاست ہونے اور لوگوں کے جانے کے بعد میں نے ہمزاد کو طلب کیا۔

"تم نے جگہ کا انتخاب کر لیا؟" میں نے ہمزاد سے دریافت کیا۔

"جی ہاں ہمیں دہلی سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ قطب مینار کے اردگرد کچھ کھنڈرات ہیں وہاں تمام کام بخوبی ہو سکتا ہے۔ اور چالیس دن بغیر کسی خوف و خطر کے وہاں گزارے جا سکتے ہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"لیکن یہ سب کچھ ہو گا کس طرح؟ ابھی میں پوری طرح سب باتیں سمجھ نہیں پایا ہوں۔ اس سے پیشتر دوبار جب اس کی نوبت آئی تو ہمارے کام رضیہ آئی تھی۔ اب ہم کس کا سہارا لیں گے؟" میں نے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کا اظہار کر دیا۔

"اس سے پیشتر دونوں بار آپ کا سر جسم سے جدا تھا اس لئے میری قوتیں بھی وقتی طور پر مفلوج ہو گئی تھیں مگر اس بار ایسا نہیں ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں میرے اور آپ کے علاوہ کسی تیسری ہستی کی موجودگی ضروری نہیں۔" ہمزاد نے کہا۔

"میں اب بھی تمہاری بات پورے طور پر نہیں سمجھ پایا۔"

"اس بار میں خود آپ کو قتل کروں گا اور عنایت کو بھی۔"

ہمزاد کا جملہ سن کر میں کانپ گیا۔ وہ مجھے اور عنایت کو قتل کر کے میرا سر اس کے جسم سے جوڑ دینا چاہتا تھا۔ قتل ہونے کا تصور ہی میری نظر میں نہایت بھیانک تھا مجھے اس سے پہلے دوبار اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اور میں اس تکلیف و اذیت سے آشنا تھا جو اس سنگین اور بھیانک تجربے کے عوض مجھے برداشت کرنی پڑی تھی۔

اسی رات ہمزاد مجھے لے کر قطب مینار کے قریب ایک کھنڈر میں پہنچ گیا۔ ہر طرف تاریکی کا راج تھا اور ہمزاد مجھ سے رخصت ہو کر عنایت کو لینے گیا ہوا تھا۔ آنے والے ہولناک لمحات کا تصور میرے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ میرا دل اس شدت سے دھڑک رہا تھا جیسے سینے سے اچھل کر باہر آ جائے گا لیکن میں زیادہ دیر اس کیفیت سے دوچار نہیں رہا۔ ہمزاد کو لوٹنے میں دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر عنایت کا بے ہوش جسم تھا جو اس نے بہت آہستگی کے ساتھ پتھریلے فرش پر ڈال دیا۔ اندھیرا ہونے کے سبب اس جسم کے بارے میں' میں صرف اندازہ ہی لگا سکتا تھا کہ وہ عنایت کا جسم ہے کیونکہ مجھے اس کے چہرے کے خدوخال نظر نہیں آ رہے تھے۔

"سیدھے تن کر بیٹھ جائیے!" ہمزاد کی آواز تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی میری سماعت سے ٹکرائی۔ پھر میں نے اس کے ہاتھ میں کچھ دیکھا غالباً وہ خنجر رہا ہو گا۔

"پہلے کون قتل ہو گا؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ میری آواز میں گھبراہٹ اور خوف شامل تھا۔

"عنایت اور اس کے بعد آپ۔ تاکہ آپ کو زیادہ د تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے۔" ہمزاد کے ان الفاظ کے خ ہوتے ہی مجھے ایک گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔ خرخر سے مشا آواز۔ بالکل ایسی آواز جیسی کسی بکرے کو ذبح کرتے ہوئے سنا دیتی ہے۔ میرا جسم اب نمایاں طور پر کانپنے لگا تھا۔ خود قتل ہو۔ کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔

"سنبھلئے" ہمزاد میری طرف پلٹا۔ میں نے چاہا کہ اسے ، دیر رکنے کو کہوں مگر میرے الفاظ ہونٹوں سے ادا نہ ہو سکے کیو اس سے پہلے ہی ہمزاد کا ہاتھ اپنا کام کر چکا تھا۔ مجھے ایسا محسو

ہوا جیسے کوئی دہکتی ہوئی انگیٹھی میری گردن پر انڈیل دی گئی ہو۔ اس کے بعد دوسرے ہی لمحے میرا سر جسم سے جدا ہوا اور عنایت کے تڑپتے ہوئے جسم سے جالگا۔ گردن کی پچھلی ہڈی پر مجھے ایک بھرپور ضرب کا احساس ہوا اور اس کے بعد میں اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکا۔ انتہائی تکلیف و اذیت نے مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔

میری طویل زندگی میں وہ چالیس دن خود کو محسوس کرائے بغیر نہ گزر سکے۔ وہ تکلف و اذیت سے بھرپور چالیس دن گزرے تو میں نے سکون کا سانس لیا۔ ایک بڑا مرحلہ گزر چکا تھا۔ میں اب ایک جوان اور صحت مند جسم کا مالک بن چکا تھا۔ لیکن اپنے چہرے پر پڑے ہوئے جھریوں کے جال، اندر دھنسی ہوئی آنکھوں اور ابھری ہوئی رخساروں کی ہڈیوں کو تبدیل کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میرا جسم جوان تھا مگر چہرہ بوڑھا۔

****

چالیس دن بعد جب میں نے اپنی محفل سجائی تو مجھے ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا جیسے مجھے میری کھوئی ہوئی مملکت دوبارہ واپس مل گئی ہو۔ میرے اردگرد حسب معمول عقیدت مندوں اور میرے مریدوں کا حلقہ تھا۔ ان میں امیر بھی تھے اور غریب بھی۔ سرکاری افسران بھی اور عام شہری بھی۔ ہندو بھی اور مسلمان بھی۔ ان ہی لوگوں میں ایک طرف سر جھکائے عظمت اللہ بیٹھا تھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں غم کے سائے لہراتے دکھائی دے رہے تھے۔ میں اس کے غم سے آشنا تھا۔ جوان اولاد کے بچھڑنے کا غم معمولی نہیں تھا۔ وہ گم سم خاموش خاموش سا سر جھکائے بیٹھا رہا۔ وہ عظمت اللہ جس کے بیٹے کے جسم پر اب میرا قبضہ تھا۔ میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے قریب بلایا۔

”تمہارے دکھ سے ہم بے خبر نہیں ہیں عظمت اللہ! مگر ہم تمہیں سوائے صبر کی تلقین کے اور کچھ نہیں دے سکتے۔ عنایت اللہ اب کبھی واپس نہیں آسکے گا اور.....“

”نہیں، نہیں ایسا نہ کہئے مرشد! میری آس نہ توڑیئے۔“ عظمت اللہ میری بات کاٹ کر گڑگڑایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”ہم ایسا ہرگز نہ کہتے مگر حقیقت یہی ہے اور مشیت ایزدی میں دخل دینا ناممکن ہے۔ ہمارا علم ہمیں یہی بتاتا ہے۔ ہرچند کہ تم نے ہمیں عنایت اللہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ چالیس دن سے لاپتہ ہے کیوں کیا ہم غلط کہہ رہے ہیں؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”مرشد سچ کہتے ہیں!“ وہ میرے پاؤں پر گر کر انہیں چومتے ہوئے بولا۔ تمام حاضرین محفل متاثر نظر آرہے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ عظمت اللہ ایک دم چونک پڑا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ میرا دایاں پاؤں پکڑے حیرت سے اسے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے بر سر محفل ایک ایسی ناشائستہ حرکت کی کہ مجھے اپنا پاؤں گھسیٹ لینا پڑا۔ اس نے میرا پاجامہ پنڈلی سے اوپر تک چڑھادیا تھا۔ اور اب گھٹنے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”بالکل وہی! قطعی وہی۔“ وہ بڑبڑایا۔

”تمہیں کیا ہوگیا ہے عظمت اللہ!“ میں نے کڑک کے پوچھا۔ ”کیا تم آداب محفل بھی بھول گئے؟“ یہ کہہ کر میں نے فوراً ہمزاد کو طلب کیا تاکہ اس سے حقیقت معلوم کرسکوں کہ عظمت اللہ کی موجودہ کیفیت کا سبب کیا ہے؟ اور پھر ہمزاد نے مجھے جو کچھ بتایا اسے سن کر میں بھی چونک پڑا۔ اب مجھے تمام معاملے کو سنبھالنا تھا۔ ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ بات بگڑ جاتی۔ میں نے آگے بڑھ کر عظمت اللہ کو سینے سے لگالیا۔

”میں جانتا تھا عظمت اللہ! یہ نشانات دیکھ کر تمہارے دل میں عنایت کی یاد کے زخم تازہ ہوجائیں گے۔ یہ ہمارا ایک ادنیٰ سا کرشمہ تھا۔ تمہارے دکھ کو جاننے کے لئے ہم نے ایسا کیا۔ ہم واقف ہیں کہ عنایت کے دائیں پاؤں پر بھی انگلیوں سے اوپر اسی طرح زخم کا نشان تھا۔ اور دائیں گھٹنے پر بھی۔ ایک بار بچپن میں چبوترے سے گرنے کے سبب اسے یہ چوٹیں آئی تھیں۔“ میں نے نہایت پرسکون آواز میں بات بنادی۔ اور عظمت اللہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ اب پھر میرے قدموں میں گر گیا تھا۔

”جاؤ اب گھر جاؤ! ہم تمہارے لئے دعا کریں گے کہ تمہیں صبر مل جائے۔“ میں نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

****

نیا جسم ملنے کے بعد تو جیسے مہ پارہ کا آخری انتقام میرے ذہن سے نکل ہی گیا تھا۔ ہر شب میرے لئے نئی تھی۔ جیسے عہد جوانی ایک بار پھر لوٹ آیا ہو۔ اور انہیں دنوں میں نے اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں سے ایک نام سنا۔ گھنشیام داس۔ اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ایک طویل عرصے افریقہ میں رہ کر آیا ہے۔ وہاں کے پراسرار علوم سے وہ اچھی طرح نہ صرف واقف ہے بلکہ خود اس کے پاس کچھ پراسرار قوتیں ہیں۔ پورے دہلی میں ان دنوں اسی کا شہرہ تھا۔

میں نے اس کے اتنے تذکرے سنے کہ میرے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور ساتھ ہی یہ خواہش بھی کہ کسی طرح یہ معلوم کیا جائے کہ اس کے پاس کیا پراسرار قوتیں ہیں

اور وہ کتنے پانی میں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اگر ممکن ہو تو لوگوں کے ذہن سے اس کا بھوت اتار دیا جائے۔ ایسا ممکن تھا لیکن صرف اسی وقت جب وہ لوگوں کے درمیان اپنی کسی پراسرار قوت کا مظاہرہ کر رہا ہو۔ اس کی قوتوں کو ہمزاد کے ذریعے ناکام بنا کر اسے بہ آسانی لوگوں کی نظر میں ذلیل کیا جاسکتا تھا۔ یہی جذبہ تھا جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں گھنشیام داس کو ایک نظر دیکھ لوں اور جلد ہی مجھے اس کا موقع بھی مل گیا۔

ایک دن میں نے سنا کہ رام لیلا گراؤنڈ میں ایک بڑے مجمعے کے سامنے گھنشیام داس اپنی پراسرار قوتوں کا مظاہرہ کرے گا۔ یہ ایک سنہری موقع تھا کہ میں اس کی شہرت و عزت کو خاک میں ملا دیتا۔ میں موقع غنیمت جان کر اپنے مریدوں کے حلقے میں سرِشام ہی لیلا گراؤنڈ میں پہنچ گیا۔ جہاں ایک بڑا سا اسٹیج بنایا گیا تھا اور لوگوں کے بیٹھنے کے لئے زمین پر فرش بچھائے گئے تھے۔ ہزاروں افراد وہاں جمع تھے اور کچھ دیر بعد ہی گھنشیام اسٹیج پر آکر اپنے کرتب دکھانے والا تھا۔ دہلی کے عوام کے لئے میری شخصیت نئی نہیں تھی۔ ہندوؤں کے دلوں میں میری طرف سے لاکھ کدورت وعداوت سہی مگر انہوں نے مجھے دیکھتے ہی ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ ان کے لئے بڑی عزت و افتخار کی بات تھی کہ میں ان کے جلسے میں شرکت کرنے آیا تھا۔ مجھے آگے، سب سے آگے جگہ دی گئی۔ جہاں شہر کے دوسرے معززین بیٹھے تھے۔ چند لمحے بعد ہی گھنشیام داس سادھوؤں کے سے لباس میں اسٹیج پر نمودار ہوا اور پورا گراؤنڈ نعروں سے گونج اٹھا۔ گھنشیام کے ہمراہ اس کا ایک چیلا بھی تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر سب کے نعروں کا جواب دیا اور مجمعے کو مخاطب کرکے ایک انگیٹھی اور کوئلوں کی فرمائش کی۔ منتظمین میں سے کسی نے اس کی فرمائش پوری کر دی۔ گھنشیام نے انگیٹھی دہکانا شروع کر دی اور جب کوئلے پوری طرح انگاروں میں تبدیل ہوگئے تو اس نے انہیں ایک لوہے کی پرات میں نکال لیا اور مجمعے کے درمیان آکر لوگوں کو دہکتے ہوئے کوئلے دکھانے لگا۔ میں اس کی تمام حرکات و سکنات کا پوری طرح جائزہ لے رہا تھا اور اسی پر نظر رکھے ہوئے تھا اور اس توقع میں تھا کہ کب وہ کوئی دعویٰ کرے اور کب میں اس کے دعوے کو باطل بنادوں۔ لیکن ابھی تک اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی۔ وہ اب مجمعے کے آخر تک جاکر پلٹ رہا تھا اور پھر مجمعے کے بالکل درمیان پہنچ کر اچانک اس نے ایک ایسی حرکت کی کہ لوگوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ اس نے پرات میں دہکتے ہوئے انگارے مجمعے کے اوپر بکھیر دیئے۔ اسی وجہ سے لوگ چیخ پڑے تھے مگر دوسرے ہی لمحے پورا گراؤنڈ تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا۔ وہ انگارے لوگوں تک پہنچتے پہنچتے گلاب کے مہکتے پھولوں میں تبدیل ہوچکے تھے۔ میں کھول کر رہ گیا۔ وہ ظالم اپنا کمال اچانک اور غیر متوقع طور پر دکھا چکا تھا اور میں اس بات کا منتظر تھا کہ وہ کچھ منہ سے کہے۔ وہ اب پھر اسٹیج پر پہنچ چکا تھا اور سر جھکا کر لوگوں کی تحسین و ستائش کا جواب دے رہا تھا۔ میں اب پوری طرح مستعد ہو کر اس کے دوسرے کرتب کا انتظار کرنے لگا۔

اب میں نے ہمزاد کو بھی طلب کرلیا تھا تاکہ وہ مجھے بروقت آگاہ کر سکے کہ گھنشیام اب کیا کرنے والا ہے۔ اور ہمزاد ہی کے ذریعے میں اس کا توڑ کرسکوں لیکن اس بار ہمزاد کو مجھے کچھ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ گھنشیام کہہ رہا تھا۔

”صاحبو! اب میں آپ کے سامنے ایک ایسے کمال کا مظاہرہ کرنے والا ہوں جو میں نے بطور خاص افریقہ میں سیکھا ہے اور یہ کمال میں نے چند پراسرار قوتوں کو اپنے قبضے میں کرکے حاصل کیا ہے، آپ میں سے صرف نو نوجوان اسٹیج پر آجائیں میں انہیں برہنہ تلواریں دوں گا۔ وہ مجھ پر بلا روک ٹوک اور بغیر کسی لاگ لگاوٹ کے ان تلواروں سے حملہ کریں۔ میں اپنے ہاتھ میں کچھ نہیں رکھوں گا لیکن آپ دیکھیں گے کہ تلواریں میرے جسم سے گزرتی رہیں گی مگر میرا جسم اپنی جگہ رہے گا۔ اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ میں نوجوانوں سے گزارش کروں گا کہ وہ مجھ پر حملہ کرتے ہوئے ذرا بھی نہ ہچکچائیں۔ کیونکہ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔“ یہ مختصر سی تقریر کرکے وہ خاموش ہوگیا اور نوجوانوں کا انتظار کرنے لگا۔

”لیجئے اس نے اپنی موت کو خود آواز دے لی۔“ ہمزاد نے سرگوشی کی۔

”مگر اس نے یہ دعویٰ کیا کس طرح؟“ میں نے دبی زبان میں ہمزاد سے پوچھا تاکہ میرے قریب بیٹھے ہوئے لوگ میری آواز نہ سن پائیں۔

”اس کے پاس یقینی طور پر کچھ پراسرار قوتیں ہیں مگر وہ انتہائی معمولی درجے کی ہیں جن پر میں پوری طرح قابو پاسکتا ہوں۔ میں ان قوتوں کو آگے ہی نہیں بڑھنے دوں گا کہ اسے بچا سکیں۔“

کچھ ہی دیر میں نو نوجوان اسٹیج پر پہنچ گئے۔ ان کے اسٹیج پر آتے ہی گھنشیام نے اسٹیج پر رکھا ہوا ایک سیاہ بکس کھولا اور نو تلواریں نکال کر ان نوجوانوں میں تقسیم کردیں اور پھر ان نوجوانوں سے مجمعے میں جانے کے لئے کہا کہ وہ لوگوں کو تلواریں دکھا آئیں۔ تاکہ انہیں بھی یقین ہوجائے کہ تلواریں اصلی ہیں اور ان کی دھار تیز ہے۔ وہ تمام نوجوان اپنی اپنی تلواریں

ارے مجمعے میں دکھا کر پھر اسٹیج پر پہنچ گئے۔ گھنشیام ان کے میان کھڑا ہوگیا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ جیسے ہی ہاتھ کا اشارہ رے وہ سب اس پر حملہ کردیں۔ میں نے دیکھا گھنشیام ہونٹوں ں کچھ بدبدایا اور پھر اس کے دائیں ہاتھ کو حرکت ہوئی اس کے ہ کی حرکت کے ساتھ ساتھ بیک وقت نو تلواریں بلند ہوئیں پھر گھنشیام داس کی دلدوز چیخ سنائی دی۔ اس کا جسم اسٹیج پر پڑا طرح تڑپ رہا تھا۔ تلواروں کی دھار واقعی بہت تیز تھی اور بیک وقت نو تلواروں کے وار۔ اس کا جسم سخت مجروح ہوچکا ۔ آدھی گردن کٹ گئی تھی۔ ایک شانے کو تلوار اس کے جسم جدا کرچکی تھی۔ سر کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے۔ ہاتھوں اور ں پر کئی جگہ گہرے زخم تھے۔ تمام نوجوان مبہوت اور حیرت سے ہوکر اسے تڑپتے اور مرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ممکن وہ سوچ رہے ہوں کہ یہ بھی اسی کرتب کا کوئی حصہ ہو اور یام پھر اٹھ کر کھڑا ہوجائے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ کچھ دیر تک تو پر بھی سکتے کا عالم طاری رہا وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائے کہ ۔ کیا ہوگیا۔ پھر شاید منتظمین کو ہوش آگیا اور وہ اسٹیج کی دوڑے۔ کچھ دیر بعد ان میں سے ایک نے نہایت اداس ں لوگوں کو بتایا کہ گھنشیام داس مرچکا ہے اور خود اپنے ، کا شکار ہوگیا ہے۔ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ جو منتر وہ تھا ممکن ہے وہ ادھورا رہ گیا ہو اور نوجوانوں نے حملہ کر ۔ بہر حال یہی موقع تھا کہ میں گھنشیام پر اپنی فوقیت جتا کر و مرعوب کرسکتا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اسٹیج پر پہنچ گیا انے بھی اسٹیج پر چڑھنے سے نہیں روکا تھا۔ کیونکہ میں ان نیا نہیں تھا۔

ں اس کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے مجمعے سے مخاطب

ھنشیام داس ابھی اپنے فن میں کچا تھا اسے جلد بازی سے ں لینا چاہئے تھا۔ بہر حال جو کچھ ہوا وہ بڑے دکھ کی بات ں نے جن کمالات کا اظہار کیا وہ ہم بھی دکھا سکتے تھے اور ، زیادہ بھی مگر ہم نے اسے موقع دیا۔ ہم اپنی بات کے ں چاہتے ہیں کہ وہ دونوں کرتب آپ سب کو دکھائیں جن ایک تو گھنشیام پورا کرسکا مگر دوسرے میں اپنی جان گنوا

یں نہیں۔ ہمیں آپ کی زندگی عزیز ہے۔ ہم آپ کو کرنے دیں گے۔" مجمعے میں سے کئی لوگ چیخے۔ یہ غالباً ید تھے جو مجھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے مگر اسی کے بعد ازیں سنائی دیں۔

"اگر بزرگ صاحب سچے ہو تو یہ کمالات ضرور دکھاؤ۔" یہ ان متعصب ہندوؤں کی آوازیں تھیں جو گھنشیام کو چاہتے تھے اور مجھ سے کدورت رکھتے تھے۔

"آپ سب خاموش ہوجائیں۔ ہم آپ کی خواہش ضرور پوری کریں گے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

پھر میں نے بھی انگیٹھی اور کوئلے منگوائے۔ انہیں اچھی طرح دہکایا اور بالکل گھنشیام کی طرح سارے مجمعے میں ان کی نمائش کی اور عین مجمعے کے درمیان آکر وہ دہکتے ہوئے انگارے مجمعے پر بکھیر دیئے۔ ہمزاد نے پھینکے جانے سے پہلے ہی انہیں پھولوں میں تبدیل کردیا تھا۔ سارا مجمع زور زور سے تالیاں بجانے لگا۔ "بزرگ صاحب کی جے! بزرگ صاحب کی جے۔" سے پورا گراؤنڈ گونج اٹھا۔ اور اس کے بعد میں نے اسٹیج پر پہنچ کر انہیں نوجوانوں کو بلایا جنہوں نے گھنشیام کو جہنم رسید کیا تھا۔ وہ سبھی سخت خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے تھے۔ اسی لئے وہ بمشکل تیار ہوئے۔ میں بھی گھنشیام کی طرح ان کے درمیان کھڑا ہوگیا اور ہاتھ کے اشارے سے انہیں حملہ کرنے کے لئے کہا۔ اس سے پہلے ہمزاد میرے جسم کے گرد ایک نادیدہ حصار قائم کرچکا تھا جس سے کسی شے کا گزرنا محال تھا۔ تلواریں برستی رہیں مگر میں اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا۔ لوگ پھر حیرت و خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ اس کے بعد میں نے ہاتھ کے اشارے سے حملہ روکنے کے لئے کہا۔ وہ نوجوان حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے اس غرض سے کہ کہیں کوئی ہنگامہ نہ ہوجائے۔ وہاں پولیس کے کئی ٹرک بھی موجود تھے۔ مجھے اب ایک اور ہی نئی بات سوجھی میں نے مجمعے کو مخاطب کیا۔

"یہ تو وہ کمالات تھے جو گھنشیام دکھانا چاہتا تھا اب میں اپنی طرف سے ایک کمال کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں پولیس کے ٹرک موجود ہیں۔ میں پولیس والوں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ ایک ٹرک اسٹیج کے قریب لے آئیں۔ میں اس پورے وزنی ٹرک کو اپنے ہاتھ کی ایک انگلی پر اٹھالوں گا۔ یہ یوں ہی نہیں کہہ رہا بلکہ میں اس بات کا ثبوت بھی پیش کرسکتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں ٹرک کا انتظار کرنے لگا۔

میں نے جو کچھ کہا تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی تمام ہی لوگ سخت متعجب اور مضطرب تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ٹرک اسٹیج کے قریب آگیا اور اس میں سے سپاہی اترنے لگے۔

"نہیں، نہیں تمام سپاہی ٹرک ہی میں بیٹھے رہیں گے۔" میں نے سپاہیوں کو اترتے دیکھ کر کہا اور سپاہی پھر ٹرک پر چڑھ گئے۔

میں نے ٹرک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ساتھ ہی ہمزاد کو اشارہ کیا۔ میں نے ٹرک کا ایک کنارا پکڑا اور لوگوں نے دیکھا کہ ٹرک زمین سے اٹھ کر اسٹیج پر آگیا۔ لوگ حیرت زدہ سے یہ عجیب اور ناقابل یقین منظر دیکھ رہے تھے۔ جب ٹرک اسٹیج پر آگیا تو میں نے اسے پہلے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا۔ ہمزاد نے فوراً ہی اپنے نادیدہ ہاتھ آگے کئے اور ٹرک فضا میں بلند ہونے لگا۔ ٹرک میں بیٹھے ہوئے سپاہی حیرت و خوشی سے چیخنے لگے۔ ان کی چیخ و پکار سے مجمعے کا سکوت بھی ٹوٹ گیا اور وہ تالیاں بجانے لگا۔ ٹرک اب میرے سر سے اونچا تھا۔ پھر وہ ہاتھ بھر اوپر جا کر معلق ہوگیا۔

پھر وہ ٹرک میری انگلی پر گھومنے لگا۔ حالانکہ صرف میں ہی اس بات کو محسوس کرسکتا تھا کہ میری انگلی پر قطعی کوئی دباؤ یا وزن نہیں ہے اور ٹرک کا سارا وزن ہمزاد سنبھالے ہوئے ہے۔ پھر میں نے جس طرح آہستہ آہستہ ٹرک پر سے اپنے دونوں ہاتھ ہٹائے تھے۔ اب اسے نیچے اتارنے کے لئے دونوں ہاتھ ٹرک کے نیچے لگا دیئے۔ جیسے اب ٹرک کا بوجھ میرے دونوں ہاتھوں پر ہو۔ ٹرک آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔ اور اسی وقت اچانک میں نے محسوس کیا کہ جیسے میرے دونوں ہاتھوں پر ہزاروں من بوجھ آپڑا ہو۔ جیسے میری دونوں کلائیاں اور بازو ٹوٹ گئے ہوں۔ میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ غالباً ایک لمحے کا ہزارواں حصہ تھا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ اگر میں جلدی سے ٹرک سے ہاتھ ہٹا کر ایک طرف نہ ہوگیا تو اس کے بوجھ تلے دب کر مرجاؤں گا۔ اس احساس کے ساتھ ہی میں تیزی سے ایک طرف ہٹا اور گرتے ہی اپنے ہوش کھو بیٹھا۔ مگر ہوش کھونے سے پہلے میں نے ایک زہریلا قہقہہ ضرور سنا تھا اور اس قہقہے کو میں ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ وہ مہ پارہ کا قہقہہ تھا۔

مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ کسی نے غالباً میرے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے۔ میں نے چاروں طرف نظر گھمائی اور اس کے ساتھ میرے منہ سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی میرے پورے جسم سے سانپ لپٹے ہوئے تھے جو مجھے بری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ اور ایک طرف مجھے مہ پارہ کا حسین ہیولہ نظر آرہا تھا۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر اس ظالم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"صرف تم ہی مجھے دیکھ اور سن سکتے ہو شیخ! اور تمہارے جسم پر جو سانپ لپٹے ہوئے ہیں وہ بھی نادیدہ ہیں انہیں بھی تمہارے علاوہ کوئی اور دیکھنے کا اہل نہیں۔ لوگ تو صرف اتنا دیکھ رہے ہیں کہ تمہارا جسم بری طرح کچلا ہوا ہے۔ میں آج تمہاری دنیا سے ہمیشہ کے لئے جارہی ہوں اور حسب وعدہ تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ میں نے تم سے اپنا آخری انتقام لے لیا۔ اور یہ انتقام ایک عجیب نوعیت کا انتقام ہے۔ یہ انتقام میری غیر موجودگی میں بھی اب اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم مر نہیں جاتے۔ آج میں نے اس آخری انتقام کی ابتدا کردی ہے۔ میں تمہیں الجھن میں رکھنا نہیں چاہتی۔ اس لئے اپنے عجیب اور خوفناک انتقام کے بارے میں تمہیں سب کچھ بتا دینا چاہتی ہوں۔ تو سنو کہ جب تک تم زندہ رہو گے اپاہجوں اور محتاجوں کی زندگی بسر کروگے۔ تمہاری روح کو سکون نہ مل سکے گا۔ تم مسلسل جسمانی اذیت میں مبتلا رکھے جاؤ گے۔ اور اس کے لئے مجھے اب تمہاری دنیا میں بھی آنے کی ضرورت نہیں ہوگی تم نے اب سے ایک ہفتے قبل نیا جسم اپنایا ہے جسے میں نے آج مفلوج کردیا۔ تمہارے اس جسم کے دونوں ہاتھ ہمیشہ کے لئے ناکارہ کردیئے گئے ہیں۔ اور اب اس جسم کے بعد تم جو بھی جسم اپناؤ گے اسے اپنے لئے چند ہی دن بعد مصیبت اور عذاب میں پاؤ گے۔ ہر جسم کسی نہ کسی طور پر مفلوج ہوتا رہے گا۔ اب غالباً تم سب کچھ سمجھ چکے ہو اس لئے اب مجھے اجازت دو۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ تمہیں ایک ذہین اور بہادر دشمن نصیب ہوا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ ہیولا غائب ہوگیا۔ اور میرے جسم سے سانپوں کی گرفت بھی ختم ہوگئی۔ کچھ دیر بعد ہی میں اٹھ کر بیٹھنے کے قابل ہوگیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ میں اٹھنا چاہتا ہوں مجھے سہارا دیا اور اٹھا کر بٹھا دیا۔ مجھے اپنے دونوں ہاتھوں میں ٹیسیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ناقابل برداشت ٹیسیں۔ میں نے ہمزاد کو طلب کیا۔

"کیا تم مجھے اس عذاب سے نجات نہیں دلا سکتے؟" میں نے لوگوں کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے بمشکل رک رک کر ہمزاد سے کہا۔

"کیوں نہیں۔" ہمزاد بولا۔ اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے ہاتھوں پر پھیرے۔ اس کے ہاتھوں کی حرکتوں کے ساتھ ساتھ تکلیف کم سے کم ہوتی گئی۔

میں اٹھ کر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اسٹیج پر ٹرک بائیں بازو کے بل پڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ جیسے ہی میں نے ٹرک سے اپنے ہاتھ ہٹائے تھے ٹرک پہلو کے بل گرا تھا۔ دو تین سپاہی بھی زخمی ہوگئے تھے۔ مگر ان کی چوٹیں معمولی تھیں۔ مجمع اب رخصت ہوچکا تھا۔ کیونکہ میں کافی دیر بے ہوش رہا تھا اور اب میرے ارد گرد اس جلسے کے منتظمین اور میرے مرید رہ گئے تھے۔ گھنشیام کی لاش بھی اٹھائی جاچکی تھی۔ منتظمین تبصرہ کررہے تھے کہ یہ جلسہ بڑی عجیب نوعیت کا تھا۔ اس میں ایک شخص تو ہلاک ہوگیا تھا اور

دوسرا شدید مجروح ہوگیا۔

لوگوں کے رخصت ہوتے ہی میں نے ہمزاد کو طلب کرلیا۔

"وہ صرف چند لمحے ہی تھے جب میں نے اپنی تمامتر قوتوں کو سلب ہوتے محسوس کیا۔" ہمزاد نے میرے استفسار پر بتانا شروع کیا۔ "لیکن میں نے اپنی قوتیں زائل ہوتے ہوتے بھی آپ کو بچانے کی خاطر رُک دوسری سمت الٹ دیا تھا ورنہ آپ صرف ہاتھوں سے محروم نہ ہوتے بلکہ آپ کی زندگی کو بھی شدید خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔ اس پراسرار قوت کے بارے میں جس نے میری قوتیں سلب کرلیں میں کچھ بھی نہیں جان سکا۔ ہاں صرف قیاس ضرور کیا جاسکتا ہے اور....."

"اس کے بارے میں 'میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس کے بعد مہ پارہ کی روح نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا اس سے میں نے ہمزاد کو آگاہ کردیا لیکن وہ سب کچھ سن کر بھی خاموش رہا اور اس کی خاموشی کا سبب میں جانتا تھا۔ اس سے پہلے بھی مہ پارہ کے مقابلے میں 'میں اس کو بے دست وپا دیکھ چکا تھا۔

"بہرحال اب جو ہوگیا ہوگیا۔" ہمزاد نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"تمہیں اس سلسلے میں کوئی رنج کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں واقف ہوں کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔" میں نے ہمزاد کو ملول دیکھ کر کہا۔

پھر دوسری شام لوگوں نے ایک عجیب ہی منظر دیکھا۔ میرے سامنے کھانا رکھا تھا اور لقمے بن بن کر خود میرے منہ تک پہنچ رہے تھے۔ اور دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ پھر جب میں اس طرح کھانا کھا چکا تو پانی کا جگ اپنی جگہ سے اٹھا اور گلاس میں پانی گرنے لگا پھر وہ گلاس میرے ہونٹوں سے آلگا۔ اس بات سے صرف میں ہی آگاہ تھا کہ ہمزاد میرے دونوں ہاتھوں کی کسر پوری کر رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے ہمزاد کو رخصت کردیا اور کچھ دیر بعد ہی نہ جانے کیوں میری پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ میں نے لوگوں کو رخصت کردیا اور ہیں نیم دراز ہوگیا۔ غنودگی اب میرے ذہن پر پوری طرح چھانے لگی تھی۔

"ٹھہریئے! ٹھہریئے خطرہ ہے۔" اس آواز کو پہچاننے میں یقیناً مجھ سے دیر ہوئی۔ کیونکہ میں جوں جوں نیند میں ڈوبتا گیا وہ آواز دور ہوتی ہوئی معدوم ہوگئی۔ اور اس وقت میں نے جانا کہ وہ آواز ہمزاد کی تھی مگر اب میں حدود سے تجاوز کرچکا تھا۔ میں خواب اور بیداری کی سی ملی جلی کیفیت میں رنگ وخوشبو کے ہجوم میں گھرا ہوا تھا۔ میں نے جب ہمزاد کی آواز کے بجائے ایک لڑکی کی آواز سنی تو ایک دم گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ جگہ اور وہ لڑکی دونوں ہی میرے لئے اجنبی تھے۔

"کون ہو تم؟ اور میں یہاں کس طرح آگیا؟" اب میری آواز میں کسی قدر غصہ اور جھلاہٹ تھی۔

"تم یہاں آئے نہیں لائے گئے ہو اور میں کون ہوں اور تمہیں یہاں کیوں لائی ہوں یہ سب کچھ جاننے کے لئے تمہارے علم میں صرف اتنا آجانا کافی ہے کہ میں اس گھنشیام داس کی بیٹی ہوں جسے تم نے دھوکے سے مار دیا۔ میں جانتی ہوں کہ میرے باپ کے قاتل تم ہو صرف تم۔ ورنہ وہ اس سے پہلے سیکڑوں دفعہ اپنی پراسرار قوتوں کا مظاہرہ کرچکا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے پاس کیا پراسرار قوت ہے اس لئے میں نے قبل از وقت تمہیں اس قوت سے دور کردیا۔"

وہ کہے جارہی تھی اور میں حیرت زدہ سا اس کی باتیں سنے جارہا تھا۔ میں جان چکا تھا کہ میں ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہوکا ہوں۔

"میں یہاں تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گی۔" وہ پھر کہہ رہی تھی۔ میں تم سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لوں گی۔ تمہاری موت اتنی آسان نہیں ہوگی جتنی آسانی سے میرے باپ نے جان دے دی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھی اور زینے کی طرف بڑھی۔

"ٹھہرو!" میں چیخا۔ "تمہیں یقیناً کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"شیخ کرامت! غلط فہمی مجھے نہیں تمہیں ہے۔" وہ بغیر مڑے بولی۔ "وملا اتنی بھولی نہیں ہے کہ تمہاری باتوں میں آجائے۔"

"تو تمہارا نام وملا ہے۔" میں بولا "اور تم میرا نام بھی جانتی ہو؟"

"ہاں میں تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم کرچکی ہوں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر تمہیں ڈھیل دے دی جائے تو تم خطرناک بھی ہوسکتے ہو۔" اب وہ سیڑھیوں پر قدم رکھ چکی تھی۔ مجھے کچھ اور نہ سوجھا تو اس کے پیچھے لپکا۔ وہ ایکدم مڑی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"تم اب اپنی جگہ سے حرکت نہیں کروگے! سمجھے!" اس کی آواز مجھے کہیں دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔

اس کے جانے کے بعد دروازہ پھر باہر سے لگ گیا۔ اور میں نے اس کے ساتھ محسوس کیا جیسے اب میں اپنے جسم کو حرکت دے سکتا ہوں میں نے قدم اٹھائے اور تیزی سے زینہ چڑھنے لگا۔ میرے دونوں ہاتھ پہلے ہی مفلوج تھے۔ اس لئے میں نے

کاندھے سے دروازے کو زور زور سے دھکا دیا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ دروازہ خاصا مضبوط تھا میں مایوس ہو کر نیچے اتر آیا۔ اس کمرے میں زیادہ سامان نہیں تھا۔ ایک طرف صرف ایک مسہری بچھی ہوئی تھی۔ جس پر کچھ دیر پہلے میں اور وملا موجود تھے۔ اور کمرے کی دیوار کے برابر کونے میں ایک سیاہ سا مجسمہ پڑا تھا۔ میں بے بسی کے عالم میں مسہری پر آکر لیٹ گیا۔ میں چوہے دان میں پھنس کر رہ گیا تھا جہاں سے نکلنے کی کوئی راہ میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اب میں اس وقت کو کوس رہا تھا جب میں نے بیٹھے بٹھائے گھنشیام داس سے الجھنے کے بارے میں سوچا تھا لیکن اب ہو بھی کیا سکتا تھا۔ موت میری آنکھوں میں ناچ رہی تھی۔ وملا مجھے یقیناً تڑپا تڑپا کر مارنے پر قادر تھی۔ میں انہی خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ میں چونکا اس وقت جب میں نے اپنے دونوں پاؤں پر سرسراہٹ سی محسوس کی۔ میں نے پاؤں جھٹکے مگر اسی کے ساتھ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے لاتعداد سوئیاں میری پنڈلیوں میں اتر گئی ہوں۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اور میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ میری دونوں ٹانگوں پر سے سیکڑوں سرخ سرخ چیونٹے چلتے ہوئے میرے جسم کے بالائی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے ڈنک تیز اور نوکیلے ڈنک' میرے جسم میں پیوست ہو رہے تھے۔ میرے ہاتھ اگر مفلوج نہ ہوتے تو ممکن تھا میں ان سے اتنا نہ گھبراتا اور اس مصیبت سے نجات پانے کی کوشش کرتا۔ کچھ دیر ہی میں ان چیونٹوں نے کاٹ کاٹ کر میرا جسم سجا دیا اب میں پورے کمرے میں اضطراب وبے چینی سے دوڑتا پھر رہا تھا۔ مگر مجھے ان چیونٹوں سے نجات نہیں مل رہی تھی۔ وہ ہر طرف میرے جسم سے چمٹے ہوئے تھے۔ میرے سارے جسم پر ددوڑے پڑے ہوئے تھے اور ان میں سخت کھجلی ' جلن اور سوزش ہو رہی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کئی گھنٹے اس اذیت میں گزارے تھے اور پھر بے ہوش ہوگیا تھا۔

ہوش میں آنے پر میں نے خود کو اسی جگہ دیکھا لیکن اب چیونٹوں کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ ہاں ان کی یاد اب بھی میرے جسم پر جلن اور کھجلی کی صورت میں موجود تھی۔ مجھے ہوش آئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میں نے وملا کو دروازہ کھول کر نیچے آتے دیکھا۔

"کہو کیا حال ہیں؟ کچھ مزا آیا؟" اس کی آواز کا زہر میں نے اپنی روح میں اترتے ہوئے محسوس کیا مگر میں بے بسی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ "خاموش کیوں ہو؟ کچھ بولو نا۔ کیا تمہیں میری تواضع پسند نہیں آئی۔ اور ہاں سنو اتنی زیادہ دیر بے ہوش نہ رہا کرو۔ جلدی جلدی ہوش میں آجایا کرو تاکہ دوبارہ تمہاری تواضع کی جاسکے۔ شاید تمہیں اپنے جسم میں شدید کھجلی محسوس ہو رہی ہے لاؤ میں کھجادوں۔" اس نے کہا اور پھر نہ جانے کہاں سے اس کے ہاتھ میں ایک چمکیلا خنجر آگیا۔

وہ خنجر لئے میری طرف بڑھی۔ میں نے اٹھنا چاہا اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے لیٹے رہنے کے لئے کہا۔ اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے الجھی ہوئی تھیں۔

"تم اٹھنے کی کوشش نہیں کروگے۔" وہ بولی اور پھر اس نے بڑی بے رحمی سے جگہ جگہ سے میرے جسم کی کھال چھیل ڈالی جس سے خون رسنے لگا۔ میرے منہ سے چیخیں بلند ہو رہی تھیں لیکن وہ اپنے دلچسپ مشغلے سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہوئی تھی۔ مجھے تڑپتا اور سسکتا ہوا چھوڑ کر وہ کچھ دیر بعد ہی لوٹ آئی اس بار اس کے ہاتھ میں ایک بالٹی تھی چھوٹی سی بالٹی وہ میرے قریب آکر بڑی محبت سے بولی۔

"دیکھو تمہارا جسم کتنا گندہ ہو رہا ہے۔ کمبخت چیونٹوں نے اچھے خاصے جسم کی مٹی پلید کردی۔" یہ کہہ کر اس نے میرے لہولہان جسم پر بالٹی میں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکانا شروع کیا۔ پھر بولی۔ "اس پانی میں میں نے بطور خاص تمہارے لئے خاصا نمک گھولا ہے تاکہ تمہارے زخم اچھے ہوجائیں۔"

پانی کی ایک ایک بوند میرے جسم میں آگ لگا رہی تھی اور میں بری طرح چیخ رہا تھا۔

"ہمت سے کام لو۔ مرد آدمی ہو کر اس طرح چیختے ہو۔ لو میں جارہی ہوں بس۔" پھر وہ مڑی اور زینے پر چڑھنے لگی۔ اب میرے اندر اتنی ہمت و قوت بھی نہیں رہی تھی کہ میں یہ سوچ بھی سکتا کہ اٹھ سکوں۔ میں مسہری پر بے حس وحرکت پڑا صرف چیخ سکتا تھا۔

میں اب اپنی زندگی سے قطعی مایوس ہوچکا تھا کہ ایک رات سوتے سوتے اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ جو چیز میرے جاگنے کا سبب بنی تھی اب اس پر میں نے غور کیا اور مجھے حیرت ہوئی کہ یہاں پانی کس طرح آگیا کافی دیر میں اسی حالت میں پڑا سوچتا رہا۔ اچانک ہی جیسے میرے ذہن میں سیکڑوں چراغ جل اٹھے۔

"یقیناً ایسا ہی ہے۔" میں بڑبڑایا۔ اور اس کے ساتھ میں نے بمشکل اپنے نحیف اور زخمی جسم کو گھسیٹ کر مسہری سے نیچے اتارا۔ نیچے آتے ہی کمرے کے فرش پر بھی میں نے پانی محسوس کیا۔ میں اس پانی میں لوٹنے لگا۔ اب میری آنکھیں کسی قدر اندھیرے سے مانوس ہوچلی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ زینے کے

اوپری دروازے سے کچھ فاصلے پر بنے ہوئے سلاخوں دار روشندان سے پانی نیچے گر رہا تھا۔ بارش غالباً بہت تیز تھی۔ میں تقریباً لڑھکتا ہوا روشن دان کے نیچے پہنچ گیا۔ اب بارش کا پانی براہ راست میرے جسم پر پڑ رہا تھا۔ کچھ دیر ہی میں میرا تمام جسم پانی میں شرابور ہو چکا تھا۔ میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ پھر میں نے ہمزاد کو طلب کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔

"مجھے اس جہنم سے نکال لے چلو۔" ہمزاد کے آتے ہی میں چیخا۔

"گھبرائیے مت! اب میں آپ تک پہنچ چکا ہوں اب آپ کا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

پھر وہ مجھے لے کر بہت جلد میرے مکان تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے میری جسمانی حالت کو بہتر بنانے کے لئے میرے پورے جسم پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے اور مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہو۔

علی الصبح ہی میں بیدار ہو گیا۔ اب سب سے پہلے مجھے وملا کی فکر تھی۔ میں اس کے بارے میں ہمزاد سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ میرے سوال کرنے سے پہلے ہی ہمزاد نے مجھے وملا کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

"وملا اپنے باپ ہی کے ہمراہ افریقہ گئی تھی اور اس نے بھی وہاں اپنے باپ گھنشیام داس کی طرح بہت سے پراسرار علوم سیکھے تھے۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس کا باپ اپنی پراسرار قوتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے مارا گیا تو اس نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے یہ پتہ چلا لیا کہ اس کے باپ کی موت کا اصل سبب کیا تھا۔ پھر اس نے آپ کو پھانسنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور اس سے پہلے کہ میں آپ کو ہوشیار کر پاتا وہ اپنا کام کر گئی۔ اس نے یہ سب کچھ اتنی جلد اور خلاف توقع کیا کہ میں آپ کو آخر وقت ہی خطرے سے مطلع کر پایا لیکن اس وقت تک اس کا جادو آپ پر چل چکا تھا۔ پھر اس کے بعد اس نے آپ کو اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ آپ اس قابل ہو سکتے کہ مجھ سے مدد حاصل کر پاتے۔ وہ تو قدرت ہی کچھ مہربان تھی اور ابھی آپ کی زندگی تھی جو آپ بچ گئے ورنہ وہ آپ کو کسی صورت میں زندہ نہ چھوڑتی۔" ہمزاد یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"کیا اب اس کی طرف سے کوئی اور خطرہ لاحق نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"خطرہ تو ہے مگر میرے ہوتے ہوئے وہ اب آپ پر ہاتھ نہیں ڈال پائے گی۔ کیونکہ میں اس وقت تک اب آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ آپ اس سے اپنی بے بسی اور اذیت کا انتقام نہ لے لیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم معلوم کرلو۔ میری بھی خواہش ہے کہ میں اسے اسی طرح بے بس و مجبور دیکھ سکوں جس طرح اس نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔" میں نے کہا۔

غالباً تیسرے دن ہمزاد نے مجھے اطلاع دی کہ آج رات وملا کا فیصلہ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر چکا ہے۔ ہمزاد نے بتایا کہ وہ وملا کو آسانی کے ساتھ زیر کیا جا سکتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے مجھے تنبیہہ بھی کی کہ میں اس سے کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا ورنہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ہمزاد تو میری کوئی مدد نہیں کر پائے گا اور وملا اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے مجھے بے بس کر دے گی۔ ہرچند کہ بات میری طبیعت اور مزاج کے خلاف تھی۔ مگر میں نے مان لی۔ پھر اسی رات مغرب کے بعد ہمزاد نے ایک دم مجھے بتایا کہ غالباً وملا کو ہمارے ارادوں کے بارے میں علم ہو چکا ہے اس لئے وہ اب دہلی سے فرار ہو رہی ہے۔

"تو پھر اسے روکو۔ اسے بھاگنے نہ دو۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"لیکن اب وہ چوکنا ہو چکی ہے۔ اگر اب اسے روکنے کی کوشش کی گئی تو دوسری صورت میں وہ خودکشی کر لے گی۔" ہمزاد نے بتایا۔

مجھے ہمزاد کا یہ فیصلہ قبول کرنے کے لئے اپنے اوپر جبر کرنا پڑا۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ وملا اس آسانی سے بھاگ جائے اور وہ بھی میرے علم میں آنے کے باوجود۔ لیکن میں اس پر بھی راضی نہیں تھا کہ وہ خودکشی کر لے اور میں اپنے دل میں انتقام کی سلگتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا نہ کر سکوں۔

دن تیزی سے گزرتے رہے اور میرے ذہن سے وملا کا خیال محو ہوتا گیا اور پھر میں اسے بالکل ہی بھول سا گیا۔ لیکن اب مجھے اپنے ہاتھوں کی محرومی کے احساس نے بے چین کرنا شروع کر دیا۔ میں مفلوج ہونے کے سبب قدم قدم پر ہمزاد کا محتاج ہو کر رہ گیا تھا۔ آخر کار ایک دن تنگ آ کر میں نے ہمزاد سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس مفلوج جسم سے نجات حاصل کر لی جائے۔ ہمزاد کو میری رائے سے اتفاق نہیں تھا مگر وہ میری مرضی اور خواہش کے سامنے قطعی بے بس تھا۔

اس بار پھر قطب مینار کے قریبی کھنڈرات ہمارے کام آئے۔ سب کچھ نہایت سکون و اطمینان اور خوش اسلوبی کے ساتھ ہو گیا۔ نیا جسم بھی جوان اور خوبصورت تھا۔ چالیس دن گزارنے کے لئے یہ جگہ نہایت مناسب و موزوں تھی۔ اور اس

سے پہلے بھی میں یہاں رہ چکا تھا۔ لیکن ابھی صرف گیارہ دن گزرے تھے کہ ایک شام میں نے ان کھنڈرات کے قریب بہت سے قدموں کی چاپ سنی اسی کے ساتھ میری نظر ہمزاد کے چہرے پر پڑی جس پر مجھے فکر کے سائے سے منڈلاتے نظر آئے۔

"یہ بہت برا ہوا۔ میں نے اسے تو بالکل فراموش ہی کر دیا تھا۔" ہمزاد بڑبڑایا۔ "لیکن اب ہو بھی کیا سکتا ہے؟"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"وملا کی" ہمزاد نے جواب دیا۔ "آخر وہ اپنا کام کر ہی گئی۔ ہم تو اس کی غفلت سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے مگر وہ فائدہ اٹھا گئی۔ اور اب چالیس دن سے پہلے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ جانتی تھی کہ اس صورت میں بھی اس کا کوئی پراسرار حملہ کارگر نہیں ہوگا اس لئے اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ پولیس ان کھنڈرات میں آپ کو ڈھونڈ رہی ہے اور یقیناً یہاں تک پہنچ جائیں گے۔"

مجھے رہ رہ کر اپنی غفلت پر افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اپنے ایک دشمن کو کیوں فراموش کر دیا۔ میرے قریب ہی مجید کا کٹا ہوا سر اور میرا پرانا جسم پڑا ہوا تھا۔ مجید بھی میرا ایک مرید ہی تھا جس کو اس بار میں نے اپنے لئے منتخب کیا تھا۔ پولیس لازمی طور پر مجید کے قتل میں مجھے گرفتار کرے گی اور وہ بھی اسی حالت میں۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم یہ سر اور بقیہ جسم یہاں سے غائب کر دو۔" اچانک میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"آپ جانتے ہیں کہ ان چالیس دنوں میں خود میں بھی قطعی طور پر بالکل آپ کی طرح مفلوج ہو کر رہ جاتا ہوں اگر ایسا ممکن ہوتا تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔" ہمزاد کی فکر میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس کے الفاظ ختم ہوتے ہی میری سماعت سے ایک بھاری بھرکم آواز ٹکرائی۔

"وہ رہا.... وہ ادھر۔" کوئی چیخا اور میرے اوسان خطا ہو گئے۔ خطرہ بالکل میرے سر پر پہنچ چکا تھا۔

پھر بیک وقت کئی پولیس والے ان کھنڈرات میں داخل ہو گئے۔ میں خود سے اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس لئے پولیس والوں کے وہاں پہنچنے کے باوجود بھی اسی طرح لیٹا رہا۔

"اٹھو!" ایک پولیس والا گرجا۔

"میں اس قابل نہیں ہوں۔" میں نے نحیف سی آواز میں جواب دیا۔

"ارے!" کسی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ غالباً اس کی نظر مجید کے کٹے ہوئے سر پر پڑ گئی تھی۔ پھر کچھ اور پولیس والے کھنڈر میں داخل ہوئے انہیں میں ایک انسپکٹر بھی تھا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں چونکا وہ میرا شناسا اور عقیدت مند تھا۔

"آ.... آپ۔" وہ مجھے اس حال میں وہاں پڑا ہوا دیکھ کر ہکلایا۔

مگر میں خاموش رہا۔ کچھ دیر ہی میں مجید کا کٹا ہوا سر اور بقیہ جسم وہاں سے اٹھوا لیا گیا اور جب پولیس والوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی میں اپنے پیروں پر اٹھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تو انہوں نے مجھے بھی اٹھوایا اور پولیس کے ٹرک میں ڈال دیا۔ مجید کا تعلق بھی دہلی کے ایک بڑے خاندان سے تھا۔ اسی لئے پولیس کے اعلیٰ افسران بھی وہاں موقعے پر موجود تھے۔ مجھے پہلے حوالات میں ڈالا گیا اور مجھ سے پوچھ گچھ شروع ہوئی لیکن میں نے اب مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ یہ خبر چھپی نہ رہ سکی کہ میں ایک قتل کے سلسلے میں ملوث ہو کر گرفتار ہو چکا ہوں۔ دہلی میں میری شخصیت معمولی لوگوں میں نہیں تھی۔ بڑے بڑے لوگ میرے مریدوں میں تھے۔ ان سب کا تانتا بندھ گیا۔ انہوں نے انتہائی کوشش کی کہ مجھے ضمانت پر رہا کرا لیں مگر مجید کے اہل خاندان بھی کم بارسوخ نہیں تھے۔ نتیجے کے طور پر ضمانت بھی نہ ہو سکی۔ ادھر میں نے بھی اقبال جرم نہیں کیا تھا۔ پولیس کے اعلیٰ حکام عجب شش و پنج میں تھے کہ کریں تو کیا کریں۔ میں ایسا گیا گزرا شخص بھی نہیں تھا کہ وہ مجھ پر تھرڈ ڈگری کا استعمال کر سکتے۔ کیونکہ خود افسران میں میرے بہت سے عقیدت مند تھے۔ دن گزرتے گئے اور پھر مجھے حوالات سے جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ سارا شہر جیسے اس مقدمے کی کارروائی سننے لے لئے امنڈ پڑا تھا۔

میرے ایک صاحب حیثیت مرید نے ایک بڑا وکیل میری پیروی کیلئے کھڑا کیا تھا۔ وہ نوجوان اور ذہین وکیل مجھ سے بھی ملا اور حقیقت حال دریافت کرنا چاہی۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہا تھا کہ کسی بھی طرح صرف اٹھارہ دن اس کیس کا فیصلہ نہ ہونے دو۔ کیونکہ اس وقت چالیس دن پورے ہونے میں اٹھارہ دن باقی تھے۔ جب وہ وکیل مجھ سے ملا تھا تو وہ میری عجیب و غریب بات نہ سمجھ پایا تھا اور یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ کوشش کرے گا۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور چالیس دن پورے ہونے سے نو دن پہلے ہی میری تقدیر کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ مجھے عدالت نے پھانسی کا حکم دیا تھا۔

چالیس دن پورے ہونے سے صرف ایک دن پہلے مجھے پھانسی ہونے والی تھی۔ جیل میں مجھ سے میرے مرید اور معتقد ملنے آئے۔ مرزا معین سے میں نے صرف اتنا کہا کہ ہائی کورٹ میں فوراً اپیل کر دی جائے۔

پھر چالیسواں دن بڑی بے تابی اور اضطراب کے ساتھ

گزرا۔ اب میں اندھیرے کا منتظر تھا اور جب ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تو ہمزاد میرے لئے غسل صحت کی تیاری کرنے چلا گیا۔ مجھے جس کوٹھڑی میں رکھا گیا تھا وہاں میں تنہا ہی تھا۔ کچھ دیر بعد ہی ہمزاد لوٹ آیا پھر میں نے غسل کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔

"نئی زندگی اور نیا جسم مبارک ہو۔" ہمزاد کی آواز گونجی۔

"اور تمہیں بھی۔" میں نے جواباً کہا۔

"اب ہماری منزل متھرا ہے۔ غالباً آپ وملا سے نمٹنا پسند کریں گے۔" ہمزاد نے مجھے یاد دلایا۔

"کیوں نہیں۔" میں فوراً بولا۔ "میں اسے کس طرح بھول سکتا ہوں۔"

اسی رات ہمزاد مجھے متھرا لے پہنچا۔ پتھریلی گلیوں سے گزرتا ہوا وہ ایک بڑے سے مکان کے سامنے پہنچ کر رک گیا اور مجھے مخاطب کرکے بولا۔

"ہمارے لئے یہ بات انتہائی سود مند ہے کہ وہ اس وقت خوابیدہ ہے اور اس پر غفلت میں قابو پایا جا سکتا ہے۔ آپ کو غالباً وہ منظر اب تک نہیں بھولا ہوگا جب آپ نے مہ پارہ پر فتح حاصل کی تھی۔ وہ بھی ہمیں خوابیدہ ملی تھی۔"

"ہاں مجھے یاد ہے لیکن اس وقت میں مہ پارہ کا منحوس تصور نہیں کرنا چاہتا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم اپنا کام شروع کرو۔"

چند لمحے بعد ہی وہ مجھے لے کر مکان میں داخل ہوگیا لیکن جیسے ہی ہم نے اس کمرے میں قدم رکھا جہاں وملا خوابیدہ تھی مجھے ایک عجیب سی گونج سنائی دی۔ اور میرے کان اس آواز سے سن سے ہوگئے۔ اسی آواز کے ساتھ اچانک وملا اپنے بستر پر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مجھے اس طرح ایک دم اپنے کمرے میں دیکھ کر ایک لمحے کو اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔

"آخر میں تم تک پہنچ گیا۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں تم پہنچ تو گئے مگر میرے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔" وہ پھنکاری۔

"اس بار میرے ہاتھ مفلوج نہیں ہیں۔" میں نے زہر قند کے ساتھ کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ میں تمہارے کمرے میں داخل ہوتے ہی کس طرح خود بہ خود بیدار ہوگئی۔ میرے علم میں آئے بغیر کوئی بھی میری خواب گاہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتی ہوں۔ بولو کیا تم تیار ہو؟" وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"تم اب اس منزل میں نہیں ہو کہ مجھ سے کوئی سودا کر سکو۔

"یہ میں بھی جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم اگر چاہو تو میری تمام پراسرار قوتیں اپنی پراسرار قوت کے ذریعے سلب کرتے ہو۔ لیکن اس صورت میں تم میرے جوان اور حسین جسم سے محروم ہو جاؤ گے۔ اگر تم مجھے اپنانے کا وعدہ کرو تو میں اس پر بھی تیار ہو سکتی ہوں کہ اپنے باپ کے انتقام کا خیال اپنے ذہن سے نکال دوں اور ہمیشہ کے لئے تمہاری ہو جاؤں۔"

"یہ ناممکن ہے قطعی ناممکن۔ اگر تم حقیقتاً زندگی بھر میرا ساتھ نبھانے پر آمادہ ہو تو تمہیں اس کے لئے کچھ قربانیاں دینی ہوں گی۔"

"میں تمہیں حاصل کرنے کے لئے ہر قربانی دینے پر آمادہ ہوں۔" اس کی آواز میں پختگی تھی۔

اور پھر میں یہ جان کر سخت حیرت میں پڑ گیا کہ وہ اپنا مذہب بھی چھوڑنے پر آمادہ تھی۔ لیکن پراسرار قوتوں سے دستبردار ہونے پر وہ فوری طور پر آمادہ نہ ہوئی۔ کچھ دیر کی بحث و تکرار کے بعد آخر وہ اس پر بھی تیار ہوگئی۔ مجھے جیسے میری کھوئی ہوئی جنت مل گئی۔ میں نے ہمزاد کو اشارہ کیا۔ اس نے میرے اشارے پر وملا کے گرد ایک حصار قائم کر دیا۔ اور مجھ سے مخاطب ہوا۔

"صبح تک یہ اپنی تمام قوتوں سے محروم ہو چکی ہوگی۔ اب چلئے۔"

"میں صبح آؤں گا اور کل تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" میں نے وملا سے کہا اور ہمزاد کے ہمراہ وہاں سے چل دیا۔ شہر سے باہر ایک ویران سی مسجد میں میں نے پناہ لی۔ راستے میں ایک جگہ ہنگامہ دیکھ کر میں نے اس کی وجہ ہمزاد سے دریافت کیا۔

ہمزاد نے مجھے بتایا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باقاعدہ ٹھن گئی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان کے قیام کو صرف چند دن گزرے تھے اور پورے ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ اسی رات مجھے ایک اور خیال آیا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں بھی یہاں سے پاکستان چلا جاؤں۔ ہندوستان میں میرا تھا بھی کون؟ سوائے چند اذیت ناک یادوں کے۔ دوسرے میں جیل سے فرار ہوا تھا اور میں بہر حال مجرم تھا مجھ پر دو قتل کرنے کا الزام تھا۔ اس طرح پولیس کی دسترس سے بھی بچ سکتا تھا۔ اس رات میں نے اپنے ذہن میں یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ میں وملا کو اپنے ساتھ لے کر فوراً پاکستان روانہ ہو جاؤں گا۔

صبح ہوتے ہی ہمزاد مجھے وملا کے گھر لے پہنچا۔ میں اسے لے کر پھر شہر سے باہر اسی ویران مسجد میں آگیا۔ اب میں رات ہونے کا منتظر تھا۔ میں نے ہمزاد سے اپنی رائے کا اظہار کر دیا تھا۔ اور وملا کو بھی اپنے ارادے سے باخبر کر دیا تھا۔ اس کی

خواہش تھی کہ بجائے مغربی پاکستان کے مشرقی پاکستان کے کسی شہر میں چلا جائے۔ بنگال ایک بار پھر مجھے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ میں نے وملا کے خیال سے اتفاق کیا اور رات ہوتے ہی میں نے ہمزاد سے کہا کہ وہ ہمیں ڈھاکہ پہنچا دے۔

ڈھاکہ پہنچ کر صدر گھاٹ کے علاقے میں مجھے ایک بڑا سا مکان حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ وہاں پہنچنے کے دوسرے ہی دن میں نے وملا کو ایک مولانا کے ہاتھ پر اسلام قبول کرایا اس کا نام میں نے جمیلہ تجویز کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے نکاح پڑھوالیا۔ وملا خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔

وہ میری شادی کی پہلی رات تھی اور میرا دل بے انتہا مسرور تھا۔ میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مگر اس کے باوجود مجھے ایک انجانی سی خوشی تھی۔ میں نے جو مکان خریدا تھا وہ دو منزلہ تھا۔ سر شام ہی میں نے اور وملا نے اوپری منزل کا ایک کمرہ شب عروسی کے لئے سجانا شروع کر دیا۔ پھر میں کسی کام سے مکان کے نچلے حصے میں جانے کے لئے زینے کی طرف بڑھا لیکن پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی مجھے زور کا چکر سا آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میرے جسم کا توازن بگڑا اور میں سیڑھیوں کو دیکھنے لگا۔ میرے منہ سے چیخیں بلند ہونے لگیں۔ جنہیں سن کر وملا میری طرف دوڑی مگر اس وقت تک میں زینے سے لڑھک کر نیچے پہنچ چکا تھا۔ میری سماعت میں ایک زہریلا قہقہہ گونج رہا تھا اور اس قہقہے کو میں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ مہ پارہ کا قہقہہ تھا۔ "انتقام" میرے ذہن میں صرف ایک لفظ گونجا اور میں بے ہوش ہوگیا۔

اب میرے مرنے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے اس لئے میں تمہیں اختصار سے صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ ایک بار پھر میرا نچلا دھڑ بے کار ہو کر رہ گیا۔ پھر اس حادثے کے دوسرے دن ایک حادثہ اور ہوا بالکل غیر متوقع طور پر جس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انسان سب کچھ بھول سکتا ہے مگر اپنے دل سے انتقام کے جذبے کو نہیں نکال سکتا اگر ہمزاد بروقت دخل اندازی نہ کرتا تو میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ بس اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی تھی اور میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس نے میرے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ وملا خنجر تانے مجھ پر حملہ آور ہونے والی تھی۔ میں نے اٹھنا چاہا تھا مگر میرا جسم مفلوج تھا۔ پھر اسی لمحے میں نے ہمزاد کا سایہ وملا کے قریب لہراتے دیکھا تھا اور دوسرے ہی لمحے اس سے پہلے کہ میں ہمزاد کو حکم دیتا وہ وملا کا کام تمام کر چکا تھا۔ پھر ہمزاد نے اس کی لاش بھی ٹھکانے لگا دی تھی۔ یہ میرے لئے ایک بڑا ذہنی دھچکا تھا مگر میں نے کسی طرح اسے برداشت کرلیا اور میں نے اس رات فیصلہ کیا کہ اب میں کبھی کسی عورت کی مستقل رفاقت کا خواب نہیں دیکھوں گا۔ اور اپنی بقیہ زندگی میں میں نے اسی پر عمل کیا۔

کچھ ہی دن میں، میں پھر اپنے مفلوج جسم سے بیزار ہوگیا۔ ہر چند کہ اب میں جان چکا تھا کہ مہ پارہ مجھے سکون کے ساتھ زندہ نہیں رہنے دے گی۔ میں جو جسم بھی حاصل کروں گا وہ اسے بھی مفلوج کر دے گی مگر اس کے باوجود میں چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس اپاہج جسم سے نجات حاصل کرلوں جس نے میری زندگی تلخ کر دی تھی۔ اب اس جسم کے ساتھ مجھے کئی سال گزر چکے تھے اور اب تک میں صرف مہ پارہ کے انتقام کا خیال کرکے جسم تبدیل کرنے سے باز رہا تھا لیکن اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ ہمزاد کی تاکید کے باوجود میں اپنی خواہش سے دامن نہ بچا سکا۔ ڈھاکا میں، میں نے یہ چند سال نہایت خاموشی سے گزارے تھے۔ اب پہلی بار مجھ سے کوئی جرم سرزد ہونے والا تھا۔

میں اب ایک دن بھی یہ مفلوج جسم برداشت نہیں کر سکتا چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔" آخر ایک دن تنگ آکر میں نے ہمزاد سے کہا اور اسے میری خواہش کے سامنے سر جھکانا ہی پڑا۔ نیا جسم بالکل نوخیز تھا۔ وہ ایک پندرہ سال کا حسین و خوبصورت لڑکا تھا۔ ہمارے ہی پڑوس میں رہتا تھا اور کئی مہینے سے اس پر میری نظر تھی۔ وہ اکثر میرے گھر بھی آتا تھا۔ محمد ہاشم نام تھا۔ بڑی پیاری پیاری اور معصوم باتیں کرتا تھا۔ تم جو یہ جسم اب دیکھ رہے ہو۔ یہ اسی کا جسم ہے۔ نئے جسم سے پوری طرح ہم آہنگ ہو کر اور چالیس دن سکون و اطمینان سے گزارنے کے بعد میرا جی ڈھاکا سے بھی کہیں اور چلنے کے لئے چاہا۔ اس بار میری منزل چاٹگام تھی۔ یہاں آکر میں نے بظاہر اپنی آمدنی کے ذرائع ظاہر کرنے کے لئے تجارت شروع کر دی۔ اس طرح میرا وقت بھی آسانی سے گزر جاتا تھا۔ یہاں میں نے ایک بار پھر اپنا بچھڑا ہوا نام اپنا لیا تھا۔ لوگ مجھے شیخ کرامت ہی کے نام سے پکارنے لگے۔ اس طرح ایک طویل عرصے کے بعد مجھے اپنا نام پاکر ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔

پانچ سال پہلے اچانک ایک رات میرے سینے میں شدید درد ہوا اور میں رات بھر تڑپتا رہا۔ صبح ڈاکٹروں کو دکھایا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے معدے کا سرطان ہے۔ جب میں ڈاکٹر انوار الحق کے پاس سے لوٹ رہا تھا تو راستے میں مجھے وہی زہریلا قہقہہ سنائی دیا۔ مہ پارہ کا قہقہہ اور میں تڑپ کر رہ گیا آخر وہ اپنے انتقام سے باز نہیں آئی۔ لیکن اب میں فیصلہ کر چکا تھا کہ چاہے کچھ بھی

ہوجائے میں یہ جسم نہیں چھوڑوں گا۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا اور اب سے پندرہ دن پہلے میری حالت سخت خراب ہوگئی۔ ہمزاد کے مشورے پر میں اسپتال میں داخل ہوگیا اور یہاں آنے کے تین چار دن بعد ہی ایک شب میں نے ہمزاد سے ایک ایسی خبر سنی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

"اب ہمارے بچھڑنے میں بہت کم دن رہ گئے ہیں۔" ہمزاد نے دکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ پایا۔" میں نے اس سے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"آپ اب سے دس دن بعد مجھے آزاد کرنے کے پابند ہیں۔ اب سے سو سال پہلے کیا ہوا عہد یاد کیجئے۔ جب آپ نے مجھ پر قابو پایا تھا۔" ہمزاد بولا۔

"تو پھر میں بغیر تمہارے زندہ رہوں گا۔" میں نے کہا۔ ابھی تک مجھے حالات کی سنگینی کا احساس نہیں ہوا تھا کہ ہمزاد کی آزادی کا مطلب کتنا بھیانک ہے۔

"کاش آپ میرے بغیر زندہ رہ سکتے۔" ہمزاد کی آواز بھرا گئی۔

"کیوں.... کیوں.... آخر یہ کیوں نہیں ہوسکتا؟"

"اس لئے کہ میرے آزاد ہوتے ہی آپ کے سر اور بقیہ جسم کا رابطہ ختم ہوجائے گا کیونکہ یہ رابطہ میری ہی وجہ سے اب تک قائم رہا ہے۔"

ہمزاد کی بات سن کر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میرا دل ڈوبنے لگا۔ اس سے پہلے کبھی میں نے اپنی موت کو خود سے اتنے قریب محسوس نہیں کیا تھا۔ میں نے پہلے سمجھا تھا کہ وہ آزاد ہو کر مجھ سے رخصت ہوجائے گا مگر یہ میری بھول تھی۔ اب سے چند لمحوں بعد وہ میرے جسم میں پناہ حاصل کر کے میری ہی طرح ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو جائے گا۔